مراثی انیس

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور

مراثی انیس

مکمل

جلد سوم

تیس (۳۰) مراثی

جن میں

آٹھ مراثی "ادب حاضر" کے لئے سرمائے کی حیثیت رکھتے ہیں

نیز ۳۵ رباعیات اور آٹھ سلام

جن کا ایک ایک مصرعہ ادبی دور کے لئے نایاب تحفہ ہے

ترتیب

نائب حسین نقوی امروہوی

ناشرین

کتاب منزل لاہور

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پرنٹرز و پبلشرز، کشمیری بازار لاہور، بندر روڈ کراچی (پوسٹ بکس ۵۲۸ لاہور)

سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۲۶

تصنیف ... ... میر ببر علی انیس

مقدمہ ... ... سید احتشام حسین

ترتیب ... ... تائب حسین نقوی

طابع ... ... شیخ نیاز احمد

مطبع ... ... علمی پرنٹنگ پریس لاہور

تعداد اشاعت ... ... ۱۰۰۰ سیٹ

مقام اشاعت ... ... کتاب منزل کشمیری بازار لاہور

سال اشاعت ۱۹۵۹ء

قیمت مکمل بلا جلد چاروں حصے ... بتیس روپے -/۳۲ روپے

قیمت مکمل مجلد چاروں جلدیں... ... چھتیس روپے -/۳۶ روپے

خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو　　لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار

مراثیِ انیسؔ

جلد سوم

تیس (۳۰) مراثی

جن میں

آٹھ مراثی "ادبِ حاضر" کے لئے سرمائے کی حیثیت رکھتے ہیں

نیز ۳۴ رباعیات اور آٹھ سلام

جن کا ایک ایک مصرعہ اُدَباء کے لئے نایاب تحفہ ہے

ترتیب

نائب حسین نقوی امروہوی

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز (کتاب منزل، کشمیری بازار، لاہور

شیخ نیاز احمد پرنٹر و پبلشر نے اپنے علمی پرنٹنگ پریس لاہور
میں چھپوا کر (کتاب منزل) کشمیری بازار لاہور سے شائع
کیا

تعارف

موجودہ جلد میں تین۲۰ مراثی شامل ہیں جو ۲۱۹۷ بند پر مشتمل ہیں۔

حسب ذیل مراثی۔ خصوصاً اصناف شاعری کے لحاظ سے بلند پایہ ہیں۔

اِن میں مناظر قدرت۔ منظر نگاری۔ جنگ۔ سراپا۔ گھوڑے اور تلوار کی تعریف۔ امام کی اہل بیت سے رخصت اور دیگر اصناف شامل ہیں۔

مرثیہ نمبر ۲۔ جب منزل مقصد پہ امام زمن آئے۔

مرثیہ نمبر ۳۔ پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح (اس مرثیے میں صبح کا منظر اور دیگر اصناف شامل ہیں)

مرثیہ نمبر ۵۔ طے کر چکا جب منزل شب کاروان صبح (صبح عاشور کا منظر)

مرثیہ نمبر ۶۔ غل ہوا اعدا میں کہ زینبؑ کے پسر آتے ہیں

مرثیہ نمبر ۸۔ عباس علی شیر نیستان نجف ہے

مرثیہ نمبر ۱۴۔ برہم ہے مرقع چمنستانِ جہاں کا

مرثیہ نمبر ۱۹۔ جب تیغ ید اللہ کھنچی دشت وغا میں

مرثیہ نمبر ۲۰۔ جب رن میں آمد آمدِ سلطان دیں ہوئی

والسلام

مُرتب

نائب نقوی

فہرست مراثی

جلد سوم

فہرست رُباعیات

جلد سوم

فہرست سلام

جلد سوم

مرثیہ ۱ — بند ۹۸

کعبے سے کیا جب کہ سفر قبلۂ دیں نے
پائی نہ اماں رازِ الٰہی کے امیں نے
درپے تھے عدو سبطِ رسولِ عربیؐ کے
یارانِ وطن سے بھی چھٹے گھر سے بھی چھوٹے
کچھ بس نہ چلا تربتِ شبّر سے بھی چھوٹے
مضطر کیا بے دینوں نے کعبے میں بھی آ کے

کعبے میں مدینے سے یہ تھے سوچ کے آئے
اللہ کے گھر میں کوئی شاید نہ ستائے
اللہ نے پیدا کیا کعبے میں علیؑ کو
احرام تلک باندھ چکے تھے شہِ ابرار
ہیں قافلۂ حاج کے ہمراہ ستم گار
پایا جو تردّد کا محل سرورِ دیں نے

اعمال میں حج کے تو ہے یہ حکم خدا کا
اللہ کا وہ گھر یہ محمدؐ کا نواسا
گر کھولتا احرام نہ پیارا وہ نبیؐ کا
مضطر تھے شبِ ہشتمِ ذی الحجہ کو شبّیرؑ
کرتے تھے کبھی یاس سے رو رو کے یہ تقریر
پھر کر جو وطن جائیں تو جانا نہ ملے گا

چھوڑا وہ مکاں دوشِ محمدؐ کے مکیں نے
عزمِ سفرِ مرگ کیا گوشہ نشیں نے
مہلت نہ ملی حج کی نواسے کو نبیؐ کے
اور فاطمہؑ کے مرقدِ انور سے بھی چھوٹے
بیٹی سے چھٹے قبرِ پیمبرؐ سے بھی چھوٹے
راحت نہ ملی شہریںؑ نے گھر میں خدا کے

تھے اہلِ حرم کو بھی اِسی واسطے لائے
سو واں بھی یہ تھا خوف کہ حج کرنے نہ پائے
اور جائے سکونت نہ ملی سبطِ نبیؐ کو
جو کُھل گیا احمدؐ کے نواسے پہ یہ اَسرار
یا قتل کریں طوف میں یا کر لیں گرفتار
عُمرے سے دیا حج کو بدل سرورِ دیں نے

پہنچے کو نہ دو عالمِ احرام میں ایذا
سیّد کے ستانے کو وہاں آئے تھے اعدا
کعبے میں گلا کاٹتے فرزندِ علیؑ کا
تھا قصدِ مصمم کہ سوئے کوفہ ہوں رہ گیر
اب یاں سے کہاں دیکھیے لے جاتی ہے تقدیر
اب ہم کو بجز قبر ٹھکانا نہ ملے گا

تھے سبطِ نبیؐ کوچ کی تدبیر میں اُس رات
بھائی سے بغل گیر ہوئے شاہِ خوش اوقات
کی آکے جو ابنِ حنفیہ نے ملاقات
کی عرض محمدؐ نے کہ اے قبلۂ حاجات!
کوفے کی طرف جانے میں اندیشۂ جاں ہے
مکّے میں مکیں ہو کہ بزرگوں کا مکاں ہے

ہیں آپ ہی اب وارثِ ذرّیتِ حیدرؑ
کعبے سے اُدھر آپ کا جانا نہیں بہتر
حق آپ کا سایہ رکھے ہم لوگوں کے سر پر
اندیشہ ہے کہ کچھ رنج نہ پہنچائیں ستم گر
ان لوگوں کو مطلق نہ حمیت نہ حیا ہے
ظاہر میں طرفدار ہیں طینت میں دغا ہے

حیدرؑ رہیں نہ زہراؑ نہ حسنؑ ہیں نہ پیمبرؐ
حضرت ہی کے رہنے سے مدینہ ہے منوّر
تم چار بزرگوں کی نشانی ہو برادر
سُن سُن کے فروغ آپ کا جلتے ہیں ستم گر
اِس شمع کو بھی گُل نہ کریں مجھ کو یہ غم ہے
اب پنجتنِ پاک میں حضرت ہی کا دم ہے

کیا والدِ ماجد نے ستایا تھا کسی کو
راحت نہ ملی کوفے میں دامادِ نبیؐ کو
دولت سے نہ دنیا سے علاقہ تھا علیؑ کو
بے جُرم کیا قتل محمدؐ کے وصی کو
کیوں کر کہیں حضرت سے بُرائی نہ کریں گے
سادات کے دشمن ہیں بھلائی نہ کریں گے

حضرت نے کہا ہوتا ہوں ناچار روانا
میں بیکس و مظلوم ہوں دشمن ہے زمانا
بھاتا ہے کسے اپنا وطن چھوڑ کے جانا
اب تو ہے مدینے میں نہ مکّے میں ٹھکانا
حاسد ہے کوئی درپئے آزار ہے کوئی
حامی ہے نہ کوئی نہ مددگار ہے کوئی

کرتا نہ سفر گر مجھے کوئی نہ ستاتا
مرقد سے بزرگوں کے مقدر ہے چھُڑاتا
باہر کبھی روضے سے محمدؐ کے نہ جاتا
میں کیا کروں بھائی مجھے کچھ بن نہیں آتا
بے دینوں کو جینا مرا منظور نہیں ہے
ہو جاؤں یہیں قتل تو کچھ دور نہیں ہے

اس امر کے درپے ہے یزیدِ ستم ایجاد
ڈرتا ہوں یہاں قتل کریں گے مجھے جلاد
باقی رہے دنیا میں محمدؐ کی نہ اولاد
حرمت حرمِ کعبہ کی ہو جائے گی برباد
کعبے سے میں نکلوں یہ گوارا مجھے کب ہے
ناچار ہوں دوری کا سبب پاسِ ادب ہے

تھا قصد کہ ہوں مُعتکفِ خانۂ معبود
جاتا ہے کوئی چھوڑ کے کب منزلِ مقصود
افسوس رہِ امن و اماں ہو گئی مسدود
پر کیا کروں رہنے نہیں دیتے مجھے مردود
میں اور حرمِ خالقِ اکبر سے نکلتا
اِس گھر سے حسینؑ ابنِ علیؑ مر کے نکلتا

ابنِ حنفیہ نے کہا تب بہ سماجت
واں آپ کے والد کی ہے شیعوں کی سکونت
کیجئے گا سرافراز تو قدموں پہ گریں گے
بالفرض یمن میں بھی جو آرام نہ پاؤ
تکلیف بیاباں میں سہو رنج اُٹھاؤ
بچوں پہ کرو رحم کہ چھوٹے ابھی سن ہیں
فرمایا جہاں جاؤں کروں قصد جدھر کا
اب دھیان ہے شبیر کو بچوں کا نہ گھر کا
گر کوچ سوئے کوفہ نہ ہوئے گا برادر!
یہ سُن کے محمدؐ نے کیا اور بھی اصرار
شہ نے کہا اسباب تو ہے کوچ کا تیار
جاتا ہے تو ایذا کو بھی سہہ جائے گا شبیرؑ
چڑھنے لگے رہوار پہ جب سبطِ پیمبرؐ
چھٹتا ہوں ترے گھر سے میں ای خالقِ اکبر!
پاس آن کے دَر سے جو ترے دور چلا ہوں
بچے مرے ہمراہ ہیں گرمی کا سفر ہے
پر فضل و کرم پر ترے بندے کی نظر ہے
ہر حال میں سایہ ترے سَر پر ہے ہمارا
کعبے کی جدائی سے عبث ہوتا ہے مضطر
جس راہ میں جاتا ہے تو اے سبطِ پیمبرؐ
الفت ہمیں تیری ہے تجھے چاہ ہماری
یہ سُن کے بڑھایا شہِ مظلوم نے رہوار
قدموں سے لپٹ کر کہا یا سیدِ ابرار!
میں سمجھا تھا شب کو کہ ٹھہر جاؤ گے مولا!

گر جائیے تو سوئے یمن جائیے حضرت!
وہ لوگ ہیں سب اہلِ وفا اہلِ مروت
پھر جائے زمانہ نہ وہ حضرت سے پھریں گے
شہروں سے کنارہ کرو جنگل کو بساؤ
پر بہرِ خدا کوفے کی سرحد میں نہ جاؤ
اس راہ میں پانی ہے کم اور گرمی کے دن ہیں
چھوڑے گی اجل ساتھ نہ زہراؑ کے پسر کا
اب کا یہ سفر مجھ کو وسیلہ ہے ظفر کا
پھر کون مری قبر میں ہوئے گا برادر!
جھک جھک گئے قدموں پہ برادر کئی بار
پھر جانے نہ جانے میں کروں مشورہ یک بار
رہنا ہے مقدر میں تو رہ جائے گا شبیرؑ
فرمایا سوئے کعبہ یہ کی ہاتھ اُٹھا کر
اس سال ہوا حج بھی نہ خادم کو میسّر
تو عالم و دانا ہے کہ مجبور چلا ہوں
رستہ بھی خطرناک ہے منزل پہ بھی ڈر ہے
ناگاہ صدا آئی کہ کیا تجھ کو خطر ہے
ہم پاس ہیں تیرے ترا دل گھر ہے ہمارا
حاجی سے مجاہد کا کہیں رتبہ ہے بہتر
اِک ایک قدم ہے ثوابِ حجِ اکبر
یہ گھر ہے ہمارا تو وہ ہے راہ ہماری
جو آئے پھر ابن حنفیہؓ بدلِ زار
اِس جلدی کے جانے کا سبب کیجئے اظہار
کیا آج ہی بیکس ہمیں کر جاؤ گے مولا!

لپٹا کے گلے بھائی کو رونے لگے حضرت — فرمایا کہ تھا رات تلک قصدِ اقامت
لیکن مجھے نیند آ گئی جب تم ہوئے رخصت — رویا میں میسّر ہوئی نانا کی زیارت
تھا اشکوں سے تر چہرۂ گل روئے محمدؐ — آلودہ تھے سب خاک سے گیسوئے محمدؐ

رو کر یہ کہا میں نے کہ یا شاہِ خوش اقبال — بندہ تو ہے آفت میں یہ کیا آپ کا ہے حال
فرمایا کہ میں صدقے ترے اے فاطمہؑ کے لال! — کھیتی کو مری دشمنِ دیں کرتے ہیں پامال
راحت کا محمدؐ کے سرانجام کہاں ہے؟ — جب تو ہوا بے چین تو آرام کہاں ہے؟

افسوس مرے روضے پہ بھی رہنے نہ پایا — تجھ کو نہیں آزردہ کیا مجھ کو ستایا
تو کعبے میں جس دن سے مجھے چھوڑ کے آیا — دل میں نے بھی مرقد کی اقامت سے اٹھایا
ممکن نہیں فرقت میں تری صبر نبیؐ سے — گھر تجھ سے چھٹا اور چھٹی قبر نبیؐ سے

آلودہ جو ہیں خاک سے گیسو مرے سارے — میں تیری لحد کھودتا تھا اے مرے پیارے
رویا ہوں تری پیاس پہ دریا کے کنارے — جا جلد کہ حق نے ترے سب کام سنوارے
اب تو مرے پاس آئے گا کچھ دیر نہیں ہے — جن رتبوں کا وعدہ تھا وہ ہنگام قریں ہے

ہے تیری شہادت ترے معشوق کو منظور — تا عاشقِ صادق رہے تو خلق میں مشہور
حیدرؑ کی طرح ہے ترا دل صبر سے معمور — تجھ سے بھی وہ ہوگا جو کسی کا نہیں مقدور
ہے قول کا صادق تری کیا بات ہے بیٹا — عزت مری امت کی ترے ہاتھ ہے بیٹا

منھ پیٹ لیا سن کے محمدؐ نے یہ تقریر — اور رو کے کہا گر ہے یہی خواہشِ تقدیر
ناموس کو چھوڑو نہیں اے حضرتِ شبیر! — حرمت سے حرم میں رہے صاحبِ تطہیر
پردیس میں کیا جانیے کیا جور و جفا ہو — ڈر ہے کہیں زینب نہ گرفتارِ بلا ہو

زینبؑ کی اسیری کے سخن سنتے ہی یک بار — تھرا گیا دل رونے لگے سیدِ ابرار
سنتی تھی یہ تقریر جو سب زینبؑ ناچار — محمل سے محمدؐ کو پکاری بہ دلِ زار
کی تم نے سفارش مری کیا آہ برادر — بھائی سے چھڑاتے ہو مجھے واہ برادر

رہنے کی نہیں حیدرِ کرارؑ کی جائی — بھائی کے لئے ماں کی لحد چھوڑ کے آئی
نانا کے بھی روضہ سے ہوئی مجھ کو جدائی — مرجاؤں گی بچھڑے گا جو مجھ سے مرا بھائی
ہمراہ میں کاٹوں گی مصیبت کے سفر کو — تنہا نہیں چھوڑوں گی محمدؐ کے جگر کو

اب گھر سے ہے مطلب نہ مدینے سے مجھے کام
میں یاں نہ رہوں گی مرے رہنے کا نہ لو نام
بابا نے مرے ہاتھ میں ہاتھ اِن کا دیا ہے
رخصت کو بقیعہ میں گئی تھی جو میں بے پر
آواز یہ آتی تھی کہ اے زینبؑ مضطر!
اچھے نظر آتے نہیں آثار سفر کے
یہ کہہ کے جو روئی اسد اللہ کی پیاری
حضرتؑ نے کہا بھائی سے باگریہ و زاری
کٹ کر سر شبیرؑ تو نیزے پہ علم ہو
یہ سب تو مرے ساتھ ہیں آفت کے سفر میں
ہے اس کی جُدائی سے عجب درد جگر میں
روے تو مرے سر کی قسم دیکھیو بھائی
صغرا کا سُنا نام تو بانو یہ پکاری
بہنوں کو بھی ہے آٹھ پہر یاد تمہاری
راتوں کو ترے غم میں نہیں سوتی ہو گھبرا
ماں صدقے نہ تم آپ کو کُڑھ کُڑھ کے کھلانا
بابا کے لئے چھوڑ نہ دیجو کہیں کھانا
ایامِ جدائی بھی گذر جائیں گے بیٹی!
سب بیبیاں رونے لگیں سُن سُن کے یہ تقریر
تھا حاجیوں میں غل کہ زہے عزت و توقیر
کیا نور ہے چہرے پہ ہر اک غنچہ دہن کے
نایاب جہاں تھے یہ جوانانِ گل اندام
افسوس یہ نازک بدن اور گرمی کے ایام
کیوں لالہ صفت داغ ہر اک دل پہ پڑ جائے

وہ شہر ہے جس بن میں ہو زہرا کا گل اندام
بھائی مجھے معلوم ہے اس کوچ کا انجام
اماں نے مجھے بھائی کے ہمراہ کیا ہے
اور روتی تھی اماں کی میں تربت سے لپٹ کر
جلادوں کی سرحد میں چلا ہے مرا دلبر
تو ساتھ ہی رہنا مرے مظلوم پسر کے
ابنِ حنفیہ کے بھی آنسو ہوئے جاری
بہنیں مری قیدی ہوں یہ ہے مرضیٔ باری
پیچھے کھلے سر قافلۂ اہلِ حرم ہو
پر فاطمہ صغرا کو میں چھوڑ آیا ہوں گھر میں
ڈر ہے کہیں مر جائے نہ وہ ہجرِ پدر میں
بیمار کو چھاتی سے لگا لیجیو بھائی
کہہ دیجیو کہ مادر تمہیں بھولی نہیں واری
اصغرؑ مری گودی میں کیا کرتا ہے زاری
جب ذکر ترا ہوتا ہے تب روتی ہے گھبرا
ہمجولیوں کو پاس مچلتے سے بُلانا
روٹھوں گی اگر میرا کہا تم نے نہ مانا
اللہ جو پھیرے گا تو پھر آئیں گے بیٹی!
چھاتی سے لگا بھائی کو رخصت ہوئے شبیر
کس شان سے خاصانِ خدا ہوتے ہیں رہ گیر
یہ پھول ہیں سب فاطمہ زہراؑ کے چمن کے
سو باغیوں کے ہاتھ سے ملتا نہیں آرام
ہے موردِ آفاتِ خزاں گلشنِ اسلام
اِس طرح کا جب پھولا پھلا باغ اُجڑ جائے

گھر چھوڑ کے جنگل کو چلا شہر کا والی
تھا سایۂ حق سایۂ شاہنشہِ عالی
بھولیں گے نہ اشفاق حسینؑ ابن علیؑ کے
ہر سمت سے جوں جوں یہ بیاں کرتی تھی خلقت
ہر ایک سے فرماتے تھے یہ تھام کے رقت
اپنوں سے چھٹا حال نہ کیوں غیر ہو میرا
کعبے سے گئے جب کئی فرسخ شہِ ذیجود
کی عرض کہ اے راہ رَوِ جادۂ مقصود
کوفے کا ہے گر قصد تو پھر جائیے حضرت!
واں ہو چکے ہیں جمع کئی لاکھ ستم گر
ہیں تشنۂ خوں آپ کے یا سبطِ پیمبر!
کوفے میں یہی معرکہ دن بھر نظر آیا
چڑھتی ہیں اِدھر چرخ پہ تلواروں کی دھاریں
ایسے نہیں وہ لوگ کہ سر آپ پہ واریں
فوجوں کی بھی آمد سحر و شام ہے مولا
فوج آپ کی مجھ کو نظر آتی ہے بہت کم
شہزادوں کے سن چھوٹے ہیں اے قبلۂ عالم
انصار بھی لشکر سے نکل جائیں گے اکثر
حضرت نے کہا راست یہ سب تیرا بیاں ہے
اس شہر میں اِک ایک مرا دشمنِ جاں ہے
سر اپنا تہِ تیغ میں دھرنے کو چلا ہوں
ساتھ آئے ہیں جتنے مجھے یہ بھی نہیں درکار
پر اپنے عزیزوں کی محبت سے ہوں ناچار
پر مجھ کو یقین ہے کہ کنارا نہ کریں گے

بطحا ہوا برباد مدینہ ہوا خالی
شیعوں پہ تباہی ستم ایجادوں نے ڈالی
پائیں گے کہاں ہائے نواسے کو نبیؐ کے
گھوڑے پہ چلے جاتے تھے روتے ہوئے حضرت
تم سب سے بھی شبیر کی ہے آخری رخصت
مانگو یہ دعا خاتمہ بالخیر ہو میرا
رستے میں زُرارہ بنِ صالح ہوا موجود
جاتے ہو کہاں چھوڑے ہوئے خانۂ معبود
ڈرتا ہوں کہ اعدا میں نہ گھر جائیے حضرت
اطراف و جوانب سے چلے آتے ہیں لشکر
ملعونوں کے تیغ و تبر و نیزۂ و خنجر
شمر آیا سناں آیا حر آیا عمر آیا
بہتر ہے کہ اس سمت کو حضرت نہ سدھاریں
ہے شور کہ آئے تو نبیؐ زادے کو ماریں
یہ آپ کی دعوت کا سرانجام ہے مولا
گردے میں کئی کوس کے ہے لشکرِ اظلم
جانے کو ادھر جنگ کا ساماں ہے مقدم
جاتے تو ہیں پر وقت پہ ٹل جائیں گے اکثر
جو ان کے دلوں میں ہے وہ سب مجھ پہ عیاں ہے
کچھ غم نہیں واں جمع اگر فوجِ گراں ہے
لڑنے کو تو جاتا نہیں" مرنے کو چلا ہوں
اُن کا نہیں طالب جو ہیں دنیا کے طلبگار
پھر جائیں جو یہ بھی تو میں ہو جاؤں سُبکبار
آئے ہیں مرے ساتھ مریں گے

گو کم ہیں پہ وہ اہلِ وفا ہیں مرے یاور
مقداد رضؓ ہے کوئی کوئی سلماںؓ کوئی بوذرؓ
جو غم میں مرے نالہ و فریاد کریں گے
اک شبیر مرا ابنِ مظاہر سا ولی ہے
وہ سعد وفادار سعیدِ ازلی ہے
اس طرح کے جرار کسی فوج میں کم آئیں
اور میرے عزیزوں میں جو یہ لڑکے ہیں دو چار
ہر چند کہ دیکھی نہیں چلتے ہوئی تلوار
پیدل مرے لشکر کا سواروں سے لڑے گا
رو رو کے زرارہ نے یہ کی عرض کہ سرور!
اُس سے کہا دو انگلیاں سرور نے اُٹھا کر
کیا دیکھا کہ در کھل گئے ہیں ساتوں فلک کے
نورانی عبائیں ہیں سفید اُن کی ہے پوشاک
ہاتھوں میں تو نیزے تہِ راں توسنِ چالاک
غل ہے کہ بہت فوج ہے کم سبطِ نبیؐ کی
لکھی ہے زرارہ بنِ صالح نے روایت
جُز حق نہ شمار ان کا تھا ممکن کسی صورت
یاور مرے دیکھے مرے غم خواروں کو دیکھا!
پھر کہنے لگے ہنس کے زرارہ سے یہ سرور
چاہوں تو کروں جنگ میں اس فوج سے جا کر
خود ہے مجھے منظور کہ سر تن سے جدا ہو
جب تک مرا سر کٹ کے جُدا ہو گا نہ تن سے
جب تک مرے بچے نہیں بندھنے کے رسن سے
جب تک شہِ مظلوم مرا نام نہ ہو گا

دنیا سے گئے جن کی تمنا میں پیمبرؐ
جرأت میں ہے اک ایک بہ از مالکِ اشتر
ان کو بھی بہت اہلِ جہاں یاد کریں گے
جس غازی کی تلوار ہزاروں میں چلی ہے
عباسؑ سا جواں یاور فرزندِ علیؑ ہے
نام اُن کے مرے ساتھ شہیدوں میں رقم ہیں
کُھل جائیں گے ان شیروں کے جوہر دمِ پیکار
پر ان پہ ظفریاب نہ ہوویں گے ستم گار
بچہ مرا ایک ایک ہزاروں سے لڑے گا
تھوڑے سے جواں لاکھوں سے ہوتے نہیں ہمسر
لے دیکھ تو رُتبہ مرا اور قدرتِ داور
اُترے چلے آتے ہیں پرے فوجِ مَلک کے
اور حُسن میں مہتاب سے روشن ہیں رخِ پاک
تلواریں حمائل ہیں تو چہرے ہیں فرحناک
ہاں جلد کرو چل کے کمک ابنِ علیؑ کی
ایک دم میں ہوئی فوجِ ملائک کی یہ کثرت
اس وقت زُرارہ سے یہ کہنے لگے حضرت
کیوں سیدِ بےکس کے مددگاروں کو دیکھا!
خالق کی عنایت سے یہ سامان ہے میسر
کس زیست پہ ہوں طالبِ جمعیتِ لشکر
تا مغفرتِ اُمتِ محبوبِ خدا ہو
جب تک میں نہیں رہنے کا محروم کفن سے
جب تک کہ بھائی نہیں چھٹنے کا بہن سے
اُمت کی شفاعت کا سرانجام نہ ہوگا

یہ کہہ کے زرارہ سے چلے سرورِ ذیشاں
جو آئی پرا باندھے ہوئے فوجِ بَنی جاں
سرداروں نے کی عرض کہ اے دین کے سلطاں
ہم شیعہ ہیں بخشا ہے علیؑ نے ہمیں ایماں
ہم آپ کو لڑنے کے لئے جانے نہ دیں گے
فرزندِ ید اللہ پہ آنچ آنے نہ دیں گے

کس قوم سے درپیش ہے حضرت کو لڑائی
مولا نے غلاموں کی نہ کیوں جان بچائی
کون ایسے ہیں سرکش انہیں کچھ شرم نہ آئی
کرتے ہیں محمدؐ کے نواسے سے لڑائی
جنگ اُن سے کریں، دیجئے ہمیں حکم وَغا کا
جو آپ کا دشمن ہے وہ دشمن ہے خدا کا

شہ نے کہا شرم آتی ہے کیا نام بتاؤں
وہ امتِ احمدؐ ہیں میں کیا اُن کو ستاؤں
غیر ان کو جو سمجھوں تو بُلانے پہ نہ جاؤں
سب مجھ کو گوارا ہے جو تکلیف اُٹھاؤں
تلواریں بغیر اُن کے مرے خوں میں بھرے کون؟
قتل اُن کو کرو تم تو مجھے قتل کرے کون؟

تم لوگوں کے ہاتھوں جو گرفتار ہوں وہ سب
پھر رسّی سے کس طرح بندھے بازوئے زینبؑ
شبیر کو ہے مرضیٔ اللہ سے مطلب
بے جرم قصاص اُن سے گوارا ہے مجھے کب
کیوں کر اُنہیں برباد کروں حجتِ حق ہوں
لازم ہے مجھے رحم کہ میں رحمتِ حق ہوں

حق تم کو جزا دیوے کرو جا کے اب آرام
جاتا ہوں سوئے ماریہ میں بیکس و ناکام
عاشورِ محرم کو ہو جب عصر کا ہنگام
واں آئیو کھل جائے گا اِس کوچ کا انجام
جانا ہے یہاں سے وہیں اس کشتۂ غم کو
اُس وقت نہ آئے تو نہ پھر پاؤ گے ہم کو

جنات یہ سُن کر گئے کرتے ہوئے زاری
اور آگے بڑھی سبطِ پیمبرؐ کی سواری
یوں جاتا تھا وہ قافلۂ عاشقِ باری
جس طرح گلستاں سے چلے بادِ بہاری
پڑتی تھی یہ گرمی کہ مسافر تھے قلق میں
ڈوبے ہوئے تھے فاطمہؑ کے پھول عرق میں

ازبس متحمل تھے نہ گرمی کی تعب کے
سَونلا گئے تھے رنگ جوانانِ عرب کے
خیمے کی نگہبانی کو جاگے ہوئے شب کے
شاہِ دوجہاں پیاسے مُنھ تکتے تھے سب کے
میداں تھا کفِ دست نہ سایہ نہ شجر تھا
ملتے تھے کوئیں خشک مصیبت کا سفر تھا

مطلع (۱)

کعبے سے ہوا کوچ جو سلطانِ زمن کا
اک ایک قدم سامنا تھا رنج و محن کا
غم تھا شہِ مظلوم کو یارانِ وطن کا
گرمی سے عجب حال تھا زہراؑ کے چمن کا
کوسوں کہیں پانی تھا نہ سایہ نہ شجر تھا
لوں چلتی تھی اور دھوپ تھی بیتاب جگر تھا

یہ دھوپ کی حدت تھی کہ تھے کوہ دہکتے
چنگاریوں سے ریت کے ذرے تھے چمکتے
تھے گودیوں میں ماؤں کے معصوم بلکتے
اور ماتھے سے قطرے تھے پسینے کے ٹپکتے
آرام سواری میں نہ لیتی تھی سکینہ
کرتے سے ہوا چہرے کو دیتی تھی سکینہ

کہتی تھی کہ مجھ تک کوئی بابا کو بلا دو
اماں مرا دم گھٹتا ہے پردے کو اٹھا دو
گرمی سے موا جاتا ہے اصغر کو ہوا دو
خشکی سے نہ مل جائے گلا دودھ پلا دو
وہ کہتی تھی گرمی سے لہو گھٹ گیا واری
ہے دودھ کہاں" دودھ بھی تو ہٹ گیا واری

ہے سرد ہوا کے لئے جاں تن میں ترستی
جلتی ہے زمیں چرخ سے ہے آگ نکلتی
ویرانہ ہے کوسوں نظر آتی نہیں بستی
نزدیک ہے ہو جائے خزاں گلشن ہستی
واقف تھے کبھی کاہے کو اس رنج و محن سے
کس فصل میں قسمت نے نکالا ہے وطن سے

گرمی کی اسی طرح اٹھاتے ہوئے ایذا
طے منزلیں کرتے تھے شہ یثرب و بطحا
جو کوفے سے اک مردِ مسافر ہوا پیدا
مستفسرِ حال اس سے ہوئے سیدِ والا
دل ٹکڑے ہوا سینے میں اس خستہ جگر کا
رونے لگا منہ دیکھ کے زہرا کے پسر کا

رو کر کہا اے حیدرِ کرار کے جانی!
کیا عرض کروں قتل ہوئے مسلم و ہانی
جس دم یہ سنا شہ نے مسافر کی زبانی
آنکھوں سے بہے اشک جگر ہو گیا پانی
فرمایا کہ راحت میں ہماری خلل آیا
منزل پہ نہ پہنچے کہ پیامِ اجل آیا

آنکھوں میں بھرے اشک تے سیدِ والا
اونٹوں کو بٹھا کر وہیں خیمہ کیا برپا
مظلومی پہ مسلم کے جو ٹکڑے تھا کلیجا
بھرتے تھے دمِ سرد شہِ یثرب و بطحا
مردہ تھے، دل زرد تھے منہ ہر دو جواں کے
لشکر میں اداسی تھی شہِ کون و مکاں کے

ظاہر نہ ہوا تھا ابھی ہر چند یہ ماتم
چھایا تھا ہر اک بی بی پہ ابرِ الم و غم
کرتی تھی بیاں زوجۂ مسلم یہی پیہم
کیا ہے کہ رنڈھی جاتی ہوں گھٹتا ہے مرا دم
کیا دیکھئے وارث کی خبر آتی ہے لوگو!
کچھ آج ردا سر سے گری جاتی ہے لوگو!

ماں پاس کھڑی مسلمِ مظلوم کی پیاری
کہتی تھی کہ آنسو نہ کرو آنکھوں سے جاری
وسواس مجھے آتا ہے باتوں سے تمہاری
کل آئے گی لینے ہمیں بابا کی سواری
گھبراتی ہو کیوں ہوش مرے کھوئی ہو اماں!
ہنسنے کا جو وقت آیا تو تم روتی ہو اماں!

واں شہ نے رفیقوں کو بُلا کر یہ سنایا
بیعت سے مری کوفیوں نے ہاتھ اُٹھایا
مسلم کا بھی سر کاٹ کے نیزہ پہ چڑھایا
میں پھر کے نہیں جانے کا آیا تو اب آیا
اب شب کو چلا جائے وہ گھر جانا ہو جس کو
اَب ساتھ وہی دے مرا مر جانا ہو جس کو

یہ سنتے ہی رونے لگے مسلم کے جو دلدار
اِسلام کے لشکر میں تلاطم ہوا اک بار
سر کھول کے بیٹھے حرمِ احمدِؐ مختار
تھا شور کہ آفت میں پھنسے سید ابرار
کوفے میں بُلا کر یہ دَغا کرتے ہیں اعدا
اب دیکھیں نبیؐ زادے سے کیا کرتے ہیں اعدا

مسلم کی خبر سے یہ ہوا خوف دلوں پر
چھپ چھپ کے اسی شب کو روانہ ہوئے اکثر
یا تھے کہیں خیمے کہیں پالیں کہیں بستر
یا تین پہر رات میں خالی ہوا لشکر
تا شام تو سب یاورِ سلطانِ زمن تھے
ظاہر جو ہوئی صبح تو ہفتاد و دو تن تھے

جب واں سے نمازِ سحری پڑھ کے چلے شاہؑ
مسلم کو حرم روتے چلے جاتے تھے ہمراہ
وارد ہوئے اِک دشتِ بلاخیز میں ناگاہ
چلنے سے رکا واں فرسِ سرورِ ذیجاہ
فرمایا کہ کیا جانئے یہ کون سی جا ہے؟
ہاتف نے صدا دی کہ یہی دشتِ بلا ہے

یہ سُنتے ہی رہوار سے اُترے شہِ والا
اور چاہا کہ بَرپا کریں خیمہ لبِ دریا
مانع ہوئے یک بار بُرا باندھ کے اعدا
حضرت نے کہا خیر جو کچھ مرضیٔ مولا
جو ہم پہ جفا ہوگی رہِ حق میں سہیں گے
ساحل سے کنارا کیا، ریتی پہ رہیں گے

فرما کے یہ میدان میں فروکش ہوئے آخر
روتے تھے حرم چُپ تھے شہِ صابر و شاکر
کمریں بھی ابھی کھول چکے تھے مسافر
فوجوں کے نشاں دور سے ہونے لگے ظاہر
زینبؑ سے کہا ہم سے عدو پھر گئے بھینا
نرغے میں ستم گاروں کے ہم گھر گئے بھینا

تاریخ چھٹی تھی کہ ہوا غلغلہ اِک بار
لشکر لئے آیا عمرِ سعد ستم گار
خولی و حصین شمر و سنان اشعثِ غدار
ایک ایک کے ہمراہ ہزاروں تھے جفاکار
مقتل میں لکھا ہے کہ چھ لاکھ اہلِ ستم تھے
اور یاورِ فرزندِ نبیؐ ستّر سے بھی کم تھے

کفار میں کس طرح سے گھر جاتے نہ حضرت
قلت اِدھر ایسی اُدھر اس طرح کی کثرت
اِس فوج میں فوجِ قطبِ اوجِ اِمامت
آتی ہو نظر نقطۂ پرکار کی صورت
حلقے میں بنی فاطمہؑ کو گھیر لیا تھا
بے وجہ نبیؐ زادے سے منہ پھیر لیا تھا

ہفتم سے محرم کی تو پانی بھی ہوا بند
فرزندِ پیمبرؐ کے تڑپنے لگے فرزند
تھی فاطمہؑ کے گھر میں وہ نہر بھی ہر چند
غاصب نہ ہوئے پانی کے دینے پہ رضامند
حق اپنا محمدؐ کے نواسے نے نہ پایا
اِک پانی کا قطرہ کسی پیاسے نے نہ پایا

چوبیس پہر پیاس میں بچوں نے گذارے
ہچکی علی اصغرؑ کو لگی پیاس کے مارے
آخر ہوئی جب دسویں شب اور چھپ گئے تارے
شہ رَن کو نمازِ سحری پڑھ کے سدھارے
واں جاتے ہی تیغوں سے قلم ہو گیا لشکر
تھا ایک تو کم اُور بھی کم ہو گیا لشکر

تا ظہر نہ عباسؑ رہے اور نہ اکبرؑ
کوثر پہ گئے چھوڑ کے گہوارے کو اصغرؑ
ڈیوڑھی پہ بہن روتی تھی واں روتے تھے سرور
باراں کی طرح تیرِ ستم پڑتے تھے تن پر
تنہا تھے مگر منہ نہ ہزاروں سے پھرا تھا
تلواروں میں وہ فاطمہؑ کا چاند گھرا تھا

تنہائی تھی مظلومی تھی تشنہ دہنی تھی
آفت تھی مصیبت تھی غریب الوطنی تھی
پیشانی بھی مجروح تھی چھاتی بھی چھنی تھی
کیا جان پہ احمدؐ کے نواسے کے بنی تھی
کرتے تھے طلب خیمہ تلک جانے کی رخصت
ملتی تھی سکینہ سے نہ مِل آنے کی رخصت

اِس حال میں جب عصر کا وقت آ گیا یک بار
اِک گرد ہوئی دامنِ صحرا سے نمودار
منہ پھیر کے کیا دیکھتے ہیں سیدِ ابرار
پھینکے ہوئے گھوڑوں کو چلے آتے ہیں اسوار
سُرخ آنکھیں ہیں کف منہ میں ہے غصے میں بھرے ہیں
سب ہاتھوں کو تلواروں کے قبضوں پہ دھرے ہیں

سردار یہ کہتا ہے غضب ہو گیا یارو!
آقا مرا مارا گیا تم بھی اُنہیں مارو!
چھوڑو نہ اب اک ایک کا سر تن سے اُتارو!
یہ لاشیں ہیں شہزادوں کی ان پر مجھے وارو!
حیدرؑ سے بھی شرمندہ مجھے کر گئے شبیرؑ
آنے میں مرے دیر ہوئی مر گئے شبیرؑ

حضرتؑ نے سُنی زعفرِ جن کی جو یہ تقریر
گھبرا گئے اُمت کے لئے حضرتِ شبیرؑ
زعفر کو پکارے کہ نہ کھینچے کوئی شمشیر
میں تو ابھی جیتا ہوں کچھ ان کی نہیں تقصیر
غصے میں نہ آ تجھ کو قسم روحِ علیؑ کی
رحم ان پہ ہے لازم کہ یہ اُمت ہے نبی کی

ان کے لئے عباسؑ سے بھائی کو گنوایا
اِن کے لئے ہاتھ اکبرؑ و اصغرؑ سے اٹھایا
صد شکر کہ ان پر مجھے غصہ نہیں آیا
میں نے تجھے لڑنے کے لئے تھا نہ بُلایا
اس وقت بھی تجھ سے مری طاقت ہے زیادہ
پر بیٹوں سے اُمت کی محبت ہے زیادہ

یہ سنتے ہی رو رو کے گرا قدموں پہ زعفر
کچھ کام لیا مجھ سے نہ یا سبطِ پیمبرؐ!
کام آئے گا مجھ بیکس و بے آس پہ رونا
جب حکمِ امامِ دو جہاں سے ہوا لاچار
پھر اور بھی جنّ پھاڑ کے گریباں بدل زار
آقا تری اِس صبر و شکیبائی کے صدقے
گھر پہنچا تو زعفر نے کہا تخت اُٹھاؤ
پوشاک سیہ لا کے مجھے جلد پنہاؤ
ہر غم سے غمِ سرورِ دو عالم ہے زیادہ
ماتم کی خبر مادرِ زعفر نے جو پائی
پوچھا کہ ہوا کیا صفِ ماتم جو بچھائی
گھیرا ہے ستمگاروں نے فرزندِ علیؑ کو
سر پیٹ کے ماں زعفرِ جنّ کی یہ پکاری
واجب ہے تجھے سیّدِ کونین کی یاری
اب محکمۂ حشر میں جاؤں گی میں کیوں کر
حیدرؑ کے ترے باپ پہ کیا کیا نہیں احساں
کیا رحم ہے اِس عقدہ کشائی کے میں قرباں
فرزند پہ آج اس کے بڑا وقت پڑا ہے
باپ آج ترا ہوتا تو حسینؑ اُس کو نہ آتا
فرزندِ پیمبرؐ کے عوض برچھیاں کھاتا
جو اہلِ وفا ہوتے ہیں مر جاتے ہیں بیٹا
رو کر کہا زعفر نے میں لڑنے کو تھا تیار
حکمِ شہِ کونین سے میں ہو گیا لاچار
میں کیا کہوں سر مجھ کو کٹانے نہیں دیتے

کہتا تھا میں اِس صبر کے صدقے مرے سرورؑ
حضرت نے کہا اب ترا پھر جانا ہے بہتر
جب پیچھو پانی تو مری پیاس پہ رونا
سر پیٹتا گھر اپنے چلا زعفرِ دیں دار
چلّاتے تھے ہے ہے خلفِ حیدرِؑ کرار
اے سبطِ پیمبرؐ تری تنہائی کے صدقے
اب فرش کہاں کا صفِ ماتم کو بچھاؤ
سب ہائے حسینا کہو اور خاک اُڑاؤ
ماتم سے سلیماں کے یہ ماتم ہے زیادہ
گھبرائی ہوئی گھر سے وہ باہر نکل آئی
زعفر نے کہا لٹ گئی زہراؑ کی کمائی
چھوڑ آیا ہوں تیروں کے تلے سبطِ نبیؐ کو
تو نے پسرِ فاطمہؑ پر جان نہ واری
عزّت نہ رہی آگے پیمبرؐ کے ہماری
منھ فاطمہ زہرا کو دکھاؤں گی میں کیوں کر
جاں بخشی بھی کی اور اسے دی دولتِ ایماں
مشکل جو پڑی دم میں اسے کر دیا آساں
تو سایہ میں بیٹھا ہے وہ میداں میں کھڑا ہے
اعدا کا نشاں صفحۂ ہستی سے مٹاتا
شہزادوں کے قدموں پہ گلا اپنا کٹاتا
یوں چھوڑ کے آقا کو نہ گھر جاتے ہیں بیٹا
فرمایا مدد ابنِ علیؑ کو نہیں درکار
ورنہ مری شمشیر سے بچتے نہ ستمگار
اُمّت پہ تو وہ ہاتھ اُٹھانے نہیں دیتے

اس نے کہا پھر جا کے تو حاضر ہو مری جاں
ایسا نہ ہو سر رن میں کٹا دیں شہِ ذیشاں
میداں میں سلامت ہو جو وہ دیں کا سلطاں
میں دودھ نہ بخشوں گی جو تو ہوگا نہ قرباں
چلتی ہے چھری شیرِ الٰہی کے گلے پر
میں نے تجھے صدقے کیا زہرؑا کے پسر پر

یہ سنتے ہی مقتل میں وہ کہتا ہوا آیا
زندہ مجھے دکھلا تیو! پھر شہ کو خدایا
یاں ہو چکا تھا قتل یداللہ کا جایا
اُس وقت وہ پہونچا کہ تڑپتا ہوا پایا
سر کاٹ کے نیزے پہ چڑھاتے تھے ستم گار
سیدانیوں کو لوٹنے جاتے تھے ستم گار

خاموش انیسؔ اب کہ ہے دل سننے میں بیتاب
جاری عوضِ اشک ہوا چشم سے خونناب
خالق سے دعا مانگ یہ با دیدۂ پُر آب
سرسبز رہیں فاطمہؑ کے لال کے احباب
کچھ غم نہ انہیں جز غمِ شاہِ شہدا ہو
محتاجوں کو راحت ہو مریضوں کو شفا ہو

سلام

گرد ہے اکسیر خاکِ کربلا کے سامنے
زرد مٹی کی حقیقت کیا طلا کے سامنے

فاصلہ کیسا، اِدھر پہنچے اُدھر داخل ہوئے
کربلا جنت کے جنت کربلا کے سامنے

جسم کو اک دن فنا کر دیں گے جھونکے آہ کے
بات کیا ہے خاک اُڑا دینا ہوا کے سامنے

پردہ پوشِ عاصیاں ہے اُن کا دامانِ وسیع
کیا گنہ کا ڈھانپنا آلِ عبا کے سامنے

کہتے تھے حضرت علیؑ اکبر کا مرنا ہے غضب
ہم نہ دنیا سے گئے اِس اِبتلا کے سامنے

جب سکینہ کی زباں میں پیاس سے کانٹے پڑے
سر جھکا کر مشک لے آئی چچا کے سامنے

فقر کی دولت کو کیا خالق نے بخشا ہے وقار
ہاتھ پھیلاتا ہے سلطاں بھی گدا کے سامنے

ذوالفقارِ حیدرِ صفدر سے تھراتی ہے برق
ابرِ نیساں تر ہے زہراؑ کی ردا کے سامنے

خوف کیا ہے بہرِ پرسش آئیں گے منکر نکیر
بندۂ حیدر رہوں کہہ دوں گا خدا کے سامنے

عقدۂ دل جلد حل ہوتے ہیں گھبراتا ہے کیوں
کیا گرہ کا کھولنا مشکلکشا کے سامنے

کہتے تھے خولی سے عابد چادرِ زینبؑ نہ چھین
ہاتھ باندھے جائیں گے مشکلکشا کے سامنے

یاد رکھ ظالم پریشاں ہوگا مجمع حشر کا
فاطمہؑ جب بال کھولے گی خدا کے سامنے

فصلِ پیری میں ہوسِ دنیا کی توبہ کر! انیسؔ
حشر میں کس منہ سے جائے گا خدا کے سامنے

مرثیہ ۲

بند ۱۱۲

جب منزلِ مقصد پہ اِمامِ زمن آئے
جنگل میں عجب شان سے گل پیرہن آئے
پھولوں سے زمیں بس گئی میدانِ ستم کی
زہراؑ کے گلوں سے جو بھرا دشت کا دامن
انبارِ خس و خاک بنا غیرتِ گلشن
عکسِ رُخِ شبیّرؑ کی ضو دُور تلک تھی

تھا فخر زمیں کو کہ خوشا بخت زہے جاہ
کہتے تھے یہ ذرّے تجھے روشن رکھے اللہ
نقشِ قدمِ پاک ہے سرتاج ہمارا
آیا نظر اُس فخرِ سلیماں کا جو دیدار
تسلیم کو خم ہو گئے سب دشت کے اشجار
جُھک کر بہ اَدب پائے شہِ عرش نشیں پر

اُترا جو فرس سے وہ رہِ حق کا فدائی
وہ نہر وہ اشجار، وہ سبزہ، وہ ترائی
رشک آتا تھا خورشید کو ذرّے کی چمک پر
آتی تھی یہ ہاتف کی نِدا چرخ سے ہر بار
چُھٹ جائیں گے یاں تجھ سے ترے یاور و انصار
دو دن تو یہیں پیاس کی تکلیف سہے گا

تھا شور کہ مرنے کو غریب الوطن آئے
مُرجھاتے ہوئے دھوپ میں نازک بدن آئے
آنے لگی صحرا سے ہوا باغِ اِرم کی
اُجڑے ہوئے جنگل کی بھی آنکھیں ہوئیں روشن
ہر نخل تھا رشکِ شجرِ وادیِ ایمن
دریا کی ہر اک لہر میں بجلی کی چمک تھی

یہ جس کی طلب گار تھی آیا وہ شہنشاہ
تو نے ہمیں چمکا دیا اے فاطمہؑ کے ماہ
ہے چرخِ چہارم پہ دماغ آج ہمارا
مُرغانِ ہوا سر پہ تصدّق ہوئے اِک بار
جاروبِ ہوا لے گئی جنگل کا خس و خار
سبزے نے کیا فرش زمرّد کا زمیں پر

سرسبزیِ بُستانِ اِرم دشت نے پائی
جنگل بھی ہوا پر تھا کہ آج اپنی بَن آئی
صحرا کے پہاڑوں کی بھی چوٹی تھی فلک پر
مدفن ترا ہو گا یہیں اے سیدِ ابرار!
تیغوں سے کٹے گا چمنِ احمدِؐ مختار
یہ ہے وہ زمیں جس پہ ترا خون بہے گا

تڑپیں گے یہیں تشنہ لبی سے ترے اطفال
یاں ذبح کریں گے تجھے اے فاطمہؑ کے لال
رُتبہ ترا امیدِ ان شہادت میں بڑھے گا
تیروں سے یہیں ہووے گا سینہ ترا غربال
گھوڑوں سے یہیں لاش تری ہووے گی پامال
سر تن سے اُتر کر یہیں نیزے پہ چڑھے گا

دریا کے کنارے سے ہوا سرد جو آئی
خیمے کے لئے کون سی جاگہ تمہیں بھائی
لہراتا ہے دل یاں کی فضا خوب ہے مولا!
عباسؑ دلاور سے کہا شہ نے کہ بھائی
کی عرض بہادر نے کہ بہتر ہے ترائی
شیروں کو ہوا نہر کی مرغوب ہے مولا

اُترے گی جو یاں فوجِ شہنشاہِ حجازی
فرسودہ بہت راہ کی گرمی سے ہیں غازی
منظور نظر طاعتِ اللہ ہے سب کو
سیراب رہیں گے لبِ جُو اشتر و تازی
عادی ہیں کئی وقت طہارت کے نمازی
دریا پہ اُترنے کی بڑی چاہ ہے سب کو

شہ نے کہا اچھا یہیں خیمہ کرو برپا
ہم چشمۂ الطاف ہیں ہم فیض کے دریا
آرام ہمارا اُنہیں منظور نہیں ہے
منظور نہیں اپنے ہواخواہوں کی ایذا
مانع ہوں اگر اہلِ شقاوت تو کریں کیا
خیمہ وہ اٹھا دیویں تو کچھ دُور نہیں ہے

تم بھی یہ خبر سن چکے ہو حُر کی زبانی
درپے ہیں کہ مٹ جائے محمدؐ کی نشانی
بے جرم و خطا قاتلِ اولادِ علیؑ ہیں
سب کوفی و شامی ہیں مرے دشمنِ جانی
دیکھو گے کہ وہ لوگ نہ دیں گے مجھے پانی
فوجیں مرا سر لینے کو شہروں سے چلی ہیں

تھرا کے یہ کہنے لگے عباسؑ دلاور
حق کی جو طرف ہیں انہیں مرنے کا نہیں ڈر
دشمن ہمیں سرکائیں اب اِس جا سے تو جانیں
کیا منہ ہے کسی فوج کا یا سبطِ پیمبر
اُس وقت سمجھ لیں گے جب آئیں گے ستم گر
شیروں کو ہٹا دے کوئی دریا سے تو جانیں

فرما کے یہ فرّاشوں کو عباسؑ پکارے
سب لوگ تھکے ماندے ہیں لشکر کے ہمارے
ہاں خیموں کو برپا کرو دریا کے کنارے
فرّاشوں نے بار اُونٹوں سے یہ سُن کے اُتارے
خیمہ ابھی کُھلنا تھا کہ اعدا نظر آئے
ناگاہ نشانِ ظلم کے برپا نظر آئے

میداں سے سواروں نے یہ بڑھ بڑھ کے پکارا
فوج آتی ہے جلدی کرو ساحل سے کنارا
گھوڑوں سے زمیں یاں کی ہلے گی کوئی دم کو
تم کون ہو کیا کام ہے دریا پہ تمہارا
ہو گا لبِ جُو شام کے لشکر کا اُتارا
دو لاکھ سواروں کی جگہ چاہیئے ہم کو

گرمی کی جو ایذا ہو تو جنگل کی ہوا کھاؤ
اسباب کنارے کرو جانبازوں کو سرکاؤ

اک دم میں قدم یاں کہیں دھرنا نہ ملے گا
ہتھوانس کے تیغ و سپر اکبرؑ یہ پکارے
کھینچیں گے جو تیغیں اسد اللہ کے پیارے
لاکھ آئیں کہ دو لاکھ کبھی ہم نہیں ڈرتے

ہونے لگی اعدا میں اور اکبرؑ میں جو تکرار
جھپٹے صفتِ شیر یہ کہتے ہوئے اک بار
دم میں نظر آئے گا نہ سر تن پہ کسی کے
کیا ڈر ہمیں آتی ہی تو آئے سپہ شام
دریا سے ہٹے گا نہ محمدؐ کا گل اندام

ملک اپنی ہی غیروں کا اجارا نہیں ہرگز
وہ بولے کہ بیکار ہے تقریر یہ ساری
صحرا پہ بھی دریا پہ بھی حکم اس کا ہی جاری
سب خلق ہے قبضے میں شہنشاہِ جری کے

کہتا ہوں میں دیکھو قدم آگے نہ بڑھانا
حیدرؑ کے پسر ہیں ہمیں کیا تم نے ہے جانا
کر دیں ابھی یوں زیر و زبر ہفت طبق کو
بے تم کو ہٹائے نہیں لیویں گے دم اب تو
سر بھی جو کٹے گا تو نہ سر کیں گے ہم اب تو

دم جسم میں جب تک ہے لڑائی نہ چھٹے گی
تیغوں کو علم کر کے یہ کہنے لگے اظلم
یہ سنتے ہی بپھرا اسد اللہ کا ضیغم
بڑھتے ہوئے دیکھا جو سواروں کو اُدھر کے

اے کوثریو نہر کے پانی پہ نہ لہراؤ
ڈر ہے کہیں گھوڑوں کی نہ ٹاپوں میں کچل جاؤ
صحرا میں بھی پھر تم کو اُترنا نہ ملے گا
کیا بکتے ہو بیہودہ سخن منہ پہ ہمارے
خوں کا ابھی مینہ برسے گا دریا کے کنارے

روباہوں کے دھمکانے سے ضیغم نہیں ڈرتے
غیظ آ گیا برہم ہوئے عباسؑ خوش اطوار
ہاں ہاں کدھر آتے ہو خبردار! خبردار!
شہزادے سے کیجو نہ سخن بے ادبی کے
فوجیں ہوں کہ لشکر ہو کسی سے ہمیں کیا کام
گرمی میں ترائی کو نہیں چھوڑتے ضرغام

دریا یہ ہمارا ہے تمہارا نہیں ہرگز
حاکم کا عمل ہے نہیں یاں ملک تمہاری
فرمایا بہادر نے کہ غاصب ہے وہ ناری
آقا مرے مختار ہیں خشکی و تری کے

آسان نہیں شیر دل کا ترائی سے ہٹانا
قبضے ابھی پکڑیں تو اُلٹ جائے زمانا
جس طرح اُلٹ دیتے ہیں اُنگلی سے ورق کو
گڑتا ہے لبِ نہر حسینی علم اب تو
شیروں نے یہیں گاڑ دئے ہیں قدم اب تو

تا حشر یہ دریا کی ترائی نہ چھٹے گی
دیکھیں تو بھلا آپ زبردست ہیں یا ہم
قبضے میں لیا قبضۂ شمشیر شرر دم
ہتھوانس لیا شیر نے گردے کو سپر کے

گھبرا کے اُدھر سے شہِ والا یہ پکارے
تلوار نہ کھینچو ابھی صدقے میں تمہارے
کچھ غم نہیں جلتی ہوئی ریتی پہ رہیں گے

آئے جو یہ فرماتے ہوئے شاہِ خوش اقبال
رعشہ تنِ پُرنور میں خورشید کی تمثال
بل کھائے ہوئے دوش پہ گیسو تو پڑے ہیں

غصے میں کچھ آنکھوں سے نہ دیتا تھا دکھائی
کہتے ہیں مرے سامنے لے لیں گے ترائی
میں اب انہیں بے جان سے مارے نہ پھروں گا

بولے یہ برادر سے لپٹ کر شہِ ابرار
کیا منہ جو ہٹا دیں تمہیں دریا سے ستمگار
اللہ سزا دے گا انہیں بے ادبی کی

بیہودہ لعیں بکتے ہیں جانے دو چلے آؤ
آوارہ وطن ہوں مری غربت پہ ترس کھاؤ
دو چل کے تسلی نہیں مرجائے گی زینبؑ

ناگاہ صدا دخترِ زہراؑ کی یہ آئی
عباسؑ کو سمجھا کے ادھر لائیے بھائی
کھدوائیں کنوئیں نہر اگر پاس نہ ہووے

ہے ہے یہ وہی دشتِ بلا ہے یہ وہی نہر
ساحل پہ نہ اُترو گی ہیں کرتے ہو یہ کیا قہر
پردیس میں تکلیف گوارا کرو لوگو!

یاں آئے گی احمدؐ کے سفینے پہ تباہی
ہر سمت سے اُمڈے چلے آتے ہیں سپاہی
روشن ہے کہ شبیرؑ چراغِ سحری ہے

ہاں ہاں مرے صفدر مرے عاشق مرے پیارے
راضی ہوں میں اُتریں وہی دریا کے کنارے
راحت انہیں ہووے ہمیں تکلیف سہیں گے

دیکھا کہ ہے غصے میں بہادر کا عجب حال
ابرو پہ شکن تیغ بکف غیظ سے رُخ لال
بپھرے ہوئے جیوں شیر ترائی میں کھڑے ہیں

حضرت سے کہا آپ ٹھہر جائیے بھائی
اس وقت مناسب نہیں انہیں چشم نمائی
بے تیغ کے گھاٹ ان کو اُتارے نہ پھروں گا

ہے دھیان کدھر کرتے ہو کن لوگوں سے گفتار
لو تھام لو غصے کو ہمیں کرتے ہو گر پیار
لڑنا ہمیں لازم نہیں اُمت سے نبیؐ کی

حیدرؑ کی قسم ہے تمہیں غصے سے نہ تھراؤ
محمل میں تڑپتی ہے سکینہ اسے سمجھاؤ
گھبرا کے عماری سے نکل آئے گی زینبؑ

بلوہ ہے مسافر پہ محمدؐ کی دہائی
ریتی پہ رہیں خاک میں مل جائے ترائی
دریا کو لگے آگ جو عباسؑ نہ ہووے

جس نہر کی شمشیر سے بدتر ہے ہر اک لہر
یہ چشمۂ شیریں ہے غریبوں کے لئے زہر
اس نہر کے پانی سے کنارا کرو لوگو!

تقدیر نے بربادیٔ سادات ہے چاہی
ہے ہے نہ بچے گا پسرِ شیرِ الٰہی
اماں مجھے اس دن کی خبر دے کے مری ہیں

یہ کہہ کے لگی پیٹنے سر زینبؑ ناکام
ناموس محمدؐ میں بپا ہو گیا کہرام
سمجھانے سے حضرت کے ہٹی جب سپہ شام
بھائی کو لئے ساتھ پھرے شاہ خوش انجام
ساحل پہ اتارا ہوا واں فوج لعیں کا
یاں دھوپ میں برپا ہوا خیمہ شہ دیں کا

ڈیوڑھی پہ جو ناقوں کو بٹھایا حرم اترے
بچے لئے ناموس امام امم اترے
افلاک شرافت کے ستارے بہم اترے
کس اوج سے کس شان سے وہ ذی حشم اترے
گردوں نے رکھا فخر سے چوکھٹ پہ جبیں کو
دربانی کا عہدہ ملا جبریل امیں کو

کیا خیمہ سرور کی بلندی کروں تحریر
رفعت میں دبا جاتا تھا جس سے فلک پیر
مہتاب تھا نقش قدم حضرت شبیر
کہتی تھی زمیں اب ہے دوبالا مری توقیر
چمکا جو کلس اور بھی جلوہ نظر آیا
خورشید کی دستار پہ طرہ نظر آیا

تاریخ دوم کا تھا محرم کے یہ مذکور
آفت میں پھنسے پھر تو شہ بیکس و مجبور
ہشتم تک ادھر جمع ہوا لشکر مقہور
روز نہم اعدا کو لڑائی ہوئی منظور
درپے ہوئے سب قتل امام ازلی کے
دسویں کو گلے کٹنے لگے آل نبیؐ کے

قاسمؑ کو ابھی رو نہ چکے تھے شہ ابرار
جو قتل ہوئے نہر پہ عباسؑ علمدار
دریا پہ چلے تھے کہ پکارے کئی خونخوار
مارا گیا اکبرؑ شہ مظلوم کا دلدار
کہہ دو یہ خبر فاطمہ زہراؑ کے پسر سے
برچھی کو نکالیں علی اکبرؑ کے جگر سے

جس دم یہ سنا قتل ہوئے اکبر ذی جاہ
ہاتھوں سے جگر تھام کے تھرانے لگے شاہ
نے روتے نہ ماتم کیا بیٹے کا نہ کی آہ
منہ سے یہی نکلا کہ توکلت علی اللہ
کچھ فرق نہ آیا سر مو صبر و رضا میں
اصغرؑ کو بھی قربان کیا راہ خدا میں

جب تین پہر میں وہ چمن ہو گیا پامال
تنہا ہوئے بس پھر تو شہنشاہ خوش اقبال
کھینچے ہوئے تیغیں بڑھے آتے تھے بدافعال
تھا منتظر حکم خدا فاطمہؑ کا لال
مانند علیؑ غیظ میں جب آتے تھے مولا
قبضے کی طرف دیکھ کے رہ جاتے تھے مولا

مطلع ثانی

جب رن میں مرقع ہوا ابتر شہ دیں کا
دنیا سے سفر کر گیا لشکر شہ دیں کا
باقی تھا نہ عباسؑ نہ اکبرؑ شہ دیں کا
تھا شور کہ غربت میں لٹا گھر شہ دیں کا
کھاتے تھے تیر ظلم ہر اک سرو رواں نے
کیا تازہ چمن تھا جسے لوٹا تھا خزاں نے

یاں اب ہمہ تن چشم ہوں سب عاشقِ شبیرؑ
میداں میں اُجالا ہی جبیں پر ہے یہ تنویر
سجدے کے نشاں کی بھی چمک سب پہ جلی ہے
گردوں کو ہلاتا ہے جلالِ شہِ عالی
گیسو رُخِ روشن پہ نہیں حسن سے خالی
رُخ آیۂ رحمت ہے تو زلف ابرِ کرم ہے
کس حسن سے تابندہ ہے گیسو کا ہر اک تار
خوشبو سے مہکتی ہے سرِ پاک پہ دستار
ہے خاطرِ سرور جو پریشاں کئی شب سے
آنکھوں سے ہر اک پل ہے یہ پلکوں کا اشارا
ہے ابنِ علیؑ فاطمہؑ کی آنکھوں کا تارا
وار اپنے برابر سوئے بے پیر چلیں گے
عارض ہیں عجب گل کہ ہیں بلبل ملک و حور
سُن پائے اگر جلوۂ رخسار کا مذکور
مہتاب تو تشبیہ کے قابل بھی نہیں ہے
ہے چہرۂ پُرنور پہ بینی کی عجب شان
دم دیتے ہیں وہ اس پہ جو ہیں صاحبِ ایمان
چھانٹے ہیں چمن تب گلِ مضموں یہ ملے ہیں
رشکِ لبِ عیسیٰ ہیں یہ اعجاز نما لب
کھلتے تھے اسی لب سے رسولِ دوسرا لب
گو پیاسے ہیں پر پانی کی پروا انھیں کیا ہے
ہے مخزنِ اسرارِ الٰہی دہنِ پاک
دانتوں کی صفائی سے خجل انجمِ افلاک
خالق نے سنوارا جنھیں خود دستِ کرم سے

دکھلاتا ہوں سبطِ شہِ لولاک کی تصویر
خاموش ہے غیرت سے چراغِ فلکِ پیر
یہ اخترِ اقبالِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے
ابرو پئے دشمن ہیں وہ شمشیرِ ہلالی
خورشیدِ درخشاں پہ گھٹا چھائی ہے کالی
دیکھو سحرِ عید و شبِ قدر بہم ہے
ہے سنبلِ پیچاں انہیں حلقوں میں گرفتار
بے جا نہیں پیچیدگیِ گیسوئے خمدار
کاکل بھی ہیں بل کھاتے ہوئے جوشِ غضب سے
ہم بھی پئے خوں ریزیِ مردم ہیں صف آرا
کی جس نے ادھر اک نظرِ بد اُسے مارا
آنکھ اُس کی نہ جھپکے گی جو سو تیر چلیں گے
موسیٰؑ کو غش آجائے جو دیکھے کبھی یہ نور
مستور ہو پردے میں تجلی سرِ طور
خورشید کفِ پا کے مقابل بھی نہیں ہے
قرآن ہے رُخ اور یہ الفِ اوّلِ قرآن
اس بینیِ نازک پہ اور آنکھوں پہ کرو دھیان
اِک شاخ پہ بادام کی دو پھول کھلے ہیں
مُردے ابھی جی جاویں ہلا دیں جو ذرا لب
اِس لب کے لئے ساغرِ کوثر ہیں لبالب
تسبیح ہے تہلیل ہے اور شکرِ خدا ہے
دیتے تھے اسی منہ میں زباں سیدِ لولاک
انجام پہ ان دانتوں کے ہوتا ہے جگر چاک
ٹوٹی وہ لڑی موتیوں کی سنگِ ستم سے

حقا کہ زباں دانِ پیمبر یہ زباں ہے ۔۔۔ قرآں کی طرح پاک و مطہر یہ زباں ہے
دریائے فصاحت کی شناور یہ زباں ہے ۔۔۔ کوثر ہے دہن ماہیِ کوثر یہ زباں ہے
جز کلمۂ حق اور کلاموں سے بری ہے ۔۔۔ شیریں سخنی ہر رگ و ریشے میں بھری ہے

رنگت گلِ عارض میں ہے جنت کے چمن کی ۔۔۔ خالِ رخِ روشن میں ہے بو مشک ختن کی
لالے کا جگر داغ ہے سرخی سے دہن کی ۔۔۔ فردوس میں جاتی ہے مہک سیبِ ذقن کی
آسیبِ نظر سے اُسے کیا خوف و خطر ہے ۔۔۔ یہ نخلِ گلستانِ محمدؐ کا ثمر ہے

یہ چہرے پہ عجب حسن سے ہے ریشِ مخضب ۔۔۔ کیا قدرتِ حق ہے کہ اُدھر دن تو اِدھر شب
لیکن ہے شب و روز میں یہ جلوہ گری کب ۔۔۔ کعبے میں ہے خورشیدِ شرف غور کریں سب
وہ آئینے ظلمت سے ہم آغوش ہوئے ہیں ۔۔۔ رخسار غمِ شہ میں سیہ پوش ہوئے ہیں

کانوں کی ثنا سننے کو سب ہوں ہمہ تن گوش ۔۔۔ کھوئے ہوئے ہیں شوق میں گلہائے چمن گوش
رکھتے ہیں عجب حُسن کے سلطانِ زمن گوش ۔۔۔ فرمانِ الٰہی کے جو کرتے ہیں سخن گوش
یہ کان وہ ہیں جو شرفِ کون و مکاں ہیں ۔۔۔ اسرارِ حق ان کانوں کے پردے میں نہاں ہیں

سردارِ بدن ہے شہِ جمہور کی گردن ۔۔۔ جھک جاتی ہے یاں شمع سرِ طور کی گردن
اِس حُسن کی ہوگی نہ کسی حور کی گردن ۔۔۔ گورا وہ صراحی سا گلا نور کی گردن
بچپن میں مکرر جسے چوما تھا نبیؐ نے ۔۔۔ تلوار سے کاٹا اسی گردن کو شقی نے

سینہ ہے وہ کعبہ کہ مکاں جس میں ہو سب کا ۔۔۔ کیا منہ ہے مقابل ہو جو آئینہ حلب کا
سب جانتے ہیں حکم ہے قرآں کے اَدب کا ۔۔۔ سر ہاتھوں سے پیٹو کہ یہ نکتہ ہے غضب کا
آنکھوں سے لگایا تھا جسے رُوحِ امیں نے ۔۔۔ زانو اسی مصحف پہ دھرا شمرِ لعیں نے

شانے کی ہو ضو چودھویں کے چاند سے چند ۔۔۔ ہاتھ ایسے کشادہ جو سخاوت کے ہیں پابند
ہے دست بہ قبضہ جو یداللہ کا فرزند ۔۔۔ تھرّاتے ہیں وحشت سے جوانانِ تنومند
تیغوں کو نیاموں سے نکالا نہیں جاتا ۔۔۔ بھالا کسی ظالم سے سنبھالا نہیں جاتا

نعرہ تھا کہ اے لشکرِ شام و عرب و روم ۔۔۔ تم لاکھوں ہو اور بیکس و تنہا ہے یہ مظلوم
کھانے سے بھی محروم ہوں پانی سے بھی محروم ۔۔۔ پر ابنِ علیؑ ہوں یہ تمہیں خوب ہے معلوم
تلوار علم کر کے جو لشکر پہ جھکوں گا ۔۔۔ جبریل بھی روکیں گے تو پھر میں نہ رکوں گا

ہے خیر اسی میں کہ کنارا کرو شر سے — اب ہاتھ اُٹھاؤ اسدِ حق کے پسر سے
پانی دو کہ پیاسا ہوں میں چوبیس پہر سے — للہ مزاحم نہ ہو اس تشنہ جگر سے
بیکس ہوں سوئے دشت وجبل جانے دو مجھ کو — کعبے میں حرم لے کے نکل جانے دو مجھ کو

تلواروں کو چمکا کے ستمگر یہ پکارے — دُشوار ہے جانا کہیں قابو سے ہمارے
ہم کیا کریں مرتے ہو اگر پیاس کے مارے — یہ خشک گلا کاٹیں گے دریا کے کنارے
زہراؑ کی بہو ظلم اسیری کے سہے گی — زینب کے سرِ پاک پہ چادر نہ رہے گی

کی بے ادبوں نے جو بہ اعلان یہ تقریر — سر تا بقدم کانپ گئے حضرتِ شبیر
کس قہر سے دیکھا طرفِ لشکرِ بے پیر — بَل آگیا اَبرو پہ اُگلنے لگی شمشیر
غیرت سے یہ تھا غیظ شجاعِ ازلی کو — جس طرح جلال آیا تھا خیبر میں علیؑ کو

نعرہ کیا غازی نے کہ اے لشکرِ ظلم — کلمہ یہ نہ تھا خنجرِ خوں ریز سے کچھ کم
وہ زخم لگا دل پہ کہ جس کا نہیں مرہم — چھینو گے رِدا اس کی جو ہے ثانیِ مریمؑ
مُنہ پر مرے کرتے ہو سخن بے اَدبی کے — مجبور سمجھتے ہو نواسے کو نبیؐ کے

ہے شرط کہ اس تیز زبانی کی سزا دوں — دوزخ کے زبانے سے زبانوں کو جلا دوں
انداز قیامت کے تلاطم کو دکھا دوں — گیتی کو الٹ دوں ابھی گردوں کو ہلا دوں
بجلی وہ گرے گی کہ بہت یاد کرو گے — جل جاؤ گے زینب پہ جو بیداد کرو گے

کہہ کر یہ سخن کھینچ لی شمشیرِ شرر افشاں — پَرتو سے ہوا سبز ورقِ خاکِ زر افشاں
ہر صف پہ گری کوند کے برقِ شرر افشاں[لہ] — چھینٹوں سے ہوئی خون کی ہر ایک سپر افشاں
قرباں ہوئے خونخوار دمِ تیغ دو دَم پر — ہر جسم نے سر رکھ دیا حضرت کے قدم پر

جس صَف پہ چمک کر گری گھمسان کر آئی — جمعیتِ اعدا کو پریشان کر آئی
لشکر کے زرہ پوشوں کو بے جان کر آئی — چار آئینہ والوں کو بھی حیران کر آئی
نِکلی وہ اَجل بَن کے جو شمشیر کی صورت — ایک ایک کا منھ تکتا تھا تصویر کی صورت

ناگن سی گئی فوج کو مسمار کر آئی — جو جو تھے لبِ نہر انہیں فی النار کر آئی
ساحر کو فنا مست کو ہشیار کر آئی — جس موذی نے لی بَل کی اُسے مار کر آئی
سر سبز تھی لاکھوں میں یہ اقبال تھا اُس کا — تھا جسم کبود اور دہن لال تھا اس کا

لہ شعلہ آتش

نوکوں سے ہر اک چشم کو بے نور کر آئی / شعلوں سے ہر اک جسم کو تنور کر آئی
گرمائے جو کافر انہیں کافور کر آئی / نزدیک گئی جسم کے سر دور کر آئی
چلتی تھی سموم غضب اس فوج شقی پر / کب آئی گئی کب یہ نہ کھلتا تھا کسی پر
جو بڑھتا تھا شمشیر بکف فوج کے دل سے / شانے کو قلم کر کے نکلتی تھی بغل سے
سر پر کوئی ہوتا تھا نہ اس برق اجل سے / غل تھا کہ عجب پھول کھلے تیغ کے پھل سے
زخموں سے یہ تھا رنگ لعینوں کے بدن کا / ہوتا تھا گماں ہر شجر قد پہ چمن کا

گرتی تھی پیاپے جو لعینوں پہ وہ شمشیر / نیزے نہ اٹھاتے تھے سر اپنا کسی تدبیر
دہشت سے کمانیں تھیں خمیدہ صفت پیر / پردار تھے ہرچند پہ اڑ سکتے نہ تھے تیر
روپوش جو ڈھالیں عقب دوش ہوئی تھیں / تلواریں بھی جوہر سے زرہ پوش ہوئی تھیں
ڈھالوں پہ سواروں کی وہ صمصام نہ ٹھہری / بجلی سی میان سپہ شام نہ ٹھہری
زیر زرہ جسم بد انجام نہ ٹھہری / اللہ ری روانی کہ تہہ دام نہ ٹھہری
دریا کو بھی اس طرح کا چالاک نہ دیکھا / ایسا کسی مچھلی کو بھی تیراک نہ دیکھا

کاٹی کبھی ڈھال اور کبھی شمشیر کو کاٹا / گہہ خود سر ظالم بے پیر کو کاٹا
پھر کر کبھی نیزے کو کبھی تیر کو کاٹا / چلّہ کبھی کاٹا کبھی زہ گیر کو کاٹا
لڑنے سے خطا کاروں کے جی چھوٹ گئے تھے / فولادی کمانوں کے بھی دل ٹوٹ گئے تھے
چلّوں میں جو ناوک کوئی صف جوڑ کے نکلی / فقرے یہ قیامت کے ادھر چھوڑ کے نکلی
سارے قدر اندازوں کے منھ موڑ کے نکلی / سر کاٹ کے خوں چاٹ کے دل توڑ کے نکلی
بے ہم جو خطائیں ہوئیں ناوک فگنوں سے / روحیں بھی ہوا ہو گئیں چلّا کے تنوں سے

شہباز سے نظروں میں جسے تول کے آئی / اک دم میں ہیں ظالموں کو رول کے آئی
غل ہونے لگا بیچ میں جس غول کے آئی / لو مرگ مفاجات دہن کھول کے آئی
خوں ریزی کفّار کا عہدہ ہے اسی کو / بے ذبح کئے اب یہ نہ چھوڑے گی کسی کو
قبضہ یہ نہیں تاج سر فتح و ظفر ہے / مشکل ہے پناہ اس سے کہ یہ موت کا گھر ہے
ناپوں کا نشاں جادۂ صحرائے نظر ہے / ہے بحر بھی چکر میں عجب طرح کا بر ہے
پیتے ہیں لہو دل کا وہ پشتے ہیں بلا کے / جوہر میں نہیں حرف ہیں سیفی کی دعا کے

لشکر میں جدھر جاتی تھی لیلی سی چمک کر
پس جاتے تھے مر جاتے تھے نامرد دبک کر
گرتی تھی لپک کر تو پھر اٹھتی تھی پچک کر
کیا آفت دوراں تھی کہ تھا چرخ کو چکر
تھا شور کہ سہر کے رہو باڑھ اس کی بُری ہے
کٹتے ہیں جگر چال ہے یا تیز چھری ہے

یہ ضرب تہمتن سے اٹھائی نہیں جاتی
رستم سے بھی چوٹ اس کی بچائی نہیں جاتی
جیسی یہ بلا جان پہ آئی نہیں جاتی
خوں پی گئی اور منھ کی صفائی نہیں جاتی
کاٹا ہے رسالوں کو فلک زیر و زبر ہیں
حیواں کو بھی کھا جاتی ہے پھر یہ تو بشر ہیں

ڈالا تھا عجب تہلکہ بجلی کی چمک نے
ڈھانپا تھا بدن ڈر کے چھپنے میں سمک نے
روکے تھے ادھر تیغ فلک مہر فلک نے
کرسی کو سنبھالا تھا ادھر فوج ملک نے
غل تھا کہ نہ یہ صاعقہ روکے سے رُکے گا
اب صور سرافیل کوئی دم میں پھُکے گا

چلتی تھی عجب رنگ سے شمشیر قضا رنگ
ہر ہاتھ میں دکھلاتی تھی اعدا کو نیا رنگ
چم خم کا جدا رنگ تھا کس بل کا جدا رنگ
لب سُرخ دہن صاف بدن گول ہرا رنگ
تھا شور کہ چل پھر میں نئی جلوہ گری ہے
دیوانو اسے تیغ نہ سمجھو یہ پری ہے

ہر طائر جاں کے لئے صیاد ہے یہ تیغ
لاکھوں کو کیا ذبح وہ جلاد ہے یہ تیغ
سفّاکی میں بجلی کی بھی استاد ہے یہ تیغ
گردوں کو جلا دے وہ پریزاد ہے یہ تیغ
مطلق نہیں فرق اس میں کچھ اور برق اجل میں
برسوں سے یہ رہتی ہے سلیماں کی بغل میں

جس غول میں وہ تیغ دو دھاری نظر آئی
اک جدول خوں خاک پہ جاری نظر آئی
آتش میں صف لشکر ناری نظر آئی
حملوں میں قیامت کئی باری نظر آئی
وہ برق اڑاتی تھی جو ہر دم شرر اپنے
جبریل پس پشت چھپاتے تھے پر اپنے

ہوتے تھے جدا ضربت شمشیر دو سر سے
سر دوش سے تن روح سے چار آئینہ بر سے
دستانے کلائی سے کمر بند کمر سے
ہاتھوں سے نشاں تیغ سے پھل پھول سپر سے
آگ آب میں تھی دم تن خاکی سے ہوا تھے
تھی کاٹ غضب کی کہ عناصر بھی جدا تھے

تلوار نے میدان سے جب اس فوج کو ٹالا
گھوڑے کی عناں روک کے ٹھہرے شہ والا
خوں پونچھنے کو تیغ پہ دامن جو نھیں ڈالا
غرّت ہوئی شمشیر دو پیکر کی دوبالا
توقیر ملی فیض امام ازلی سے
خلعت ہوا سرکار حسینؑ ابن علیؑ سے

گویا ہوئی تیغِ دوزبانِ اسد اللہ
روکا مجھے کیوں آپ نے کیا قصد ہے شاہ
فرمایا کہ اے ہمدمِ ابنِ شہِ ذی جاہ
زخمی ہو جگر جس کا وہ کیا خاک لڑے آہ
اِس دم ہے قلق سبطِ رسولِ عربی کو
عرصہ ہوا دیکھا نہیں ہم شکلِ نبی کو

دِل روتا ہے برچھی سی کلیجے میں گڑی ہے
اِک ایک گھڑی ہم پہ قیامت کی گھڑی ہے
بے دفن ہے فرزند ندامت یہ بڑی ہے
ہم جیتے ہیں اور دھوپ میں لاش اُن کی پڑی ہے
جنت میں کہا ہوگا یہ سلطانِ زمن سے
ماں باپ نے محروم رکھا گور و کفن سے

غم ہے کہ اسی وقت ہمیں موت نہ آئی
وہ مرگئے اور ہم نے بڑی دیر لگائی
منصف ہے کوئی کس کو دکھاؤں یہ لڑائی
جیتا نہیں عباسؑ دلاور مرا بھائی
ٹوٹی ہے کمر آہ نکلتی ہے جگر سے
سیدھا ہوا جاتا نہیں زہراؑ کے پسر سے

اور اس کے سوا پیاس کی شدت نے ہے مارا
دو دن کے ہے فاقے سے یداللہ کا پیارا
اِس دکھ میں کیا تاب و تواں نے بھی کنارا
طاقت بھی نہ ہو جب تو کہاں جنگ کا یارا
حسرت ہے کہ کٹ جائے گلا تیغِ جفا سے
اتنا بھی لڑا ہیں تو فقط حکمِ خدا سے

اے تیغ قریب آیا ہے اب عصر کا ہنگام
چھوڑے گا نماز اپنی نہ یہ بیکس و ناکام
سجدے میں جو ہوں ذبح تو آئے مجھے آرام
دل میں ہو یہی ذکر زباں پر ہو یہی نام
تکبیر کی سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ صدا ہو
رگ رگ سے مرے کلمۂ توحید ادا ہو

تیغِ دوزباں سے یہ ابھی کہتے تھے شبیر
جو لاکھ لعیں ٹوٹ پڑے دست شمشیر
شہ نے کہا حاضر ہوں میں اے لشکرِ بے پیر
ہاں شوق سے مارو مجھے تیغ و تبر و تیر
یہ تین شب و روز کا پیاسا نہ لڑے گا
اب تم سے محمدؐ کا نواسا نہ لڑے گا

یہ سنتے ہی گرد آگئے سب برچھیوں والے
چلنے لگے سینے پہ ستمگاروں کے بھالے
تیغوں سے کٹا جسم بہے خون کے نالے
دوڑے شہِ لولاک کلیجے کو سنبھالے
کھولا پئے فریاد جو سر بنتِ نبیؐ نے
تیغوں میں سپر کر دیا سینے کو علیؑ نے

کس منھ سے کہوں صبر و رضائے شہِ ابرار
جاری تھے زباں پر کلمے شکر کے ہر بار
فرماتے تھے زخموں کی کچھ ایذا نہیں زنہار
بارانِ کرم ہے مجھے تیروں کی یہ بوچھار
کیا غم انہیں زخموں کا جو مشتاقِ اجل ہیں
تلواریں نہیں نخلِ شہادت کے یہ پھل ہیں

یارب تو غنی۔ بندہ ہے اِک بندۂ محتاج
سرنذر کو دربار میں لایا ہے غلام آج
ہنگامِ تردّد ہے مدد کیجئے تو مولا!
رکھتا نہیں کچھ اور یہ کعبے کا مسافر
اب تک میں تری راہ میں ہوں صابر و شاکر

سینے پہ مرے زانوئے قاتل نہ گراں ہو
واقف نہیں اِس مرحلۂ صعب سے شبیر
پیاسا ہوں کئی روز سے میں بیکس و دلگیر

مضطر مرا ہونا خللِ اندازِ ادب ہو
بچپن میں ہوا تنگ جو کُرتے کا گریباں
یارب وہ گریباں تھا یہی خنجرِ براں
یوں خنجرِ قاتل کی چلے دھار گلے پر
آئی یہ ندا کان میں شاہِ شہدا کے
قدسی ہیں ثنا خواں تری تسلیم و رضا کے
غمگین نہ ہو ہم تجھ کو بہت شاد کریں گے
اب دیر نہ کر اے پسرِ مخبرِ صادق
معشوق کو منظور ہے خوشنودیٔ عاشق
تو دل سے فدا کرتا ہے سر راہِ خدا میں
رہ مطمئن اے فاطمہؑ کے نازوں کے پالے
مقبول ہیں ناجی ہیں ترے چاہنے والے
خالق نے غضب بھی تجھے بخشا ہے کرم بھی
یہ مژدۂ جاں بخش جو ہاتف نے سُنایا
کی عرض کہ صدقے تری رحمت کے خدایا
بندے کو سرافراز کیا تو نے جہاں میں

تیری ہی عنایت سے ہوا خلق کا سر تاج
مقبول ہو ہدیہ تو ملے رتبۂ معراج
یہ تحفۂ درویش نہ رَد کیجئے تو مولا!
اِک جان ہے سو قرباں ہے اک سر ہے سو حاضر
بیکس پہ کرم کیجئے تو مولا دَمِ آخر
خنجر کے تلے نام ترا وردِ زباں ہو
تھراتا ہے سینے میں دل اے مالکِ تقدیر
اِن خشک رگوں پر کہیں رُک جائے نہ شمشیر
تڑپوں بشریت سے جو اس دم تو غضب ہو
آنسو نکل آئے مرے رونے لگیں اماں
گو سخت ہے مشکل پہ کرے گا تو ہی آساں
منہ ملتا ہے جیسے کوئی خونخوار گلے پر
رحمت تجھے اے بندۂ مقبول خدا کے
لے تاجِ شفاعت مری سرکار میں آکے
زیرِ دمِ خنجر تری امداد کریں گے
جنت تری مشتاق ہے کوثر ترا شائق
دیں گے تجھے جو جو کہ ہیں رُتبے ترے لائق
ہدیہ ترا مقبول ہے درگاہِ خدا میں
امت ہے ترے نانا کی سب تیرے حوالے
جنت کے گلستاں میں جسے چاہے بلالے
دوزخ بھی ترا خلد بھی کوثر بھی ارم بھی
خوش ہو کے سخی نے سرِ تسلیم جھکایا
محتاج نے سب کچھ تری درگاہ سے پایا
رتبے وہ ملے جو کہ نہ تھے وہم و گماں میں

کہتے تھے یہ گردن کو جھکائے شہِ والا
پھر نوکِ سناں نے طرفِ پشت نکالا
پہنچا یہ ادھر حکمِ خدا رُوحِ امیں کو
لگتی تھیں تنِ شہ پہ ادھر برچھیاں کاری
اِک نور کو گھیرے ہوئے تھے سیکڑوں ناری

زخموں سے ٹپکتا تھا لہو دامنِ زیں پر
تھامے تھے ملک خیمۂ گردوں کی طنابیں
چھوٹیں شہِ بیکس کے جو قدموں سے رکابیں
تھا شور کہ ناموسِ پیمبرؐ نکل آئے
غُل ہائے حسینا کا جو برپا ہوا اِک بار
مڑنا تھا کہ شانے پہ چلی ظلم کی تلوار

زہراؑ کا پسر توسنِ چالاک پہ تڑپا
مقتل میں جو کوتل نظر آیا فرسِ شاہ
لوٹا جو ریتی پہ گرا فاطمہؑ کا ماہ
جلّادوں کا نرغہ ہے امامِ ازلی پر
آگے تو بڑھی بنتِ علیؑ چاک گریباں
بانو کے ادھر مادرِ قاسمؑ بصد افغاں

چہرے پہ وہ ننھے سے دھرے ہاتھ سکینہ
سر پیٹتے ہاتھوں سے حرم رن میں جو آئے
غش تھے شہِ دیں نرگسی آنکھوں کو پھرائے
صدمہ تھا عجب نزع میں شاہِ شہدا پر
جب ذبح کو ہاتھ اپنا بڑھاتا تھا ستمگار
زانو پہ دھرے تھے سرِ شہ احمدِ مختار
کہتے تھے نہ کر ظلم امامِ ازلی پر

ناگاہ لگا قلب پہ اِک ظلم کا بھالا
گرنے لگے مولا تو فرشتوں نے سنبھالا
اُلٹے نہ کہیں، تھام لے شبیر سے زمیں کو
مثلِ گلِ تر خوں سے قبا سرخ تھی سادی
مرنے پہ جھکا جاتا تھا وہ عاشقِ باری

دامن سے رکابوں پہ رکابوں سے زمیں پر
صدمے سے لہو روتی تھیں تلواروں کی تابیں
دوڑے حرم الٹے ہوئے چہروں کی نقابیں
۱۲
بارہ قمر اِک برج سے باہر نکل آئے
خیمے کو لگے دیکھنے مڑ کر شہِ ابرار
پہلو پہ تبر سر پہ لگا گرزِ گرانبار

گر کر گہرِ تاجِ علیؑ خاک پہ تڑپا
سر پیٹ کے چلّانے لگی بنتِ یداللہ
گھر صاحبِ معراج کا تاراج ہوا آہ
سب مِل کے چلو لاشِ حسینؑ ابنِ علی پر
پیچھے چلی زہراؑ کی بہو با سرِ عریاں
کلثومؑ اُدھر مُنہ پہ کیے بال پریشاں

ٹوپی کو اُتارے ہوئے تھی ساتھ سکینہ
دیکھی وہ قیامت کہ نہ اللہ دکھائے
بیٹھا تھا لعیں سینے کو زانو سے دبائے
ٹوٹا تھا پہاڑ آئینۂ نورِ خدا پر
خنجر سے لپٹ جاتی تھی زہراؑ جگر افگار
رومال سے ڈھانپے تھے گلا حیدرِ کرّارؑ
ہے حلقِ نبیؐ حلقِ حسینؑ ابنِ علیؑ پر

سر پیٹ کے زینب نے اُدھر سے یہ پکارا
کہہ دیجئے زندہ ہو اگر آپ کا پیارا
اِک دم کے لئے شمر ستم گار جو ہٹ جائے
فرماکے یہ آگے جو بڑھی زینب دلگیر
چلّانے لگی رو کے یہ جب دخترِ شبیرؑ
ہوتی ہوں یتیم اشک بہانا نہیں ملتا
بابا کہو کیا دل پہ گزرتی ہے تمہارے
صدقے گئی جیتے ہو کہ دنیا سے سدھارے
بولو نہیں اب غم سے جگر پھٹتا ہے میرا
رَن سے یہ صدا دی جو امامِ دوسرا نے
اعدا کو لگی ننھے سے ہاتھوں سے ہٹانے
مقتل میں سکینہ کو یہ ساماں نظر آیا
چلّائی کہ ہے ہے شہِ والا کا یہ سر ہے
ماتم کرو لوگو مرے شیدا کا یہ سر ہے
میں لُٹ گئی دنیا سے سفر کر گئے بابا
ہے ہے مرے بابا کا لہو کس نے بہایا
ہے ہے مرے بچپن پہ ذرا رحم نہ کھایا
یہ خشک گلا کون سے خونخوار نے کاٹا
بابا نہیں ملنے کا تم اب جاؤ سکینہ
ہاں رُوح پہ صدمہ ہے نہ چلّاؤ سکینہ
فردوس سے لینے کو تمہیں آئیں گے بی بی
سُن سُن کے یہ تقریرِ سرِ سیدِ ابرار
مقتل سے چلے جب تو صدا آئی پھر اک بار
لختِ جگرِ شاہِ مدینہ کو بچانا

بابا مرے بھائی کو بچا لیجیے خدارا
آتی ہے بہن دیکھنے دیدار تمہارا
یہ خستہ جگر دوڑ کے چھاتی سے لپٹ جائے
تلواریں لئے راہ میں حائل ہوئے بے پیر
بابا مرا کچھ بس نہیں اب کیا کروں تدبیر
نزدیک ہیں آپ اور مجھے آنا نہیں ملتا
نکلی تو نہیں منہ سے زباں پیاس کے مارے
آواز نہ دی ہم نے تمہیں دو بار پکارے
حضرت نے صدا دی کہ گلا کٹتا ہے میرا
منہ پیٹ لیا دخترِ شاہِ شہدا نے
گل کر دیا اُس شمعِ امامت کو قضا نے
نیزے پہ سرِ سرورِ ذیشاں نظر آیا
آلودۂ خوں دلبرِ زہراؑ کا یہ سر ہے
سر کھول دو اماں مرے بابا کا یہ سر ہے
ہے ہے ابھی کٹوا کے گلا مر گئے بابا
ہے ہے مجھے کس نے مرے عاشق سے چھڑایا
ہے ہے مرے سر پر سے اٹھا باپ کا سایا
آئی یہ صدا شمرِ ستم گار نے کاٹا
جلّاد کھڑے ہیں نہ ادھر آؤ سکینہ
ہم جلد بلا لیں گے نہ گھبراؤ سکینہ
یہ ہجر کے دن جلد گزر جائیں گے بی بی
سر ہاتھوں سے پیٹے حرمِ احمدِ مختار
فوج آتی ہے زینب مری بیٹی سے خبردار
ظالم کے طمانچوں سے سکینہ کو بچانا

رانڈیں تو گئیں خیمے میں چہروں پہ ملے خاک
خاموش انیسؔ اب کہ جگر غم سے ہوا چاک
سیری ہوئی اس پر بھی نہ کچھ فوجِ شقی کو

یاں لٹنے لگی سیدِ مظلوم کی پوشاک
تھرا گئے صدمے سے کفن میں شہِ لولاک
پامال کیا لاش حسینؑ ابن علیؑ کو

۱

سلام

گذر گئے تھے کئی دن کہ گھر میں آب نہ تھا
مگر حسینؑ سے صابر کو اضطراب نہ تھا

نمود و بود و بشر کیا محیطِ عالم میں
ہوا کا جب کوئی جھونکا چلا حباب نہ تھا

فشار سے جو بچا میں ہوا زمیں کو عجب
صدا یہ قبر نے دی جسم بوتراب نہ تھا

اگر بہشت میں ہوتے نہ کوثر و تسنیم
تو رونے والوں کی آنکھوں کا کچھ جواب نہ تھا

نہ جانے برق کی چشمک تھی یا شرر کی لپک
ذرا جو آنکھ جھپک کر کھلی شباب نہ تھا

حسینؑ اور طلب آب لے معاذ اللہ!
تمام کرتے تھے حجت سوالِ آب نہ تھا

جسے نبیؐ نے بلایا ہو وہ نخل نہال
ثمر اسے بھی دیتے جو کہ باریاب نہ تھا

علیؑ کے پائے مبارک نے جو ضیا پائی
وہ نور حضرتِ موسیٰؑ کو دست یاب نہ تھا

ہر اک کے ساتھ ہے روشن لو! طلوع و غروب
سحر کو چاند نہ تھا شب کو آفتاب نہ تھا

فقط حسینؑ کے بچوں پہ بند تھا پانی
بہت قریب تھی وہ نہر قحط آب نہ تھا

انیسؔ عمر بسر کر دو خاکساری میں
کہیں نہ یہ کہ غلامِ ابوتراب نہ تھا

رباعی

کعبے میں جسے حق نے اتارا ہوگا
مرحب سے جواں کو جس نے مارا ہوگا

تلوار سے اک شقی کی سبحان اللہ
سجدے میں اسی کا سر دو پارا ہوگا

مرثیہ ۳

۱۶۴ بند

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح
گلزارِ شب خزاں ہوا آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثارِ صبح
سرگرمِ ذکرِ حق ہوئے طاعت گزارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دم بدم
مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تابِ نہر وہ موجوں کا پیچ و خم
سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ نورِ صبح اور وہ صحرا وہ سبزہ زار
تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار
کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں
تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤسِ آسماں
ذرّوں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں
نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہِ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

اوجِ زمیں سے پست تھا چرخِ زبرجدی
کوسوں تھا سبزہ زار صحرا زمرّدی
ہر خشک و تر پہ تھا کرمِ بحرِ سرمدی
بے آب تھے مگر دُرِ دریائے احمدی
روکے ہوئے تھی نہر کو امّت رسول کی
سبزہ ہرا تھا خشک تھی کھیتی بتول کی

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد
مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد
یہ خوف تھا کہ دامنِ گل پر پڑے نہ گرد
دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

تھا بس کہ روزِ قتلِ شہِ آسماں جناب
تھی نہرِ علقمہ بھی خجالت سے آب آب
پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی
تھا لشکرِ یزید میں سامانِ قتلِ شاہ
گیتی کو تہلکہ تھا یہ تھی کثرتِ سپاہ
سب مستعد تھے قتلِ شہِ کائنات پر
اک صف میں برچھیوں کی چمک تھی کہ الحذر
وہ بوریاں جو سنگ کے دل میں کریں گزر
تھا اک گلا تو خنجرِ بے پیر کے لئے
ناوک فگن لئے ہوئے حلقے کمان کے
دشمن ہیں بادشاہِ دوعالم کی جان کے
ہرگز کریں گے پاس نہ احمدؐ کی آل کا
جب بندھ چکیں صفیں تو علم کھل گئے تمام
حلقے میں اہل بیت کے روتے تھے یاں امام
بکھرائے سر کے بال حرم ساتھ ساتھ تھے
زینبؑ بلک رہی تھی پریشاں تھے سر کے بال
سینہ کبود چاک گریباں شکستہ حال
پوچھے گا کون ساتھ چھٹے گا جو آپ کا
زینبؑ کے اضطراب پہ شہ روئے زار زار
یاد آگیا حسینؑ کو اس وقت ماں کا پیار
واللہ اپنے قول کا ہر دم خیال ہے
بچپن میں جو زباں سے کہا ہے کریں گے ہم
حلق اپنا زیرِ خنجرِ قاتل دھریں گے ہم
اب ہاتھ اٹھاؤ فاطمہؑ کے نورِ عین سے

نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
رونا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا میں ہر حباب
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی
ہر سو جما رہا تھا صفیں شمرِ روسیاہ
ممکن نہ تھا کہ ہو گزرِ طائرِ نگاہ
طوفانِ آبِ تیغ اٹھا تھا فرات پر
لچکا رہے تھے ڈانڈ سوارانِ خیرہ سر
انیاں وہ توڑ ڈالیں جو فولاد کا جگر
وہ برچھیاں تھیں سب تنِ شبیر کے لئے
چلاتے تھے یہ چھاتیوں کو تان تان کے
دم لیں گے جسمِ شاہ کو تیروں سے چھان کے
ریتی پہ خوں بہائیں گے زہراؑ کے لال کا
غل پڑ گیا کہ جنگ کو نکلیں شہِ انام
لپٹی ہوئی تھی قدموں سے بانوئے نیک نام
ٹیکے ہیں شاہِ دیں کے سکینہ کے ہاتھ تھے
نعلین کا نہ ہوش نہ چادر کا تھا خیال
کہتی تھی مجھ پہ رحم کر اے فاطمہؑ کے لال
نے ماں کا آسرا ہے مجھے اب نہ باپ کا
فرمایا اے بہن تری الفت کے میں نثار
لیکن میں کیا کروں نہیں کچھ میرا اختیار
بھینا حسینؑ مخبرِ صادق کا لال ہے
کھائیں گے تیرِ ظلم لہو میں بھریں گے ہم
امت کے بخشوانے کو پیاسے مریں گے ہم
ہو گی کبھی نہ وعدہ خلافی حسینؑ سے

یہ سُن کے گر پڑی جو قدم پر وہ نوحہ گر
رو کر کہا کہ ہوتا ہے ٹکڑے مرا جگر
خاصانِ حق کا خلق میں رتبہ بلند ہے
فرما کے یہ سکینہ کے مُنھ پر نگاہ کی
بولی بلائیں لے کے وہ رخسارِ شاہ کی
رونا یہ بے سبب نہیں مُنہ موڑ موڑ کے
معلوم ہو گیا نہ اب آئیے گا آپ
چھوڑا اگر مجھے تو نہ اب پائیے گا آپ
فرقت میں مجھ کو جی سے گزرنا قبول ہے
منھ چوم کے یہ کہنے لگے شاہِ خوش خصال
معلوم ہے حسینؑ کو بی بی تمہارا حال
اِن برگِ گل سے ہونٹوں کے صدقے امام ہو
تدبیر اک نکالی ہے آنسو نہ اب بہاؤ
سوکھی زباں دکھا کے نہ شبیر کو رُلاؤ
حق سے کہو بتولؑ کے جانی پہ رحم کر!
ناچار شہ کی گودی سے اُتری وہ رشکِ حور
پھیلی زمیں پہ روشنیٔ آفتابِ نور
چوما ادب سے پاتے امامِ انام کو
حق کے ولی مصاحبِ سردارِ انس و جن
فاقوں میں با حواس لڑائی میں مطمئن
مانگو دعا کہ آج یہ مرنا سعید ہو
وہ گورے گورے جسم قبائیں وہ تنگ تنگ
زیور کی طرح جسم پہ زیبا سلاحِ جنگ
کہتے تھے سب چڑھائے ہوئے آستین کو

لپٹا لیا گلے سے بہن کو بچشمِ تر
زینبؑ خدا کے واسطے پیٹو نہ اپنا سر
صابر رہو کہ صبر خدا کو پسند ہے
گودی میں لے لیا اُسے اور دل سے آہ کی
سمجھی ہیں آخری یہ نگاہیں ہیں چاہ کی
مرنے چلے ہیں آپ مجھے گھر میں چھوڑ کے
چھاتی پہ سونے والی کو تڑپائیے گا آپ
میں اپنی جان دوں گی اگر جائیے گا آپ
اچھا سدھارو گر مرا مرنا قبول ہے
صدقے عقیقِ لب پہ ترے فاطمہؑ کا لال
کیوں کر روؤں میں کہ قلق ہے مجھے کمال
سولہ پہر ہوئے ہیں کہ تم تشنہ کام ہو
ہم پانی لینے جاتے ہیں تم ماں کے پاس جاؤ
بی بی دعا کے واسطے ننھے سے ہاتھ اٹھاؤ
یارب ہماری تشنہ دہانی پہ رحم کر!
روتے ہوئے محل سے برآمد ہوئے حضور
پڑھنے لگے درود رفیقانِ ذی شعور
خم ہو گئے تمام نمازی سلام کو
کوئی جوان، کوئی متوسط، کوئی مُسن
کہتے تھے روزِ قتل ہمیں عید کا ہے دن
قرباں ہوں حسینؑ پہ رن میں تو عید ہو
جن کی صفا کو دیکھ کے ہو آئنہ بھی دنگ
جرأت کا تھا یہ جوش کہ چہرے تھے لالہ رنگ
آقا ابھی کہیں تو الٹ دیں زمین کو

تھے اک طرف عزیزِ شہِ آسماں وقار — تھا جن کی چاہ میں دلِ یوسف بھی بے قرار
جاں باز سرفروش بہادر وفا شعار — ایک ایک رونقِ چمنستانِ روزگار
ہر چند باغِ دہر کو کیا کیا ملا نہیں — اب تک تو اِس رَوِش کا کوئی گُل کھلا نہیں

خلق و مروّتِ حسنی اُن پہ ختم تھی — حُسن ان پہ ختم گل بدنی اُن پہ ختم تھی
زور ان پہ ختم تیغ زنی اُن پہ ختم تھی — ہر معرکے میں صف شکنی اُن پہ ختم تھی
غازی تھے صف شکن تھے جری تھے دلیر تھے — جس میں علیؑ رہے اسی بیشے کے شیر تھے

اُن سب گلوں میں اک علی اکبرؑ ساگل بدن — تھا جس کی جامہ زیبی کا شہرہ چمن چمن
رخسار سے بہم تھے جو گیسوئے پُرشکن — حیراں تھے سب کہ مل گئے کیونکر حلب ختن
سُرخی تھی لب پہ گو کہ نہ پانی نصیب تھا — دیکھا جو غور سے تو یمن بھی قریب تھا

کہتے تھے مسکرا کے پدر سے یہ دم بدم — عرصہ ہے کیا سوار ہوں کہ اب قبلۂ اُمم
آمادۂ وَغا ہے اُدھر لشکرِ ستم — دشمن اگر بہت ہیں تو ہم بھی نہیں ہیں کم
نامرد برقِ تیغ سے جل جائیں تو سہی — دَب دَب کے مورچوں سے نکل جائیں تو سہی

کہتے تھے اشک بھر کے امامِ فلک جناب — صدقے ترے جلال کے اے میرے آفتاب
دو روز سے ملا نہیں میرے چمن کو آب — جی بھر کے دیکھ لوں علیؑ اکبر ترا شباب
طاقت نہیں کلیجے میں شیروں کے داغ کی — پیارے میں دیکھتا ہوں بہار اپنے باغ کی

قربانِ احتشامِ علمدارِ حق پژوہ — لرزاں تھا جن جری کے تہوّر سے دشت و کوہ
سردار صفدروں کا دلیروں کا سرگروہ — حمزہؑ کا دبدبہ، اسداللہ کی شکوہ
دِل کانپتے تھے دیکھ کے تیور دلیر کے — گویا سپاہِ شام تھی پنجے میں شیر کے

اِک ضَو چراغِ محفلِ شبّرؑ تھا جلوہ گر — روشن تھے جس کے چہرۂ انور سے دشت و در
تیرہ برس کا تھا ابھی وہ غیرتِ قمر — تن تن کے جھومتا تھا مگر مثلِ شیرِ نر
جرأت نثار ہوتی تھی اس سرفروش پر — شملہ چھٹا تھا سبز عمامے کے دوش پر

تلوار تول تول کے دستِ حنائی میں — کہتے تھے خوں بہائیں گے ہم اس لڑائی میں
حاصل تھا ہاتھ کو یدِ بیضا صفائی میں — اختر کی ضَو دکھاتا تھا کنگنا کلائی میں
ساعد فروغ دیتے تھے تارِ نگاہ کو — دکھلاتی تھیں ہتھیلیاں آئینہ، ماہ کو

بیٹھے پہلوئے حسینؑ ہیں زینبؑ کے دونوں لال
کاندھوں پہ نیچے نظر آتے تھے دو ہلال
نو دس کا سن تھا مگر کیا دلیر تھے
دونوں یتیم حضرت مسلمؑ تھے کیا عقیل
آپس میں کہتے تھے کہ پدر تو ہوئے قتیل
گھر سے طلب کیا تھا اسی اعتقاد پر

مہماں سے یہ سلوک مسافر سے یہ دغا
لے جا کے بام پر سرِ انور کیا جدا
ایسی کبھی وکیل پہ آفت پڑی نہیں
اس فوج میں یقیں ہے کہ ہو کوہ روسیاہ
منت پہ ان غریبوں کی مطلق نہ کی نگاہ
پائیں ابھی تو کشتۂ تیغِ دو دم کریں

باتیں ابھی یہ کرتے تھے باہم وہ گلعذار
چڑھ چڑھ کے مرکبوں پہ چلے سب رفیقِ یار
پھولا ہوا چمن تھا امامِ امم کے ساتھ
اللہ رے فیض جلوۂ ابنِ شہِ نجف
کس شان سے کھڑے تھے نمازی جمائے صف
گیتی لرز گئی دلِ اوتاد ہل گئے

لشکر سے تب بڑھا پسرِ سعد چند گام
شاہد رہیں تمام دلیرانِ فوجِ شام
بے شاق مجھ کو خلق میں جینا حسینؑ کا
لکھا ہے جب لگا کے وہ ناوک ہٹا شریر
بے جاں ہوئے پچاس رفیقانِ بے نظیر
افتادہ خاک و خوں میں وہ اہلِ تمیز تھے

گویا قرینِ بدر تھے دو نجمِ بے مثال
ظاہر تھا چتونوں سے یداللہ کا جلال
بچے بھی شیرِ حق کے گھرانے کے شیر تھے
حاضر تھے باادب عقبِ سرورِ جلیل
ہم کوفیوں کو ماریں گے عمریں ہیں گو قلیل
لعنت خدا کی مذہبِ ابنِ زیاد پر

یہ ظلم اک غریب پہ بے کس پہ یہ جفا
خندق میں تن کو پھینک دیا وا مصیبتا
سنتے ہیں ہم کہ لاش بھی اب تک گڑی نہیں
مارا ہمارے بھائیوں کو جس نے بے گناہ
سر چھوٹے چھوٹے کاٹ لیے سنگدل نے آہ
ہم نیچوں سے ہاتھوں کو اُس کے قلم کریں

جو صدرِ زیں پہ مصدرِ رحمت ہوا سوار
آگے بڑھے علم لیے عباسؑ نامدار
تھا ہاشمی جوانوں کا غنچہ علم کے ساتھ
رن کی زمیں کو حق نے دیا خلعتِ شرف
کس یک بیک بجا دہلِ جنگ اس طرف
تیرِ ستم کمانوں کے چلوں سے رل گئے

چلے میں رکھ کے تیر یہ سب سے کیا کلام
میں پہلے پھینکتا ہوں یہ ناوک سوئے امام
کیا شاد ہوں ہدف ہو جو سینہ حسینؑ کا
یک بار فوجِ شہ پہ چلے دس ہزار تیر
لاشوں پہ اُن کے روئے امامِ فلک سریر
یاں کچھ رفیق باقی تھے اور کچھ عزیز تھے

جس وقت خاتمہ رفقا کا ہوا بخیر
روتے تھے حالِ فخرِ سلیماں پہ وحش و طیر
ماتم ہوا حرم میں امامِ جلیل کے
راہی ہوئے عدم ہوئے جب دم وہ بے پدر
مانندِ شیرِ حق کئے حملے اِدھر اُدھر
اُلٹیں صفیں جدھر وہ دمِ جنگ پھر پڑے

ناگاہ گھر میں آن کے فضہ نے دی خبر
رن میں گئے ہیں اکبرؑ و عباسؑ نامور
رن سے بہن کے بیٹوں کو شبیرؑ لائیں گے
دوڑے حسینؑ جانبِ مقتل باشک و آہ
مُردوں کو بھانجوں کے اُٹھا لائے گھر میں شاہ
زینبؑ مگر نہ روئی ادب سے امامؑ کے

باہر امام لے گئے لاشے اٹھا کے جب
مل مل کے ہاتھ کہتی تھی دل سے کہ ہے غضب
اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤں گی
دل میں یہ سوچتی ہوئی اُٹھی وہ خوش خصال
رو کر کہا کہ اے حسنِ مجتبےٰ کے لال!
جاری ہیں اشکِ خوں کی چشمِ پُرآب سے

گھر لُٹ رہا ہے فاطمہؑ زہرا کا ہائے ہائے
غیروں نے یاں حسینؑ کے قدموں پہ سر کٹائے
گھیرا ہے بے وطن کو عدو کی سپاہ نے
سب مر چکے امامِ دو عالم کے اقربا
حضرت کے تن کی جان ہیں وہ دونوں مہ لقا
تم بھی خجل رہو گے سدا جد کے سامنے

تھے پھر تو سب عزیز نہ تھا ان میں کوئی غیر
کرنے لگے عزیز بھی ملکِ عدم کی سیر
تیغوں سے ٹکڑے ہو گئے پوتے عقیل کے
نکلے وغا کو زینبؑ ذی جاہ کے پسر
کٹ کٹ کے نیمچوں سے گرے سرکشوں کے سر
آخر زمیں پہ برچھیاں کھا کھا کے گر پڑے

لو کام آئے زینبؑ ناشاد کے پسر
روتے ہیں بھانجوں کے لئے شاہِ بحر و بر
صف ماتمی بچھاؤ کہ لاشے اب آئیں گے
آنکھوں کے سامنے ہوئے بے دم وہ رشکِ ماہ
پھر بیٹھے اہلِ بیتِ رسولِ فلک پناہ
چُپ رہ گئی کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

غیرت کا جوش آ گیا قاسم کی ماں کو تب
ہم شکلِ مصطفےٰ کہیں مرنے نہ جائے اب
میں فاطمہؑ کو حشر میں کیا منہ دکھاؤں گی
قاسمؑ کو اپنے پاس بلایا بصد ملال
کچھ اس ضعیفہ ماں کی بھی غیرت کا ہے خیال
زینبؑ کے آگے جا نہیں سکتی حجاب سے

دشمن وہ دوست ہے جو نہ اس دکھ میں کام آئے
کیا قہر ہے کہ بھائی کا جایا نہ مرنے جائے
منہ دیکھنے کو کیا تمہیں پالا تھا شاہ نے
باقی ہے کون اکبرؑ و عباسؑ کے سوا
سر اُن کے کٹ گئے تو قیامت ہوئی بپا
تھرائیں گے حسنؑ بھی محمدؐ کے سامنے

جو مرد ہیں وہ دیتے ہیں مردانگی کی داد
کچھ اپنے باپ کی بھی وصیت ہے تم کو یاد
جلدی دولہن سے مل کے سدھارو پئے جہاد
قربان ہو چچا پہ یہی ماں کی ہے مراد
بیاہا تمہیں بر آئی ہر اک آرزو مری
اب وہ کرو کہ جس میں رہے آبرو مری

مادر کے منھ کو دیکھ کے بولا وہ گلعذار
ایسے ہیں ہم کہ بیٹھ رہیں وقتِ کارزار
جانیں ہزار ہوں تو چچا پر کریں نثار
رخصت ہی وہ نہ دیں تو ہے کیا اپنا اختیار
رن میں چلے تھے مرنے کو پہلے ہی سب سے ہم
روکا چچا نے کہہ نہ سکے کچھ ادب سے ہم

اب بھی اگر نہ دیں گے رضا سرورِ اُمم
رکھ لیں گے تیغ کھینچ کے اپنے گلے پہ ہم
اماں مزارِ کشتۂ سم کی ہمیں قسم
زیرِ قدم ہے اب کوئی دم میں رہِ عدم
کیا دخل ہم سے آگے جو وہ شہ سوار ہوں
عباسؑ ہوں کہ اکبرؑ عالی وقار ہوں

یہ کہہ کے آئے سر کو جھکا کے دلہن کے پاس
آنکھوں میں اشک درد کلیجے میں دل اداس
فرمایا ہم کو ہائے یہ شادی نہ آئی راس
سب مر گئے عزیزِ شہنشاہ حق شناس
بستی تمام لٹ گئی، ویرانہ ہو گیا
شادی کہاں کی یہ گھر تو عزاخانہ ہو گیا

کس سے کہیں جو حالِ دلِ دردناک ہے
تلوار چل رہی ہے جگر چاک چاک ہے
اِس زندگی پہ حیف ہے دنیا پہ خاک ہے
اب کوئی دم میں دلبرِ زہراؑ ہلاک ہے
آئی تباہی آلِ نبیؐ کے جہاز پر
نرغا ہے شامیوں کا امامِ حجاز پر

تم بھی کچھ اپنے باپ کی اس دم کرو مدد
آفت میں آج ہے پسرِ ضیغمِ صمد
دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے یہ روزِ بد
صدقے کرو ہمیں کہ بلا اُن کی ہووے رد
راضی رضائے حق پہ بصد آرزو رہو
حیدرؑ سے ہم بتولؑ سے تم سرخرو رہو

واللہ قتل ہوں گے جو عباسؑ نامور
صدمے سے ٹوٹ جائے گی شبیرؑ کی کمر
اکبر خدانخواستہ مارے گئے اگر
مر جائیں گے تڑپ کے شہنشاہِ بحر و بر
وہ مستعد ہیں حلق کٹانے کے واسطے
ہم کیا پلے ہیں لاش اٹھانے کے واسطے

سوچو تمہیں گلا نہ کٹائیں تو کیا کریں
فریادِ فاطمہؑ کی صدائیں سنا کریں
رخصت کرو تو فوجِ ستم سے وغا کریں
کھولو جو لعلِ لب تو گہر ہم فدا کریں
صاحب! ہمیں سپردِ عدو میں اجل کرو
مشکل کشا کی پوتی ہو مشکل کو حل کرو

گھونگھٹ ہٹا کے ہم کو دکھاؤ تو رُخ کا نور
آنکھوں پہ ہیں ہتھیلیاں رقّت کا ہے وفور
جینے کی اِس چمن میں خوشی دل سے فوت ہے
صاحب بھلا عدم کے مسافر سے کیا حجاب
ایسی روا روی میں ٹھہرنے کی کب ہے تاب؟
رستہ ہے پُر خطر کہیں وقفہ ذرا نہ ہو
اِک دَم کی بھی ہمیں تو جدائی ہے تم سے شاق
لائی اجل پکڑ کے گریباں سوئے عراق
چھپکی یوں ہی رہو گی تن پاش پاش پر
جب یہ سُنے کلام تو جی سنسنا گیا
منہ پر دلہن کے صاف رنڈاپا سا چھا گیا
دولھا کو اتنی بات سُنا کر اک آہ کی
سمجھی کہ جیتے اب نہیں پھرنے کے رَن سے تم
سو جاؤ گے منھ چھپا کے لحد میں کفن سے تم
اِک رات کی بنی پہ جفا یوں ہی چاہیئے
فریاد کیا کریں جو نہ روئیں بہ درد و یاس
مہماں ہیں کوئی دم کے جہاں میں وہ حق شناس
وارث ہے کون پھر جو گلے سب کے کٹ گئے
میں کون ہوں بھلا جو کہوں گی کہ تم نہ جاؤ
گھر تو اُجاڑ ہو چکا جنگل کو اب بساؤ
مسکن کریں گے رَن میں تنِ پاش پاش پر
باتیں یہ سُن کے روتے تھے قاسمؑ بحالِ زار
ماں نے کیا اشارہ کہ اے میرے گلعذار!
کیا جانے ہوگا قبر میں کیا حال باپ کا

پاس اب نہ آسکیں گے کہ ہوتے ہیں تم سے دور
نرگس کے پھول ہاتھوں سے نکلنا یہ کیا غرور
بلبل جو گل کی شکل نہ دیکھے تو موت ہے
ہم یوں ہیں جس طرح کہ سرِ آب ہو حباب
کہتی ہے موت گور کی جانب چلو شتاب!
منزل بہت کڑی ہے یہ جلدی روانہ ہو
کیا کیجیے نصیب میں تھا صدمۂ فراق
بولو زباں سے کچھ کہ نہ رہ جائے اشتیاق
کیا بَین بھی کرو گی نہ دولھا کی لاش پر؟
دل پر چھری چلی کہ جگر تھرتھرا گیا
جوشِ بکا میں کچھ نہ زباں سے کہا گیا
صورت بناتے جاؤ ہمارے بیاہ کی
پیاسا گلا کٹا کے ملو گے حسنؑ سے تم
اچھا سلوک کرتے ہو صاحب دلہن سے تم
اے شمعِ بزم "مہر و وفا یوں ہی چاہیئے
نے باپ کی نہ بھائیوں کی نے چچا کی آس
سونا تھا آپ کو سو رہے آپ بھی نہ پاس
تم کیا کرو نصیب ہمارے اُلٹ گئے
راضی ہیں ماں تمہاری تو جاؤ گلا کٹاؤ
نبھ جائے گا ہمارے رنڈاپے کا غم نہ کھاؤ
ہم بھی فقیر ہوئیں گے صاحب کی لاش پر
ہَل مِن مُبارِز کی صدا آئی ایک بار
موقع نہیں ہے دیر کا اُٹھو یہ ماں نثار
جی لگ گیا عروس کی باتوں میں آپ کا

فرما کے الوداع اُٹھا دلبرِ حسنؑ
برہم ہوئی وہ بزم وہ صحبت وہ انجمن
غل ہو گیا کہ لُٹتی ہے اِک رات کی دلہن
اُس وقت سب سے دولھا کی ماں کا تھا یہ سخن
جاتی ہے اب برات مرے نونہال کی
رخصت ہے بی بیو! زنِ بیوہ کے لال کی

جاتا ہے سر کٹانے کو رن میں یہ رشکِ ماہ
لو میں نے دودھ بخش دیا سب ہیں گواہ
دُنیا میں یادگار رہا حشر تک یہ بیاہ
دو رانڈیں ایک جا ہوں یہ تھی مرضیٔ اِلٰہ
سمجھے نہ اب کوئی کہ دلہن کی عزیز ہوں
کل تک تھی ساس آج سے اس کی کنیز ہوں

مطلع دوم

جب خیمۂ حسینؑ سے نکلا حسنؑ کا لال
دیکھا کہ در پہ روتے ہیں سرور بصد ملال
بس گر پڑا قدم پہ یہ کہکر وہ خوش خصال
دیجئے رضائے حرب مجھے بہرِ ذوالجلال
چلائی ماں کہ سبطِ پیمبرؐ نہ روکیو!
شبّرؑ نے دی صدا کہ برادر نہ روکیو!

لپٹا کے اُس کو چھاتی سے بولے شہِ اُمم
پیارے تمہارا داغ بھی دل پر سہیں گے ہم
یہ پیش و پس ہے منزلِ ہستی میں کوئی دم
تم آگے چند گام تو ہم پیچھے دو قدم
کچھ غم نہیں جو راہ ہے خنجر کی دھار پر
ہر دم خدا کا فضل ہے اس خاکسار پر

یہ کہہ کے دل قلق سے بھر آیا جو ایک بار
روئے مثالِ ابر شہِ آسماں وقار
تر آنسوؤں سے ہو گئی ریشِ خضاب دار
تسلیم کر کے قاسمِ گُل رو ہوا سوار
دولھا کے نورِ رُخ کی ضیا چرخ تک گئی
جولاں کیا فرس کو تو بجلی چمک گئی

پہنچا جو رزم گاہ میں وہ غیرتِ قمر
نیزہ پکڑ کے گھوڑے کو پھیرا ادھر ادھر
بولے عدو یہ کوئی فرشتہ ہے یا بشر
خورشیدِ خاوری کی بھی خیرہ ہے یاں نظر
اللہ ری چمک رُخِ پُر آب و تاب کی
سہرا بنا ہوا ہے کرن آفتاب کی

کیوں وصفِ لعلِ لب میں حلاوت نہ پائے لب
ہے مدح خواں کو قندِ مکرر ثنائے لب
شیریں لبوں کے ہیں لبِ شیریں فدائے لب
دیکھے یہ لب تو یوسفِ مصری چبائے لب
ترکِ ادب ہے اس کی ثنا اس طرح سے
دھو نازباں کو چاہیئے آبِ عقیق سے

دنداں محیطِ نور کے ہیں گوہرِ خوش آب
براق اس قدر ہیں کہ ہے برق کو حجاب
ان سے مقابلے کی نہیں اختروں کو تاب
بتیس ۳۲ موتیوں کی یہ سمرن ہے انتخاب
حیراں ہے چشمِ حور ظہور ان کا دیکھ کر
دانا درود پڑھتے ہیں نور اُن کا دیکھ کر

ناگہ رجز یہ پڑھنے لگے قاسم جری — عالم میں کون ہے جو کرے ہم سے ہمسری
ہم حیدری ہیں، ہم میں ہے زورِ غضنفری — ہم سے ہے اَوجِ پایۂ اورنگِ صفدری
شہرہ ہے حرب و ضربِ شہِ خاص و عام کا — سکّہ ہے شش جہت میں ہمارے ہی نام کا

جَد ہے مرا امیرِ عرب شحنۂ نجف — ضرغامِ دیں معینِ رسولانِ ماسلف
دادی جنابِ فاطمہؑ زہرا سی ذی شرف — عمو حسینؑ صاحبِ لولاک کا خلف
ہیں پارۂ دلِ حسنؑ خوش خصال ہوں — ہیرے سے جو شہید ہوا اُس کا لال ہوں

اُس کا پسر ہوں اے سپہ مصر و روم و شام — گلزارِ فاطمہؑ کا ہے جو سروِ سبز فام
واللہ اُس کا لختِ جگر ہوں ہیں تشنہ کام — تابوت جس کا تیروں سے چھلنی ہوا تمام
جان اس کی ہوں ہیں جس کو نہ جاگیرِ جَد ملی — پہلو میں مصطفیٰؐ کے نہ جس کو لحد ملی

ناگاہ فوجِ شام سے تیرِ ستم چلے — تیر و سنان و نیزہ و خنجر بہم چلے
قاسم بھی یاں سے کھینچ کے تیغِ دودم چلے — اعدا پہ چھیڑ کر فرسِ خوش قدم چلے
پیدل تو اُس قطار کے تھے کس قطار میں — دو دو سوار کٹ گئے ایک ایک وار میں

ڈھالیں اُٹھیں کہ دن شبِ دیجور ہو گیا — لامع جو برقِ تیغ ہوئی نور ہو گیا
حیران ہر ایک ظالمِ مقہور ہو گیا — چہروں کا رنگ خوف سے کافور ہو گیا
آئی ہنسی اجل کو بھی اس طرح مر گئے — گھوڑوں پہ تن چڑھے رہے اور سر اُتر گئے

تھا ابنِ سعدِ شوم کو اس دم بہت ہراس — غرقِ سلاح ازرقِ شامی کھڑا تھا پاس
اُس سے کہا کہ فوج نہایت ہے بے حواس — تو جا کے لڑ تو قتل ہو شاید یہ حق شناس
رُکتا ہے برچھیوں سے نہ دامِ کمند سے — جلدی سناں پہ اس کو اُٹھا لے سمند سے

کہنے لگا بگڑ کے وہ باصد غرور و لاف — تو آپ بے حواس ہے تقصیر ہو معاف
یہ امر اے امیر شجاعت کے ہے خلاف — ہاں تب لڑوں علیؑ اگر آئیں پئے مصاف
فرق آئے گا نہ میری کبھی آن بان میں — لڑکے سے لڑ کے نام مٹا دوں جہان میں

ڈرتے ہیں سب جری مری جنگ و جدال سے — رستم کا زور آ گئے مرے کم ہے زال سے
رُکتی نہیں یہ تیغ تہمتن کی ڈھال سے — نادان ہوں کیا لڑوں میں جو اس خرد سال سے
بیٹوں کو میرے بھیج کہ چاروں دلیر ہیں — جنگ آزما ہیں، سور ہیں، صفدر ہیں، شیر ہیں

لکھا ہے چار تھے پسرِ ازرقِ پلید
دشمن تو آلِ پاک کے شیطان کے مرید
بولا یہ ان کو دیکھ کے وہ پیروِ یزید
ہاں جاکے اس یتیم کو جلدی کرو شہید
رُلواؤ قبر میں حسنؑ دل ملول کو
بیوہ بنادو دخترِ سبطِ رسولؐ کو

یہ چاند مجتبیٰ کا ہے خوں میں اسے ڈباؤ
تلواریں مارو ذبح کرو، برچھیاں لگاؤ
انعام دوں یہ جنگ اگر فتح کرکے آؤ
سہرے سمیت کاٹ کے دولھا کے سر کو لاؤ
خلعت ملیں گے جاؤ گے جس دم سلام کو
سر اس کا نذر دیجو تمہیں میرِ شام کو

نکلا یہ بات سنتے ہی ان میں سے ایک پَل
پیچھے چلی شریر کے ہنستی ہوئی اجل
نعرہ کیا یہ غیظ سے موذی نے کھا کے بل
ہاں اے حسنؑ کے لال خبردار ہو سنبھل
کام آئے کچھ تو نامِ شہِ ذوالفقار لے
پشتی پہ ہو کوئی تو مدد کو پکار لے

قاسمؑ یہ نعرہ زن ہوئے چمکا کے راہوار
امداد وقتِ جنگ ہے شیروں کو ناگوار
کافی ہے بس ہمیں سپرِ حفظِ کردگار
او خیرہ سر اجل تری گردن پہ ہے سوار
دشمن کو اپنی ضرب طمانچہ قضا کا ہے
آ کوئی وار کر جو ارادہ دغا کا ہے

یہ سنتے ہی کماں کو اٹھا کر بڑھا شریر
چلّے میں تین بھال کا جوڑا شقی نے تیر
تھا بس کہ تیر دستِ حسنؑ کا مہِ منیر
بجلی سی آئی کوند کے شمشیرِ بے نظیر
یوں قطع انگلیاں ہوئیں اس تیرہ بخت کی
جیسے کوئی قلم کرے شاخیں درخت کی

اک ہاتھ میں جو کٹ کے گرے دستِ نابکار
بولے کمر میں رکھ کے یہ شمشیرِ آبدار
اب دیکھ میرے تیر کا توڑ۔ او خطا شعار!
پکڑا کماں کے قبضے کو یہ کہہ کے استوار
چلّہ جو کھینچنے لگے سرکش کو تاک کے
رستم کی روح چھپ گئی تودے میں خاک کے

چٹکی سے چھوٹ کر جو چلا تیر بے اماں
قربان تیرے ہاتھ کے چلائی یہ کماں
بچتی ہے کب خدنگِ اجل سے کسی کی جاں
نکلا وہ تیر توڑ کے سینے کے استخواں
اک دم میں دی شکست خطا کو ثواب نے
غل تھا قفس کی تیلیاں توڑیں عقاب نے

مرکب سے گر کے مرگیا جب وہ عدوئے دیں
نکلا اُدھر سے تب پسرِ ثانیِ لعیں
نیزے کو تولتا ہوا مغرور و خشم گیں
ابرو پہ بل نگاہ میں قہر اور جبیں پہ چیں
ہمراہ اُس کے تیغ بکف سو سوار تھے
اور اس طرف مدد کو شہِ ذوالفقار تھے

نیزے کا وار کرنے لگا جب وہ خود پسند
نیزہ اُڑا کے نیزے سے کی یہ صدا بلند
یہ سُن کے اس نے ڈھال کو چہرے پہ گو لیا
بے کار کو رہو کے ہوا جب وہ خیرہ سر
آواز دی زمیں نے کہ فی النّارِ والسّقر
جُز موت کچھ شقی کو نہ اس دم نظر پڑا
جھپٹا برادرِ سوم اس کا بہ کرّ و فر
یاں بحرِ حفظ دستِ یداللہ تھے سپر
یوں دو کیا عمودِ سرِ نابکار کو
مرتے ہی اس کے فوج سے چوتھا پسر بڑھا
سنتے ہی یہ وہ تیغِ دودم کھینچ کر بڑھا
لڑتا وہ کیا کہ تیرِ اجل کا نشانہ تھا
بے جاں ہوئے نبرد میں بیٹے جو اس کے چار
جوشِ غضب سے سُرخ ہوئیں چشمِ نابکار
جیبِ قبا کو مثلِ کفن پھاڑتا ہوا
شانے پہ تھی شقی کے وہ دوٹانک کی کماں
چار آئنہ وہ پہنے تھا بڑھیں کہ الاماں
کہتی تھی یہ زرہ بدنِ بد خصال میں
آمد شقی کی دیکھ کے گھبرا گئے امام
لو بھائی جنگ ہو چکی قصّہ ہوا تمام
ہم شکلِ مجتبےٰ کو بُلا لو پُکار کے
یہ کہہ کے قبلہ رُو ہوئے سلطانِ کائنات
اے خالقِ زمین و زماں ربِّ پاک ذات!
تو حافظِ جہاں ہے کریم و رحیم ہے

بجلی سا کوندنے لگا دولھا کا بھی سمند
کیوں تو نے دیکھے نیزۂ مشکلکشا کے بند
پُتلی کو بے حیا کی سناں میں پرو لیا
ٹپکے میں ہاتھ ڈال کے پٹکا زمین پر
جا تو بھی ہے برادرِ عینی ترا جدھر
آنکھیں کھلیں تو قعرِ جہنم نظر پڑا
تانے ہوئے وہ گرزِ گراں سر کہ المخدر
تیغِ دودم کو شبّر نے تولا بچا کے سر
جس طرح تیغِ تیز اڑا دے خیار کو
قاسمؑ پکارے او یلِ خودسر کدھر بڑھا
جھنجلا کے مجتبےٰ کا بھی لختِ جگر بڑھا
اِک ہاتھ میں نہ سر تھا نہ بازو نہ شانہ تھا
ازرق کا دل ہوا صفتِ لالہ داغدار
مثلِ تنور منھ سے نکلنے لگا بخار
نکلا پرے سے دیو سا چنگھاڑتا ہوا
ارجن بھی جس سے سہم کے گوشے میں ہو نہاں
دب جائیں جس کے بوجھ سے رستم کے استخواں
جکڑا ہے پیلِ مست کو لوہے کے جال میں
عباسؑ نامور سے یہ رو کر کیا کلام
آیا سوئے یتیمِ حسنؑ موت کا پیام
مانگو دُعا سروں سے عمامے اُتار کے
درگاہِ کبریا میں دعا کی اُٹھا کے ہات
ازرق کے ہاتھ سے مرے قاسم کو دے نجات
یارب بچا اسے کہ یہ لڑکا یتیم ہے

فضّہ پکاری خیمے میں آکر بچشمِ تر
لوگو! تمھیں یتیمِ حسنؑ کی بھی ہے خبر؟
آیا ہے لڑنے ازرقِ ملعونِ خیرہ سر
کھولو سروں کو اے حرمِ شاہِ بحر و بر
عباسؑ روتے ہیں علی اکبرؑ اُداس ہیں
ایسا ہے کچھ کہ سبطِ نبیؐ بے حواس ہیں

نکلا یہ سب کے منھ سے کہ ہے ہے حسنؑ کے لال
زینبؑ نے اُٹھ کے کھول دیے اپنے سر کے بال
سینے میں ہل گیا دلِ بانوئے خوش خصال
چلّائی ماں گزر گیا کیا میرا نونہال
عابدؑ کا تپ میں گرم بدن سرد ہو گیا
قاسمؑ کے چھوٹے بھائی کا منھ زرد ہو گیا

چلّائی رو کے زوجۂ عباسؑ نوجواں
یارب ہے تو یتیمِ حسنؑ کا نگاہباں
سُن کر یہ غل دلہن کے بھی آنسو ہوئے رواں
لے کر بلائیں ساس پکاری کہ میری جاں
خالق کرے گا رحم نہ آہ و بُکا کرو
دولھا پہ آ بنی ہے میں صدقے دُعا کرو

اُس اضطراب میں جو سُنا ساس کا سُخن
زانو سے سر اُٹھا کے ہوئی قبلہ رُو دلہن
آہستہ کی یہ عرض کہ اے ربِّ ذوالمنن
دشمن پہ فتح یاب ہو لختِ دلِ حسنؑ
لڑنے گئے ہیں تشنہ دہن تیری راہ میں
رکھ میرے ابنِ عم کو تو اپنی پناہ میں

یارب دلہن بنے مجھے گزری ہے ایک شب
دولھا جو مر گیا تو مجھے کیا کہیں گے سب
اب تک تو شرم سے نہ ہلائے تھے میں نے لب
پر کیا کروں کہ اب ہے مری روح پر تعب
شبّرؑ کے آفتاب کا وقتِ غروب ہے
دولھا سے پہلے مجھ کو اُٹھا لے تو خوب ہے

سہرے کے پھول بھی ابھی سوکھے نہیں ہیں آہ
جو آ گیا پیام، رنڈاپے کا یا اِلٰہ!
یہ عقد تھا کہ موت تھی ماتم تھا یہ کہ بیاہ
بعد اس کے ہوگا خلق میں کیونکر مرا نباہ
اُٹھوں جہاں سے دلبرِ شبّرؑ کے سامنے
بیوی کی موت خوب ہے شوہر کے سامنے

فوجیں ادھر دعا کی چلیں سوئے آسماں
بَل کھا کے اُس طرف یہ پکارا وہ بدزباں
رستم بھی ہو تو کھینچ نہیں سکتی مری کماں
جوشن کو توڑتا ہے مرا تیر بے اَماں
ہے اس کی فتح ساتھ ہوں میں جس رئیس کے
سُرمہ کیا ہے دیو کو چٹکی میں پیس کے

قاسمؑ نے دی صدا کہ بس اب کر زباں کو بند
اللہ کو غرور و تکبّر ہے ناپسند
حق نے فروتنی سے کیا ہم کو سربلند
نیزے کا بند باندھ کوئی چھیڑ کر سمند
دیکھیں بلند کون ہے اور پست کون ہے
کھل جائے گا ابھی کہ زبردست کون ہے؟

کیا زور تیرا اور تری ضرب او ذلیل!
جوہر خود اس کے کُھلتے ہیں جو تیغ ہو اصیل
جرأت میں ہم کسی کو بھلا کیا سمجھتے ہیں

یہ گرز میلِ راہِ سفر ہے ترے لئے
برچھی کا پھل قضا کا ثمر ہے ترے لئے
ضربت نہ چل سکے گی جو ماریں گے ہم تجھے
کیا ہو سکے گا تجھ سے بھلا وقتِ دار و گیر
حلقہ کہیں کماں کا نہ کر لے تجھے اسیر
او تیرہ رُو بھلا یہ سپر کیوں لگائے ہے؟

گو اسلحہ ہے زیورِ مردانِ سرگذار
ہے دَم میں فیصلہ جو کھنچی تیغ آبدار
چھپتے نہیں ہزار میں تیور دلیر کے
بیٹوں کے غم نے کر دئے مختل ترے حواس
فاقہ ہے ہم پہ اور ہے سولہ پہر کی پیاس
گم ہیں جو نور عین تو آنکھیں چُرا رہے ہے

آگے ہمارے دعوی جرأت خدا کی شان
مغرور اس پہ ہے کہ میں لڑکا ہوں نوجواں
ہیں شیر شیر خوار جنابِ امیرؑ کے
بارہ ۱۲ برس کے سِن میں لڑے شاہِ ذوالفقار
ہے دیکھنے کا یہ تن و توش اُو ذلیل شعار
لڑکوں سے فوجیں بھاگی ہیں منہ پھیر پھیر کے
قائل کیا جو مصحفِ ناطق کے لال نے
برچھا اُٹھایا ہاتھ میں اس بد خصال نے
تکنے لگے صفوں سے جواں سب لڑے ہوئے

تعریف اپنی خود یہ سفاہت کی ہے دلیل
کاٹے ہماری تیغ نے بازوئے جبرئیل
مضبوط جو ہیں وہ تجھے بودا سمجھتے ہیں

دستِ اجل ترا یہ تبر ہے ترے لئے
کالی بَلا تری یہ سپر ہے ترے لئے
بے آبرو کرے گی یہ تیغِ دو دم تجھے
دستانے دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہیں واشریر
دشمن ہیں سب ترے جنہیں سمجھا ہوا ہے تیر
آ! ہوش میں کہ تجھ کو سیاہی دبائے ہے

سب حربے چل سکیں گے بھلا وقتِ گیرو دار
لادے ہوئے ہے تن پہ عبث ایک خر کا بار
یہ تو نہیں" ہے کلب ہے برقعے میں شیر کے
گھبرا نہ بھیجتے ہیں تجھے بھی ان ہی کے پاس
آنکھیں ملا کے دیکھ بھلا ہے کہیں ہراس
ثابت ہوا جلم سے کہ مُنھ کو چھپائے ہے

گدّی سے کھینچ لوں ابھی بڑھ کر تری زباں
لے میان سے کہ اس کا بھی ہو جائے امتحاں
جھولے سے پھینک دیتے ہیں اژدر کو چیر کے
مرحب سا پہلواں نہ بچا وقتِ کارزار
گینڈے کی ڈھال کاٹتی ہے تیغِ آبدار
ہاتھی کو مار ڈالا ہے بچوں نے شیر کے

تر کر دیا اُسے عرقِ انفعال نے
چھیڑا فرس کو قاسمؑ یوسف جمال نے
عباسِ نامدار قریب آ کھڑے ہوتے

قاسم نے عرض کی کہ بہت دھوپ ہے حضور
فرمایا صدقے میں تری ہمت کے اے غیور
ہشیار جانِ عم کہ دمِ کارزار ہے
کیوں تیغ تول تول کے بڑھتے ہو بار بار
صدقے ترے حواس کے اے میرے شہسوار
آنے دو اس کو تیغ ابھی دم بھر تھمی رہے
فارس ہے تم سا کون نہ چرخِ چمبری
صدقے میں اے نہنگِ محیطِ دلاوری
ابرو پہ بل ہو آنکھوں سے آنکھیں لڑی رہیں
بیٹا تمہیں خدا نے دیا ہے علیؑ کا زور
بہرام کی طرح سے چلا اب میان گور
چپلے ہیں جتنے سانپ وہ ڈستے نہیں کبھی
سُن کر صدائے شیر پکارا وہ بزدلا
تیوری چڑھا کے حضرتِ عباسؑ نے کہا
کچھ تجھ سے کم نبیرۂ خیبر شکن نہیں
نیزہ ہلا کے جانبِ قاسم بڑھا وہ یل
گھوڑا نہ گر پڑے ترے لنگر سے مُنھ کے بل
ضیغم ہیں بیشۂ اسدِ ذوالجلال کے
یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزے کو دی نکال
اِک بند باندھ کر جو فرس سے کہا کہ ہاں
بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
قاسم نے زور سے جو انی پر رکھی انی
بگڑا جو ڈھنگ جان پہ ظالم کی آ بنی
اُڑ کر گری زمیں پہ سناں اس نکال سے

رہیے چچا کے پاس یہ تکلیف کیا ضرور
دشمن کو پاس آنے نہ دو ہم کھڑے ہیں دور
جاتا ہے اب کہاں یہ تمہارا شکار ہے
بیٹا سپر تو ہاتھ میں لے لو چچا نثار
ہاں دونوں پاؤں کھینچ رکابوں میں استوار
گھوڑا ہے بد مزاج پٹری جمی رہے
دکھلا رہے ہو صاحبِ دُلدل کی بھگدڑی
دکھلا دے ضربِ تیغِ جہانگیر حیدری
بھاری زرہ وہ پہنے ہے چونیں کڑی ہیں
گو ہیل ہے پہ ہم تو سمجھتے ہیں اس کو مور
دیکھو گے! دیکھنے کا فقط ہے یہ زور و شور
گرجے ہیں جو بہت وہ برستے نہیں کبھی
کیا ان کے ساتھ آپ بھی ہیں عازمِ وغا
بس ہے تجھے یہ طفل مری احتیاج کیا
دو ایک سے لڑیں یہ ہمارا چلن نہیں
دولھا نے مسکرا کے صدا دی سنبھل سنبھل
تو ہے فرس پہ اور تری گردن پہ ہے اجل
کیجیو سناں کے وار ذرا دیکھ بھال کے
چمکی انی تو برق پکاری کہ الاماں
ڈانڈ آئی ڈانڈ پر تو سناں سے لڑی سناں
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا
بھاگا شقی کے جسم سے زورِ تہمتنی
تھی اس سناں کی نوک کہ ہیرے کی تھی کنی
گرتا ہے جیسے تیرِ شہاب آسماں سے

جھنجلا کے چوبِ نیزہ کو لایا وہ فرق پر
دو انگلیوں میں نیزۂ دشمن کو تھام کر
نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
سنبھلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اُٹھا کے جب
چلے میں تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب
تیرِ نگاہ سے وہ خطاکار ڈر گیا
بولا یہ مسکرا کے جگر گوشۂ حسنؑ
چلائے بڑھ کے حضرتِ عباسِ صف شکن
دیکھا ہمارے شیر کی چتون کی شان کو
کندہ و کد از تیرِ نظر پر بھی کی نظر
شیروں نے کاٹ ڈالے ہیں وتّیں تنوں کے سر
ترکش کو پھینک دے جو حمیت کا جوش ہے
دو سمت سے چلے جو ملامت کے اس پہ تیر
ہاں اے حسنؑ کے لعلِ بدخشاں بدہ بگیر
چمکا کے تیغ تیز جو قاسم سنبھل گئے
مانندِ شیر غیظ میں آیا وہ پیل تن
ماری زمیں پہ ٹاپ کہ لرزا تمام بن
میخیں زمیں کی اُس کی تگاپو سے ہل گئیں
فر فر نفس کی آتی تھی نتھنوں سے جب صدا
دشمن کو گھورتا ہے دہانا چبا چبا
دشمن کو کیا نبرد میں بچنے کی آس ہو
چھل بل دکھائی فوج کو دوڑا تھما اُڑا
دیکھی زمیں کبھی کبھی سوئے سما اڑا
جن تھا پری تھا سحر تھا آہو شکار تھا

قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ مارا بچا کے سر
جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
دو انگلیوں سے کام لیا ذوالفقار کا
قبضے میں لی کمانِ کیانی بصد غضب
تیوری چڑھائی قاسمِ نوشاہ نے بھی تب
کانپے یہ دونوں ہاتھ کہ چلہ اُتر گیا
رُخ پھیر لو نہ اُو ستمِ ایجاد و پیل تن
کیا خوب تجھ کو یاد ہیں تیر افگنی کے فن
دعوے ہے کچھ ابھی تو چڑھا لے کمان کو
ظالم عقابِ تیر کے بھی اُڑ گئے ہیں پر
ہاں اب بتا صواب کدھر ہے خطا کدھر؟
چٹکی سے لو کو تھام کے حلقہ بگوش ہو
چلایا تیغِ تیز علم کر کے وہ شریر
نکلی چمک کے یاں سے تیغِ قضا نظیر
سمجھا جو کچھ فرس کے بھی تیور بدل گئے
آنکھیں اُبل پڑیں صفتِ آہوئے ختن
چلائے سب کہ گھوڑے پہ بھی لو چڑھا ہے رن
دونوں کنوتیاں بھی کھڑی ہو کے مل گئیں
کہتے تھے لوگ سب کہ ہے رفرف یہ بادپا
غل تھا کہ کب فرس ہو تو ایسا ہو باوفا
لڑے کٹاریاں یہ فرس جس کے پاس ہو
صورت بنائی جست کی سمٹا جما اُڑا
مثلِ سمندِ بادِ شمر اِتّما اُڑا
گویا ہوا کے گھوڑے پہ گھوڑا سوار تھا

دونوں طرف سے چلنے لگے وار یک بیک
تکنے لگے فلک کے دریچوں سے سب ملک
چہرے پہ آفتاب کے مقتل کی گرد تھی
ہر بار جانبین سے ہوتے تھے وار رد
جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بانیِ حسد
یوں روکتے تھے ڈھال پہ تیغِ جہول کو

لایا جو حرفِ سخت زباں پر وہ بدخصال
گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بصد جلال
اُوجھڑ لگی کہ ہوش اُڑے خودپسند کے
عباسؑ نامدار نے پہلو سے دی صدا
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا
گھوڑا ابھی اس طرف کو ادھر ہو کے پھر پڑا

غازی نے دی صدا کہ وہ مارا ذلیل کو
کیا منہدم کیا رہِ عصیاں کے میل کو
دو ہو گئی کمر نہیں تسمہ لگا ہوا
قاسمؑ سے پھر کہا کہ مبارک تمہیں ظفر
اور عرض کی یہ دور سے ہاتھوں کو جوڑ کر
پشتی پہ آپ جب ہوں تو پھر کیا ہراس ہو

فرمایا جانِ عم یہ بشر تھا کہ دیوزاد
آؤ کہ تم پہ پھونک دیں پڑھ کر و اِن یکاد
بیوہ کا لال بچ گیا صدقے حسینؑ پر
عباسؑ نامدار تو ہنستے چلے اُدھر
اِس غم کدے میں دہر کے شادی کہاں مگر
لاکھوں سے لڑ کے پیاس میں مجبور ہو گئے

دو بجلیاں دکھانے لگیں ایک جا چمک
اِک زلزلہ تھا اوجِ ثریا سے تا سمک
یہ خوف تھا کہ دھوپ کی رنگت بھی زرد تھی
تھا حرب و ضرب میں وہ شقی بھی بلائے بد
کہتا تھا بازوئے شہِ دیں یا علیؑ مدد!
جس طرح روک لے کوئی شہ زور بھول کو

جھپٹا مثالِ شیرِ درندہ حسنؑ کا لال
اتنے بڑھے کہ لڑ گئی اس کی سپر سے ڈھال
گھوڑے نے پاؤں رکھ دیئے سر پر سمند کے
ہاں اب نہ جانے دیجیو احسنت مرحبا
سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا
مارا کمر پہ ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا

بچے نے آج پست کیا مست پیل کو
لو کوفیو! گرا دیا حرفِ ثقیل کو
دیکھو تو آ کے لاش کے ٹکڑے یہ کیا ہوا
تسلیم کی ادب سے چچا کو جھکا کے سر
اقبال آپ کا کہ مہم ہو گئی یہ سر
کام آئے کیوں نہ راس جو استاد پاس ہو

ڈھایا ہے تم نے کفر کا گھر خانۂ عناد
چلائی در سے ماں کہ بر آئی مری مراد
اسپند کوئی کر دے مرے نورِ عین پر
یعنی خوشی کی جا کے شہِ دیں کو دوں خبر
یاں اُس بنے پہ ٹوٹ پڑے لاکھ اہلِ شہر
حربے ہزارہا جو چلے چور ہو گئے

یکو نکر تمام فوج سے اک تشنہ لب لڑے
کھا کھا کے زخم مثلِ امیرِ عرب لڑے
جلوہ میانِ تشنہ دہانی دکھا دیا
للکارا جس نے بس وہیں گھوڑا ڈپٹ کے آئے
بجلی اُدھر گری یہ جدھر کو پلٹ کے آئے
منہ سُرخ تھا کھلے ہوئے تھے زخم سینے کے
کاٹے رسالے تیغ سے کارِ قلم لیا
پھر دستِ چپ میں تیغ و سپر کو بہم لیا
یاں بند ہو کے آنکھ کھُلی جتنی دیر میں
آخر گھرا سیاہ میں وہ چودھویں کا ماہ
لشکر کے ساتھ پسرِ سعدِ رُوسیاہ
غل تھا کہ روند ڈالا ہے لشکر کے باغ کو
تیغیں چڑھائی تھیں جو لعینوں نے سان پر
تیروں پہ تیر تھے تو کمانیں کمان پر
یوں برچھیاں تھیں چار طرف اس جناب کے
غش میں جھکا فرس پہ جو وہ غیرتِ قمر
برچھی لگی جو سینے پہ ٹکڑے ہوا جگر
طارق کی تیغ کھا کے پکارے امام کو
سنتے ہی استغاثۂ داماد کی صدا
گھبرا کے بولے حضرت عباسِؑ باوفا
چلائی ماں ارے مری بستی اُجڑ گئی
جھپٹے جو شاہ فوج پہ چمکا کے ذوالفقار
اُس غیظ میں کمیں سے جو آئے سوئے سیاہ
بھاگڑ میں خوں سے رن کی زمیں لال ہو گئی

اِک اِک لڑا نہ آہ بہم ہو کے سب لڑے
جاں بازیاں ستم کی دکھائیں غضب لڑے
بچپن میں لڑ کے زورِ جوانی دِکھا دیا
یوں آئے جیسے شیرِ درندہ جھپٹ کے آئے
صف کو بچھا کے آئے پرے کو اُلٹ کے آئے
تن کر لہو ٹپکتے تھے قطرے پسینے کے
دستِ یمیں نے جنگ میں آرام کم لیا
تیورا کے سنبھلے منہ سے لہو ڈالا دم لیا
سو تیر دل کو توڑ گئے اتنی دیر میں
روکے تھی فوج تیروں سے اور برچھیوں سے راہ
تلوار چل رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
ہاں غازیو بجھا دو حسنؑ کے چراغ کو
پڑتی تھیں دو قریب سے اُس ناتوان پر
حملہ تمام فوج کا تھا اک جان پر
جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے
مارا کسی نے فرق پہ اک گرزِ گاؤ سر
گرتے تھے اسپ سے کہ کمر پر لگا تبر
فریاد یا حسینؑ! بچاؤ غلام کو
دوڑے حسینؑ جانبِ مقتل برہنہ پا
تلوار کس پہ چل گئی ہے ہے یہ کیا ہوا
اے بھائی دوڑو بن کے لڑائی بگڑ گئی
بجلی گری یزید کے لشکر پہ ایک بار
بھاگے گھبرا کے گھوڑوں کی باگوں کو سب سوار
دولہا کی لاش گھوڑوں سے پامال ہو گئی

دیکھا امامؑ نے کہ رگڑتے ہیں ایڑیاں
داماد سے لپٹ گئے حضرت بصد فغاں
جب لاش اُٹھائی شہ نے تو چور استخواں تھے

ڈیوڑھی پہ لائے لاش جو سلطانِ بحر و بر
لاشے کے پاؤں تھامے کوئی اور کوئی سر
لٹکی تھیں دونوں خاک میں زلفیں اَٹی ہوئی

لاشہ ادھر سے لے کے چلے شاہِ کربلا
فضہ تھی آگے آگے کھُلے سر برہنہ پا
چھپ جائے جس سے دور کا ناتا ہے صاحبو!

بہنیں کدھر ہیں ڈالنے آنچل بنے پہ آئیں
رخصت ہوں جلد تا کہ براتی بھی چین پائیں
دل پر سہے فراق کی شمشیرِ تیز کو

ناگاہ لاش صحن تک آئی لہو میں تر
تھا سامنا کہ لاش پہ بھی جا پڑی نظر
دولھا کی لاش آتی ہے سہرے کو توڑ دو

یہ کہہ کے نوچنے لگی سہرا وہ سوگوار
کہنے لگی لپٹ کے سکینہ جگر فگار
وہ کہتی تھی کہ جاگ کے تقدیر سو گئی

یہ کہہ کے غش ہوئی جو قلق سے وہ نوحہ گر
آکر قریبِ صحن پکاری بہ چشمِ تر
کیسی دھڑا دھڑی ہے یہ اماں کدھر گئیں

رو کر بہن سے کہنے لگے شاہِ بحر و بر
بیٹی لٹے گی یوں ہمیں اس کی نہ تھی خبر
زخمی بھی ہے شہید بھی ہے بے پدر بھی ہے

سوکھے ہوئے لبوں پہ ہے اینٹھی ہوئی زباں
بے جاں ہوا حسینؑ کے آگے وہ نیم جاں
سب چاند سے بدن پہ سموں کے نشاں تھے

پردہ اُٹھایا ڈیوڑھی کا فضہ نے دوڑ کر
چادر کمر کی تھامے تھے عباسؑ نامور
رُخ پر پڑی تھیں سہرے کی لڑیاں کٹی ہوئی

دَوڑے ادھر سے پیٹتے ناموسِ مصطفاؐ
آئی جو صحن میں تو یہ اندوں کو دی صدا
دولھا دولہن کے لینے کو آتا ہے صاحبو!

اب دیر کیا ہے حجرے سے باہر دولہن کو لائیں
جاگے ہیں ساری رات کے اپنے گھروں کو جائیں
ماں سے کہو دلہن کے نکالے جہیز کو

پیٹے جو سب عروس کو بھی ہو گئی خبر
گھبرا کے تب سکینہ سے بولی وہ نوحہ گر
مسند اُلٹ دو حجرے کے پردے کو چھوڑ دو

افشاں چھڑا کے خاک مَلی منہ پہ چند بار
ہے ہے بہن بڑھاؤ نہ سہرے کو ہیں نثار
بی بی نہ پکڑو ہاتھ کہ میں رانڈ ہو گئی

حجرے سے دَوڑی بالی سکینہ برہنہ سر
اے بی بیو کسی کو دولہن کی بھی ہے خبر
دَوڑو پھوپی جہاں سے گھبرا کے گزر گئیں

اُس بے نصیب رانڈ کو لے آؤ لاش پر
اب شرم کیا ہے دیکھ لے دولھا کو اک نظر
دولھا بھی نام کو ہے چچا کا پسر بھی ہے

حضرت یہ کہہ کے ہٹ گئے با چشم اشکبار
چادر سپید اُڑھا کے دُلہن کو با حالِ زار
چلائی ماں یہ گر کے تنِ پاش پاش پر
صدقے گئی چچی کو نہ ہوئے کہیں ملال
واری بس اب اُٹھو کہ پریشاں ہے میرا حال
کروٹ تو لو کہ ماں کے جگر کو قرار ہو
جس دم دلہن نے لاش کے ٹکڑوں پہ کی نگاہ
قدموں پہ سر جھکا کے پکاری وہ رشکِ ماہ
بولی نہ تھی حجاب سے تقصیر وار ہوں
اے پارۂ دلِ حسنؑ اے فدیۂ حسینؑ
کیا کہہ کے رن کو اُٹھ گیا اب تو جہاں سے چین
چھوڑا دلہن کو لاش پہ رونے کے واسطے
صاحب بتا تو دو تمہیں رونے میں کیا کہوں
بیاہا سا کہوں شہید کہوں یا بنا کہوں
ماتم بھی یوں تو ہوتا ہے شادی بھی ہوتی ہے
کیوں رونے والو سنتے ہو آواز شور و شین
منبر کے پاس فاطمہؑ روتی ہیں کر کے بین
شبیرؑ کو بھی تعلق ہے شہِ بے وطن کو بھی
لکھے انیسؔ خوب بہ سرعت یہ چند بند
اک جا ہے شیر و شکر و شہد و نبات و قند
نہریں رواں ہیں فیضِ شہِ مشرقین کی

پیٹی یہ سر کہ غش ہوئی بانوئے دل فگار
گودی میں لائی زینبؑ غمگین و سوگوار
قاسمؑ بنے اُٹھو دلہن آئی ہے لاش پر
رکھو دلہن کی پیٹھ پہ ہاتھ اے حسنؑ کے لال
کیسا یہ خواب ہے کہ دلہن کا نہیں خیال
اِس بچپنے کی نیند پہ اماں نثار ہو
نکلی لہو میں ڈوبی ہوئی اِک جگر سے آہ
میرا قصور عفو ہو لے میرے بادشاہ
اب حکم ہو تو لاش پہ اُٹھ کر نثار ہوں
کل وہ خوشی تھی آج یہ برپا ہے شور و شین
بیوہ کوئی سکھائے تو صاحب کروں میں بین
دولہا بنے تھے قبر میں سونے کے واسطے
بیکس کہوں کہ فدیۂ راہِ خدا کہوں
دولہا کہوں کہ قاسمِ گلگوں قبا کہوں
اِک شب کی رانڈ دولہا کو کیا کہہ کے روتی ہے
اِس بزمِ پاک میں ہیں یہاں نوحہ گر حسینؑ
ماتم کرو کہ مر گیا حضرت کا نورِ عین
پُرسا امام کو بھی دو تم اور حسنؑ کو بھی
لے جائے شوق سے جسے مضموں ہو جو پسند
اُس کے کرم سے ہوگا یہ دریا کبھی نہ بند
پیاسا ہو سبیل ہے نذرِ حسینؑ کی

رباعی

گزرے ہر دم مرا ارادت میں تری
یارب! مجھے طولِ عمر دے تو لیکن
گردن یہ جھکی رہے عبادت میں تری
وہ عمر جو کام اطاعت میں تری

۴ مرثیہ ۱۷۵ بند

جب حُر کو ملا خلعتِ پُرخونِ شہادت
مُستوجبِ رحمت تھا وہ مفتونِ شہادت
بے سر دیے ہرگز یہ ہُما سر نہیں ہوتی
یہ مرتبہ بے شکر گزاری نہیں ہوتا
بے فیض یہ چشمہ کبھی جاری نہیں ہوتا
راحت بھی اُٹھائی ہے جب آزار ملے ہیں

غل تھا کہ یہ اچھوں کی رفاقت کا ثمر ہے
ایمان فقط نخلِ ولایت کا ثمر ہے
مولا جسے چاہیں وہ گناہوں سے بری ہو
اِک جا تھے حُر و شمر یہ عالم میں ہے مشہور
وہ ہوتا ہے جو ہوتا ہے اللہ کو منظور
دولت کو نہ حشمت کو نہ آرام کو دیکھے

اللہ کے محبوب کے دربار میں پہنچا
بے رنج و خلش گلشنِ بے خار میں پہنچا
مالک نے لیا اس کو اُسے شاہِ عرب نے
رُویا اسے زہراؑ کا پسر واہ ری قسمت
طوبیٰ کے تلے خلد میں گھر واہ ری قسمت
کیا جلد گیا سوئے اِرم دارِ فنا سے

خواہش یہ ہر اک حور کی تھی حُر ادھر آئے
لہراتا تھا کوثر بھی کہ یہ دُر ادھر آئے
مشتاق ملاقات کے ہر چھوٹے بڑے تھے

جنت میں گیا رائضِ[۵] گلگونِ شہادت
جاں بیچ کے پایا دُرِ مکنونِ شہادت
ہاتھ آئی وہ دولت جو میسر نہیں ہوتی
یہ اَوج بجز رحمتِ باری نہیں ہوتا
کم قدر کا پلّہ کبھی بھاری نہیں ہوتا
غوّاص کو اکثر دُرِ شہوار ملے ہیں

جنت گلِ زہراؑ کی محبت کا ثمر ہے
سرسبزیِ حُر باغِ ریاضت کا ثمر ہے
کھیتی یہ ہَراول کی ہے کیوں کر نہ ہری ہو
کیا شانِ خدا ہے کہ یہ مغفور وہ مقہور
انسان رہے حق کی طرف اپنے بہ مقدور
آنکھیں وہی رکھتا ہے جو انجام کو دیکھے

سر دے کے یدُاللہ کی سرکار میں پہنچا
وہ نار میں یہ خُلد کے گلزار میں پہنچا
رحمت نے اُسے گھیر لیا اس کو غضب نے
زانوے حسینؑ اور وہ سر واہ ری قسمت
دنیا سے یہ راحت کا سفر واہ ری قسمت
سوکھا جو پسینہ بھی تو جنت کی ہوا سے

یہ صاحبِ اقبال و تہوّر ادھر آئے
فرماتے تھے حیدرؑ یہ بہادر ادھر آئے
محبوبِ خدا ہاتھوں کو پھیلائے کھڑے تھے

۵ رائض یعنی چابک سوار اور گلگوں بمعنی اسپ خوش رنگ اور نام اسپ شیریں کا جو معشوقہ معزز اور زوجہ پرویز کی تھی اور مجازاً اسپ بہتر کو کہتے ہیں۔

فرماتی تھی زہرؑا مرے غم خوار کو لاؤ
تعظیم سے تکریم سے جرّار کو لاؤ
پایا نہ کفن واں تو یہاں شاد کروں گی
حوروں کا وہ میووں کے طبق سامنے لانا
کوثر ہے وہ منظور ہے گر پیاس بجھانا
جو کچھ وہ کریں فخر ہے خدمت شہدا کی
حقّا کہ یہ رتبہ شہِ ذی جاہ نے بخشا
طالب تھا وہ جس کا وہی اللہ نے بخشا
جنت اُدھر آئی جدھر آیا قدم اُن کا
اے حرِؔ دلاور تری تقدیر کے صدقے
مہماں کے تصدق شہِ دلگیر کے صدقے
ناکام کا یوں کام ملاقات میں بن جائے
اب یاں سے رقم کرتا ہی یوں راوئی صادق
پھر فوج پہ برسانے لگے تیر منافق
ایک ایک سے پہلے تھا خریدار اجل کا
یوں جاتے تھے میدانِ شہادت میں وہ جرّار
خود روکتے تھے فرق پہ جب آتی تھی تلوار
برچھی جو لگی نخلِ شہادت میں پھل آیا
زخموں کو عطائے صمدی جانتے تھے وہ
جینے کو مقدر کی بدی جانتے تھے وہ
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ محمدؐ کی ثنا تھی
قربان تو لاتے حبیب ابنِ مظاہرؓ
عصیاں سے بری طیبؔ و پاکیزہ و طاہر
سر ہلتا تھا پیری سے قد راست میں کم تھا

جلدی مرے پیارے کے مددگار کو لاؤ
لاؤ مرے آگے حرِؔ دیندار کو لاؤ
میں حلّہ جنت اسے امداد کروں گی
در پردہ اشارے کہ ہماری طرف آنا
اس قصرِ جواہر سے کہیں اور نہ جانا
ہم سب ہیں کنیزیں پسرِ شیر خدا کی
ایماں کا شرف فاطمہؑ کے ماہ نے بخشا
بخشا اُسے خالق نے جسے شاہ نے بخشا
کر دیتا ہے انساں کو فرشتہ کرم اُن کا
رتبے کے فدا عزت و توقیر کے صدقے
اُس صحبتِ ذی قدر کی تاثیر کے صدقے
برسوں کا جو بگڑا ہو وہ اک بات میں بن جائے
جب قتل ہوا حرؔ سا مددگار موافق
مرجانے پہ اک دل ہوئے سب شاہ کے عاشق
سر کٹ رہے تھے گرم تھا بازار اجل کا
جس طرح کہ بچھڑی ہوئی بلبل سوئے گلزار
بارانِ کرم جانتے تھے تیروں کی بوچھار
جاں آگئی جس وقت پیامِ اجل آیا
آزار کو لطفِ احدی جانتے تھے وہ
مرنے کو حیاتِ ابدی جانتے تھے وہ
دو روز کی پیاس اُن کے لئے آبِ بقا تھی
یکساں صفتِ مہرِ مبیں باطن و ظاہر
جانباز جہاندیدہ فنِ جنگ سے ماہر
اس پر بھی کچھ آگے ہی جوانوں سے قدم تھا

رعشہ تھا کہ قابو میں نہ تھے دستِ نکوکار
پر ایک میں محکم تھی سپہ ایک میں تلوار
جب شہ کی طرف تیر لگاتے تھے ستمگار
یہ بڑھ کے اسے روکتے تھے سینے پہ ہر بار
بھائی مرے پاس آؤ یہ فرماتے تھے حضرت
جب تیر انہیں لگتا تھا تڑپ جاتے تھے حضرت

جب ایسے رفیقوں کا پرا ہو گیا خالی
بھرتا تھا دمِ سرد وہ کونین کا والی
پھر تھا کوئی مولا کا نہ ہمدم نہ موالی
لاشوں کو لگاتے تھے گلے سرورِ عالی
بے تاب تھے اس طرح ہر اک دوست کے غم میں
جیسے کوئی روتا ہے برادر کے الم میں

لاشوں کے اٹھانے سے نہ پائی تھی فراغت
جو تول کے نیزوں کو بڑھے اہلِ شقاوت
مولا کے یگانوں نے کیا عزمِ شہادت
لٹنے لگی زہراؑ و محمدؐ کی بضاعت
سیدانیوں کا دودھ جو پی پی کے پلے تھے
جلادوں کی تلواریں تھیں اور ان کے گلے تھے

لاکھوں سے لڑے حضرتِ عباسؑ کے بھائی
حملوں میں دکھائی شہِ مرداں کی لڑائی
سب شانِ پدر بیٹوں نے جعفر کی دکھائی
مسلم کی جو میراث تھی فرزندوں نے پائی
لاکھوں میں پھر اس شان سے شاہِ دوجہاں تھے
دو طفل جلو میں فقط اور تین جواں تھے

دو طفل وہ جو تین شب و روز کے پیاسے
زینبؑ کے پسر شیرِ الٰہی کے نواسے
خود اپنی شہادت کے طلبگار خدا سے
بے تاب کہ کیوں رہ گئے پیچھے شہدا سے
جینے کی ہماری جو خبر پائیں گی اماں
لاشے بھی یقیں ہے کہ نہ منگوائیں گی اماں

قاسم حسنؑ سبز قبا ماہِ تاباں
عباسِ علی چشم و چراغِ شہِ مرداں
ہمشکلِ نبیؐ نورِ نگاہ شہِ مرداں
زینبؑ کے پسر جعفرِ زہراؑ کے دل و جاں
تاباں نظر آتا تھا قمر پاس قمر کے
پانچوں یہ جری چاند تھے شبیرؑ کے گھر میں

ایک ایک جری ملکِ شجاعت کا شہنشاہ
بچپن میں اولوالعزم کہ العظمۃ للہ
ذی قدر، سرافراز، وفاکیش، دل آگاہ
شیر ان کی نظر دیکھ کے بن جاتے تھے روباہ
پیدا یہ تہور سے کہ لاکھوں ہیں تو کیا ہیں
دعویٰ تھا ہر اک کو کہ ہمیں شیرِ خدا ہیں

کھولے ہوئے رایت کوئی تولے ہوئے شمشیر
بے تاب کہ تلوار کے چلنے میں ہے کیوں دیر
فاقوں میں زبردست کہ لاکھوں سے نہ ہوں زیر
بیشے میں پلے جو اسد اللہ کے وہ شیر
جز سجدۂ حق سر کبھی ان کے نہ جھکے تھے
یہ قبلۂ عالم کا ادب تھا جو رکے تھے

اس وقت عجب عالم تھا شہِ جنّ و بشر کو
کھو سکتے تھے بھائی کو نہ اکبرؑ سے پسر کو
میوے تھے سب اک باغ کے پھول ایک چمن کے
فرماتے تھے موت آئے تو چھوٹ جاؤں الم سے
بچھڑیں ہمیں ان سے یہ جدا ہوئیں نہ ہم سے
ہاتھوں سے یہ محبوب گنوائے نہیں جاتے
ناگاہ ہوا شور مبارز طلبی کا
منھ سُرخ ہوا غیظ سے ہم شکل نبیؐ کا
حیدر کے نواسوں کی بھی ابرو پہ بل آیا
گھبرا کے پکارے جو اسے سیّدِ ابرار
کی عرض بصد عجز کہ اے کُل کے مددگار
بے تاب ہیں دل جان لڑائی میں پڑی ہے
مرنے کو اگر پہلے گئے قاسمؑ و اکبرؑ
شبیرؑ کی وہ تصویر یہ ہم شکل پیمبرؐ
مالک ہیں خداوند ہیں سردار ہیں دونوں
بسمل جو ہوئے مسلمِؑ مظلوم کے پیارے
امّاں نے کہا ہوگا کہ اب تک نہ سدھارے
قاصر ہیں جو توقیرِ شہادت نہیں ملتی
حضرت یہ ہے روشن جو ہمارا ہے ارادا
نانا تو علیؑ جعفرِ طیار سے دادا
شیروں کی طرح بیشۂ حیدرؑ میں پلے ہیں
وہ تیغ کے مالک ہیں تو مختار ہیں ہم بھی
نانا تھے جو کرّار تو جرّار ہیں ہم بھی
ہے جوشِ وغا عمر کے پیمانے بھرے ہیں

نے روح کو راحت تھی نہ آرام جگر کو
نے عونؑ و محمدؑ کو نہ شبیرؑ کے قمر کو
وہ بھائی کا بیٹا تھا یہ بیٹے تھے بہن کے
یا رب مرا گھر ہے ان ہی جرّاروں کے دم سے
کٹ جائے گلا جلد کہیں تیغِ دو دم سے
اے داغ اب ترے بندے سے اٹھائے نہیں جاتے
پھر قصد لعینوں نے کیا بے ادبی کا
رایت بھی بڑھا فوج رسولِؐ عربی کا
چھوٹا تو یہ بگڑا کہ پرے سے نکل آیا
بس پھر کے گرے پاؤں پہ آقا کے وہ جرّار
ہم دونوں غلام اب ہیں اجازت کے طلبگار
اے نورِ خدا ذرّہ نوازی کی گھڑی ہے
یا شاہ ہمیں دودھ نہ بخشیں گی مادر
توقیر اسی میں ہے کہ ہم صدقے ہوں ان پر
ہم ان کے بزرگوں کے نمک خوار ہیں دونوں
ہم خیمے میں جا سکتے نہیں شرم کے مارے
جانوں کو بچاتے ہیں جگر بند ہمارے
کیا جانیں اسے وہ کہ اجازت نہیں ملتی
سن کم ہیں یہ ہمت ہے جوانوں سے زیادا
ہم ڈھونڈتے ہیں صبح سے فردوس کا جادا
تلواروں سے ہم کھیل کے اس گھر میں پلے ہیں
دادا کی طرح مرنے پہ طیّار ہیں ہم بھی
سر دینے کے شہادت کے طلبگار ہیں ہم بھی
ہم صبح سے سر نذر کو ہاتھوں پہ دھرے ہیں

ہم آپ سے مرنے کے لئے جا نہیں سکتے
زخم تبر و تیر و سناں کھا نہیں سکتے
بے حکم جو مطلب ہے اسے پا نہیں سکتے
آداب سے کچھ لب پہ سخن لا نہیں سکتے
بیٹھے رہے اوروں سے جو تقدیر ہماری
ہاتھ آپ کے ہے عزت و توقیر ہماری

ہم دونوں غلام اکبرؑ و اصغرؑ کے ہیں واللہ
اُلفت کو بس اب دل سے اُٹھا دیجئے للہ
اماں کا تو نازک ہے مزاج آپ ہیں آگاہ
بنتِ اسد حضرت باری ہیں وہ ذی جاہ
پوچھیں گی خفا ہو کے تو کیا اُن سے کہیں گے
آزردہ ہوئیں وہ تو کہیں کے نہ رہیں گے

عورت ہیں یہ خوبوشہ مرداں کی ہو ساری
شب کو بھی یہ فرمایا ہے ہم سے کئی باری
تم یہ نہ سمجھیو کہ میں عاشق ہوں تمہاری
بھائی سے مجھے جان" نہ اولاد ہے پیاری
کس کام کے پھر سر جو تصدق نہ کروگے
تب دودھ میں بخشوں گی جو غربت سے مروگے

یہ کہہ کے جو رونے لگے زینبؑ کے جگر بند
حضرت نے کہا میں ہوں بہر حال رضامند
کھوتے ہیں کسی بھائی نے ہمشیر کے فرزند
کس منھ سے کہوں آہ کہ ہو خاک کے پیوند
تنہائی کا دکھ فاطمہؑ کا لال سہے گا
لاشے کے اُٹھانے کو بھی کوئی نہ رہے گا

اکبرؑ کو تو ہمشیر نے "میں نے تمہیں پالا
ماموں سے جدا ہوتے ہو جب ہوش سنبھالا
اب کون ہے غربت میں مرا تھامنے والا
دل کا کوئی ارمان بھی تم سے نہ نکالا
دس سال بھی پورے نہیں دونوں کے سنوں میں
دنیا سے اجل لے چلی شادی کے دنوں میں

دونوں سے یہ فرما کے ادھر دیتے تھے شبیرؑ
چپ بیٹھی تھی راندوں میں اُدھر شاہ کی ہمشیر
ہمزانو یہ تھا فکر میں اور لب پہ یہ تقریر
محجوب کیا بیٹوں نے ہے ہے مری تقدیر
میں جانتی تھی پہلے اجازت وہی لیں گے
اس کی نہ خبر تھی کہ دغا وقت پہ دیں گے

آتا ہے دم صبح سے یاں لاشے پہ لاشا
ان کے لئے اوروں کی لڑائی ہے تماشا
پائی نہ اجازت یہ سخن خوب تراشا
باتیں ہیں یہ ساری مجھے باور نہیں آتا
رکتے ہیں دلاور کہیں روکے سے کسی کے
وہ سب بھی تو پیارے تھے حسینؑ ابن علیؑ کے

بانو نے کہا دونوں کی عمریں ہیں ابھی کیا
گھر سے وہ نکلے نہ کوئی معرکہ دیکھا
میداں کی رضا دیتے نہ ہوں گے شہ والا
آزردہ نہ ہوں آپ یہ غصے کی نہیں جا
سُن لیجئے گا رن میں جو یہ کام کریں گے
حیدرؑ کے نواسے ہیں بڑا نام کریں گے

فرمایا کہ ہاں جو مجھے تقدیر دکھائے
کیوں شاہ سے رخصت کا سخن لب پہ نہ لائے؟

جو چاہیں کریں بیٹوں کے قابل میں کہاں ہوں
یہ ذکر تھا فضہ جو خبر لے کے یہ آئی
لو! میرے خوزادوں نے رضا جنگ کی پائی
بچے بھی شریکِ شہدا ہوتے ہیں لوگو!
فضہ سے یہ سُننا تھا کہ بس رونے لگے سب

فرمایا کہ صد شکر بر آیا مرا مطلب
بہتر ہے جو لڑنے کو وہ پیارے گئے دونوں
بچے ہیں لڑائی کے نہیں رنگ سے واقف
فوجوں سے نہ آگہ، نہ فنِ جنگ سے واقف
بوٗ ما سے ہیں قد بھی نہیں کچھ ایسے بڑے ہیں
دِہ سالہ و نہ سالہ تھے نکلے جو وطن سے
بچے مرے کم زور ہیں فاقوں کے محن سے

محسوب ہوں فدیوں میں ولی ابنِ ولی کے
با نو نے کہا دیکھ لو پھر ان کو بُلا کر
اصرار کیا سب نے تو گردن کو جُھکا کر
صدقے گئی کچھ کام ہے یاں آکے سدھارو!
فضہ گئی اور خیمے میں لائی انہیں ہمراہ
قدموں پہ گرے ہاتھوں کو جوڑے جو وہ ذیجاہ

ماموں پہ فدا ہوتے ہو میں تم پہ فدا ہوں
چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کہ مادر
جاتا تھا وہاں ایک کے بعد ایک دلاور
کس سے کہیں آقا پہ جو کچھ رنج و تعب تھا

جی جاؤں گی مر کر جو وہ میداں سے آئے
کیا جانئے کس فکر میں ہیں وہ مرے جائے

اب وہ مرے فرزند ہیں دونوں کی ماں ہوں
فریاد کہ اب لُٹتی ہے زینبؑ کی کمائی
اے بنتِ علیؑ اُڑ رہے ہیں آپکے بھائی
دو بھانجے، ماموں سے جدا ہوتے ہیں لوگو!
اور خاک پہ سجدے کو جھکیں حضرتِ زینبؑ
عزّت مرے بچوں کی ترے ہاتھ ہے یارب!
یہ خوش خبری آئے کہ مارے گئے دونوں
نیزے کے نہ تلوار کے ہیں ڈھنگ سے واقف
دونوں میں نہیں ایک بھی جو رنگ سے واقف
گھوڑوں پہ تو وہ پہلے پہل آج چڑھے ہیں
بُو دودھ کی آتی ہے ابھی اُن کے دہن سے
دھڑکا ہے کہ گھبرا کے چلے آئیں نہ رن سے
تو اُن کی مدد کر کہ نواسے ہیں علیؑ کے
فرمایا نہیں آئیں گے خود برچھیاں کھا کر
فرمایا کہ اچھا کوئی کہہ آئے یہ جا کر
جاتے ہو تو شکلیں مجھے دکھلا کے سدھارو!

آئے صفتِ مہر لرزتے ہوئے دو ماہ
لپٹا کے گلے کہنے لگی بنتِ یداللہ
لو آؤ کہ میں اب تو نہ غصے نہ خفا ہوں
ہر دم تھے اِسی فکر میں ہم دونوں برادر
ہر دوست سے مِل مِل کے گلے روتے تھے سرور
اُس وقت میں رخصت طلبی ترکِ ادب تھا

لاشوں کا وہ آنا وہ ہجومِ الم و یاس
آزردہ نہوں آپ ہمیں تھا یہی وسواس
جوڑے ہیں کبھی ہاتھ کبھی گرد پھرے ہیں
خوش ہو کے کہا ماں نے کہ شاباش دلیرو!
ہاں چاہیئے منھ نیزہ و خنجر سے نہ پھیرو!
توقیر تمہاری ہو مری نام وری ہو
دادا کو جو پوچھو تو علمدارِ پیمبر
نانا سا تو عالم میں نہ تھا کوئی دلاور
یوں سب ہیں پہ سرتاج دلیروں کے تمہیں ہو
اس گھر کے بزرگوں کا چلن تیغ زنی ہے
کیا شہرۂ خیبر شکنی، بت شکنی ہے
بودے کی کہاں آنکھ کہاں مرد کے تیور
ہمراہ کوئی واں سے نہیں لاتا ہے رتبہ
سر بیچ کے ذی قدر کو ہاتھ آتا ہے رتبہ
مر کر نہ ہٹے قابلِ احسنت وہی ہے
دریا کی طرف پیاس میں تکتے نہیں غازی
تلواروں میں آنکھوں کو جھپکتے نہیں غازی
آفت میں حواس ان کے بجا ہوتے ہیں پیارو
تیروں کی مہم بات میں سر کرتے ہیں صفدر
تلواروں میں سینوں کو سپر کرتے ہیں صفدر
دم ہونٹوں پہ آئے تو شجاعت نہیں جاتی
نانا نے تمہارے درِ خیبر کو جو توڑا
ہر وار میں بچتا تھا نہ اسوار نہ گھوڑا
تھراتے تھے کفار تزلزل میں زمیں تھی

جرأت نہ پڑی عرض کی تھے گرچہ بہت پاس
جب بڑھتے تھے ہم روکتے تھے حضرتِ عباس
راضی ہو تو جب پاؤں پہ اس وقت گرے ہیں
اب دیر نہیں خوب سدھارو مرے شیرو!
دو شیر ہو حملہ کرو عمر[1] و شمر کو گھیرو!
سر دونوں کے لاؤ تو میں جانوں کہ جری ہو
ہاتھوں کے عوض جن کو خدا نے دیے دو پر
کرار کی جرأت تو سنی ہوگی مکرر
ہاں صدقے گئی شیر تو شیروں کے تمہیں ہو
جو فقر میں کرتا ہے سخاوت وہ غنی ہے
جو بات پہ سر دے وہ سخاوت کا دھنی ہے
چھپتے نہیں لاکھوں میں جوانمرد کے تیور
جو نام پہ مرتا ہے وہی پاتا ہے رتبہ
ہٹتا ہے قدم بڑھ کے تو گھٹ جاتا ہے رتبہ
جو کھیت میں سر سبز ہو ساونت وہی ہے
گر شیر بھی جھپٹے تو سرکتے نہیں غازی
بجلی بھی گرے گر تو جھجکتے نہیں غازی
جراروں کے تیور بھی جدا ہوتے ہیں پیارو
آقا کے دلِ پاک میں گھر کرتے ہیں صفدر
عزت پہ بزرگوں کی نظر کرتے ہیں صفدر
مرنے پہ بھی چہرے کی بشاشت نہیں جاتی
مانندِ سپر ہاتھ سے اس در کو نہ چھوڑا
خالی ہوا جب قلعہ تو منھ جنگ سے موڑا
تھا زور تو یہ اور غذا نانِ جویں تھی

ف۱ مراد عمر سعد سے

جب دستِ ید اللہ میں تیغِ دو سر آئی
بس قبضۂ قدرت میں یکایک ظفر آئی
جھپٹے یہ ادھر فوج پہ نصرت ادھر آئی
بعد آپ پھرے فتح کی پہلے خبر آئی
پڑھتے ہیں وہ کلمہ جو مسلماں ہوئے دب کے
اب تک تو سر اُٹھتے نہیں کفارِ عرب کے

خندق کی وغا عمروِ سیہ کار کی وہ دھوم
تھراتا تھا تلوار سے جس کی عرب و رُوم
زد کر کے جو حربوں کو بڑھا خاصۂ قیوم
جھپٹا اسد آہو پہ یہ سب کو ہوا معلوم
اک ضرب میں نہ گرز نہ مغفر تھا نہ سر تھا
خندق کے اُدھر لاش ہر نحس اِدھر تھا

جس وقت ظفریاب ہوئے حیدرِ کرار
اک ہاتھ میں سر عمرو کا اور ایک میں تلوار
فرمایا نبیؐ نے یہ بہ اعلان و بہ تکرار
افضل ہے دو عالم کی عبادت سے یہ اک وار
سر فتح کا تھا پاؤں پہ خالق کے ولی کے
جبریل اُسے چومتے تھے ہاتھ علیؑ کے

واری یوہیں تم بھی مرے کام آؤ تو جانوں
آقا کی اطاعت کو بجا لاؤ تو جانوں
اِن چھاتیوں پر زخمِ سناں کھاؤ تو جانوں
لڑ بھڑ کے جب اس فوج سے مرجاؤ تو جانوں
جرار ہو سب حال سے محرم ہیں تمہارے
مجھ کو ابھی دھڑکا ہے کہ سن کم ہیں تمہارے

ماں صدقے گئی گھاٹ پہ دریا کے نہ جانا
پانی کی طرف پیاس میں گھبرا کے نہ جانا
ساحل پہ کبھی سر دھوا پا کے نہ جانا
صابر ہو تو رہواروں کے گرما کے نہ جانا
ایسے تو نہیں جو مجھے محجوب کرو گے
ہیں دودھ نہ بخشوں گی جو پیاسے نہ مرو گے

جس پانی کو ترسے اسدُ اللہ کا پیارا
کیوں جاؤ اُدھر نہر پہ کیا کام تمہارا
عاقل کے لئے کافی و وافی ہے اشارا
گر آبِ بقا ہو تو مناسب ہے کنارا
وہ کام ہو جس کام میں کوثر پہ گذر ہو
دم بھر کے لئے کیوں عرقِ شرم میں تر ہو

بھائی کسی ہنگام میں بھائی کو نہ چھوڑے
دونوں میں کوئی عقدہ کشائی کو نہ چھوڑے
جرأت کو جلالت کو لڑائی کو نہ چھوڑے
ہمت کو مروت کو بھلائی کو نہ چھوڑے
جو امر کہ مشکل ہے وہ دشوار نہ ہوگا
اک دل ہوئے جب دونوں کوئی چارہ نہ ہوگا

اک بھائی لڑے بڑھ کے جو ہاتھ ایک کا تھک جائے
بلوا جو پھر اس پر ہو تو یہ بھر کمک جائے
ہاتھوں میں صفائی ہو کہ بسمل بھی پھڑک جائے
گر صف ہو تو پسپا ہو پرا ہو تو سرک جائے
حملوں میں سب انداز ہوں خالق کے ولی کے
پہچان لیں وہ سب کہ نواسے ہیں علیؑ کے

نیزوں کی طرف چھاتیاں تانے ہوئے جانا
ہنس ہنس کے میں قربان گئی برچھیاں کھانا
اس جنگ کا چرچا سحر و شام رہے گا

دونوں نے کہا ہو گا یہی فضل خدا سے
ہم اور نہیں کوئی علیؑ کے ہیں نواسے
کچھ ہم سے نہ تلوار سے نے ڈھال سے ہو گا

ارشاد نہ حضرت کا بجا لائیں تو مجرم
ڈر جائیں تو بے وقر جو ہٹ جائیں تو مجرم
مر جائیں گے دنیا میں سدا کون رہا ہے

جیتے ہیں تو بے صف شکنی ہم نہ رہیں گے
سر کاٹے گا پاؤں جو محکم نہ رہیں گے
جینا کسی صورت ہمیں مطلوب نہیں ہے

چھوٹے تو ہیں کیا منھ سے بڑی بات نکالیں
سیدانیاں ہی جنھیں آغوش میں پالیں
ہم جینے پہ مرتے نہیں مرنے کو جئے ہیں

مختار ہیں یوں آپ سزا دیں کہ خفا ہوں
وہ نام پہ کیونکر نہ مریں جو شرفا ہوں
کیا زیست پھر ان کی جنھیں ماں باپ نہ بخشیں

ایسے تو نہیں ہم جو شجاعت نہ دکھائیں
نانا کی اگر شان و جلالت نہ دکھائیں
خندق ہو تو لاشوں سے زمیں پاٹ کے مر جائیں

جب کہہ چکے یہ جوشِ شجاعت میں وہ گل رو
لپٹا کے گلے کہنے لگی زینبؑ خوش خو
لڑنا ہے تمہیں فوج سے مطلوب لڑو گے

ہاں تیروں کی بارش میں سپر منھ پہ نہ لانا
لازم ہے وہ ہمت کہ معترف ہو زمانا
دنیا میں اگر تم نہ رہے۔ نام رہے گا

کیا بات ہے جیتے ہیں تو مر جائیں گے پیاسے
غافل نہ رہیں آپ غلاموں کی دعا سے
جو ہو گا وہ سب آپ کے اقبال سے ہو گا

بھولے سے بھی دریا کی طرف جائیں تو مجرم
بڑھ بڑھ کے نہ شمشیر و سناں کھائیں تو مجرم
دودھ آپ کا ہم دونوں غلاموں نے پیا ہے

مجبور ہیں سینوں میں اگر دم نہ رہیں گے
لڑکے ہیں جوانوں سے مگر کم نہ رہیں گے
اب کیا کہیں خود اپنی ثنا خوب نہیں ہے

ان سینوں پہ رکھ دے کوئی سو نیزوں کی بھالیں
تلواروں میں رکیں گے وہی سینوں پہ ڈھالیں
سینے ہمیں کس واسطے خالق نے دیے ہیں

ہوتے ہیں مکدر کہیں دل جن کے صفا ہوں
تب وقت ہے غصّے کا جو وعدے نہ وفا ہوں
تیور بھی جو میلے ہوں تو دودھ آپ نہ بخشیں

سب نام کریں اور ہمیں جرأت نہ دکھائیں
مصحف کی قسم آپ کو صورت نہ دکھائیں
تیغیں نہ چلیں گر تو گلا کاٹ کے مر جائیں

آنکھوں سے ٹپکنے لگے رخساروں پہ آنسو
اللہ یہ غصہ ہے کہ بل کھاتے ہیں گیسو
لو رو دو نا! معلوم ہوا خوب لڑو گے

صدقے میں ارادوں کے مرے شیر جوانو
اب غیظ سے تھرّاؤ نہ کہنا مرا مانو
یہ فصل لڑائی کی نہیں کھیل کے دن ہیں
شیر اُس کے ہو تم شیر ہے جو بنتِ اسد کا
دنیا میں بڑا نام ہے تم دونوں کے جد کا
ایک ایک جری دشتِ ستم لاشوں سے بھر دے
لو بخش دیا دودھ سدھارو مرے پیارو!
میلی ہے یہ پوشاک اُتارو مرے پیارو!
خوش ہوں گی میں تب گھوڑوں پہ جس آن چڑھوگے
فرما کے یہ لیں دونوں کے چہروں کی بلائیں
فرمایا کہ رخصت جنھیں ہونا ہو وہ آئیں
رن میں یہ برات اپنی دکھانے کو چلے ہیں
سب بیبیاں آئیں جو کلیجوں کو سنبھالے
جس وقت چلے خیمے سے وہ گیسوؤں والے
ڈیوڑھی سے جو دونوں دُرِ یکتا نکل آئے
خیمے سے برآمد ہوئے زینب کے جو دلبر
بس جھک گئے تسلیم کو حضرت کی وہ صفدر
یہ وہ ہیں جو آغوش میں زینب کی پلے ہیں
کہہ کر یہ سخن دونوں کو گھوڑے پہ چڑھایا
بجلی کا سب انداز کمندوں نے دکھایا
ثابت نہ ہوا ایک پہ کیا ہو گئے دونوں
ایک ایک سے جاندار گراں قدر سبک رَو
کبلوں کی وہ تابش وہ ہرا لعل کا پرتو
اک چاند تھا وہ جو سُمِ توسن کا نشاں تھا

اے بے وطن و فاقہ کش و تشنہ دہانو
ماں کہتے تھے پر اب مجھے تم خادمہ جانو
میں اس لئے کہتی ہوں کہ چھوٹے ابھی سن ہیں
سر جس نے کیا معرکۂ صفین و اُحد کا
ماں صدقے گئی وقت ہے ماموں کی مدد کا
اللہ تمہیں لشکرِ اعدا پہ ظفر دے
اُلجھے ہوئے گیسو تو سدھارو مرے پیارو!
دولھا تو بنالوں مرے پیارو مرے پیارو!
شادی ہو بڑی آج کہ پروان چڑھوگے
اور تھام کے بازو کو پڑھیں آپ دعائیں
لو بی بیو سب آؤ تو بچے مرے جائیں
دونوں دلہنیں بیاہ کے لانے کو چلے ہیں
تسلیم کو جھک جھک گئے وہ نازوں کے پالے
دُر تک گئی ماں خاکِ عزا فرق پہ ڈالے
نزدیک تھا یہ ماں کا کلیجہ نکل آئے
دیکھا کہ حسین ابن علی روتے ہیں در پر
منہ کر کے سوئے چرخ پکارے شہِ بے پر
بچے بھی تری راہ میں مرنے کو چلے ہیں
دونوں نے شرف پایۂ معراج کا پایا
دوڑے کہ دکھائی نہ دیا دھوپ میں سایا
جنگل کو جو دیکھا تو ہوا ہو گئے دونوں
وہ جست وہ کاوے وہ طرارے وہ دوا دو
تاروں میں دکھاتے تھے چمک چار مہ نو
بالائے زمیں عالم بالا کا سماں تھا

شکلیں بھی پری جرأت و سرعت کے علاوا
دو گام تھا جن کے لیے سو کوس کا دھاوا
قد ایک سے شکل ایک سی اور ایک سا کاوا
یہ گشت میں بجلی وہ رَوا رَوی میں چھلاوا
شوخی میں یہ آہو تھا اگر طیر تھا وہ بھی
یہ بادیہ پیما تو فلک سیر تھا وہ بھی

ہاں کبک تو یہ رنگ یہ انداز دکھائے
قائل ہوں جو طاؤس یہ پرواز دکھائے
جانیں جو پری چال میں یہ ناز دکھائے
آہو یہ طرائے یہ تک و تاز دکھائے
ہوگا وہی لاریب تصور ہمیں جو ہے
دعوے ہے تو آئیں یہی میداں یہی گو ہے

تھم تھم کے بھی چلنے میں سب انداز ہوا کا
لڑنے میں سماں برق کا اُڑنے میں ہما کا
پائے انہیں مقدور یہ کب پیکِ صبا کا
نے وہم کا واں دخل نہ فہم شعرا کا
یہ عجز ہے تعریف جو کرتا نہیں کوئی
باندھیں کسے مضموں تو ٹھہرتا نہیں کوئی

یوں ذہن میں آتے ہی نکل جاتے ہیں سن سے
جس طرح نسیم آکے نکل جائے چمن سے
جرأت میں فزوں شیر سے سرعت میں ہرن سے
آگاہ ہیں وہ جرأت و سرعت کے چلن سے
نعل اُن کے سروہی سے چلے فوجِ ستم پر
پڑتے تھے قدم دونوں کے دُلدُل کے قدم پر

گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے پہنچے جو بہادر
فوجِ ستم آرا ہوئی سب غرقِ تحیّر
اِک شور ہوا کون سے دریا کے ہیں یہ دُر
لڑکے ہیں پہ اللہ رے اقبال و تہور
کیا جانیے کیا نام ہیں اِن کے اَب و جَد کے
تیور سے یہ پیدا ہے کہ بچے ہیں اَسد کے

پیشانیاں خورشیدِ جہانتاب سے بہتر
رخسارۂ رنگیں گلِ شاداب سے بہتر
دانتوں کی صفا گوہرِ نایاب سے بہتر
چہروں کا عرق موتیوں کی آب سے بہتر
ابرو نہیں پیشانیٔ ذی قدر کے نیچے
ہیں دو مہِ نو بال سے اِک بدر کے نیچے

حیراں ہیں عدو حُسن پہ اور دونوں کے سن پر
ابرو وہ کمانیں ہیں کہ قرباں ہیں اِن پر
آنکھیں وہ کہ پریوں کی نظر پڑتی ہے جن پر
گیسو ہیں کہ سایہ کیا ہے رات نے دِن پر
یہ گیسو و رخ خوں میں بھرے رنج کی جا ہے
دو بدر ہیں چار شش و پنج کی جا ہے

آنکھوں کی سیاہی پہ فدا نرگسِ شہلا
یہ عینِ شجاعت ہے کہ ہے معرکہ پہلا
ہیں پنجتنی دل کبھی ان کا نہیں دہلا
بے تیغوں کے کھیلے کوئی بچہ نہیں بہلا
تلوار چلی پھر گئی چتون جدھر ان کی
غصے میں سروہی سے سوا ہے نظر ان کی

دلیر ہیں دلیروں کے حسینوں کے حسیں ہیں
شیریں سخن اس طرح کے عالم میں نہیں ہیں
جملے ہیں وہی صاف وہی شرط و جزا ہے
شرمندہ ہے شمشاد بھی قد معتدل ایسے
مختوم ہیں خط خال کے نقطے سجل ایسے
سطریں ہیں یہ سب گیسوؤں کے بال نہیں ہیں
وہ چاند سے سینے کہ وفا کا ہی گھر ان میں
شیروں کا ہے بیشہ کہ دل ان میں جگر ان میں
خود جن میں ہو دریا یہ سفینے نہیں دیکھے
مضموں ہیں سر دست یہ ہاتھوں کی ثنا کے
قبضے پہ اگر ہاتھ رکھیں غصے میں آ کے
ہے کون سا سرکش جو یہاں پست نہیں ہے
بت کعبے سے جن سب نے نکالے یہ وہی ہیں
ہے فتح و ظفر جن کے حوالے یہ وہی ہیں
پروانے ہیں شمع حرم لم یزلی پر
فوجیں نہیں ٹھہریں یہ جہاں جم کے لڑے ہیں
چھوٹے ہیں جو اس گھر کے وہ جرار بڑے ہیں
یہ پاؤں ہٹاتے نہیں ہیں جنگ پہ چڑھ کر
ناگاہ یہ بڑھ کر پسر سعد پکارا
تلواریں پکڑ کر یہ پکارے وہ دل آرا
خورشید زمیں تاج سر عرش بریں ہیں
اسم جد اعلےٰ ہے ابو طالبؑ والا
عزت میں فزوں سب سے شرافت میں دوبالا
مصدر رہے جو مشتق ہے تو اعلےٰ سے علیؑ ہے

گویا یہ دہن خاتم قدرت کے نگیں ہیں
یہ طرفہ حلاوت ہے کہ باتیں نمکیں ہیں
تقریر میں سب مصحف ناطق کا مزا ہے
رکھ دیتے ہیں سینوں کو سنانوں پہ دل ایسے
دیکھے ہیں کسی چشم کی پتلی نے تل ایسے
ٹھہریں یہ خط حسن پہ ہیں خال نہیں ہیں
عدل و کرم و صنعت و علم و ہنر ان میں
اسرار جناب احدی کے گہر ان میں
اس طرح کے سینے تو کسی نے نہیں دیکھے
ناخن میں ہیں دونوں کے ہنر عقدہ کشا کے
دم بھر میں ہلا دیں طبقے ارض و سما کے
ان سے کوئی دنیا میں زبردست نہیں ہے
رکتے نہیں جن لوگوں کے بھالے یہ وہی ہیں
خیبر کے جو ہیں توڑنے والے یہ وہی ہیں
قبضہ ان ہی لوگوں کا ہے شمشیر علیؑ پر
ہاتھ ان کے تو فولاد کے پنجے سے کڑے ہیں
دیکھو یہ کہ بپھرے ہوئے دو شیر کھڑے ہیں
سر کٹنے پہ بھی گرتے ہیں تو کھیت سے بڑھ کر
اے شیر دلو نام و نسب کیا ہے تمہارا
خالق نے ہمارے لئے دنیا کو سنوارا
پہلا یہ شرف ہے کہ غلام شہ دیں ہیں
جس شیر نے احمدؐ سے شہنشاہ کو پالا
جس کا ہے علیؑ سا پسر اقدس و اعلیٰ
ایمان میں ان کے جسے شک ہو وہ شقی ہے

دادا ہے شہنشاہِ دو عالم کا مددگار
وہ شُقّہ طرازِ علمِ احمدؐ مختار
ہاتھوں کے عوض حق سے سردست لئے ہیں
نانا اسداللہ مددگارِ دو عالم
سلطانِ قضا منتظمِ کارِ دو عالم
سب امرِ اہم عقل کی میزان میں تُلے تھے
بازوئے نبی دستِ خدا نفسِ پیمبرؐ
لشکر شکن و بُت شکن و فاتحِ خیبر
اصنام سے کیا خانۂ حق پاک کیا ہے
وہ رُعب کہ شیروں کو بھی عبرت ہوئی جس سے
وہ زور کہ ایمان کو قوت ہوئی جس سے
دیکھے اُسے آگاہ جو حیدرؑ سے نہیں ہے
کانپا کیا روم و عرب اِک تیغِ دوسر سے
دیں داروں کو امن اس نے دیا فتنہ و شر سے
کیا کیا نہ بدل جائے گا کیا کیا نہ مٹے گا
اللہ رے اوج و شرف و عزت و مقدار
خالق کا ولی احمدِ مرسل کا مددگار
پاتے ہیں اشارے میں شفا کور و کر اس سے
ہم دونوں نواسے ہیں اُسی فیض رساں کے
دکھلائیں گے جوہر تمہیں تیغِ دو زباں کے
تم یہ نہ سمجھنا کہ یداللہ نہیں ہیں
سُن کر یہ رجز فوج کے سردار پکارے
تابندہ ہیں افلاکِ شرافت کے ستارے
حیدرؑ کی طرح صاحبِ شمشیر ہیں دونوں

سردارِ جہاں فخرِ عرب جعفرؑ طیار
آلودہ رہی خون میں جس شیر کی تلوار
اللہ نے پر اُن کو زمرد کے دیئے ہیں
دیندار، نمودار، جہاندارِ دو عالم
سرتاجِ فلک جیغۂ دستارِ دو عالم
عقدے وہ ہوئے حل جو کسی سے نہ کھلے تھے
طیب و زکی و طاہر و پاکیزہ و اطہر
سرتاجِ عجم میرِ عرب حیدرِ صفدر
گہوارے میں اژدر کا دہن چاک کیا ہے
وہ حلم کہ خورشید کو رجعت ہوئی جس سے
وہ ضرب بنا کفر کی غارت ہوئی جس سے
بہتر کوئی شاہد درِ خیبر سے نہیں ہے
گذری سرِ مرحب سے تو عنتر کی کمر سے
ضرب اس کی نہ روکی گئی جبریل کے پر سے
پر حشر تک اس ضرب کا سکہ نہ مٹے گا
دشمن کو بھی تھا فضل میں جس کے نہیں انکار
خاکِ کفِ پا سرمۂ چشم اولوالابصار
بینا ہے وہی جس کو ہے چشمِ نظر اُس سے
فرزند ہیں ہمشیرِ شہِ کون و مکاں کے
بڑھ بڑھ کے اُلٹ دیں گے پرے فوجِ گراں کے
ہم شیر تو ہیں۔ گر اسداللہ نہیں ہیں
اے قوم یہ شبیرؑ کے ہیں بھانجے پیارے
ہاں بھر لے طلا سے وہ سپر جو نہیں مارے
لڑکا انہیں سمجھے نہ کوئی شیر ہیں دونوں

یہ سن کے کیا سب نے لڑائی کا سرانجام
برچھی کہیں چمکی کہیں جمدھر کہیں صمصام
یوں آتے تھے سب لوٹ کو فوج آتی ہے جیسے
اُس شور میں بشاش کھڑے تھے وہ دلاور
کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا کہ برادر
وہ کہتا تھا تکیہ ہے عنایاتِ احد پر
آتا ہے شکار آپ سے جس دم طرفِ شیر
جاتے ہیں کہاں اب تو یہ آئے تہِ شمشیر
کُھل جائے گا جب تیغچے کھینچیں گے کمر سے
تھوڑے میں اُبل پڑتے ہیں وہ جو ہیں تُنک ظرف
سر جائے پہ آئے نہ شجاعت پہ کوئی حرف
ہاتھ اپنا چلے گا تو جگہ پا کے چلے گا
تقریر اِدھر یہ تھی کہ تیر آئے اُدھر سے
سب موت کے حلقے میں اسیر آئے ادھر سے
اِس بھیڑ پہ بھی بند تھے دہشت سے دم اُن کے
برچھی لئے انبوہ سواروں کا جب آیا
اِک شور ہوا غیظ رجیموں کو اب آیا
آخر وہ جری لختِ دلِ ضیغمِ دیں تھے
بس پھر تو دھنسے فوج میں وہ شیرِ دَرندہ
آہو سے بھی چالاک تھے اسپانِ دوندہ
مانند براقِ بنوی عرش سما تھے
مارا اُنہیں چُن چُن کے جو تھے فوج میں چیدہ
باہم تھے کمانداروں سے دونوں جو کشیدہ
سہمے ہوئے تھے تیر کہ آفت تھی جہاں پر

کھُلنے لگے ہر صف میں علمہائے سیہ فام
بدلی کی طرح جھوم کے آئی سپہِ شام
بچوں پہ صفیں آتی تھیں موج آتی ہے جیسے
پرواہ نہ تھی مطلق کہ یہ فوج آتی ہے کس پر
دیکھیں تو ذرا آپ قریب آ گیا لشکر
آنے دو اجل اُن کو لئے آتی ہے در پر
دانستہ وہ کرتا ہے جھپٹنے میں ذرا دیر
جس جا ہیں صفیں ہوتے ہیں لاشوں کے وہیں ڈھیر
عرصہ فقط اِتنا ہے کہ سبقت ہو اُدھر سے
جب گرم ہوا مہرِ درخشاں تو کہاں برف
اِس نخوت سے عمر اپنے بزرگوں کی ہوئی صرف
ٹھوکر وہی کھائے گا جو گھبرا کے چلے گا
پیغامِ وفا لے کے صفیر آئے ادھر سے
دو بچوں پہ دو لاکھ شریر آئے ادھر سے
بڑھ بڑھ کے ہٹے جاتے تھے پیچھے قدم اُن کے
شہزادوں نے رانوں میں سمندوں کو دبایا
وہ تیغچے بجلی سے جو چمکے غضب آیا
سر تھے صفِ اول کے کہیں جسم کہیں تھے
تلواروں سے ڈر ڈر کے چھپے مُردوں میں زندہ
مڑنے میں جو بجلی تھے تو اُڑنے میں پرندہ
گھوڑے نہ کہو اوجِ سعادت کے ہُما تھے
رہواروں سے پامال تھے سرہائے بریدہ
بدکیش و خطاکار تھے سب زخم رسیدہ
پیکاں نہ سری پر تھا نہ چلّہ تھا کماں پر

خالی بھی جو یہ صف تو پریشاں وہ پرا تھا
رنگ اُڑ گئے تھے چہروں سے لشکر پہ ڈرا تھا
ڈر سے نہ بڑھاتے تھے جو سرکش قدم اپنے
وہ مر گیا تلوار اُٹھا کر جسے ڈانٹا
گلہائے جراحت کو عجب حُسن سے بانٹا
اب تک یہ ہوا باغِ جہاں میں نہیں دیکھی
تلوار نے چھوٹے کی نیا رنگ دکھایا
حیرت ہوئی وہ زورِ دمِ جنگ دکھایا
ایسا کوئی طفلی میں نمودار نہ ہوگا
وہ پنجا اور پھول سی وہ نرم کلائی
وہ انگلیاں جن میں ہنرِ عقدہ کشائی
زور ایسا جہاں کوہ سبک ہاتھ کے تل سے
وہ شیروں سے بچ کر ستم ایجاد کدھر جائے
خالی بھی جو دے وار تو پھر خون میں بھر جائے
بُز دل جو ہے کیونکر وہ دلیروں سے بچے گا
کس میں تھی ضیا نیچوں کی ضو کے برابر
بجلی نہ چمک سکتی تھی پرتَو کے برابر
بچتا تھا نہ وہ نوک بھی جا لگتی تھی جس کو
کاٹی جو سپر فرقِ جفا جو پہ نہ ٹھہری
چار آئینۂ ظالمِ بدخو پہ نہ ٹھہری
کیا زور تھا کیا ضربتِ شمشیرِ نکو تھی
بھالوں میں جو تیغوں کو سنبھالے نظر آئے
ریتی پہ طپاں برچھیوں والے نظر آئے
غُل تھا کہ رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا

جنگل ستم ایجادوں کی لاشوں سے بھرا تھا
تھرّاتا تھا وہ ہاتھ جو قبضے پہ دھرا تھا
تیغیں بھی نیاموں میں چُرائے تھیں دم اپنے
اس نخل کو تلوار سے کاٹا اُسے چھانٹا
نکلی نہ کوئی شاخ نہ اُلجھا کوئی کانٹا
غل تھا کہ بہار ایسی خزاں میں نہیں دیکھی
ضربِ اسدُ اللہ کا سب ڈھنگ دکھایا
راکب کو بھی مرکب کو بھی چورنگ دکھایا
ہاتھ ایسا تو جعفر کا بھی تیار نہ ہوگا
سب جس سے ہویدا یدِ بیضا کی صفائی
ضیغم کے بھی پنجے نے یہ قوت نہیں پائی
ضرب ایسی کہ پوچھے کوئی جبریل کے دل سے
گر منھ پہ چڑھے یہ تو سرِ نحس اُتر جائے
بس زیست اسی میں ہے کہ تلوار سے مر جائے
بھاگے گا تو کیا صید یہ شیروں سے بچے گا
گویا کہ مہِ نَو تھا مہِ نَو کے برابر
سر خاک پہ گر پڑتے تھے سَو سَو کے برابر
رہ جاتا تھا وہ چل کے ہوا لگتی تھی جس کو
مُنھ پر نہ رُکی ساعد و بازو پہ نہ ٹھہری
دشمن کی زرہ کاٹ کے پہلو پہ نہ ٹھہری
گھوڑے کی بھی گردن اسی اِک وار میں دو تھی
افسر نظر آئے نہ رسالے نظر آئے
ہر صف کی جگہ خون کے تھالے نظر آئے
بچّوں کو اس انداز سے لڑتے نہیں دیکھا

چار آئے جو لڑنے کو تو اک دل ہوئے دونوں
گرما کے فرس جنگ پہ مائل ہوئے دونوں
ششدر نہیں ہوتے جو شجاعت کے دھنی ہیں
یہ سنتے ہی بچوں پہ جھپٹ کر وہ پل آئے
لشکر نے یہ جانا کہ وہ بچ کر نکل آئے

احسنت کا برپا ہوا غل چرخِ بریں پر
کیا ذکر بھلا آٹھ کا یا چار سروں کا
گننا ہوا اب تو ہمیں دشوار سروں کا
تھم سکتے نہ تھے پاؤں کسی عربدہ جو کے
اعدا تھے دمِ جائزہ ہر بار ندارد
پیدل نظری فوج کے اسوار ندارد
یوں فوج کے دفتر کو اُلٹتے نہیں دیکھا

یہ تھک کے جو ٹھہرا تو وہ لشکر میں در آیا
یہ ڈوب گیا جب وہ اُدھر سے اِدھر آیا
ہٹ جائے گا لشکر تو خبر لے کے پھریں گے
جانبازیاں دکھلاتے تھے میداں میں وہ جانباز
قاسم کا سخن تھا کہ علیؑ کا ہے سب انداز
بڑھتے تھے کبھی گاہ ٹھہر جاتے تھے عباسؑ

ہر بار صدا دیتے تھے اے گیسوؤں والو
رہوار بڑھے جاتے ہیں باگوں کو سنبھالو
اب ہٹنے کی مہلت مری جاں ان کو نہ دینا
ہاں شیروں کے شیرو! کا یہی کام ہے شیرو!
پیچھے ہیں تمہارے سپہ شام ہے شیرو!
اِک شمس تو اِک برجِ شرافت کا قمر ہے

ٹھہرے نہ ہٹے نے متامل ہوئے دونوں
چاروں سے یہ فرما کے مقابل ہوئے دونوں
تم چار ہو ہم دو ہیں مگر پنج تنی ہیں
غصے سے دلیروں کے بھی ابرو پہ بل آئے
آنا تھا کہ چاروں تہِ تیغِ اجل آئے

ٹکڑے جو گِنے چار کے تھے آٹھ زمیں پر
کشتوں کے جو پشتے تھے تو انبار سروں کا
اِک مینھ سا برس جاتا تھا ہر بار سروں کا
کٹتی تھی زمیں رن کی دڑیڑوں سے لہو کے
منشی کے قلم ہاتھ علمدار ندارد
۲ دو آئے تو ۲ دو چار تھے پھر چار ندارد
یوں چہرے پہ چہرہ کبھی کٹتے نہیں دیکھا

رستے کو تڑپتے ہوئے لاشوں سے بھر آیا
اِک چاند تہِ خاک چھپا اِک نظر آیا
چھوٹے ہیں مگر بھائی سے کچھ بڑھ کے لڑیں گے
دل تھامے ہوئے دیکھتے تھے شاہِ سرافراز
فرماتے تھے اکبرؑ یہ لڑائی ہے کہ اعجاز
جب وار وہ کرتے تھے پھڑک جاتے تھے عباسؑ

کیا کہنا ہے پھر بڑھ گئے ہی ہاتھ نکالو
حلقہ ہے کڑی آنکھ زرہ پوشوں پہ ڈالو
منت بھی کریں گر تو اماں ان کو نہ دینا
بس آج لڑائی میں بڑا نام ہے شیرو
تم دونوں کا جد صاحبِ صمصام ہے شیرو
ماں کس کی ہے بیٹی تو پدر کس کا پسر ہے

شہ کہتے تھے بچپن ہیں لڑیں ہائے کہاں تک
دو روز سے پانی نہیں پہنچا ہے دہاں تک
سیراب کبھی یہ تشنہ دہاں ہونے نہ پائے
سیدانیاں دروازوں پہ تھیں کھولے ہوئے سر
فضہ تھی پریشاں گئے مُو خیمے کے باہر
بتلا مجھے بچے مرے کیا کرتے ہیں دونوں
وہ رُخ پہ نظر آتے ہیں اُڑتے ہوئے گیسو
ڈھالیں لئے وہ بھاگتے پھرتے ہیں جفا جو
بہتا ہے لہو چھاتیوں سے چور ہیں دونوں
زینبؑ نے کہا دونوں ہیں یکجا کہ جدا ہیں،
لاکھوں ہیں عدو اور وہ دو ماہِ لقا ہیں
دم خوف سے سینے میں سماتا نہیں اب تو
یہ سنتے ہی ڈیوڑھی سے ہٹیں حضرت زینبؑ
اب کچھ نہیں وسواس برآیا مرا مطلب
بچے مرے داخل ہوئے خیلِ شہدا میں
یہ ذکر تھا جو طبل بجا فتح کا ناگاہ
سجدے کو سوئے قبلہ جھکیں زینبؑ ذیجاہ
تلواریں عَلَم قاسمؑ و عباسؑ لئے تھے
عباسؑ نے غصے میں لعینوں کو ہٹایا
پسپا ہوئے کفار کوئی تاب نہ لایا
آلودۂ خوں دو مہِ کامل نظر آئے
سرتا بہ قدم چور تھے زخموں سے تنِ زار
ہر کارِ سہ پہلو تھے کئی چھاتیوں کے پار
لب پر یہ سخن تھا شہِ والا نہیں آئے

لاکھوں سے لڑے دونوں ہیں طاقت تھی جہاں تک
اب پھر کے کوئی نہیں لے آئے یہاں تک
ہے ہے مرے گھر میں یہ جواں ہونے نہ پائے
اصغرؑ کو لئے کانپتی تھی بانوئے بے پر
پردے سے لگی کہتی تھی یہ شاہ کی خواہر
وہ کہتی تھی لاکھوں سے وغا کرتے ہیں دونوں
وہ بیچ بجلی کی طرح گرتے ہیں ہر سو
وہ ابر میں چھپ چھپ کے نکل آتے ہیں مہ و
کس طرح پکاروں کہ بہت دور ہیں دونوں
کی عرض یہ رو کر کہ نہیں ایک ہی جا ہیں
منھ نہر سے پھیرے ہوئے سرگرمِ وغا ہیں
ہے ہے مجھے چھوٹا نظر آتا نہیں اب تو
فرمایا کہ بچوں کا مرے خاتمہ ہے اب
لو بی بیو مِل کر صفِ ماتم پہ چلو اب
سجدہ تو کروں شکر کا درگاہِ خدا میں
چلائے حرم لُٹ گئی بنتِ اسد اللہ
دوڑے طرفِ دشت وغا روتے ہوئے شاہ
ہم شکلِ نبیؐ چاک گریباں کئے تھے
بجلی سے بھی کچھ بڑھ کے گرا تیغ کا سایا
شبیرؑ نے لاشوں کو تڑپتا ہوا پایا
گودی کے پلے خاک پہ بسمل نظر آئے
انگڑائیاں لینے سے رگیں کھنچتی تھیں ہر بار
تلواریں تھیں قبضوں میں مگر ہاتھ تھے بے کار
دم ہونٹوں پہ آتے شہِ والا نہیں آئے

لاشوں کے قریب آکے پکارے شہ صفدر
یہ گرم زمین اور یہ گل سے تنِ انور
ماموں سے عجب وقت میں منہ موڑ رہے ہو
اے عونؑ و محمدؑ یہ جفا تم نے اُٹھائی
راحت مرے گھر میں نہ ذرا تم نے اٹھائی
مانع جو ہوئی ماں سوئے یم پھر نہیں دیکھا

اے بھانجو موجود ہے یہ بےکس و بے پر
ریتی سے اُٹھا کر مرے زانو پہ رکھو سر
کن آنکھوں سے دیکھوں میں کہ دم توڑ رہے ہو
ایذائے عطش سب سے سوا تم نے اُٹھائی
کیا کیا نہ صعوبت بخدا تم نے اُٹھائی
اس عمر میں تم سا کوئی صابر نہیں دیکھا

اے شیر جوانو مجھے طاقت تھی تمہیں سے
اے مرتبہ دانو مجھے طاقت تھی تمہیں سے
ساتھ اپنے جہاں سے مجھے لیتے نہ گئے تم
اکبرؑ نے کہا عون کے بازو کو ہلا کر
ماموں کو پکارے بھی نہ تم برچھیاں کھا کر
لو گھر میں چلو بی بیاں سب غش میں پڑی ہیں

اے تیز زبانو مجھے طاقت تھی تمہیں سے
اے تشنہ دہانو مجھے طاقت تھی تمہیں سے
کاندھا مرے تابوت کو دیتے نہ گئے تم
بھیا تمہیں چلاتے ہیں شہ اشک بہا کر
باتیں شہِ والا سے کرو ہوش میں آ کر
سر ننگے پھوپھی خیمے کی ڈیوڑھی پہ کھڑی ہیں

خم ہو کے یہ چھوٹے کو علمدار پکارے
کیا منہ میں زباں اینٹھ گئی پیاس کے مارے
ہاتھوں کو ذرا جوڑ کے کچھ بات تو کر لو
سُن کر یہ صدا ہوش میں آئے وہ دلاور
اٹکے تھے جو اُکھڑے ہوئے دم سینوں کے اندر
فردوسِ معلےٰ کے مسافر ہوئے دونوں

اے تشنہ دہن اے مرے جانی مرے پیارے
چونکو کہ عجب حال ہے ماموں کا تمہارے
بیٹا شہِ والا سے ملاقات تو کر لو
سر رکھ دئے گھبرا کے شہِ دیں کے قدم پر
دو ہچکیاں لیں دونوں صغیروں نے برابر
کروٹ بھی نہ بدلی تھی کہ آخر ہوئے دونوں

گودی میں موئے وہ جنہیں آغوش میں پالا
بسمل کی طرح گر کے جو تڑپے شہِ والا
رقت کا یہ تھا جوش کہ تھراتے تھے شبیرؑ
عباسؑ نے کی عرض یہ با دیدۂ خونبار
لے چلئے انہیں خیمے میں اب یا شہِ ابرار
لاشے جو نہ جائیں گے تو غم کھائے گی زینبؑ

آنکھیں تھیں لہو اور جگر تھا تہ و بالا
عباسؑ نے تھاما یا علی اکبرؑ نے سنبھالا
ہر مرتبہ لاشوں سے لپٹ جاتے تھے شبیرؑ
خیمے سے نکل آئیں نہ سیدانیاں یکبار
بہتر ہے کہ ماں دیکھ لے فرزندوں کا دیدار
یہ قبر میں سوئے تو کہاں پائے گی زینبؑ

یہ سنتے ہی لاشے شہِ والا نے اُٹھائے
غل تھا کوئی جلدی صفِ ماتم کو بچھائے
چھوٹے کو علی اکبرؑ دلگیر لئے ہیں
زینبؑ نے کہا کیوں مجھے وسواس نئے آئے
لوگو مرے پیارے نے بڑے رنج اُٹھائے
دو روز سے وہ سروِ رواں تشنہ دہاں ہے

اُن دونوں نے گر جان گنوائی تو گنوائی
میں ماں ہوں نہ حسبِ مجھے یہ بات نہ بھائی
دل سے نہ یہ داغ الم و یاس مٹے گا
بانوؑ نے کہا کون سی وسواس کی ہے جا
شق ہوتا ہے مظلوموں کی غربت پہ کلیجا
گھر تک کوئی واماندوں کو پہنچا نہیں دیتا

ان دونوں کے عاشق تھے علی اکبرِؑ گل رو
ایسا یہ نہیں غم کہ تھمیں آنکھ سے آنسو
کل تک تھے ہم آج اکیلے ہوئے دونوں
دونوں تھے اِسی بھائی کے آرام کے طالب
وسواس کا یہ کون سا ہنگام ہے صاحب
ساتھ اَب نہ کوئی جوڑے ہوئے ہاتھ رہے گا

ناگاہ شہِ عرش نشیں لاشوں کو لائے
تھم کر صفِ ماتم کے قریں لاشوں کو لائے
دونوں کا لٹانا تھا کہ غش کر گئی زینبؑ
ہوش آیا تو اکبرؑ سے کہا رانڈوں کو سمجھاؤ
عباسؑ کی زوجہ سے یہ بولیں کہ ادھر آؤ
بانوؑ ہیں کدھر آہ یہ کیا بے خبری ہے

خیمے کے قریں دونوں کو روتے ہوئے لائے
لو آئے شہنشاہ کی ہمشیر کے جائے
اِک لاش کو خود گود میں شبیرؑ لئے ہیں
ہے ہے علیؑ اکبر اُسے کیوں گود میں لائے
صدقے یہ پھوپھی لاش کے لے آنے کے جائے
اِس بوجھ کی طاقت مرے بچے میں کہاں ہے

بن بیاہے مرے لال نے کیوں لاش اُٹھائی
اکبرؑ مری اٹھارہ [۱۸] برس کی ہے کمائی
صدقہ اب اُتاروں گی تو وسواس مٹے گا
ہم شکلِ نبی لاشوں کو لائے تو ہوا کیا
ہے ہے وہ کوئی غیر تھے اے دخترِ زہرا
بھائی کوئی کیا بھائی کو کاندھا نہیں دیتا

چھوڑا نہ اُنہوں نے بھی کبھی بھائی کا پہلو
بس تلخ ہوئی زندگیِ اکبرؑ خوش خو
بھائی بھی وہ جو ساتھ کے کھیلے ہوئے دونوں
جانے وہی جس شخص پہ گذریں یہ مصائب
بے جان ہوئے ہے ہے علیؑ اکبر کے مصاحب
شہزادہ کون اُسے کون کہے گا

غل پڑ گیا لو سرورِ دیں لاشوں کو لائے
ہمشیر تھیں جس صف میں وہیں لاشوں کو لائے
ہر بی بی پہ ثابت یہ ہوا مر گئی زینبؑ
ہے ہے نہ کمر و صاحبو اِک لحظہ ٹھہر جاؤ
کیا روتی ہو کپڑے علی اکبرؑ کے بدلواؤ
سب خوں سے مرے لال کی پوشاک بھری ہے

حضرت سے کہا آپ کو ایذا ہوئی یا شاہ
کس طرح لڑے دونوں غلامانِ ہواخواہ
حضرت نے کہا مدح میں قاصر ہے زباں آہ
زینبؑ مجھے یاد آگئی جنگِ اسدُ اللہ
نانا کی طرح دونوں نواسوں نے وغا کی
بچوں کی نہ تھی جنگ یہ قدرت تھی خدا کی

تیغوں میں یہ تیزی یہ صفائی نہیں دیکھی
یہ ضرب یہ پھرتی یہ لڑائی نہیں دیکھی
شیروں کی یہ پُر زور کلائی نہیں دیکھی
اعدا میں یہ ہلچل یہ دہائی نہیں دیکھی
صفین و جمل میں بھی رن ایسے نہ پڑے تھے
تم پوچھ لو عباسؑ تو نزدیک کھڑے تھے

عباس نے کی عرض زباں لاؤں کہاں سے
جو کر گئے یہ لال وہ باہر ہے بیاں سے
لڑتے تھے اسی طرح علیؑ فوجِ گراں سے
افسوس کہ یوں اُٹھ گئے یہ شیر جہاں سے
تلواریں جب ان کی مجھے یاد آتی ہیں بھینا
دو بجلیاں آنکھوں میں چمک جاتی ہیں بھینا

کیا عرض کروں ہائے محمدؐ کی لڑائی
گویا کہ یہ دیکھے ہوئے تھا جد کی لڑائی
بس صاف تھی صفین کی سرحد کی لڑائی
غل تھا کہ یہ ہے بازوئے احمدؐ کی لڑائی
رن پر جو چڑھا ہووے وہی جانے کہ یہ کیا تھا
دنیا میں علیؑ آج جو ہوتے تو مزا تھا

یہ سنتے ہی سرخی سی رخِ زرد پہ آئی
حضرت سے کہا آپ کا صدقہ ہے یہ بھائی
کونین میں عزت مرے دلبندوں نے پائی
اب شاد ہوئی ان سے یداللہ کی جائی
آقا مجھے پیار آتا ہے اقبال پہ ان کے
بے کس ہیں خدا رحم کرے حال پہ اِنکے

فرماکے یہ لیں اُن کی بلائیں کبھی باری
شانوں کو ہلا کر کے یہ آہستہ پکاری
کرتے ہیں امامِ دوجہاں مدح تمہاری
یہ کیا ہے جو تسلیم کو اُٹھتے نہیں واری
صدقے گئی یہ نیند ہے یا غش میں پڑے ہو
بیٹھے ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ اُٹھ کے کھڑے ہو

کچھ آج ہے غفلت عجب اے نیند کے ماتو
باعث ہے یہ بچپن کا سبب اے نیند کے ماتو
چونکو مری خاطر سے اب اے نیند کے ماتو
پھر سوئیو آتی ہے شب اے نیند کے ماتو
پھر کیا ہے جو بچپن کے یہ انداز نہیں ہیں
گردن ہے کہیں ہاتھ کہیں پاؤں کہیں ہیں

اب ضبط کی طاقت نہیں ماں کو سنبھالو
انگڑائیاں لو بات کرو نیند کو ٹالو
سینے میں الجھتا ہے دم اے گیسوؤں والو
واری مجھے خدمت کے لئے پاس بلالو
میں ہوں گی تو راحت سے تمہیں پاس نہ ہوگی
کیا گذرے گی منزل میں جو ماں پاس نہ ہوگی

پہلا تو سفر اور نئے لوگ نئی راہ
کس طور سے گذریں گی یہ تاریک شبیں آہ
صدقے گئی رستے سے بھی تو تم نہیں آگاہ
پہونچائے تمہیں خیر سے فردوس میں اللہ
پُرہول ہے رستہ مجھے تشویش بڑی ہے
قربان ہو ماں قبر کی منزل بھی کڑی ہے

ٹوکے کوئی رستے میں تو ڈریو نہ مری جاں
ہاں کلمۂ توحید پڑھے جائیو ہر آں
اقرارِ نبوت میں فصاحت کا ہے دھیاں
دلبند ہو تم تین اماموں کے ہیں قرباں
کہنا کہ ملازم ہیں وَلی ابنِ وَلی کے
ہم آتے ہیں لشکر سے حسین ابن علیؑ کے

اے عون خبردار مرے چھوٹے پسر سے
شب کو یہ اکیلا کبھی نکلا نہیں گھر سے
رستے سے نہ واقف ہے نہ غربت کے سفر سے
محروم رہوں گی میں سدا خیر و خبر سے
واماندوں پہ ظاہر ہو یہ وہ بھید نہیں ہے
اے وائے خط آنے کی بھی امید نہیں ہے

بچوں کے یہ سن ہائے غضب اور سفر ایسا
لائے گا خبر کون کہاں نامہ بر ایسا
برباد نہ ہووے کوئی آباد گھر ایسا
نظروں سے نہ پوشیدہ ہو شمس و قمر ایسا
کس ناز و نعم سے یہ خوش اقبال پلے تھے
قبروں کے لئے ہائے مرے لال پلے تھے

اب کون مرے پہلوؤں میں سوئیگا بچو
تڑپے گا کلیجہ مرا دل روئے گا بچو
یہ داغ تو دُنیا سے مجھے کھوئے گا بچو
دن جائے شب آئے گی تو کیا ہوئے گا بچو
راحت کسی کروٹ کسی پہلو نہ ملے گی
مرجاؤں گی زلفوں کی جو خوشبو نہ ملے گی

دنیا کو نہ دیکھا تھا کہ موت آگئی تم کو
خیمے سے نکلتے ہی اَجل پا گئی تم کو
ماں صدقے ہو جنگل کی ہوا بھا گئی تم کو
اے گُل بدنو کس کی ہوا کھا گئی تم کو
ہے ہے مجھے پوشاک شہانی نہ دکھائی
صدقے گئی اماں کو جوانی نہ دکھائی

مرتے ہوئے پانی بھی نہ مانگا مرے ڈر سے
پیاسے سوئے فردوس سدھارے مرے ڈر سے
بے آب تھے اس عمر میں چوبیس پہر سے
دیکھا بھی نہ دریا کو توجہ کی نظر سے
سہوا جو پڑی آنکھ تو منہ موڑ لیا ہے
ڈرتے تھے کہ اماں نے ہمیں منع کیا ہے

غصے ہوئی تھی تم پہ میں واری مجھے بخشو
ہاں اب نہیں لونڈی ہوں تمہاری مجھے بخشو
لب پر سخن عذر ہیں جاری مجھے بخشو
صدمے سے غشی ہوتی ہے طاری مجھے بخشو
میں بھی تو یہ جانوں کہ دل افسردہ نہیں ہیں
لو کہہ دو بس اتنا کہ آزردہ نہیں ہیں

یہ کہہ کے جو چھاتی پہ دو ہتڑ گئی مارے
ہمشکلِ نبیؐ پاؤں پہ گر گر یہ پکارے
اب پیاس ہیں آبِ دمِ شمشیر پئیں گے
گھبرا کے وہ مخدومۂ عالم یہ پکاری
بن بیاہے ہو تم لاشوں کے پاس آئی زنہ وار
باتوں میں بھی کچھ بین کے پہلو نہیں نکلے

فرما کے یہ غش ہو گئیں اور پھر ہوئیں ہشیار
بانو نے کہا شاہ سے با دیدۂ خونبار
اب کے جو غش آیا تو گذر جائے گی زینبؑ
یہ ماتمِ اولاد ہے کیونکر اسے ٹالیں
اکبرؑ کی سنیں یا جگر و دل کو سنبھالیں
بالائے جگر خنجرِ بیداد پھرے ہیں

یہ سنتے ہی لاشوں کو اٹھانے لگے سرور
بانو نے کھڑے ہو کے ادھر روک لی چادر
ٹھہرو ابھی کیوں داغ دئے جاتے ہو لوگو
دیکھا نہیں جی بھر کے ابھی بیٹوں کا دیدار
چھوٹے کو بھی چھاتی سے لگا لے یہ دل افگار
گھر میں مرے کاہے کو یہ پھر آئیں گے جا کے

در تک گئیں لاشوں سے لپٹنے کو کھلے سر
چلائیں درِ خیمہ کے پردے کو اٹھا کر
ڈر ہے کہ خفا مجھ سے مرے لال نہ ہو جائیں
یہ وقت نہیں طول کا خاموش انیسؔ اب
ہر دم ہے عنایاتِ محمدؐ کرمِ رب
یہ حسنِ فصاحت ہے یہ شیریں سخنی ہے

سینہ ہو اشق ہاتھ بھی نیلے ہوئے سارے
تب والدہ اب رو ئیو لاشے پہ ہمارے
بھائی نہ رہے خلق میں ہم بھی نہ جئیں گے
مر جائے یہ ناشاد بلا لے کے تمہاری
تم روؤ گے اس ڈر سے میں گرتی نہیں زاری
آنکھوں سے مری دیکھ لو آنسو نہیں نکلے

پوچھا کہ کدھر ہے علی اکبرؑ مرا دلدار
اب فرق بصارت میں بھی ہے یا شہِ ابرار
لے جائیے لاشے نہیں مر جائے گی زینبؑ
مر جائیں جنہیں دل کی طرح گود میں پالیں
در آتی ہیں اک قلب میں دو تیروں کی پھالیں
دو غم کے پہاڑ ایک ضعیفہ پہ گرے ہیں

رانڈیں صفِ ماتم سے اٹھیں کھولے ہوئے سر
چلائی سمجھ کر شہِ مظلوم کی خواہر
ہے ہے مرے بچوں کو لئے جاتے ہو لوگو
دونوں کی بلائیں مجھے لے لینے دو اکبار
مادر سے مکدر نہ ہوں یہ آئینہ رخسار
دینے دو کفن دونوں کو زہراؑ کی ردا کے

پر رانڈوں نے جانے نہ دیا خیمے کے باہر
گاڑو گے کہاں بھائیوں کو اے علی اکبر
صدقے گئی لاشے کہیں پامال نہ ہو جائیں
جلتے ہیں سخن فہم وہ عاشق ہیں ترے سب
اب جلد وہ حاصل ہو جو کچھ ہے ترا مطلب
پیری میں جوانی ہی تو فقیری میں غنی ہے

۵

مرثیہ

بند ۱۳۵

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح
ہونے لگا افق سے ہویدا نشانِ صبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح
ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح
پنہاں نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا
عالم تمام مطلع الانوار ہو گیا

خورشید نے جو رخ سے اٹھائی نقابِ شب
در کھل گیا سحر کا ہوا بند بابِ شب
انجم کی فرد فرد سے لے کر حسابِ شب
دفتر کشائے صبح نے الٹی کتابِ شب
گردوں پہ رنگِ چہرۂ مہتاب فق ہوا
سلطانِ غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا

پہونچا جو مُہر مہر سے فرمانِ عزلِ شب
گردوں پہ عاملانِ سحر کا ہوا نصب
منشئ آسماں مع دفتر ہوا طلب
بس جا بجا سے اٹھ گئی انجم کی فوج سب
تا صبح فرد فرد میں بیگانگی ہوئی
برخاست کی چراغوں کو پروانگی ہوئی

یوں گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے رواں
چن لے چمن سے پھولوں کو باغباں
آئی بہار میں گلِ مہتاب پر خزاں
مرجھا کے مر گئے ثمرِ شاخِ کہکشاں
دکھلائے طور بادِ سحر نے سموم کے
پژمردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور
یادِ خدا میں زمزمہ پردازئ طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور
خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور
انساں زمیں پہ محو ملک آسمان پر
جاری تھا ذکرِ قدرتِ حق ہر زبان پر

وہ سرخیٔ شفق کی ادھر چرخ پر بہار
وہ بارور درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کے وہ گلوں پہ گہرہائے آبدار
پھولوں سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار
نافے کھلے ہوئے تھے گلوں کی شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

تھی دشت کربلا کی زمیں رشکِ آسماں
تھا دُور دُور تک شبِ مہتاب کا سماں
جھپکے ہوئے ستاروں پہ ذرّوں پہ تھا گماں
نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
سرسبز جو درخت تھا وہ نخلِ طور تھا
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

وہ سربلند خیمۂ زنگاریٔ امامؑ
جس میں خدا کے عرش کے تاروں کا تھا مقام
کم تھا نہ اس کا خانۂ کعبہ سے احترام
قدسی طواف کرنے کو آتے تھے صبح شام
جلوہ تھا اس میں برجِ امامت کے ماہ کا
درباں تھا جبرئیلؑ اسی بارگاہ کا

گیسوئے حورِ خلد کی ہمسر ہر اک طناب
دریا تھا وہ تو گنبدِ گردوں تھا اک حباب
وہ شان وہ شکوہ وہ رفعت وہ آب و تاب
شمسے سے جس کے آنکھ چراتا تھا آفتاب
پڑھنا درود آ کے ملائک کا ورد تھا
سائے کے بدلے نور قناتوں کے گرد تھا

وہ اوج اور وہ قبۂ پرنور کی جھلک
ضو نور کی زمیں سے تھی آسماں تلک
دب دب کے سر جھکاتا تھا بیچو یہ فلک
اُٹھ اُٹھ کے دیکھتے تھے اسے عرش سے ملک
خوشبو سے ہر بشر کا معطر دماغ تھا
وسعت سے اس کے صحن کا دل باغ باغ تھا

تھا وہ سپہرِ دیں تو ہر اک چوب رکنِ دیں
چکر میں اس کے دور سے تھا چرخ ہفتمیں
تھا در پہ بابِ گلشنِ فردوس کا یقیں
پردے تھے رشکِ پردۂ چشمانِ حورِ عیں
جلوے سے حسنِ روئے شہِ کائنات کے
آئینہ ہائے نور تھے نقشے (سوراخ) قنات کے

اس کی زمینِ پاک کو تھا آسماں پہ ناز
ساتوں فلک جھکائے ہوئے تھے سرِ نیاز
طوبیٰ سے سربلند تو کیواں سے سرفراز
اور بیچ میں وہ مسندِ شاہنشہِ حجاز
کرسی میں یہ صفا نہ صباحت یہ عرش پر
دل عرش کا بھی لوٹ گیا اس کے فرش پر

حاضر درِ حضور پہ وہ خاصگانِ رب
ایک ایک جن میں فخرِ عجم زینتِ عرب
غربت زدہ و گرسنہ و مظلوم و تشنہ لب
سن کر سحر کا شور اٹھے بستروں سے سب
کہتے تھے ہائے جا کے کدھر ہم جستجو کریں
پانی نہیں کہ قبلۂ عالم وضو کریں

نکلے حرم سے کر کے تیمم امامِ پاک
سجادے سب نے لا کے بچھائے بروئے خاک
اکبر نے دی اذاں جو بہ آوازِ دردناک
آنسو بھر آئے ہو گئے دل غم سے چاک چاک
آگے سبھوں کے شاہِ حجازی کھڑے ہوئے
پیچھے صفیں جما کے نمازی کھڑے ہوئے

آراستہ صفیں تھیں کہ قرآں کھلا ہوا
بسم اللہ آگے جیسے ہو یوں تھا وہ مقتدا
اور مقتدی تھے سب عقب شاہ کربلا
مصحف کی جس طرح سے ہوں سطریں جدا جدا
جیسا امام ویسی ہی ابرار فوج تھی
ہر صف خدا کے نور کے دریا کی موج تھی

سیدھے کبھی الف کی طرح تھے وہ خوش خصال
جھک جاتے تھے رکوع میں گاہی بشکل دال
خم ہو گئے سجود میں گہ صورت ہلال
پیشانیوں سے صاف عیاں نور ذوالجلال
حق سے دعا قنوت میں کوثر کے جام کی
طاعت خدا کی تھی تو اطاعت امام کی

وہ چاند سے سفید عمامے رخوں پہ نور
دیکھے سے جن کے مہر کبھی ہو نہ چشم حور
دیندار و حق پرست و آگاہ و باشعور
کمریں کسے جہاد پہ راحت دلوں سے دور
لب پر درود اشکوں سے آنکھیں بھری ہوئیں
تلواریں سجدہ گاہوں کے آگے دھری ہوئیں

حب حسینؑ دل میں زبانوں پہ ذکر حق
نے فکر کچھ عیال کی نے مرگ کا قلق
دیندار ایسے پھر نہ ہوئے زیر نہ طبق
خاک سب صحیفۂ ایماں کے تھے ورق
کس آفت عظیم میں ثابت قدم رہے
آقا کا دم بھرا کیے جب تک کہ دم رہے

اللہ نے دل ان کے وفا سے بنائے تھے
اور جسم پاک خاک شفا سے بنائے تھے
سینے خمیر صدق و صفا سے بنائے تھے
دست کرم سخا و عطا سے بنائے تھے
اور لکھ دیا تھا روز ازل سرنوشت میں
پہونچیں گے یہ حسینؑ سے پہلے بہشت میں

یاں تھیں صفیں نماز جماعت کی اور ادھر
باندھی تھی فوج کیں نے صف آرائی پہ کمر
شکل ہلال چڑھتی تھیں تلواریں چرخ پر
نیزے بھی تیز ہوتے تھے اور خنجر و تبر
غل تھا کہ آج خون کا دریا بہائیں گے
پیاسے نمازیوں کے گلے کاٹے جائیں گے

نیزوں کی نوکیں آج ہیں اور آل مصطفیٰ
تلواروں سے کریں گے قلم باغ مرتضیٰ
تیروں سے چھان ڈالیں گے سینہ حسینؑ کا
خنجر ہے اور شہ لب تشنہ کا گلا
مٹی تلک نہ دیں گے تن پاش پاش کو
گھوڑوں سے روند ڈالیں گے سیدؑ کی لاش کو

یہ ذکر تھا کہ شاہ نے پھیرا ادھر سلام
وہ آخری نماز جماعت ہوئی تمام
تسبیح فاطمہؑ کو ابھی پڑھتے تھے امام
بڑھ بڑھ کے جو لگانے لگے تیر اہل شام
اٹھے نہ تھے شہ یہ محو تھے یاد الٰہ میں
یاں تک کہ آئے تیر کئی خیمہ گاہ میں

گرمی کے دن تھے صحن میں بیٹھے اہلبیت سب
دیکھے جو تیر آتے تو حالت ہوئی عجب
چلائیں بیبیاں کہ کدھر جائیں ہے غضب
چھپنے کو کوئی امن کا گوشہ نہیں ہے اب
گھبرا کے ننھے بچوں کو سب نے اٹھا لیا
اصغرؑ کو ماں نے چھاتی کے نیچے چھپا لیا

بچوں کو لے کے چھپنے لگے سب ادھر ادھر
چہروں کے رنگ اڑ گئے تھرا گئے جگر
گھبرا کے آئیں ڈیوڑھی پہ زینبؑ برہنہ سر
چلاتی تھیں کوئی مرے بھائی کی لو خبر
شاید مسافروں پہ ستم بے سبب ہوا
کس پر چلے یہ تیر، ارے کیا غضب ہوا

لوگو خبر تو لاؤ کدھر ہیں شہِ حجاز
دیکھو تو پڑھ چکے کہ نہیں پڑھ چکے نماز
ان تیروں سے بچائے انھیں ربِّ بے نیاز
اللہ مثلِ خضر کرے عمر کو دراز
جیتے رہیں وہ میری ہی قضا کا بہانہ ہو
بھائی کے بدلے سینۂ زینبؑ نشانہ ہو

جا کے کہے کوئی کہ سکینہؑ ہے بے قرار
اور چونک چونک پڑتا ہے اصغرؑ بھی بار بار
آتے ہیں تیر لشکرِ اعداء سے بے شمار
گھر میں وظیفہ آ کے پڑھو تم پہ میں نثار
آئے نہ گر تو دھجیاں نہ پردے کا لاؤں گی
خیمے سے میں نکل کے سپر ہونے آؤں گی

یاں اہلبیتؑ میں یہ تلاطم تھا اور وہاں
مصروفِ ذکرِ حق تھے شہنشاہِ دوجہاں
اٹھ کر صفِ نماز سے عباسؑ نوجواں
بس جا کھڑے ہوئے عقبِ شاہِ انس و جاں
بھائی بھی تھے پناہ شہِ بحر و بر بھی تھے
تلوار بھی حسینؑ کی تھے اور سپر بھی تھے

مڑ کر اشارہ شاہ نے عباسؑ سے کیا
پیچھے کھڑے ہو کس لئے کیوں کیا ہے ماجرا
دستِ ادب کو جوڑ کے اس شیر نے کہا
ہے خیریت حضور کریں طاعتِ خدا
خیمے میں تہلکہ ہے حرم غل مچاتے ہیں
پیاسوں پہ تیر لشکرِ اعداء سے آتے ہیں

عباسؑ سے یہ سن کے اٹھے قبلۂ امم
تسبیح جا نماز پہ رکھ دی بچشم نم
رونق فزا ہوئے طرف خیمۂ حرم
ڈیوڑھی تک آئے ساتھ رفیقانِ ذی حشم
سب سے کہا کہ بہنوں سے رخصت کو جاتے ہیں
باندھو کمر جہاد پہ تم، ہم بھی آتے ہیں

داخل ہوئے حرم میں جو حضرت بچشم تر
زینبؑ نے لیں بلائیں برادر کی دوڑ کر
رو کر کہا سکینہؑ نے تم نے نہ لی خبر
تیروں سے یاں خدا نے بچایا ہمیں پدر
لے جا کے ہم کو کون سی جا گر چھپاؤ گے
قربان ہو گئی کہیں اب تو نہ جاؤ گے

سینے میں مارے ڈر کے دھڑکتا ہے دل مرا
یہ کس خطا پہ تیر لگاتے ہیں اشقیا
بیٹی سے رو کے کہنے لگے شاہ کربلا
بی بی میں بے قصور ہوں آگاہ ہے خدا
دشمن تمھارے باپ کے سب اہل شام ہیں
قربان ہو پدر یہ قضا کے پیام ہیں

چھاتی سے تب لپٹ کے یہ بولی وہ دلربا
میں صدقے جاؤں مجھ کو تمھاری لگے بلا
اب پھر چلو وطن کی طرف تم پہ میں فدا
شہ نے کہا کہیں نہیں امن و اماں کی جا
مظلوم ہیں غریب ہیں اور دردمند ہیں
پانی بھی ہم پہ بند ہے رستے بھی بند ہیں

شبیر وعدہ گاہ سے کس سمت پھر کے جائے
دیکھیں گے صبر و شکر سے جو کچھ خدا دکھائے
عاشق وہ ہے جو راہِ الٰہی میں گھر لٹائے
کٹ جائے تن سے سر پہ نہ وعدے میں فرق آئے
خواہانِ مرگ زیست کی کیا آرزو کرے
نانا کے منھ پہ مجھ کو خدا سرخرو کرے

یہ سن کے اہل بیت میں محشر ہوا بپا
بانو کے سر سے گرنے لگی خاک پہ ردا
زینبؑ پکاری پیٹ کے سر وا محمدا
دنیا سے آج کوچ ہے بھائی حسینؑ کا
فرزند فاطمہؑ کی بلاؤں کو رد کرو
زینبؑ تباہ ہوتی ہے نانا مدد کرو

یہ کہہ کے سر پٹکنے لگی وہ اسیر غم
چھاتی سے سر لگا کے یہ بولے شہ امم
پیٹو نہ سر تمھیں سرِ شبیر کی قسم
یہ کیا غضب ہے جیتے ہیں زینبؑ ابھی تو ہم
لاشے پہ میرے آہ و بکا کرکے رو دیو
مر جائے جب حسینؑ تو جی بھر کے رو دیو

مر جاؤ گی جو بھائی سے پہلے پٹک کے سر
لے گا بتاؤ کون یتیموں کی پھر خبر
چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولی وہ نوحہ گر
مجھ کو نہ موت آئے گی یا شاہ بحر و بر
ہر اک عزیز گنج شہیداں میں سوئے گا
کھبتا کوئی جنازے پہ میرے نہ روئے گا

زندہ رہوں گی آپ کے بعد اے شہِ زمن
کیا بازوؤں میں کس کے بندھے گی رسن
ہے ہے کہیں گی بیبیاں جاؤں گی جب وطن
بھائی تو قتل ہو گیا جیتی رہی بہن
بھائی کو کھو کے آئی ہے اجڑے مکان میں
ایسا نہ سخت جان کوئی ہوگا جہان میں

طفلی میں ماں کے واسطے روئی بچھا کے صف
بیٹی ہیں پس جنازہ شاہنشہ نجف
زہر ستم سے ایک برادر ہوا تلف
تیروں سے ایک بھائی کا سینہ ہوا ہدف
دشت بلا سے شام تلک ننگے سر گئی
کیا کیا جوان مر گئے اور یہ نہ مر گئی

شہ نے کہا کہ اس میں بہن اختیار کیا
بھائی بہن کے سامنے مرتے نہیں ہیں کیا؟
ہم کب گئے جہاں سے نبیؐ و علیؑ کے ساتھ
توڑا ہماری گود میں بھائی حسنؑ نے دم
ان کی مفارقت کا ہمیں آج تک ہے غم
تڑپے بہت لحد پہ گریبان پھاڑ کے

فرما کے یہ امام پہننے لگے لباس
تھے اہلِ بیت مضطر و حیران و بے حواس
شہ دیکھتے تھے ان کو جو غم کی نگاہ سے
صف باندھے بھائی بند کھڑے تھے جھکائے سر
تن پہ سجے سلاح، کسے جنگ پر کمر
منہ پھیر پھیر کر جو وہ میداں کو تکتے تھے

اکبرؑ کی شان دیکھ کے بانوئے نامدار
لے کر بلائیں دور سے کہتی تھی بار بار
شان آخری شباب کی ماں کو دکھاتے ہو
سب سے جدا تھی شوکت عباسؑ نوجواں
حمزہ کا رعب شوکت جعفر علیؑ کی شان
شان و شکوہ ختم تھی اس خوش نہاد پر

زینبؑ سے رو کے کہنے لگے سرورِ زمن
قاسمؑ کو تم نبھاؤ قبائے تنِ حسنؑ
ہم کو علیؑ کی تیغ دودم لا کے دو بہن
اس منصبِ بزرگ کا مختار ہے یہی
آلِ نبیؐ کا مونس و غمخوار ہے یہی
بھائی بھی ہے جری بھی ہے اہلِ وفا بھی ہے

جو مصلحت کریم کی جو مرضیِ خدا
ہو جاتے ہیں جوان پسر باپ سے جدا
دنیا میں کون مرتا ہے بی بی کسی کے ساتھ
مرنا کچھ ان کا باپ کے مرنے سے تھا نہ کم
ہوتا جو اختیار تو کیا مر نہ جاتے ہم
آخر پھر آئے ان کو بقیعہ میں گاڑ کے

بچّے کے ساتھ پھرتی تھی زینبؑ بھی آس پاس
لب خشک، رنگ زرد، دلوں پر ہجوم یاس
بچے بلک بلک کے لپٹتے تھے شاہ سے
کوئی تو رشکِ مہر کوئی غیرتِ قمر
گیسوئے پیچ دار لٹکتے تھے دوش پر
جن کے پسر تھے ان کے کلیجے دھڑکتے تھے

خوش ہوتی تھی کبھی کبھی روتی تھی زار زار
صدقے میں تیرے اور تری شان کے نثار
دولھا بنے جوانی میں مرنے کو جاتے ہو
قبضے میں تیغ، بر میں زرہ، دوش پر کماں
رہ رہ کے دیکھتے تھے شہنشاہِ دو جہاں
گویا کمر علیؑ نے کسی تھی جہاد پر

لاؤ تبرکات کا صندوق اے بہن
اکبر کو دو عمامۂ محبوبِ ذوالمنن
عباسِ نامور کو علم لا کے دو بہن
جعفرؑ کے مرتبے کا سزاوار ہے یہی
روزِ ازل سے میرا علمدار ہے یہی
حکمِ علیؑ بھی ہے یہی حکمِ خدا بھی ہے

منہ ماں کا دیکھنے لگے زینبؑ کے گلعذار
ماں نے کیا اشارہ کہ اس عزم کے نثار
چپکے کھڑے رہو نہیں جاگہ کلام کی

قابل علم اٹھانے کے کب ہیں تمہارے سن
ظاہر ہے تم پہ رتبہ سلطانِ انس و جن
جعفرؑ کے گھر ورثہ داروں میں تم لاکلام ہو

میں آپ کہتی بھائی سے ہوتا جو کوئی اور
ہے تین دن سے بھائی پہ ظلم و جفا و جور
بچے ہو تم کو فکر ہے نام و نشان کی

سمجھا کے دونوں بیٹوں کو اپنے بہ چشم نم
قبضے کو اس کے شاہ نے چوما بہ درد و غم
پہنچی کی تابہ چرخ چہارم ضیا گئی

عباسؑ کو امام نے آگے کیا طلب
بھائی سے رو کے کہنے لگے شاہ تشنہ لب
یہ مرتبہ کسی کو مقدر نے کم دیا

کی عرض اس جری نے قدم پر جھکا کے سر
مشہور ہوں غلام شہنشاہ بحر و بر
ذرے پہ کی یہ مہر کہ خورشید کر دیا

کس منہ سے شکر بندہ نوازی کروں ادا
سب بادشاہ اس در دولت کے ہیں گدا
طوبیٰ سے اس نشان کا سایہ بلند ہے

فرطِ خوشی سے سر کو اٹھا کر وہ ذی وقار
زینبؑ بلائیں لے کے یہ بولی کہ میں نثار
ایذا ہو دھوپ سے نہ شہِ خوشخصال کو

یعنی کہ ہم ہیں جعفرؑ و حیدرؑ کے ورثہ دار
حکم امام دیں ہیں مجھے کیا ہے اختیار
واجب ہر امر میں ہے اطاعت امام کی

دو روز سے ضعیف ہو آب و طعام بن
صدقے گئی نہ پاؤ گے پھر اس طرح کا دن
پر کیا شرف یہ کم ہے کہ شہ کے غلام ہو

عباسؑ کوئی اور ہے پیارو کرو تو غور
شائد انھیں سے صلح کا بن جائے کوئی طور
مجھ کو پڑی ہے سبط پیمبرؐ کی جان کی

لے آئیں ذو الفقار ید اللہ اور علم
شان علم کو دیکھ کے روئے شہ امم
بوئے علیؑ علم کے پھریرے سے آگئی

جھکائے سر حضور میں آ کے بصد ادب
اس عہدۂ جلیل کی تھے آرزو میں سب
شہ نے اپنی فوج کا تم کو علم دیا

بندے پہ بچپنے سے عنایت کی ہے نظر
ہیں اور حامل علم سید البشر
دامن کو میرے دولت ایماں سے بھر دیا

مدنظر رہی ہے مری پرورش سدا
اے افتخارِ خلق دو عالم کے مقتدا
اس وقت عرش سے مرا پایہ بلند ہے

ہمشیر کے قدم پہ گرا با صد افتخار
بھیا خدا کے واسطے بھائی سے ہوشیار
رکھیو علم کے سائے میں زہراؑ کے لال کو

گھر میں سلامت آئیں گے جب سرورِ امم
تب دوں گی تم کو تہنیتِ عہدۂ علم
ہاتھوں کو جوڑتی ہے یہ بھینا اسیرِ غم
کیجیو صلاح صلح کہ لشکر ادھر ہے کم
تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو
بھیا تمھیں سے لے گی بہن اپنے بھائی کو

عباسؑ بولے بھائی نہیں ہیں تو ہوں غلام
سن لیجئے گا جنگ میں جو کچھ کروں گا نام
بھر جائے دشمنوں سے جو روئے زمیں تمام
کیا منھ کوئی جو دیکھ سکے جانبِ امام
نکلے فدا ہیں جان فدا گھر نثار ہے
ہر موئے تن پہ شہ کے مرا سر نثار ہے

اتنے میں پاس آکے سکینہؑ نے یہ کہا
جھک کر کی لوں بلائیں میں صدقے تمھکو ذرا
عہدہ علم کا تم کو مبارک ہو اے چچا
میں نے دعائیں کی ہیں کہو مجھ کو دوگے کیا
میدان کا رخ کرو گے کہ دریا پہ جاؤ گے
کیا اب بھی تم نہ پیاس ہماری بجھاؤ گے

بن پانی اینٹھی جاتی ہے اب تو مری زباں
ہونٹوں پہ دم ہے ہوں کوئی ساعت کی میہماں
مرجاؤں گی اگر تو مجھے پاؤ گے کہاں
صدقہ علم کا آج بچا لو ہماری جاں
سوئے فرات جاتے ہو شاہِ امم کے ساتھ
چھوٹی سی ایک مشک بھی لے لو علم کے ساتھ

عباسؑ نے کہا کہ مجھے خود ہے آرزو
عزت ہوئی ملا علم شاہِ نیک خو
سقا تمہارا ہوں تو بڑھے اور آبرو
جب تک ہے دم کروں گا میں پانی کی جستجو
مشکیزہ خالی نہ بھرے کر نہ آؤں گا
پانی نہ یاں ملے گا تو کوثر پہ جاؤں گا

ناگہ سنا جو زوجۂ عباسؑ نے یہ حال
مارے خوشی کے ہو گیا چہرے کا رنگ لال
ہمراہ لے کے بیٹے کو اپنے وہ خوشخصال
آئی حضورِ سرورِ ذی قدر و ذی کمال
پہلے تو بڑھ کے شاہِ امم کی بلائیں لیں
پھر دونوں ہاتھ اٹھا کے علم کی بلائیں لیں

جھک کر قدم پہ شہ کے یہ بولی وہ خوش سیر
کونین میں کیا مرے والی کو نامور
رکھتی نہیں کچھ اور میں یا شاہِ بحر و بر
آقا کنیز نذر کو لائی ہے یہ پسر
قائم رکھے کریم محمد کی آل کو
بچوں پہ صدقے کیجئے اس نونہال کو

خالق سے صبح و شام یہی ہو مری دعا
وارث امام حضور کے قدموں پہ ہو فدا
ہوں رانڈ ہم سی لاکھ کنیزیں اگر تو کیا
بانوئے دو جہاں کو سہاگن رکھے خدا
دعوےٰ برابری کا نہیں گو عزیز ہوں
یہ آپ کے غلام ہیں میں ان کی کنیز ہوں

بولے پسر سے جھک کے یہ عباسؑ نیک نام
تم بھی تو کچھ حضور میں بیٹا کرو کلام
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام
لے چلئے ہم کو ہم علی اصغرؑ کے ہیں غلام
چھوٹی سی ایک تیغ منگا دیجئے مجھے
پہلے سبھوں سے رن کی رضا دیجئے مجھے

حضرت کے آگے فوج ستم سے کریں جنگ
مردوں کا بیٹھنا ہے بڑا عورتوں میں ننگ
پیریں گے خوں میں بحر شجاعت کے ہیں نہنگ
ہم کو بھی آج لاکھوں سے لڑنے کی ہے امنگ
رشتہ تو رکھتے ہیں شہ خیبر شکن سے ہم
بندھوائیں ہاتھ جان بچا کر رسن سے ہم

بولے گلے لگا کے اسے شاہِ نامدار
کس نے تجھے سکھائیں یہ باتیں چچا نثار
آئی صدائے حضرت زہراؑ یہ ایک بار
ہوتا ہے لال اہل وفا کا وفا شعار
بچپن میں کس طرح نہ وہ بچہ دلیر ہو
دادا ابھی جس کا شیر ہو بابا بھی شیر ہو

اتنے میں طبلِ جنگ کی آنے لگی صدا
رخصت حرم سے ہو کے چلے شاہ کربلا
نکلے علم لئے ہوئے عباسؑ باوفا
تسلیم ساری فوج نے کی باندھ کر پرا
غل تھا کہ ہوں گے حشر میں اس کی پناہ میں
یہ حیدری نشاں ہے حسینی سپاہ میں

تھا زینتِ سپاہِ پیمبرؐ یہی علم
حمزہؑ جہاد کرتے تھے لیکر یہی علم
ہے افتخار حضرت جعفرؑ یہی علم
خود دوش پر اٹھاتے تھے حیدر یہی علم
صدقے میں شہ کے ہم کو یہ عزت نصیب ہو
سائے میں اس علم کے شہادت نصیب ہو

صلِ علےٰ زہے علم و حالِ علم
ذرے سے آفتاب فلک ہے نظر میں کم
آتی ہے بوئے خلد پھریرے سے دم بدم
یہ شان یہ شکوہ یہ اقبال یہ حشم
ایسا علم ہو دوش پہ ایسے جوان کے
عباسؑ کے نثار تصدق نشان کے

نکلے حرم سرا سے امام فلک جناب
برج شرف سے جیسے نمایاں ہو آفتاب
گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا فرزند بوترابؑ
در پر بلکتی رہ گئی زینبؑ جگر کباب
آنکھوں کے سامنے سے سواری نکل گئی
گویا چمن سے باد بہاری نکل گئی

یاں تھے کسی جگہ پہ پیادے کہیں سوار
خادم کسی مقام پہ باندھے ہوئے قطار
یکسو پرا جمائے رفیقان گلعذار
پھولے ہوئے چمن پہ خزاں آ گئی ایک بار
خالی بہادروں سے جلو خانہ ہو گیا
ڈیوڑھی اداس ہو گئی ویرانہ ہو گیا

شبدیزِ طبع کا یہ اشارہ ہے اب کہ ہاں
کیجے شمار گر تو اکاسی ہیں سب جواں
چہروں کی روشنی سے خجل کوہ طور ہے
جاتی تھی یوں سواری سلطانِ بحر و بر
کھولے علم کو حضرت عباسؑ نامور
مرکب پہ ہیچ ہیں خلف بوتراب ہے
آہن میں مثل جوہر شمشیر سب ہیں غرق
نعرے جو مثل رعد تو گھوڑے مثال برق
آہو کا ان کی چال سے کیا زور چل سکے
اک اک دلیر شیر نیستانِ کارزار
دیں دار، خوش روش، نمودار، نامدار
للکار لیں جو فوج کو نیزہ سنبھال کے
آگے پکارتے ہوئے جاتے تھے یوں نقیب
فدیہ ہو فاطمہؑ کے پسر کے زہے نصیب
آداب و قاعدے سے دلیر و بڑھے چلو
تھا کس شکوہ و شان سے وہ لشکر خدا
باندھے سلاح ادب سے ادھر خویش و اقربا
حلقے میں تھے امام کو قدسی لئے ہوئے
تھا زیب سر عمامۂ محبوبؐ کبریا
پہنے قمیصِ حضرت یوسفؑ تہہ قبا
داؤدؑ کی زرہ شہِ والا کے بر میں تھی
بالائے دوش حضرت حمزہؑ کی تھی سپر
چار آئینے پہ جا کے ٹھہرتی نہ تھی نظر
چہرہ عرق سے تر تھا جو سبط رسول کا

مولا کا کچھ جلوس سواری کروں بیاں
ایک ایک جن میں فخر عرب زینت جہاں
لشکر نہیں حسینؑ کا دریائے نور ہے
انجم کی فوج لے کے چلے جس طرح قمر
گھوڑوں پہ قاسمؑ و علی اکبرؑ ادھر ادھر
دو چودھویں کے چاند ہیں اک آفتاب ہے
شملے ہیں زیبِ دوش عمامے ہیں زیب فرق
جن کے قدم تلے ہو سدا سیر غرب و شرق
جن سے سمند وہم نہ آگے نکل سکے
رستم کی روح خوف سے جن کے کرے فرار
رانوں میں کوندتے ہوئے بجلی سے راہوار
بھاگیں عدو زمیں پہ ہتھیار ڈال کے
ہاں غازیو حسینؑ محمدؐ کا ہے حبیب
جنت بھی اب قریب ہے مقتل بھی اب قریب
تلواریں تولتے ہوئے شیرو بڑھے چلو
آگے پرا جمائے رفیقان باوفا
پیچھے تمام فوج کے وہ کل کا پیشوا
تھے جبرئیلؑ فرق پہ سایہ کئے ہوئے
مہتاب سے سفید تھی کاندھے پہ اک عبا
باندھے ہوئے کمر میں کمربند مرتضیٰؑ
اور ذوالفقار حیدرِ صفدر کمر میں تھی
ہو جس طرح سے ابر کا ٹکڑا ابیں قمر
تھے دو غلامِ خاص مگس راں ادھر ادھر
رومال ہاتھ میں تھا جناب بتولؑ کا

پھیلا ہوا تھا دشت میں شاہِ زمن کا نور
حیدرؑ کا فاطمہؑ کا نبیؐ کا حسنؑ کا نور
اک چہرۂ حسینؑ میں تھا پنجتن کا نور
چہرے کی ضو جبیں کی ضیا اور بدن کا نور
گردوں پہ کس طرح مہ و اختر نہ ماند ہوں
اک چاند کے شریک جہاں چار چاند ہوں

پہونچے نہ تھے امام ابھی تا بہ قتل گاہ
جاسوس نے یہ آکے خبر دی میانِ راہ
قائم رہے شکوہِ شہنشاہِ دیں پناہ
آمادۂ نبرد ہے سب شام کی سپاہ
ناوک فگن کہیں ہیں کہیں نیزہ دار ہیں
میداں سے تا بہ نہر ہزاروں سوار ہیں

ذرّوں کی طرح فوج کا ممکن نہیں شمار
اس گھاٹ پر فقط ہیں کماندار دس ہزار
ان سے ادھر کو برچھیوں والوں کی ہے قطار
نیزے ہلا رہے ہیں سوارانِ ہرزہ کار
پانی سپاہِ شام سے پانا محال ہے
دریا تلک نگاہ کا جانا محال ہے

اس دم فسادِ لشکرِ اعدا میں ہے مگر
مولا! کہاں فکر میں ہے شمرِ خیرہ سر
سردارِ فوج جمع ہیں باندھے ہوئے کمر
تاکیدِ جنگ کرتا ہے ایک ایک کو عمر[1]
اک نوجواں ہے میں اسے پہچانتا نہیں
سب مانتے ہیں پر وہ جری مانتا نہیں

سردار ہے ہزار سواروں کا وہ دلیر
زور آورانِ فوج ہیں سب اس کے ڈر سے زیر
بگڑا ہوا کھڑا ہے الگ وہ بسانِ شیر
ہر بار دیکھتا ہے ادھر منھ کو پھیر پھیر
آہوں کے ساتھ آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے
مانند بیدِ عضو بدن تھرتھراتے ہیں

کیا کیا خطا شعاروں کو اس نے دیا جواب
ہے یہ یقین کہ اس سے نہ چھوٹے رہِ ثواب
تلواریں کھچ گئی ہیں ادھر اے فلک جناب!
یاں کی برائی سننے کی اس کو نہیں ہے تاب
جو ہے اسے کسی کو یہ پاسِ ادب نہیں
آپس میں جنگ ہو تو کچھ اس کا عجب نہیں

سنتا تھا میں کہ یہ عمر سعد نے کہا
آتا ہے بہرِ جنگ محمدؐ کا لاڈلا
شہرہ عرب میں ہے تیری شجاعت کا ہو بڑا
جا پہلے لڑ حسینؑ سے تو سوچتا ہے کیا
سرسبز ہونے دے نہ محمدؐ کے باغ کو
جلدی بجھا مزارِ علیؑ کے چراغ کو

قبضے پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا وہ نیک نام
مظلوم کو ستاؤں یہ میرا نہیں ہے کام
سیّد، عیال دار، غریب الوطن امام
فاقے سے تین روز کے دو دن سے تشنہ کام
واجب ہے احترام محمدؐ کی آل کا
ہے کیا قصور فاطمہؑ زہرا کے لال کا

[1] مراد عمر سعد سے!

پیاسے سے تشنہ کام سے بے پر سے میں لڑوں — مختار کارخانۂ داور سے میں لڑوں ؟
کافر نہیں جو دین کے رہبر سے میں لڑوں — کھینچوں علیؑ پہ تیغ پیمبر سے میں لڑوں ؟
امت کو چاہیئے مدد آلِ رسولؐ کی — پاؤں گا کیا اجاڑ کے کھیتی بتولؑ کی

فرمایا شہ نے اس کو خدا دے جزائے خیر — بیٹوں سے ہے عزیز مجھے گو کہ ہے وہ غیر
روئیں گے اس جری کو جن و انس و وحش و طیر — لکھی ہے اس کے بخت میں باغِ ارم کی سیر
اعدا ہیں تو ہماری محبت کی بو نہیں — وہ ہے تو حُر ہے اور کی یہ گفتگو نہیں

یہ کہہ کے قتل گاہ میں آئے امامِ دیں — کوسوں فروغِ حسن سے روشن ہوئی زمیں
غرقِ سلاح سب جوانانِ مہ جبیں — نعروں سے غازیوں کے لرزتی تھی فوجِ کیں
تلواریں تول تول کے اعدا کو تکتے تھے — تیلے چھٹے تھے دوش پہ گیسو لٹکتے تھے

عباسؑ آگے فوج کے کھولے ہوئے علم — آنکھوں کو مل رہے تھے پھریرے سے دمبدم
پیدا تھی شان شیرِ خدا سر سے تا قدم — حمزہ کا رعب جعفرِ طیار کا حشم
دریا کو تکنے لگتے تھے بھائی کو دیکھ کر — بڑھتے تھے مثلِ شیر ترائی کو دیکھ کر

آمادۂ نبرد تھی دونوں طرف کی فوج — نرغے میں بے قرار تھا شاہِ زماں کا زوج
لہراتا تھا ہوا سے پھریرا جو مثلِ موج — تھا تا بہ چرخ رایتِ فوجِ خدا کا اوج
کثرت پہ اپنی فوجِ عدو کو غرور تھا — ظلمت اُدھر تھی کفر کی یاں حق کا نور تھا

چلّایا ابنِ سعدِ جفا پیشہ و شریر — ہاں ابنِ فاطمہؑ پہ چلیں ہر طرف سے تیر
کھینچے ہوئے کمانیں بڑھا لشکرِ کثیر — بولا یہ حُر کہ قہرِ خدا سے ڈرا اے امیر
خوں کس کا ہوگا تیر یہ کس کو لگائے گا — کیا سینۂ نبیؐ کو نشانہ بنائے گا

اس نے کہا کہ ہاں یہی ہوئے گا لاکلام — ہم سے تجھے علاقہ ہے یا دشمنوں سے کام
حُر نے کہا کہ او ستم آرا زباں کو تھام — سبطِ رسولؐ ہے مرا محسن مرا امام
تو دشمنِ نبیؐ ہے ترا کیا شریک ہوں — جن کی طرف خدا ہے انھیں کا شریک ہوں

بولا عمر یزید سے کرتا ہے انحراف — بگڑی تھی باگ واں بھی نہ ہوگی خطا معاف
اس نے کہا یہ باتیں ہیں سب عقل کے خلاف — واللہ ہے حسینؑ کا دل آئینے سے صاف
ایسے نہیں کہ دوست کو اپنے خجل کریں — تو بھی اگر چلے تو خطائیں بحل کریں

اس نے کہا خلافِ شجاعت ہے یہ کلام
حُر نے کہا رہے گا ابد تک ہمارا نام
اس کثرتِ سپاہ پہ تو ڈر سے زرد ہے
مجھ کو برا کہے تو کہے حاکم جہول
اب سر مرا ہے اور قدمِ نائبِ رسولؐ
مال سے غرض ہے نہ اب زر سے کام ہے
دوزخ سے میں تو جاتا ہوں لے جانبِ امام
چھیڑا فرس کو کہہ کے جویا سیّدِ امم
ہاں ہاں کیا کئے یہ وہ سن سے نکل گیا
جب آدھی راہ کر چکا طے حُرِّ نامور
میں دستگیرِ خلق کا مجرم ہوں اے پسر
دستِ خدا ید رہے شہِ کائنات کا
رو کر کہا پسر نے ابھی سے یہ کیا ضرور
آقا نہ تم سے دور ہیں نہ تم ہو ان سے دور
چل کر امام پاک کے دامن کو تھام لو
اس نے کہا پسر سے کہ خیر اے نکو شعار
باندھے پسر نے دستِ پدر ہو کے بے قرار
میزانِ مغفرت میں گناہوں کو تول دو
واں سے چلا غلام اِدھر سے بڑھے امام
گھوڑے سے کود کر یہ پکارا وہ نیک نام
محجوب ہوں بہت شہِ والا صفات سے
پھیلا کے ہاتھ کہنے لگے شاہِ دیں پناہ
ہے تو تو دوست ہم تو ہیں دشمن کے خیرخواہ
تجھ کو نہ بخش دیں یہ رحیمی سے دور ہے

تجھ کو برا کہیں گے شجاعانِ روم و شام
عاقل ہیں جتنے مدح کریں گے وہی مدام
نقوڑوں کا جو شریک ہو جا کر وہ مرد ہے
مرنا قبول آگ میں جلنا نہیں قبول
بے دیں کی بے یقیں کی اطاعت سے کیا حصول
خوشنودیِ خدا و پیمبر سے کام ہے
روکے تو مجھ کو آکے ترا لشکرِ ستم
طاؤس کی طرح سے اڑا اسپ خوش قدم
آئی صدا کہ چاند گہن سے نکل گیا
بیٹے سے تھم کے کہنے لگا وہ نکو سیر
تو کاٹ ڈال ہاتھ مرے تیغ کھینچ کر
ہاتھ آئے گا اسی میں وسیلہ نجات کا
پہلے چلو تو ابنِ ید اللہ کے حضور
تب کاٹیو یہ ہاتھ نہ بخشیں گے جب قصور
فردوس ہاتھ آئے وہ ہاتھوں سے کام لو
رومال سے تو باندھ دے دستِ گناہگار
ہاتف نے دی صدا کہ ہوا اب یہ رستگار
باندھے ہیں اس نے ہاتھ درِ خلد کھول دو
دیکھا جو حُر نے آتے ہیں شاہِ فلک مقام
صدقے ترے کرم کے میں اے قبلۂ انام
بندے کے ہاتھ قطع کرو اپنے ہات سے
لگ جا گلے سے روکی تو روکی ہماری راہ
تیری نہ کچھ خطا ہے نہ ہاتھوں کا ہے گناہ
روکا تھا ہم کو موت نے تو بے قصور ہے

احسان مند بلکہ ہوں تیرا میں تشنہ لب
سوتی تھی تیری فوج کیا میں نے کوچ جب
جنگل میں رات پھرتے ہی پھرتے بسر ہوئی
یہ کہہ کے ہاتھ کھول دیئے اسکے شاہ نے
پونچھا غبار چہرے کا شیر الٰہ نے
حُرؑ کے قدم کی آگئے ملک خاک لے گئے
جب سب سے مل چکا تو یہ حُرؑ نے کیا کلام
رو کر یہ اس سے کہنے لگے شاہ تشنہ کام
ہم پہلے داغ خویش و برادر کے دیکھ لیں
حُرؑ نے کہا بہشت میں ہو آپ کا تو گھر
خادم کو اب نہ روکیئے یا شاہ بحر و بر
بچھڑے جب ایسا دوست تو کیا دل کو کل پڑے
چڑھنے لگا فرس پہ جو با دیدۂ پُر آب
کی عرض حُرؑ نے تب کہ یہ کیا اے فلک جناب
شیدائے جاں نثار امام انام ہوں
چڑھ کر سمند پر جو چلا وہ بصد حشم
گھبرایا حُرؑ تو کہنے لگے شاہِ باکرم
زہراؑ بھی تیرے ساتھ ہیں حیدرؑ بھی ساتھ ہیں
حُرؑ نے کہا کہ ہوتا ہے خادم گناہ گار
یہ سن کے واں سے روتے پھرے شاہ نامدار
بازارِ جبر گرم جو تھا سرد ہو گیا
دیکھا سیاہ کاروں نے جب روئے حُرؑ کا نور
حُرؑ نے کہا کہ عقل کا تم سب کے ہے قصور
ہے روشنی جو رخ پہ فزوں مہر و ماہ سے

پھر جانے کی صلاح مجھے دی تھی وقتِ شب
لیکن مسافروں پہ تباہی پڑی عجب
مرنا تھا جس جگہ وہیں آ کر سحر ہوئی
لپٹا لیا گلے سے رسالت پناہؐ نے
ذرّے کو مہر کر دیا زہراؑ کے ماہ نے
مہماں کو اپنے پنجتنِ پاک لے گئے
امیدوار جبر کی رخصت کا ہے غلام
اک دم تو گھر میں فاقہ کشوں کے بھی کر مقام
تو ہم کو دیکھ ہم تجھے جی بھر کے دیکھ لیں
ہوگا وہیں مقام کیا یاں سے جب سفر
شہ نے کمر کو ہاتھوں سے تھاما جھکا کے سر
رخصت تو دی پر آنکھوں سے آنسو نکل پڑے
عباسؑ نامدار بڑھے تھامنے رکاب
عباسؑ نے کہا تری خدمت تو ہے ثواب
تو جن کا میہماں ہے میں ان کا غلام ہوں
پیچھے پیادہ روتے چلے سیّد امم
مجھ کو مشایعتؐ کو تو چلنے دے دو قدم
تنہا نہیں حسینؑ پیمبرؐ بھی ساتھ ہیں
کیوں کر بڑھوں حضور پیادہ ہیں میں سوار
میداں میں حُرؑ پہنچ گیا چمکا کے راہوار
دہشت سے ابن سعد کا منھ زرد ہو گیا
غل پڑ گیا یہ حور ہے یا روشنی طور
حُرؑ ہوں غلامِ شہ کا فرشتہ ہوں نہ حور
خلعت ملا ہے نور کا سرکار شاہ سے

چلنا قدم کسی کے پیچھے جانا

وہ لٹ رہا ہے خلد جسے ہو طلب وہ جائے
ممکن نہیں کہ وقت پھر ایسا جہاں میں پائے
لے جائے جان بیچ کے جو جس کے ہاتھ آئے
ایسا سخی نہیں جو کسی سے وہ منہ پھرائے
ہے دوست پر حلال عدو پر حرام ہے
سرکار ابن فاطمہؑ کا فیض عام ہے

بھولے ہو راہ راست تو رہبر کے پاس جاؤ
دنیا محل فریب کا ہے دام میں نہ آؤ
دوزخ کی راہ چھوڑ کے گھر خلد میں بناؤ
بھوکے ہو نعمتوں کے تو پھل برچھیوں کے کھاؤ
زہراؑ کا نور عین تمہارا کفیل ہے
پیاسو چلو کہ چشمۂ کوثر سبیل ہے

کعبے سے منہ پھرا کے نہ ہو ساکن کنشت
لازم ہے عاقلوں کے لئے ترک فعل زشت
سرسبزیاں نہ ہوں گی کبھی عاقبت کی کشت
دوڑو کہ لٹ رہے ہیں ادھر حُلّۂ بہشت
دین نبیؐ میں آؤ نہ کافر کا ساتھ دو
دست خدا کے لال کے ہاتھوں میں ہاتھ دو

دیکھو مری طرف میں وہی ہوں جو تھا ادھر
یوں نور تھا کبھی مرے چہرے پہ جلوہ گر
یہ دبدبہ، یہ اوج یہ حشمت یہ کرّ و فر
مولا کی اک نگاہِ عنایت کا ہے اثر
پڑھتے ہوئے درود ملک ساتھ آئے ہیں
یہ سب شرف حسینؑ کے صدقے میں پائے ہیں

اس گفتگو سے حُر کی ہوئے اہل کیں خجل
کانپے بدن لرزنے لگے چھاتیوں میں دل
کتنے جواں تو رونے لگے ہو کے منفعل
چلایا شمر آن کے ہر صف کے متّصل
مارو اسے کچھ اس کے نہ ہونے کا غم نہیں
دشمن کا ہو جو دوست وہ دشمن سے کم نہیں

یہ سن کے حُر پہ چلنے لگے تیر بے شمار
نیزے ہلا ہلا کے صفوں سے بڑھے سوار
تیغیں ہوئیں بلند چلے برچھیوں کے وار
لشکر میں شکل شیر در آیا وہ نامدار
پہلے ہی جن کے وار چلے تھے سو چل گئے
دیکھی جو تیغِ حر کی چمک دم نکل گئے

چہرے چھپائے پشت سے ڈھالوں کو کھول کے
پیچھے ہٹے بڑھے تھے جو تیغوں کو تول کے
بھاگے سوار پھر تو پیادوں کو رول کے
پہنچا وہ شیر بیچ میں اعدا کے غول کے
غل تھا کہ آج خاتمہ لشکر کا ہو گیا
اک اک قدم پہ ڈھیر تن و سر کا ہو گیا

ہر دم تھی جنگ میں برشِ تیغ حُرؑ دو چند
خوں گھٹ گئے تنوں کے بڑھا جس طرف سمند
دست اماں کٹے تھے ادھر کے علم بلند
تھرا رہے تھے برچھیوں والوں کے بند بند
تیغوں کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالوں کا ہوش تھا
نیزہ ہر اک سوار کو اک بارِ دوش تھا

دہشت سے سہم کر قدر انداز مر گئے ۔۔۔ رخ پھر گئے کمانوں کے چلّے اتر گئے
ترکش سے تیر گر کے زمیں پر بکھر گئے ۔۔۔ ہرگز ملا نہ گوشۂ راحت جدھر گئے
دانستہ سرکشوں نے جو کارِ خطا کیا ۔۔۔ تقدیر نے نشانۂ تیرِ قضا کیا

گھوڑا وہ برق تھا کہ جو راکب اسے چلائے ۔۔۔ افلاک پر سمندِ نظر کی طرح سے جائے
اس کے قدم کی گرد کو صرصر کبھی نہ پائے ۔۔۔ پیکِ خیال و وہم یہ سرعت کہاں سے لائے
جس غول پر گرا تو اڑا اس شکوہ سے ۔۔۔ پرواز کبک کرتا ہے جس طرح کوہ سے

بجلی سی تیغ شعلہ فشاں چارسو پھری ۔۔۔ میداں میں بھاگتی ہوئی فوج عدو پھری
دم میں ستم گروں کا بہا کر لہو پھری ۔۔۔ سر کاٹ کر جدھر سے پھری سرخرو پھری
یہ اوج تیغ قدرت حق سے عیاں ہوا ۔۔۔ گویا ہلال عید شفق سے عیاں ہوا

غلطاں تھے تن زمیں پہ جدا اور سر جدا ۔۔۔ زخمی ادھر پڑے تھے جدا اور ادھر جدا
گردن جدا تھی سینہ جدا اور کمر جدا ۔۔۔ شانے سے ہاتھ ہاتھ سے تیغ و سپر جدا
پستی پہ جب چمک کے بلندی سے آتی تھی ۔۔۔ گاوِ زمیں ۔ زمیں کے تلے تھرتھراتی تھی

ردکا سپر پہ جب تو سپر سے نکل گئی ۔۔۔ دو کر کے خود کو کاسۂ سر سے نکل گئی
آئی ادھر سے گر تو ادھر سے نکل گئی ۔۔۔ سینے کو چاک کر کے کمر سے نکل گئی
ضربت سے چار آئینہ والے بھی دنگ تھے ۔۔۔ کہنے کو تھی وہ تیغ پہ بجلی کے رنگ تھے

تن سیکڑوں زمین پہ بے سر دکھا دیئے ۔۔۔ اجزائے جسم خاک پہ ابتر دکھا دیئے
چشم غضب نے شیر کے تیور دکھا دیئے ۔۔۔ ہاتھوں نے زور، تیغ نے جوہر دکھا دیئے
یوں جست کی سمند نے لاشوں کو روند کر ۔۔۔ بجلی فلک سے گرتی ہے جسطرح کوند کر

دہنی طرف گئی تو رسالے قلم ہوئے ۔۔۔ ترکش سے جس نے تیر نکالے قلم ہوئے
آیا ادھر تو برچھیوں والے قلم ہوئے ۔۔۔ حملہ کیا پلٹ کے تو بھالے قلم ہوئے
اعدا کے ہوش برقِ اجل نے اڑا دیئے ۔۔۔ ڈھالوں کے پھول تیغ کے پھل نے اڑا دیئے

یوں تن سے سر گراتی تھی شمشیر آبدار ۔۔۔ جیسے رگِ سحاب کبھی ہو تگرگ بار
دو ہو گیا وہ صاف کیا جس پہ ایک وار ۔۔۔ غلطاں لہو میں تھے کہیں پیدل کہیں سوار
ہر صف میں اس جری کی لڑائی کا شور تھا ۔۔۔ ہر غول میں بنی کی دہائی کا شور تھا

چلاتے تب حسینؑ کہ بس اے دلیر بس
مقتل میں سر فرو ہوئے لاشوں کے ڈھیر بس
اعدا دہائی دیتے ہیں گھوڑے کو پھیر بس
امت ہے یہ نبیؐ کی بس اے میرے شیر بس!
شاباش حق دوستی پنجتن ہے یہ
غیرت بھی اب دکھا کہ ہمارا چلن ہے یہ

یہ سن کے ہاتھ روک لیا اس جری نے جب
بولا یہ شمر ٹوٹ پڑو اس پہ مل کے سب
یاں غم سے بے قرار ہوئے شاہ تشنہ لب
تیغوں کے وار چلنے لگے حر پہ ہے غضب
کاری جو زخم تن پہ لگے اس دلیر کے
تکنے لگا حسینؑ کو منہ پھیر پھیر کر

سینے سے جب کہ ہو گئی برچھی ستم کی پار
گھوڑے پہ ڈگمگانے لگا حر نامدار
رکھ کر جگر پہ ہاتھ پکارا وہ دل فگار
اے فاطمہؑ کے لال یہ خادم ہوا نثار
اب شفقت امام حجازی کا وقت ہے
آقا یہی غلام نوازی کا وقت ہے

جس دم سنی امام امم نے صدائے حر
چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولے کہ ہائے حر
رو کر کہا رفیقوں سے دیکھی وفائے حر
خیمے میں پیٹنے لگی زینبؑ برائے حر
کھینچی جو شہ نے آہ دل بیقرار سے
نکلی تڑپ کے فاطمہؑ زہرا مزار سے

دوڑے ادھر سے رن کی طرف سید امم
آئے نجف سے حیدر صفدر بچشم نم
آواز دی نبیؐ نے کہ حر کو لئے ہیں ہم
اس وقت پہنچے شاہ کہ وہ توڑتا تھا دم
سر کاٹنے کی فکر میں جو تھے وہ ہٹ گئے
مہماں سے اپنے، دوڑ کے حضرت لپٹ گئے

زانو پہ رکھ لیا سر حر اور یہ کہا
بھائی حسینؑ آیا ہے آ ہوش میں ذرا
آنکھیں قدم پہ مل کے یہ بولا وہ باوفا
مولا ہزار جان سے میں آپ پر فدا
جن کے لئے زمیں پہ فلک سر جھکائے ہیں
وہ لوگ خلد سے مرے لینے کو آئے ہیں

زانو پہ ہے سر آپ کے یا شاہ بحر و بر
محبوبؐ کبریا ہیں ادھر شیر حق ادھر
یہ کون بی بی ہیں مرے پہلو میں نوحہ گر
شہ نے کہا کہ روتی ہیں اماں برہنہ سر
تو حشر تک امام دو عالم کے ساتھ ہے
ماتم ترا حسینؑ کے ماتم کے ساتھ ہے

یہ سنتے سنتے غیر ہوا اس جری کا حال
زانوئے شاہ دیں پہ کیا حر نے انتقال
خیمے کے در پہ لاش کو لایا علیؑ کا لال
سب بیبیوں نے کھول دیئے اپنے سر کے بال
زینبؑ یہ روئی شہ کے فدائی کے واسطے
جیسے بہن تڑپتی ہے بھائی کے واسطے

بس اے انیس مرثیہ ہوتا ہے اب طویل
مصرعے ہیں لاجواب تو مضموں ہے عدیل
اس نظم کو قبول کریں سید جلیل
مداح جن کا تو ہے وہی ہیں ترے کفیل
مقبولِ بارگاہ خدائے قدیر ہیں
شاہان خلق سب اسی در کے فقیر ہیں

رباعی

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے
اس باغ سے کیا کیا گل رعنا نہ گئے
تھا کون سا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں؟
وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے؟

رباعی

اب خواب سے چونک وقت بیداری ہے
لے زاد سفر کوچ کی تیاری ہے
مر مر کے پہونچتے ہیں مسافر واں تک
یہ قبر کی منزل بھی غضب بھاری ہے

۶

مرثیہ ۸۵

غل ہے اعدا میں کہ زینبؑ کے پسر آتے ہیں ۔ شور ہے بحرِ شجاعت کے گہر آتے ہیں
آفتابِ فلک و فتح و ظفر آتے ہیں ۔ لاکھ سے لڑنے کو دو تشنہ جگر آتے ہیں
آج خلعت ہمیں لینا ہے سرافرازی کا ۔ ہاں جوانوں یہی ہنگام ہے جانبازی کا

وقتِ غفلت نہیں اے غازیو ہشیار رہو ۔ کھینچ لو تیغ کو خوں ریزی پہ تیار رہو
آمد آمد ہے دلیروں کی خبردار رہو ۔ صف جمائے ہوئے آمادۂ پیکار رہو
کچھ کماندار تو کچھ برچھیاں والے جاویں ۔ اور دریا پہ سواروں کے رسالے جاویں

اے علمدارو نشانوں کے پھریرے کھولو ۔ ہاں کماندارو سواروں کے تم آگے ہو لو
برچھیاں ہاتھوں میں تم برچھیوں والے لو ۔ سر کرو جنگ تو حاکم سے جو چاہو لے لو
غلغلہ رُوم تک اِس لشکرِ جرار کا ہے ۔ امتحان آج دلیرانِ نمودار کا ہے

دیکھیں خوں پیاسوں کا کون آج بہا دیتا ہے ۔ کون ہنگامِ وغا جان لڑا دیتا ہے
برچھیاں کون کلیجوں میں چُبھا دیتا ہے ۔ کون انہیں مار کے گھوڑوں سے گرا دیتا ہے
آج سر ہوتی ہے کس سے یہ لڑائی دیکھیں ۔ لوٹتا ہے کون ہے زینبؑ کی کمائی دیکھیں

سنتے ہیں سن تو ہیں چھوٹے پہ نہایت ہیں جری ۔ کر چکے ہیں انہیں تعلیمِ وغا سبطِ نبیؐ
کس طرح ان سے بھلا ہووے گا سر کوئی ۔ پوتے جعفرؑ کے ہیں یہ اور ہیں سبطینِ علیؑ
ان میں جوہر اسد اللہ کی شمشیر کا ہے ۔ دونوں شیروں میں اثر فاطمہؑ کے شیر کا ہے

جرأتِ شیرِ خدا آج وہ دکھلاویں گے ۔ برق دم پہنچے ہر غول میں چمکا دیں گے
چاند سے سینوں پہ شمشیر و سناں کھاویں گے ۔ مار کے بہتوں کو میدان میں مر جاویں گے
اِس پہ بھولو نہ کہ دو روز کے پیاسے ہیں وہ ۔ خوف کی جا ہے کہ حیدرؑ کے نواسے ہیں وہ

گو کہ کم سن ہیں مگر لاکھ پہ رہیں وہ دلیر ۔ کیوں نہ ہوں صاحبِ شمشیر ہیں شیر کے شیر
آگے جب کوچ کو رکھیں گے بزورِ شمشیر ۔ دم میں کر دیوینگے لشکر کے زبردستوں کو زیر
قوتِ دستِ علیؑ ہاتھوں سے گر لیویں گے ۔ ورقِ دفترِ عالم کو اُلٹ دیویں گے

ذکر یہ تھا کہ اٹھا گرد تیخ گرد و غبار
بڑھ گیا غل کہ وہ آپہونچے علیؑ کے دلدار
کیا اُڑاتے ہوتے رہوار چلے آتے ہیں
واہ رے شوکت و اقبال زہے حشمت و جاہ
ایک ہے غیرتِ خورشید تو اک غیرتِ ماہ
غیرت یوسف و رشک ملک و حور ہیں یہ
دیکھو پیشانیاں کس حسن سے ہیں جلوہ نما
روشنی میں ہیں کہیں ماہِ دو ہفتہ سے سوا
اہل ایماں کو تو ایماں کے برابر ہیں یہ
کیجیو دونوں کی پیشانی و ابرو پہ خیال
جن کے پرتو سے منور ہے یہ میدانِ قتال
پردۂ خاک میں جس وقت نہاں ہوئیں گے
جلوہ گر قطرے عرق کے ہیں یہ پیشانیوں پر
قطرے شبنم کے ہیں گلبرگ پہ یا قوت ثمر
نہیں قطروں کا پسینے کے یہ جلوا دیکھا
زیرِ پیشانی جو ہیں ابروئے خم دار عیاں
دل سے جن پر ہے جگر گوشۂ زہراؑ قرباں
اتنی سی عمر میں دنیا سے روانہ ہوں گے
ہے ہر اک موئے مژہ نا خن شہبازِ اجل
کہیں ہم نشتر سہر تیز انہیں یا برچھی کے پھل
بس کہ نورِ نظرِ زینبؑ دل گیر ہیں یہ
دونوں کے کانوں میں آتی ہے یہ زینبؑ کی صدا
تینؑ دن سے نہیں پانی مرے بھائی کو ملا
آبِ شمشیر سے پیاس اپنی بجھانا پیارو

چاند سے عونؑ و محمدؑ نظر آئے اِکبار
کبھی اس حُسن کے اِنسان نہیں دیکھے زنہار
جعفرؑ و حیدرؑ کرار چلے آتے ہیں
کیا صفا چہرے پہ دونوں کے ہے سبحان اللہ
دیکھا جاتا نہیں چہروں کی طرف بھر کے نگاہ
طُور تو اسپ فلک سیر ہے اور نور ہیں یہ
صفحۂ مہر ہیں یا آئینۂ نورِ خدا
لوحِ محفوظ ہیں اور ان میں نہیں فرق ذرا
مصحفِ پاک سرِ لوح کے ہمسر ہیں یہ
صاف دو بدر نظر آتے ہیں اور چار ہلال
حیف ہے ایسے جو خورشیدوں پہ آجائے زوال
کیا حسینؑ ابنِ علیؑ تڑپیں گے اور روئیں گے
لوحِ الماس پہ یا نصب کئے ہیں گوہر
ٹوٹ کر گرتے ہیں ہاتھوں سے بسانِ اختر
آج بالائے قمر عقدِ ثریا دیکھا
اِن کمانوں کی زہے قدر زہے شوکت و شاں
کیوں خمیدہ نہو تیرِ قد شہ مثلِ کماں
بے خطا آج یہ تیروں کے نشانہ ہوں گے
مرغِ دل جن سے ہوئے جاتے زخمی ہر پل
کوئی تشبیہ نہیں ہے مگر ان سے افضل
نگہِ مردمِ بد بیں کے لئے تیر ہیں یہ
اے مرے لاڈلو تم نے ہے مرا شیر پیا
اِس لئے تم سے کہے رکھتی ہوں سمجھا سمجھا
طرف نہر نہ جانا پہ نہ جانا پیارو

سحرِ عید جو عارض ہیں تو گیسو شبِ قدر
پوچھو شبیرؑ سے دونوں کی رخِ پاک کی قدر
آئینے سے کہیں شفاف یہ رخسارے ہیں
جلوہ گر صورتِ خورشید ہیں روئے روشن
اور صراحی سے گلو ہیں جو تہِ سیبِ ذقن
کبھی حوروں کے بھی ایسے نہ گلے ہوئیں گے
صورتِ جعفرِ طیارؑ ہیں شانے تیار
دونوں کس شان سے شانوں پہ کھچے ہیں تلوار
تیر بے داد کے شانوں پہ نشانے ہوں گے
تین دن گذرے کہ کھانا نہیں پہونچا ہے بہم
دیکھیو زیرِ شکم ناف کا اُن کے عالم
آئینے کو شکمِ صاف پہ صدقے کیجئے
قلمِ کاتبِ قدرت ہیں یہ دونوں کے قد
یا کہ ہیں سروِ گلستانِ رسولِؐ امجد
مرتبے کیوں نہ ہوں آفاق میں برتر ان کے
دونوں نے حسن کی اک سمت کو بھی طرح ڈالی شنا
واہ واہ حسنِ علیؑ اصلِ علیؑ اصلِ علیؑ
جیسے دونوں کے ہیں قد یوں نا سے چھوٹے چھوٹے
نیمچے قبضوں میں وہ ہیں کہ نہیں جن کی پناہ
کاٹ ایسی ہے کہ ضرب ان کی جو بیٹھے ناگاہ
فلک پیر انہیں تیغوں کا تو ڈر رکھتا ہے
اتنے میں گھوڑے بڑھا کر یہ پکارے وہ دلیر
ہوئے دعوے جسے کھینچے وہ میاں سے شمشیر
امن نہ سر کے لئے ہے نہ اماں تن کے لئے

یا نمایاں ہوئے ہیں ابر کے ٹکڑے پسِ قدر
رہتے عارض پہ سدا بنتِ علیؑ کے سہرِ صدر
صفحۂ نور ہیں خورشید ہیں مہ پارے ہیں
غنچۂ گلشنِ فردوس ہیں دونوں کے دہن
اِن گلوں میں بھی عجب طرح کی ہے صورتِ حسن
پر کوئی دم میں یہ تیغوں کے تلے ہوئیں گے
نور کو جن کے نہ پہونچے یدِ بیضا زنہار
دیکھتے جاتے ہیں رخ پھیر کے شانے ہر بار
خنجر و تیغ سے صد چاک یہ شانے ہوں گے
سیر ہیں صبر و قناعت سے مگر ان کے شکم
ہیں یہ گرداب یمِ نصرت و اقبال و حشم
نافۂ مشکِ ختن ناف پہ صدقے کیجئے
راست ہیں جو الفِ اولِ اللہ اَحد
اِن کو دیکھے تو ہو شمشاد کو قمری سے حسد
رایتِ دینِ نبیؐ ہیں قدِ انور اِن کے
اِک طرف غل تھا کہ ہتھیاروں کو دیکھو تو ذرا
کس قدر ان کو سلاحِ عربی ہے زیبا
اسلحے بھی ہیں اسی طرح کے چھوٹے چھوٹے
بہرِ دشمن کے لئے ہیں ہمہ تن قہرِ اللہ
کوہِ آہن ہو تو کٹ جائے مثالِ برگِ کاہ
روز وہ رُخ پہ مہ و خور کی سپر رکھتا ہے
ظالمو کرتے ہو کس واسطے اب جنگ میں دیر
گو ہزاروں ہوں پہ ڈرتے نہیں روباہوں سے شیر
نیمچے قہرِ خدا ہیں صفِ دشمن کے لئے

خلق میں حرب ہے نانا کی ہمارے مشہور
ایک دم میں حرم کعبہ سے بُت کردیئے دور
عمرو کو قتل کیا ٹکڑے کیا عنتر کو
دادا ہے جعفرؓ طیار سا ضرغامِ وغا
ماموں شبیر سا مظلوم غریب الغربا
ہم سے ہمسر کوئی عالی نسبی میں کب ہے
کس کا رتبہ ہے یہ جو کچھ ہے شرافت ہم میں
بخدا فاتحِ خیبر کی ہے جرأت ہم میں
کوئی ہم شیروں کی تلوار پکڑ سکتا ہے
جوں علیؑ ولولۂ تیغ زنی رکھتے ہیں
دلِ بے کینہ میں خلقِ حسنی رکھتے ہیں
صاف باطن ہیں دغا کی نہیں باتیں ہم میں
نقشۂ ہستیِ دشمن کو مٹا دیتے ہیں
کوہ کو پاؤں کی ٹھوکر سے ہٹا دیتے ہیں
غضبِ ربِّ عُلا ضرب ہے ہم شیروں کی
لاکھ خط بھیج کے ماموں کو بلایا تم نے
منھ نبیؐ زادے سے بے وجہ پھرایا تم نے
نہر سے پیاسے کو قطرہ نہ دیا پانی کا
خوفِ حق ہے نہ پیمبر کا ادب کرتے ہو
کوششِ قتلِ شہنشاہِ عرب کرتے ہو
اِک نبی زادے پہ یہ ظلم کی طغیانی ہے
فوج سے عونؑ و محمدؑ نے یہ کی جب گفتار
گھوڑے چمکا کے ہلانے لگے نیزوں کو سوار
تیغیں کمروں سے نکلنے لگیں قزاقوں کی

جس نے صفین میں کیئے قتل ہزاروں مقہور
جنگ خندق کیا فتح محمدؐ کے حضور
جنگِ خیبر میں اوکھاڑا تھا درِ خیبر کو
تھا جو دنیا میں علمدارِ رسولِ دوسرا
حاملِ رنج و محن مالک تسلیم و رضا
فاطمہؑ بنتِ نبیؐ نانی ہے ماں زینبؑ ہے
شانِ جعفر ہے تو حمزہ کی ہے شوکت ہم میں
شیر بنتِ شہ مرداں کی ہے طاقت ہم میں
دو بدو ہم سے جہاں میں کوئی لڑ سکتا ہے
ہاتھ ہیں قوتِ خیبر شکنی رکھتے ہیں
طبع میں حلمِ حسینؑ مدنی رکھتے ہیں
جمع ہیں سارے بزرگوں کی صفاتیں ہم میں
شررِ تیغ سے ناری کو جلا دیتے ہیں
ایک للکار میں ضیغم کو بھگا دیتے ہیں
ضربتِ شیرِ خدا ہے ضرب ہے ہم شیروں کی
فصلِ گرما میں وطن ان سے چھڑایا تم نے
بے گنہ دلبرِ زہراؑ کو ستایا تم نے
طور رہوتا ہے جہاں میں یہی مہمانی کا
بیعت اُس فخرِ دو عالم سے طلب کرتے ہو
پانی دیتے نہیں سید کو غضب کرتے ہو
اور اس پر تمہیں دعوائے مسلمانی ہے
قتل پر پیاسوں کے آمادہ ہوئے ظلم شعار
قدر اندازوں نے چلّوں سے ملائے سوفار
دور تک چھا گئی میداں میں گھٹا ڈھالوں کی

رعد کی طرح سے گرجا دُہل جنگ و جدل
صورتِ برق چمکنے لگے تلواروں کے پھل
نکلے ہر صف سے جوانان قوی اہیکل
شام کی فوج کا دو پیاسوں پہ اُمڈا بادل
زینبِ خستہ جگر خیمے میں گھبرانے لگی
گریۂ فاطمہؑ زہرا کی صدا آنے لگی

دونوں پیاسوں پہ ادھر تھی یورش اہلِ جفا
اور ادھر تھا حرمِ شہ میں تلاطم برپا
بیبیوں سے کہا زینبؑ نے بصد درد و بکا
میرے بیٹے مرے ماں جائے پہ ہوتے ہیں فدا
پیاس میں چھوٹے سے ہاتھوں کی صفائی دیکھو
چلو لوگو! مرے بچوں کی لڑائی دیکھو

بیبیوں سے کیا زینبؑ نے جو رو کر یہ مقال
صفِ ماتم سے وہ گھبرا کے اُٹھیں سب فی الحال
زینبؑ زار تو آگے ہوئی کھولے ہوئے بال
پیچھے روتی چلی ہر ایک بصد رنج و ملال
پہونچی ڈیوڑھی پہ تو میدان میں یہ نقشا دیکھا
دونوں معصوموں پہ کفار کا نرغا دیکھا

حال یہ دیکھ کے زینبؑ کا ہوا حال تباہ
رنگ فق ہو گیا دل پر ہوا صدمہ جانکاہ
پھر دعا حق سے یہ کرنے لگی با نالہ و آہ
رکھیو عزت مرے فرزندوں کی یا بارِ الٰہ!
صدقے ماموں پہ یہ دو روز کے پیاسے ہو جائیں
فوج میں قید نہ حیدرؑ کے نواسے ہو جائیں

تیرے محبوب کے پیارے کے مددگار ہیں یہ
بھوکے پیاسے ہیں مصیبت میں گرفتار ہیں یہ
تیرے بندے ہیں غلامِ شہِ ابرار ہیں یہ
اہلِ کیں لاکھوں ہیں اور دو جگر افگار ہیں یہ
ان کے ہاتھوں سے یہ لشکر تہ و بالا ہو جائے
خلق میں دونوں کی جاں بازی کا شہرا ہو جائے

تو اگر چاہے تو دے سیلی پہ پشّے کو ظفر
ہو ترا فضل تو قطرہ ابھی ہو جائے گہر
بخش دے دودھ میں لونڈی کے شجاعت کا اثر
نام آفاق میں کر جائیں مرے نورِ نظر
عون بے جاں ہو جدا مجھ سے محمدؐ ہو جائے
پسرِ فاطمہؑ زہرا کی بلا رد ہو جائے

اتنے میں جا پڑی سرور پہ نظر زینبؑ کی
دیکھتی کیا ہے کہ روتے ہیں دلِ جانِ نبیؐ
سامنے ہیں جو کھڑے اکبرؑ و عباسؑ علیؑ
دم بدم رو رو کے فرماتے ہیں ان سے بھی
ٹال دو آگے سے لڑکوں کے صفِ ناری کو
جاؤ دو روز کے پیاسوں کی مددگاری کو

یہ سخن سبطِ محمدؐ سے جو زینبؑ نے سنا
رو کے چلائی کہ اے بھائی یہ کیا تم نے کہا
کیا یہ تدبیر ہے مجھ سے تو کہو بہرِ خدا
بھیجتے ہو انہیں کیوں جانبِ میدانِ وغا
گئے گر اکبرؑ و عباسؑ تو غم کھاؤں گی
ننگے سر بیٹی خیمے سے نکل آؤں گی

دھیان کچھ ان کے لڑکپن پہ نہ کیجئے اصلا
ہاں مگر پیاسے کئی دن کے ہیں وہ ماہ لقا

دم بدم تیرِ الم دل پہ مرے پڑتے ہیں
یاں تو شبیر سے کرتی تھی یہ زینبؑ گفتار
یا علیؑ کہہ کے جو لیں میاں سے تیغیں اک بار
صف کی صف ہو گئی مسمار ستم گاروں کی
جس طرف بھرے ہوئے رن میں جھپٹتے تھے وہ شیر
پیش آجاتا تھا گر کوئی زبردست دلیر

عزم بالجزم تھے کیا فاطمہؑ کے پیاروں کے
میمنہ والوں پہ جا پڑتا تھا گر عونِؑ جری
لب پہ ہر ایک کے تھا نامِ حسینؑ ابنِ علیؑ
تیر سے گھوڑے جھپٹ کر یہ جدھر جاتے تھے
حملہ ور عون پہ ہوتا تھا اگر کوئی سوار
کرتا تھا کوئی محمدؐ پہ اگر نیزے کا وار

ایک سے ایک سوا جنگ میں کد کرتا تھا
ایک نے پیچھے سے گر سرِ دشمن کاٹا
تیغ سے دونوں نے جس کا سر و تن کاٹا
جا پڑے برق سے سردار کو جس جا دیکھا
آکے اُن شیروں سے ہوتے تھے جو سرگرم نبرد
گھوڑوں کی ٹاپوں سے اُڑتی تھی بیاباں میں گرد

قتل کر ڈالا سواروں کا رسالا دم میں
نیزہ بازی کا جو پھر آگیا دونوں کو خیال
دو لعیں نکلے اُدھر سے بھی پئے جنگ و جدال
ایک پر عون دلاور نے اُٹھایا گھوڑا

پشت پر اُن کی مدد کے لئے ہیں شیر خدا
کیجئے بہر خدا بھانجوں کے حق میں دُعا

آج فرزند مرے پہلے پہل لڑتے ہیں
اور ادھر عونؑ و محمدؐ نے اٹھائے رہوار
خوف کے مارے لگے کانپنے سب ظلم شعار
بجلیاں فوج پہ گرنے لگیں تلواروں کی
مارے تلواروں کے کر دیتے تھے وہ لاشوں کے ڈھیر
دونوں تشدیدِ شجاعت سے اسے کرتے تھے زیر

چھوٹی سی تیغوں سے دم بند تھے کفّاروں کے
حملہ ور میسرہ کی صف پہ محمدؐ تھا کبھی
دونوں کے سامنے سے بھاگتے پھرتے تھے شقی
بے لڑے کتنے عدو سہم کے مر جاتے تھے
مار لیتا تھا محمدؐ اسے بڑھ کر اک بار
عون تب اس کو لگاتا تھا جھپٹ کر تلوار

یہ مدد اس کی تو وہ اس کی مدد کرتا تھا
دوسرے نے اسے بڑھ کر مع توسن کاٹا
مع خُود و زِرہ و بکتر و جوشن کاٹا
مارا دو لاکھ میں اُس کو جسے بچتا دیکھا
برقِ شمشیر سے جل جل کے وہ ہو جاتے تھے سرد
ہر طرف خاک پہ بسمل تھے ہزاروں نامرد

کر دیا پیاسوں نے لشکر تہ و بالا دم میں
نیزہ بازوں پہ گری چھوٹی سی تیغوں کو سنبھال
آگئے غیظ میں تب زینبِؑ دلگیر کے لال
ایک شامی پہ محمدؐ نے بڑھایا گھوڑا

جاتی تھی تا سرِ گردوں جوسنانوں کی جھلک
سامنے گھوڑوں کے شرمندہ تھی بجلی کی چمک

جب یہ للکار کے نیزوں کو بکاں دیتے تھے
یہ جھکے اُن پہ تو ان پر بھی جھکے وہ خونخوار

لڑتی تھیں نیزوں کی انیوں سے جو انیاں ہر بار
قتل پر ان کے تو خونخوار وہ کد کرتے تھے

دیر تک دونوں سے لڑتے رہے زینبؑ کے پسر
آ کے تب غیظ میں کہنے لگے وہ نیک سیر

یک بیک پھُرتی سے اس طرح ہلائے نیزے
بسکہ تھے زور میں یکتا وہ علیؑ کے دلدار

نیزوں سے پھر انہیں پھینکا سوئے چرخِ دوّار
برشِ تیغ پہ حیراں تھے ستم گر رن میں

اِس خرابی سے ہوئے قتل جو دونوں خونخوار
الاماں کی ہوئی فوجِ ستم آرا میں پکار

کہیں شاباش کہیں واہ کا غل برپا تھا
پھر کمانداروں پہ شیروں نے اُٹھائے گھوڑے

سب نے رُخ پھیر کے میداں سے بڑھائے گھوڑے
سہم کر چھپ گئے تھے گوشوں میں سرکش کتنے

تھی عجب طرح کی میدان میں اس دم ہل چل
گھوڑوں کی ٹاپوں سے تھرّاتا تھا سارا جنگل

بدحواسی سے جو بھاگے تھے جواں لشکر کے
دونوں لڑکوں سے جو بَر آ نہ سکے اہلِ خطا

غل یہ سُن کر ہوئے بے تاب اِمامؑ دوسرا
سر لعینوں کے نہ اب تن سے اُتارو پیارو!

آنکھ خورشید کی ہر مرتبہ جاتی تھی جھپک
تھرتھراتی تھی زمیں ان کی لرزتے تھے فلک

آہنی ڈھالوں میں سینے وہ چھپا لیتے تھے
دو طرف دونوں سے بس چلنے لگے نیزوں کے وار

خاک پر گرتی تھیں چنگاریاں بے حد و شمار
پر یہ کس خوبی سے ہر وار کو رد کرتے تھے

اُن کا وار اِن پہ چلا اور نہ اِن کا اُن پر
دیکھو اے ظالمو! ہم دونوں کے نیزوں کا اثر

دونوں خونخواروں کے سینوں میں در آئے نیزے
دونوں کو نیزوں کی نوکوں پہ اُٹھایا اِک بار

جب لگے گرنے تو دونوں نے لگائی تلوار
چار ٹکڑے کئے دونوں کے برابر رن میں

کیا معصوموں نے تکبیر کا نعرہ یک بار
جھک گئے خاک پہ سجدے کو امامِ ابرار

عرش تک اٰجَرَکُمُ اللّٰہ کا غل برپا تھا
قدر اندازوں میں جوں تیر در آئے گھوڑے

پیچھے بدکیشوں کے دونوں نے اٹھائے گھوڑے
گر گئے رن میں خطاکاروں کے ترکش کتنے

بھاگتے پھرتے تھے ہر سمت سوار و پیدل
گرم تھا دشتِ بلا خیز بہ شکلِ مقتل

ایک پر ایک گرا پڑتا تھا مارے ڈر کے
تب محمدؐ کی دوہائی لگے دینے اعدا

بھانجوں کو درِ خیمہ سے یہ دی بڑھ کے صدا
کلمہ گویوں کو محمدؐ کے نہ مارو پیارو!

روک لو ہاتھوں کو اب تم کو پیمبرؐ کی قسم
نیچے میاں میں کر لو تمہیں شبیرؑ کی قسم
تم کو زہراؑ کی قسم ہے تمہیں حیدرؑ کی قسم
اب نہ قتل ان کو کرو تم کو مرے سر کی قسم
میں مُوا جاتا ہوں للہ نہ تاخیر کرو
بخشوانے کی گنہ گاروں کے تدبیر کرو

اے مرے پیارو کرو ماموں کے کہنے پہ عمل
نہ لڑو اب نہ لڑو ظالموں سے میرے بدل
استغاثے کی صدا سے ہے مرا دل بے کل
کہیں ایسا نہ ہو آوے مرے عہدے میں خلل
میرے نانا سے عدو کرتے ہیں شکوا میرا
اب ہے نزدیک کہ پھٹ جائے کلیجا میرا

پہونچی میداں میں جو آوازِ شہنشاہِ اُمم
بھائی سے بھائی یہ کہنے لگا بادیدۂ نم
ماموں چلاتے ہیں رو رو کے بصد دردِ والم
اماں غش ہوگئیں ہیں خیمے میں شاید اس دم
خنجرِ غم دلِ ناشاد پہ چلتا ہوگا
ماں کی اُلفت ہے کلیجا نہ سنبھلتا ہوگا

رو دیا چھوٹے نے سُن کر یہ بڑے کی گفتار
یک بیک ٹوٹ پڑے ان پہ ہزاروں خونخوار
گھر گئے لاکھ سواروں میں علیؑ کے دلدار
برچھیاں چل گئیں ہونے لگے تلواروں کے وار
دل میں دونوں کے بھری تھی جو ولائے شبیرؑ
تھا یہ ہر زخم پہ نعرہ کہ فدائے شبیرؑ

ایک تو پیاسے تھے دو روز کے وہ نیک خصال
زخم کھائے جو بدن پر تو ہوئے اور نڈھال
چھاتیاں ہوگئیں تیروں سے سراپا غربال
خون میں لال ہوئے زینبِ دلگیر کے لال
منہ پھرا کر کبھی ماموں کو صدا دیتے تھے
ضعف سے سر کبھی ہرنوں پہ جھکا دیتے تھے

زخم شمشیروں کے تھے پھول سے رخساروں پر
خون میں ڈوبی تھیں سنبل سی وہ زلفیں بکھر
رُخ پہ لٹکی تھیں کمانوں سے بھویں کٹ کٹ کر
سینکڑوں جسم پہ تھے زخمِ سنان و خنجر
پاؤں ہر دم جو رکابوں سے نکل جاتے تھے
یا حسینؑ ابن علیؑ کہہ کے سنبھل جاتے تھے

غش میں گھوڑوں پہ کبھی جھکتے تھے دونوں جری
غیظ میں آن کے ہونٹوں کو چباتے تھے کبھی
ناگہاں عونؑ کے اک شامی نے ماری برچھی
ساتھ ہی سر پہ محمدؑ کے بھی اِک تیغ لگی
اِس طرف خاک پہ گھوڑے سے وہ معصوم گرے
ہاں کلیجے کو پکڑ کر شہِ مظلوم گرے

خیمے کی ڈیوڑھی سے زینبؑ یہ پکاری ناگاہ
خیر تو ہے علی اکبرؑ کہو مجھ سے للہ
کیا غضب ہوگیا کیوں روتے امامِ ذی جاہ
رو کے ہمشکلِ پیمبرؐ نے کہا کیا کہوں آہ
گر پڑے بُرجِ شرافت کے ستارے رن میں
اے پھوپی قتل ہوئے آپ کے پیارے رن میں

یہ خبر سنتے ہی تھرانے لگی زینبؑ زار
جھک کے سجدے میں کہا ہیں تری قدرت کے نثار
صدقے زہراؑ کی کمائی پہ کمائی میری
یاں تو زینبؑ نے کیا شکرِ جنابِ احدی
ساتھ اکبرؑ بھی تھے اور قاسمؑ و عباسِ علیؑ
پسرِ فاطمہؑ زہرا کو سنبھالو پیارو
کیا پردیس میں ماموں سے کنارا تم نے
خاک پر گر کے نہ ہم کو بھی پکارا تم نے
کس نے تیروں کو کلیجے سے نکالا ہوگا
ڈھونڈھتے پھرتے تھے میداں میں امامِ دوسرا
ناگہاں آئی یہ خاتونِ قیامت کی صدا
ٹکڑے تیغوں سے ہیں دو روز کے پیاسے میرے
دیتے ہیں ساقیٔ کوثر انہیں جامِ کوثر
واہ کیا اہلِ وفا ہیں مری زینبؑ کے پسر
یاد ہے ان کی ابھی تشنہ دہانی ہم کو
ماں کی آواز پہ دوڑے جو شہنشاہِ زمن
کثرتِ زخم سے گلزار ہیں دونوں کے بدن
خوں میں تر باغِ یداللہ کے گل بوٹے ہیں
گر کے لاشوں پہ یہ چلائے امامِ دوسرا
غش میں دونوں نے سنی شہ کے جو رونے کی صدا
بولے شہ اس نگہِ یاس پہ قربان حسینؑ
جوڑ کر ہاتھوں کو کہنے لگے وہ گل اندام
آپ آقائے دو عالم ہیں یہ فدوی ہیں غلام
کر دیا آپ کے الطاف نے نامی ہم کو

اڑ گیا رنگ مگر روئی نہ وہ سینہ فگار
سرخرو مجھ کو کیا پیشِ رسولِ مختار
شکر کرتی ہوں کہ امید بر آئی میری
اور چلے رن کی طرف روتے ہوئے سبطِ نبیؐ
پہونچے میداں میں جو شبیرؑ تو آواز یہ دی
کوچ کرتے ہو تو دیدار دکھا دو پیارو!
برچھیاں کھایا کئے دم بھی نہ مارا تم نے
ہائے تکلیف مری کی نہ گوارا تم نے
کس نے گرتے ہوئے گودی میں سنبھالا ہوگا.
بھانجوں کے کہیں لاشوں کا نہ ملتا تھا پتا
ادھر آؤ ادھر آؤ ادھر آؤ بیٹا
میری گودی میں تڑپتے ہیں نواسے میرے
پھیر لیتے ہیں منہ اس پانی سے یہ تشنہ جگر
کہتے ہیں ماموں تو پیاسے ہیں پئیں ہم کیونکر
شاہ بن زہر سے بدتر ہے یہ پانی ہم کو
دیکھا دم توڑتے ہیں خاک پہ وہ تشنہ دہن
ہچکیاں لیتے ہیں کھولے ہوئے غنچے سے دہن
نیمچے چھوٹے سے ہاتھوں سے نہیں چھوٹے ہیں
کھول دو آنکھوں کو اے بھانجو ماموں آیا
کھول کر آنکھوں کو دیکھا رخِ شاہِ شہدا
اس محبت پہ اور اس پیاس پہ قربان حسینؑ
فرطِ الفت سے نہ فرمائیے مولا یہ کلام
ہم سے سو آپ پہ قربان ہوں یا شاہِ انام
فخر ہے اکبرؑ و اصغرؑ کی غلامی ہم کو

شاہ سے عونؑ و محمدؑ نے یہ کی جب تقریر
پھر یہ کہنے لگے دونوں سے امامِ دلگیر
نام سُن ماں کا یہ صدمہ ہوا اُن پیاروں پر
بھر کے دونوں نے دمِ سرد یہ سرورؑ سے کہا
ہم نے امّاں سے کہا تھا یہ بصد درد و بُکا
رو کے بولیں تمھیں یہ دولت نہ ابھی دوں گی تمہیں
کوئی ارشاد نہ مادر کا بُھلایا ہم نے
بہرِ امداد کسی کو نہ بُلایا ہم نے
خوں میں اور خاک میں ہم دونوں کے تن رلتے رہے
شکر صد شکر کہ اپنا تو ہوا خوب انجام
آپ جب جایئے گا خیمے میں یا شاہِ انام
مر گئے ہم نہ رکھو آس ہماری امّاں
دے کے مادر کو یہ پیغام بصد درد و بُکا
رو کے وہ بولے کہ کیا فکر ہے ہم تم پہ فدا
مرتے دم ہم پہ یہ اے بھائیو احسان کرو
کہہ کے یہ دونوں نے مُنہ شاہ کے قدموں پہ ملے
یک بیک آنکھیں بھی پتھرا گئیں منکے بھی ڈھلے
کیا وفاداری میں کامل تھے وہ صفدر دونوں
بھائیوں کے لئے سر پیٹ کے اکبرؑ روئے
گر کے اُن لاشوں پہ عباسِؑ دلاور روئے
مُنہ پہ مُنہ عونؑ کے رکھ کر کبھی چلاتے تھے
کبھی کہتے تھے کہ اِس داغ سے مر جاؤں گا
جب تلک جیتا ہوں اے لاڈلو غم کھاؤں گا
دم بدم نالہ و فریاد کروں گا پیارو!

خوب چھاتی سے لگا کر اُنہیں روئے شبیرؑ
کچھ وصیت کرو مادر کو کہ ہے وقتِ اخیر
اشک آنکھوں سے بہے چاند سے رخساروں پر
جس گھڑی خیمے سے ہم چلنے لگے تھے شاہا
دودھ تو بخشو کہ ہم ہوتے ہیں اب تم سے جدا
پیاسے مر جاؤ گے تب دودھ میں بخشوں گی تمہیں
زخم ہنس ہنس کے ہر اک سینے پہ کھایا ہم نے
آپ شاہد ہیں کہ پانی نہیں پایا ہم نے
اب تلک پیاس ہے گرمی سے جگر جلتے رہے
گھر امّاں کی غریبی پہ ہے رونے کا مقام
ان کو ہم دونوں کی جانب سے یہ دیجئے گا پیام
دودھ بخشو تو بجھے پیاس ہماری امّاں
چشمِ حسرت سے سوئے قاسمؑ و اکبرؑ دیکھا
ان سے تب جوڑ کے ہاتھوں کو یہ دونوں نے کہا
ماموں صاحب آپ اُٹھا کر ہمیں قربان کرو
جُھک کے شبیرؑ نے چومے وہ طرحی سے گلے
شاہ چلائے کہ اے بھانجو دنیا سے چلے
مر گئے شاہ کے قدموں پہ تڑپ کر دونوں
قاسمِ غنچہ دہن خاک اُڑا کر روئے
آسماں ہل گئے اس درد سے سرورؑ روئے
کبھی لاشے سے محمدؑ کے لپٹ جاتے تھے
شکل اب زینبؑ بیکس کو نہ دکھلاؤں گا
ہائے اب تم سے بہادر میں کہاں پاؤں گا
زیرِ خنجر بھی تمہیں یاد کروں گا پیارو!

واسطے ماموں کے جانوں کو گنوایا ہے ہے
تین دن پیاس میں پانی بھی نہ پایا ہے ہے
گھر کو ویراں کیا جنگل کو بسایا ہے ہے
میری تنہائی کا کچھ دھیان نہ آیا ہے ہے
خلد میں جا کے مجھے بھول نہ جانا پیارو!
اپنے نانا کو مرا حال سنانا پیارو!

کہیو تم کل کے مددگار ہو جاؤ نانا
اپنے فرزند کو آفت سے چھڑاؤ نانا
قید سے زینبؑ بےکس کو بچاؤ نانا
خلد کے رہنے سے اب ہاتھ اٹھاؤ نانا
نانی زہراؑ کی کمائی پہ زوال آتا ہے
آپ کا پھولا پھلا باغ لٹا جاتا ہے

بین یہ کرتے تھے لاشوں پہ امامِ دوجہاں
ناگہاں آئی یہ آواز بصد آہ و فغاں
ہائے اے میرے خوزادو میں تمہارے قرباں
مڑ کے حضرت نے جو دیکھا تو یہ دیکھا ساماں
فضہ تھراتی ہوئی رن میں چلی آتی ہے
باادب ہاتھوں پہ زہراؑ کی ردا لاتی ہے

پہونچی فضہ جو قریب خلفِ شبیرؑ خدا
دے کے زہراؑ کی ردا بولی بصد درد و بکا
آپ کی خواہرِ غم گیں نے کہا ہے شاہا!
میرے بیٹوں نے ہے دنیا میں مجھے شاد کیا
خلد میں ان کو حقارت سے نہ بھیجو بھائی
اس ردا کا مرے بچوں کو کفن دو بھائی

سن کے یہ خونِ دل آنکھوں سے بہایا شہ نے
دونوں لاشوں کو پھر اک جا پہ لٹایا شہ نے
ان پہ جب چادرِ زہراؑ کو اوڑھایا شہ نے
شانے مُردوں کے ہلا کر یہ سنایا شہ نے
سر فدا تم نے جو ماموں پہ کیے ہیں پیارو
لو یہ خلعت تمہیں ماموں نے دیے ہیں پیارو!

روک خامے کو انیس اب نہیں تابِ رقم
ہے محبوں میں بپا شورِ فغان و ماتم
ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگ بصد درد و الم
ہووے یہ مرثیہ مقبولِ شہنشاہِ اُمم
دل مرا اور کسی شغل میں مصروف نہ ہو
جیتے جی مرثیہ کہنا مرا موقوف نہ ہو

رُباعی

جس دم نزدیک وقتِ رحلت ہوگا
یارو کیا ہی مقامِ حسرت ہوگا
کوئی عملِ نیک نہ ہوگا جز یاس
آخر کو وہی رفیقِ تربت ہوگا

رُباعی

مارے گئے جو وہ سب بعین دفن ہوئے
زہراؑ کے نہ ہائے نازنین دفن ہوئے
عاشورِ محرم کو ہوئے قتل حسینؑ
پر قبر میں بعد اربعین دفن ہوئے

۷ مرثیہ ۱۴۲ بند

جب حضرت زینبؑ کے پسر مر گئے دونوں
چھوٹے تھے مگر نام بڑے کر گئے دونوں
زہرا کی طرح عاشقِ اولاد تھی زینبؑ
دو بیٹوں کے مرنے کی یکایک خبر آئی
منھ سے نہ کہا یہ کہ لٹی کس کی کمائی
سمجھی نہ کہ دنیا سے یہ پیارے گئے کس کے
فرزندوں سے ماں کو کوئی ہوتا نہیں پیارا
بے دم ہوئے دو لعل پہ دم اس نے نہ مارا
چادر نہ گری سر سے نہ چیں آئی جبیں پر
پُرسے کے لئے آئیں جو سب بیبیاں باہم
ہے ہے نہ کرو صاحبو! کچھ مجھ کو نہیں غم
کونین میں رُتبے مرے پیاروں کے بڑے ہیں
کچھ قاسمؑ و اکبرؑ سے سوا ان کا نہ تھا پیار
سو ایسے پسر ہوں تو نثارِ شہِ ابرار
جب تک نہ وہ مارے گئے تھے مجھ کو قلق تھا
تھی مجھ کو بڑی فکر کہ کیا ہوگا الٰہی
مرتے نہ پسر آج تو تھی ماں پہ تباہی
سر دینے کو رن میں نہ شہِ جن و بشر جائیں
کہتے ہیں بڑا نام کیا خوب وغا کی
سنتی ہوں الٹ دیں تھیں صفیں اہلِ جفا کی
ہاں صاحبِ ہمت تھے وفا کر گئے دونوں

تھا شور کہ پیاسے لبِ کوثر گئے دونوں
دربارِ محمدؐ میں برابر گئے دونوں
بیٹوں کا تو ماتم تھا مگر شاد تھی زینبؑ
نے روئی نہ ماتم کیا نے خاک اڑائی
پوچھا تو یہ پوچھا کہ سلامت تو ہیں بھائی
یہ بھی نہ کہا لاڈلے مارے گئے کس کے
جن بیٹوں کی عاشق تھی انہیں بھائی پہ وارا
پوچھا نہ کہ جنت کی طرف کون سدھارا
دو شکر کے سجدے کئے جھک جھک کے زمیں پر
فرمایا بھرے گھر میں مناسب نہیں ماتم
مانگو یہ دعا خلق میں بھائی کا رہے دم
میں جانتی ہوں آج کہ وہ پروان چڑھے ہیں
کیوں روؤں سلامت رہیں دونوں مرے دلدار
میں شاد ہوں رحم ان پہ کرے ایزدِ غفار
حق بھائی کا مجھ پر تھا تو ان پر مرا حق تھا
پر دونوں نے جو بات کہی تھی وہ نباہی
میں کہتی تھی جو ہوتا تھا میدان کو راہی
میں نے تو دعا کی تھی کہ پہلے ہی مر جائیں
ہر ضرب پہ خود قبلۂ عالم نے ثنا کی
میں ایسی نہ تھی کچھ یہ عنایت ہے خدا کی
حق دودھ پلانے کا ادا کر گئے دونوں

مرنا مجھے دونوں کا مبارک کرے اللہ
قاسم کو تو قسمت نے دکھایا مجھے نوشاہ
تم روؤ نہ ماں ہو کے ہیں رُوئی نہیں لوگو!

جب مر چکے زینبؑ کے پسر فوجِ ستم میں
تاریک جہاں تھا نظرِ شاہِ اُمم میں
چلاتی تھی دولت مری سب لٹ گئی لوگو!

اِن باتوں پہ زینبؑ کی حرم کرتے تھے ماتم
کچھ مشورہ تھا اکبرؑ و عباسؑ میں باہم
پر شدّتِ گریہ سے نہ یارا تھا سخن کا
مادر کا اشارا تھا کہ کیا قصد ہے واری
کہتا تھا پسر جان چچا سے نہیں پیاری
اکبرؑ کو نہ شبیرؑ کہیں اِذن وغا دیں

رخصت کا سخن منھ سے نکلتا نہ ہمارے
کچھ منھ سے نہیں بولتیں یہ شرم کے مارے
کیا دیکھتے ہو پیار سے صورت کو دلہن کی
ہر چند نہیں دل کو فراق ان کا گوارا
واللہ کہ صدمے سے کلیجہ ہے دو پارا
کیا راحت و آرام میں جلدی خلل آیا

فق ہو گئی ماں سن کے یہ فرزند کی تقریر
خاموش تھی گھونگٹ میں دلہن صورتِ تصویر
چاہا کہ کہے کاش ہماری اجل آئے
جوں شمع لگی آتشِ فرقت سے تا پا
تصویر بنی غم کی دلہن بن کے سراپا
پوشاک سے پیدا تھا کہ رنڈسالہ ہے تن میں

پائیں ظفر اِس لشکرِ کیں پر شہِ ذی جاہ
اب دھوم سے اپنے علی اکبرؑ کا کروں بیاہ
اکبرؑ سے زیادہ مجھے کوئی نہیں لوگو!
اور گلشن ہستی سے گئے باغِ اِرم میں
زینبؑ نے بُرا حال کیا بیٹوں کے غم میں
پردیس میں فرزندوں سے میں چھُٹ گئی لوگو

میداں میں مبارز طلبی کرتے تھے اظلم
قاسم کا ارادہ تھا کہ لیں ان کی رضا ہم
منھ ماں کا کبھی دیکھتے تھے گاہ دلہن کا
چپکے رہو گھونگھٹ میں دلہن کرتی ہے زاری
کچھ آپ سفارش کریں اب ان سے ہماری
جی جائیں اگر یہ ہمیں مرنے کی رضا دیں

فرزند پھوپھی جان کے دنیا سے سدھارے
حوریں ہمیں غرفوں سے یہ کرتی ہیں اشارے
اب سیر کرو اُٹھ کے شہادت کے چمن کی
جو خواہشِ تقدیر کچھ اس کا نہیں چارا
کس وقت میں افسوس ہوا بیاہ ہمارا
باتیں بھی نہ کی تھیں کہ پیامِ اجل آیا

بانوؑ نے کہا ہائے مری بچی کی تقدیر
دولھا کا سخن سُن کے کلیجے پہ لگا تیر
کچھ منھ سے نہ نکلا مگر آنسو نکل آئے
رنگ اڑنے لگا چھا گیا چہرے پہ رنڈاپا
پیشانی کا صندل بھی ہوا خاک کا چھاپا
کنگنے سے یہ ثابت تھا کہ کلائی ہے رسن میں

آنکھوں کو رنڈاپے کا نظر آگیا ساماں
سینے پہ چلی وصل میں تیغ غمِ ہجراں
خود ہو گئے سب گوندھے ہوئے بال پریشاں
ماتھے سے ستاروں کی طرح گر گئی افشاں
وہ رشکِ چمن غم سے جو سرگرمِ فغاں تھی
ہر آہ میں سہرے کے بھی پھولوں پہ خزاں تھی

غم تھا کہ کوئی دم میں یہ مسند ہوئی خالی
اب سر پہ رنڈاپے کی بلا چرخ نے ڈالی
کچھ منھ سے نہ کہہ سکتی تھی وہ نازکی پالی
یہ ہونٹھ چبائے کہ اُڑی پان کی لالی
آ پڑتے تھے اشک آنکھوں سے رخساروں پہ ڈھل کر
رہ جاتی تھی وہ مہندی لگی ہاتھوں کو مل کر

زانو پہ جھکا جاتا تھا سر شرم کے مارے
سینے سے نکل جاتے تھے آہوں کے شرارے
وہ کہتی تھی اب ناک سے نتھ کوئی اُتارے
رو رو کے سکینہ سے یہ کرتی تھی اشارے
اس تاش کے جوڑے کو بس اب آگ لگا دو
ساوے ہوں جو کپڑے وہ مجھے لا کے پنہا دو

کھلوا دے کنگنے سے بس اب ہاتھ اٹھایا
کیوں ہائے یہ کنگنا مجھے امّاں نے پنہایا
بیٹی کو رنڈاپے کی مصیبت میں پھنسایا
کیا ان کا بگاڑا جو دلہن مجھ کو بنایا
مہانے کی رخصت کے طلب گار ہیں مجھ سے
سونپا تھا جنھیں وہ بھی تو بیزار ہیں مجھ سے

اب ہوتی ہوں بیوہ مجھے کیا چاہیئے زیور
کالی کفنی بر میں ہو اور نیلی سی چادر
مسند مجھے اور خاک کا بستر ہے برابر
قسمت میں لکھا تھا کہ پھروں شہروں میں در در
کیا کہیئے مقدّر تھا عجب واہ ہمارا
جنّت کے مسافر سے ہوا بیاہ ہمارا

دولھا نے جو دیکھا کہ دلہن غم سے ہے مضطر
چلنے لگے سینے پہ غم و درد کے خنجر
اک آہ بھری زرد ہوا چہرۂ انور
جُھک کر کہا زانو سے اٹھاؤ تو ذرا سر
للّٰلہ نہ رو تم کو سمجھاتے ہیں صاحب
کچھ بات کرو مرنے کو ہم جاتے ہیں صاحب

اب پھر کے نہیں آنے کے ہوتی ہے جدائی
حسرت ہے کہ آواز بھی تم نے نہ سنائی
تقدیر نے آئینے میں صورت تو دکھائی
پھر شان نہ اس مصحفِ رُخ کی نظر آئی
لب بند ہی رکھے دُرِ گفتار نہ کھولا
اِن نرگسی آنکھوں کو پھر اک بار نہ کھولا

کچھ بات کرو ہم سے کہ فرصت ہے بہت کم
راحت سے خوشی سے جو گذر جائے کوئی دم
اک آن میں صحبت یہ کہاں اور کہاں ہم
ہو جائے گا شادی کا مکاں خانۂ ماتم
زندانِ مصیبت تمہیں رونے کو ملے گا
اور گوشۂ تربت ہمیں سونے کو ملے گا

تلواروں سے واں جسم مرا ہوئے گا صد چاک
لوٹیں گے عدو آن کے یاں بیاہ کی پوشاک
بھر جائے گی اس مانگ میں صندل کے عوض خاک
کنگنا نہ کھلے گا کہ رسن باندھیں گے سفاک
خنجر مری گردن سے کوئی دم کو ملے گا
رنڈ سالہ نہ تم کو نہ کفن ہم کو ملے گا

ہم چھوڑ کے تنہا نہ تمہیں گھر سے نکلتے
سائے کی طرح پاس سے اک آن نہ ہٹتے
اس گل سے کفِ پا سے سدا آنکھوں کو ملتے
کیا کیجیے ہیں تیر چچا جان پہ چلتے
سو بار ہوں صدقے تو نہ حق اُن کے ادا ہوں
مظلوم کا پھر کون ہے گر ہم نہ فدا ہوں

انصاف کرو تم کہ عجب سخت گھڑی ہے
عمو تو اکیلے ہیں ادھر فوج کھڑی ہے
دنیا میں کسی پر بھی مصیبت یہ پڑی ہے
دل پاس تمہارے ہے ادھر جان لڑی ہے
کیا جانیے کیا وقت اجل آئے گی مشکل
رخصت ہمیں اب دوگی تو حل ہوئے گی مشکل

اک جانِ ستم کش پہ عجب رنج و تعب ہے
سنتا ہوں کہ عباسؑ کو رخصت کی طلب ہے
یاں پاس محبت ہے تو واں جائے ادب ہے
فرقت بھی قیامت ہے نہ جانا بھی غضب ہے
ہوں کس سے جدا کس پہ تصدق کروں سر کو
الفت تو ادھر کھینچے ہے اور موت ادھر کو

چلاتی ہے زہراؑ مرے گل پیرہن آؤ
سہرا مجھے دکھلانے کو ابن حسنؑ آؤ
بابا کی صدا ہے کہ مرے صف شکن آؤ
اس بیاہ کے خلعت کو بنا کر کفن آؤ
بجھتا ہے چراغ آج محمدؐ کی لحد کا
اے لال یہی وقت ہے عمو کی مدد کا

جس وقت سُنی درد کی تقریر یہ ساری
تا دیر تو بولی نہ دلہن شرم کی ماری
دولھا نے رکھا پاؤں پہ جب سر کئی باری
آہستہ کہا آہ یہ تقدیر ہماری
سمجھی ہیں یہ بس مجھ کو نہ سمجھائیے صاحب
کیا زور مرا خیر چلے جائیے صاحب

ہے آپ کو منظور مرا رانڈ بنانا
راس آیا نہ صاحب کو مجھے بیاہ کے لانا
آنا مرا اور آپ کا سر دینے کو جانا
روکوں تو کہو گے مرے کہنے کو نہ مانا
اتنا تو کہے جاؤ کہ کب ہوگی ملاقات
دولھا نے کہا حشر میں اب ہوگی ملاقات

گھبرا کے کہا میں تمہیں واں پاؤں گی کیونکر
وہ بولے کہ آنا طرفِ چشمۂ کوثر
ہوگا وہیں پیاسا شہِ مظلوم کا لشکر
زہراؑ بھی وہیں ہونگی وہیں ہونگے پیمبرؐ
صف ہوگی فرشتوں کی درِ باغِ ارم تک
حوریں تمہیں پہنچائیں گی فردوسِ بریں تک

فرما کے یہ مسند سے جو اٹھا وہ خوش اقبال
چلّائی کہ مرنے کو چلا ہائے مرا لال
پردیس میں چھوڑے چلے جاتے ہیں دلہن کو
واں پُرسے کو زینبؑ کے جو تھے جمع حرم سب
گھبرا کو رنڈاپے سے بچا بیجیو یا ربّ!
بیٹی کے لئے غم سے موئی جاتی تھی بانوؑ
سب خیمۂ قاسمؑ میں جو آئے بدلِ زار
رخصت ہوا مادر سے یہ کہہ کر دلِ افگار
جو بات مناسب ہو وہ سمجھائیو ان کو
ڈیوڑھی پہ یہ تقریر کھڑے سنتے تھے سرور
قاسمؑ سے کبھی لو ہم کو چھڑاتا ہے مقدر
اب صبر ہو کیوں کر دلِ مضطر سے ہمارے
بس اتنے میں قدموں پہ گرا آن کے نوشاہ
لپٹا کے گلے سے اُسے شبیرؑ نے کی آہ
پر خیر چچا بے کس و مجبور ہے بیٹا!
میں دیکھتا تھا تم کو جو یاد آتے تھے بھائی
ماتم بھی دکھایا ہمیں شادی بھی دکھائی
کیا جانتے تھے ہاتھ سے یوں کھوئیں گے تم کو
مرنے چلے جب شان سے چلنے کے دن آئے
مرجھائے جو سبزے کو نکلنے کے دن آئے
افسوس مزا عالمِ فانی کا نہ دیکھا
صدقے ہو چچا پاس تو آؤ مرے پیارے
وہ پاؤں پہ حضرت کے جھکا سر کو گرا رے
دے صبر الٰہی کہ قرار آئے جگر کو

بولی نہ دلہن کچھ یہ ہوا اُن کا عجب حال
فریاد ہے مجھ رانڈ کی کھیتی ہوئی پامال
اے بیبیو! روکو کوئی فرزندِ حسنؑ کو
غل پڑ گیا اور قیامت یہ ہوئی اب
بیٹھا نہ گیا اُٹھ کے لگی پیٹنے زینبؑ
بچے کو لئے گود میں تھراتی تھی بانوؑ
دولھا نظر آیا اُنھیں باندھے ہوئے ہتھیار
اس وقت رہیں آپ ذرا ان سے خبردار
لاش آئے جو میری تو نہ دکھلائیو ان کو
عباسؑ سے فرمایا کہ اے جانِ برادر!
رانڈ اب ہوئی اک رات کی بیاہی مری دختر
بھائی کی بھی اولاد چلی گھر سے ہمارے
کی عرض کہ مرنے کی رضا دیجئے للّٰہ
فرمایا کہ رخصت ہے بڑا صدمۂ جانکاہ
جاؤ یہی اللہ کو منظور ہے بیٹا!
گویا کہ ہوئی آج برادر سے جدائی
تم مرنے چلے اور نہ ہماری اجل آئی
تم ہم کو نہ روؤ گے ہمیں روئیں گے تم کو
سائے میں پلے دھوپ میں چلنے کے دن آئے
رُت پھر گئی جب پھولنے پھلنے کے دن آئے
کچھ تم نے ثمر باغِ جوانی کا نہ دیکھا
بے تاب ہے دل گرد پھروں گا میں تمہارے
لپٹا کے گلے سے شہِ والا یہ پکارے
اُمّت پہ فدا کرتا ہوں بھائی کے پسر کو

بیٹی کے رنڈاپے کا بھی کچھ مجھ کو نہیں غم
ہے لطف ترا زخم جگر کا مرے مرہم
ہر چند کہ ہدیہ ہے یہ کیا اور میں کیا کہوں
یہ کہہ کے کیا چاک بھتیجے کا گریباں
ماں ڈیوڑھی سے چلّائی کہ اللہ نگہباں
مقتل میں جو ضیغم کی طرح نعرہ زن آئے

دی رن کی رضا شاہ نے جب ابنِ حسنؑ کو
شیرانہ چلا تیغ بکف خیمے سے رن کو
نورِ حسنی چہرۂ زیبا سے عیاں ہے
شمع حرمِ لم یزلی تھا قدِ بالا
شانے پہ کماں بر میں زرہ ہاتھ میں بھالا
نقشہ کسی انسان کو اگر دے تو حق ایسا

تھا صولت شوکت سے لعینوں کا جگر آب
چہرے کی لطافت پہ تصدق گلِ شاداب
حق نے رُخِ روشن کو عجب نور دیا تھا
حیران تھا لشکر یہ ملک ہے کہ بشر ہے
یہ ابرووں کی بیت ہے یا حسن کا گھر ہے
یاں دیدۂ آہو بھی نگاہوں سے گرے ہیں

بولا کوئی بیدرد کہ لڑکا ہے یہ جانباز
تیور ہیں مگر شیر کی چتون کا ہے انداز
آتی ہے مہک بیاہ کے پھولوں کی بدن سے
گذری جو شبِ عقد تو قسمت نے رُلایا
قسمت نے اسے مسندِ شادی سے اُٹھایا
دیکھا ہے دلہن کو جو محبت کی نظر سے

مطلع ثانی

خوشنود اگر تو ہے تو شادی ہے یہ ماتم
مقبول مری نذر ہو اے خالقِ عالم
سو بار جیوں مر کے تو سو بار فدا ہوں
فرمایا کفن ہے یہی پوشاک مری جاں
کس شان سے گھوڑے پہ چڑھے قاسمِ ذیشاں
تھا شور کہ بھائی کی مدد کو حسنؑ آئے

کیا عید ہوئی مرنے کی اِس غنچہ دہن کو
اعدا نے کہا دیکھ کے اس رشکِ چمن کو
ہم شوکت و شانِ اسد اللہ یہ جواں ہے
پایا یہ کہاں ماہِ دو ہفتہ نے اُجالا
اک حُسن کی تصویر تھا وہ گیسوؤں والا
عالم کے مرقعے میں نہیں اِک ورق ایسا

لڑنا تو کجا آنکھ ملانے کی نہ تھی تاب
غیرت سے اُڑا جاتا تھا رنگِ رخِ مہتاب
خورشید نے بھی شرم سے منھ پھیر لیا تھا
گیسو ہے کہ ہالہ ہے جبیں ہے کہ قمر ہے
پلکیں ہیں کہ ہر پنجۂ شہبازِ نظر ہے
آنکھیں ہیں کہ دو شیر نیستاں میں کھڑے ہیں

نکلا ہے نہ سبزانہ مسیں ہیں ابھی آغاز
برگشتہ ہے اِس سے فلکِ تفرقہ پرداز
کس وقت میں دولہا کو چھڑاتا ہے دلہن سے
جاگے تھے خوشی میں مگر آرام نہ پایا
مرنے کو سوار اور بنے کو نہ بن آیا
اب دیکھتے ہیں خیمے کو حسرت کی نظر سے

حسن حسنؑ و شانِ حسینیؑ ہے نمودار
کیا بیاہ کے جوڑے پہ بھلے لگتے ہیں ہتھیار
ہے دستِ حنائی میں عجب شان سے تلوار
کرتی ہے زرہ خوبیٔ اندام کو اظہار
باندھا ہے کمر بندِ شہِ عقدہ کشا کا
عمامہ ہے سر پر حسنؑ سبز قبا کا

فانوس میں ہی شمع کہ ہے رختِ بدن میں
رخساروں پہ گیسو ہیں کہ ہے چاند گہن میں
ہر شخص کی آنکھوں کو چکا چوند ہے رن میں
سہرے میں یہ چہرہ ہے کہ سورج ہے کرن میں
تڑپے گا وہ تربت میں جگر بند ہے جس کا
کیا گزرے گی اس ماں پہ یہ فرزند ہے جس کا

رخسارہ روشن ہیں کہ وہ آئینۂ نور
ٹھہرے نہ کبھی جن کی صفا پہ نظرِ حور
بینی کی ضیا پائے کہاں شمع سرِ طور
گر لب کو کہیں لعل تو یہ عقل سے ہے دور
وہ سنگ ہے پھر سنگ میں گویائی کہاں ہے
گویائی بھی یک سو یہ مسیحائی کہاں ہے

غنچوں نے کہاں پائے لب ایسے دہن ایسا
باتوں میں مزا قند کا شیریں سخن ایسا
ہے عکس سے ملبوس گلابی بدن ایسا
گل تھا کہیں دیکھا نہیں گل پیرہن ایسا
اندازِ سراپا سے عجب لطف ملا ہے
جنت کا چمن سامنے آنکھوں کے کھلا ہے

یوسفؑ نے یہ ترکیبِ صورت نہیں پائی
یہ بو یہ صباحت یہ ملاحت نہیں پائی
ہے سرو بھی خوش قد پہ یہ قامت نہیں پائی
گل نے یہ لطافت یہ نزاکت نہیں پائی
گلدستۂ عالم ہے کہ مجموعہ ہے تن کا
دولہا کا پسینہ ہے کہ ہے عطر دلہن کا

آنکھیں وہ غزالانِ ختن جن پہ تصدق
رخسار وہ نازک کہ چمن جن پہ تصدق
لب ایسے کہ سو لعلِ یمن جن پہ تصدق
دانت ایسے کہ دُر ہائے عدن جن پہ تصدق
دانتوں سے لڑائے کوئی موتی کی لڑی کو
ہو جائیں گے یاقوت کے رنگ کوئی گھڑی کو

دیکھیں تو صفائی کو ذرا صاحبِ انصاف
یہ شمع تجلی ہے کہ ہے گردنِ شفاف
شانوں کی ہی شوکت سے عیاں شانِ حسنؑ صاف
ہاتھوں کے یدُ اللہ سے پوچھے کوئی اوصاف
پنجے کے لئے ہیں نہ کلائی کے لئے ہیں
یہ انگلیاں سب عقدہ کشائی کے لئے ہیں

ہر چند کہ ملبوس میں مستور ہے سینہ
روشن صفتِ روشنیٔ طور ہے سینہ
ظاہر ہے کہ اک آئینۂ نور ہے سینہ
اللہ کے اسرار سے معمور ہے سینہ
نے بدر میں یہ نور نہ یہ مہر میں ضو ہے
تکمہ تو ستارا ہے گریباں مہِ نو ہے

باریک ہے کیا ذہن میں وصف کمر آئے
سو رنگ سے باندھیں اسے جو شے نظر آئے
یہ فکر رسا جائے کہاں اور کدھر آئے
ممکن ہی نہیں یہ کہ عدم کی خبر آئے
واں پیکِ خرد حکمِ رسائی نہیں دیتا
یاں تارِ نظر ہے کہ دکھائی نہیں دیتا

ثابت قدمی میں کوئی اس کا نہیں ہمسر
ٹل جائے زمیں پر یہ نہیں ہٹنے کا صفدر
ہے اس کے لئے کاہ سے کم کوہ کا لشکر
جانباز ہے سخت جگرِ حیدرِ صفدر
زوران کا کسی جنگ میں گھٹتے نہیں دیکھا
پیچھے کبھی اس قوم کو ہٹتے نہیں دیکھا

اتنے میں رجز پڑھنے لگے قاسمؑ نوشاہ
آگاہ ہو آگاہ ہو آگاہ ہو آگاہ
دادا ہے ہمارا اسد اللہ۔ ید اللہ
عمو ہیں حسینؑ ابن علیؑ سیدِ ذی جاہ
ہیں لختِ دل فاطمہؑ کا لختِ جگر ہوں
پانی میں جسے زہر دیا اس کا پسر ہوں

دادی شرفِ آسیہؑ و مریمؑ و سارہؑ
خود نور سے اپنے جسے خالق نے سنوارا
میں ہوں فلکِ صبر و شرافت کا ستارا
روشن ہے نسب صورتِ خورشید ہمارا
حیدرؑ سے جدا ہیں نہ پیمبرؐ سے جدا ہیں
قرآن سے ثابت ہے کہ ہم نورِ خدا ہیں

سب جانتے ہیں پنج تن پاک کا رتبا
آدم سے کیا پہلے خدا نے ہمیں پیدا
کی شیرِ خدا نے مدد حضرتِ موسیٰؑ
تھا طور پہ بھی نورِ محمدؐ ہی کا جلوا
داخل۔ سخن اپنا یہ تعلّی میں نہیں ہے
روشن ہے کہ تکرار تجلّی میں نہیں ہے

عالم میں بزرگ اپنے نمودار رہے ہیں
اسلام کی رونق کے طلبگار رہے ہیں
ہر جنگ میں سر دینے کو تیار رہے ہیں
مشکل میں رسولوں کے مددگار رہے ہیں
کام آتے ہیں ہر دکھ میں یہ ہے کام ہمارا
آفت سے چھٹا جس نے لیا نام ہمارا

ہم صاحبِ شمشیر ہیں ہم شیر جری ہیں
ہم بندۂ مقبول ہیں عصیاں سے بری ہیں
دنیا سے کوئی دم میں عدم کو سفری ہیں
کیا سمجھیں وہ جو مستِ مے بے خبری ہیں
دیوے گا خدا داد جو بیداد کروگے
بھولے ہوا بھی تو پہ بہت یاد کروگے

جان و دلِ زہراؑ کے عبث درپئے جاں ہو
کس سمت کو بہکے ہوئے پھرتے ہو کہاں ہو
افسوس کہ جو مصحفِ ناطق کی زباں ہو
سب پانی پئیں اور وہی تشنہ دہاں ہو
ہیں سیکڑوں تیغیں علم اک جان کی خاطر
دنیا میں یہی ہوتی ہے مہمان کی خاطر؟

سید نے جو کی ہو کوئی تقصیر تو کہہ دو
چھینی ہو کسی شخص کی جاگیر تو کہہ دو
تم لوگوں نے کس روز نہیں جبر کیا ہے
حق چھین لیا بعدِ پیمبرؐ وہ نہ بولے
شمشیر سے زخمی ہوئے حیدرؑ وہ نہ بولے
دم دیتے تھے بھائی کو ولے دم نہیں مارا
آمادہ تھے مرجانے پہ سب ہمدم و یاور
تابوت پہ بابا کے لگے تیر جو ستر
کیا صبر ہے دو بھانجے بے جان پڑے ہیں
تم یہ نہ سمجھنا کہ وہ ہیں جنگ سے عاری
ہے غیظ ہمارا غضبِ ایزدِ باری
جن روزوں میں دادا سے مرے جنگ چھڑی تھی
وہ طاہر و اطہر ہوا گر معرکہ آرا
آگاہ ہو کس طرح کہو عمرو کو مارا
اللہ گر اک دم کو وہ صمصام علم ہو
سردارِ اُمم محرمِ اسرارِ محمدؐ
دلدار و دل آرام مددگار محمدؐ
سرور کہو اسلام کا اس مالکِ کل کو
کس کا اسداللہ سا ہو والدِ مرحوم
صدر و سر ارحم دل و سرورِ ہموم
معصوم کا دلدار ہو سالارِ اُمم ہو
اس طرح کا والا ہمم اس طرح کا سردار
وہ مصدرِ الہام احد محرمِ اسرار
حاصل اگر اک مردِ دل آگاہ کو مارا

لہ یہ چار دن بند غیر منقوط طرفین

جوڑا ہو کماں میں جو کوئی تیر تو کہہ دو
امت پہ کبھی کھینچی ہو شمشیر تو کہہ دو
اس صابر و شاکر نے صدا صبر کیا ہے
پہلو پہ گرا فاطمہؑ کے در وہ نہ بولے
ٹکڑے ہوا سم سے دلِ شبرؑ وہ نہ بولے
جب تیر جنازے پہ چلے دم نہیں مارا
فرمایا کہ امت سے لڑائی نہیں بہتر
لے جاکے انہیں دفن کیا اُن کے برابر
اُس دن کی طرح آج بھی خاموش کھڑے ہیں
باعث ہے فقط یہ" ہے امت اُنہیں پیاری
جبریل سے رکتی نہیں تلوار ہماری
دہشت سے نبی جان کی جانوں پہ بنی تھی
معلوم ہو حملہ اسداللہ کا سارا
صمصام کا اک وار ہوا کس کو گوارا
ہر روح کو اُس دم ہوسِ ملکِ عدم ہو
مہر و اسداللہ کا دلدارِ محمدؐ
ممدوحِ ملک مالکِ سرکار محمدؐ
آرام دو اِک دم دل سردارِ رسل کو
حلّالِ ہمم، مالکِ کل، طاہر و معصوم
آسودہ ہو ہر سالک و گمراہ و محروم
اولاد کا اُس عالم و عادل کو اَلم ہو
اس طرح کا عالم کا مُمد اور مددگار
وہ اصلِ اصولِ کرم داورِ دادار
مارا اگر اس کو اسداللہ کو مارا

قبضے پہ اگر ابنِ علی ہاتھ دھرے گا
دیکھیں گے کہ سینے کو سپر کون کرے گا
اک دم میں یہ میدانِ ستم خوں سے بھرے گا
جو تیغ سے بچ جائیگا دہشت سے مریگا
لشکر کو الٹ دیں گے انہیں غیظ جب آیا
تیغِ اسداللہ کھنچی اور غضب آیا

ان کا تو ہے کیا ذکر اگر حکم وغا دیں
واللہ غلام ان کے ابھی تم کو بھگا دیں
ضربِ اسداللہ کا انداز دکھا دیں
سو سو کے سر اک دم میں تنوں پر سے اڑا دیں
اِک ان میں سے میں آیا ہوں جرأت مری دیکھو
سِن دیکھو مرا اور شجاعت مری دیکھو

کیا دیر ہے منہ پر مری شمشیر کے آؤ
دیکھوں تو بھلا کچھ ہنرِ جنگ دکھاؤ
بولا پسرِ سعد سواروں سے کہ جاؤ
ہاں قاسمؑ نوشاہ کا سر کاٹ کے لاؤ
داماد کا دو داغ امامؑ مدنی کو
ٹھنڈا کرو تیغوں سے چراغِ حسنی کو

باتوں پہ نہ جاؤ سخن ان کے اثر دار
پیچھے نہ ہٹے پاؤں دمِ جنگ خبردار
پھل پائیں گے اس سرو کے کاٹے سے تبردار
سر لائے گا جو اس کا کروں گا اُسے سردار
نیزوں سے جو بچ جائے تو شمشیر سے مارو
شمشیر نہ کھائے تو اسے تیر سے مارو

دریا کی طرح فوج کو جنبش ہوئی اک بار
تیغوں کی اُٹھی موج میانِ صفِ کفار
ڈھالوں کا ہوا ابرِ سیہ رن میں نمودار
بدلی جو ہوا پڑنے لگی تیروں کی بوچھار
بیٹھا وہ جری تیغ بکف اہلِ جفا میں
بجلی سی لگی کوندنے ڈھالوں کی گھٹا میں

اب برقِ اجل فوجِ ستم گار پہ آئی
تیغ آئی کہ آفت سرِ کفار پہ آئی
آری کیا اس کو بھی جو تلوار پہ آئی
دو ہو گیا اسوار تو رہوار پہ آئی
راکب نہ گرا تھا ابھی شبرنگ کے نیچے
یہ زین کے اوپر سے گئی تنگ کے نیچے

جو جنگ کے قابل تھے ہوئے وہ نہ مقابل
تھرّاتے تھے سینوں میں جگر کانپتے تھے دل
تلوار کا پانی تھا کہ تھا زہرِ ہلاہل
کیا لڑتے کہ خود قتل ہوئے جاتے تھے قاتل
مہلت نہ ٹھہرنے کی نہ دم لینے کی مہلت
ٹل جاتی تھی ہاں راہِ عدم لینے کی مہلت

نوشاہ نے پائی تھی عجب ہمت عالی
حملہ کیا جس صف پہ وہ صف ہو گئی خالی
تلوار نے آفت سرِ کفار پہ ڈالی
لڑنے کے لئے تیغ و سپر جس نے سنبھالی
تلوار کا آنا ہوا ثابت نہ لعیں پر
دو ٹکڑے نظر آئے برابر سرِ زیں پر

اک حملے میں آخر ہوئی پہلی صفِ اول
اعدا کا گھٹا زور چھٹا ڈھالوں کا بادل
بھالے سے جو بن مارے نہ دشمن کو پھرے تھے
سہمے یہ کماں دار کہ رخ جنگ سے پھیرا
تھا غیظ سے نوشاہ کے آنکھوں میں اندھیرا
میں دست بہ قبضہ ہوں وہ جانباز کہاں ہیں
تھا مضطر و حیران پسر سعدِ ستم گر
سرداروں کے سر کٹ گئے پسپا ہوا لشکر
اس شیرِ غضبناک کو ٹوکا نہیں جاتا
کس طرح سے اس صاعقہ کردار کو روکیں
سو بجلیاں گرتی ہیں گر اک وار کو روکیں
دونوں کا بدن آب اور آتش سے بنا ہے
گھبرا کے کہا اس نے کہ ازرق کو بلا لا
بولا یہ عمر ہو گیا لشکر تہ و بالا
جا کر کوئی اس صفدر و جرار کو مارے
ہر سال تجھے ملتا ہے اسپ و زر و انعام
شہرہ تری شمشیر کا ہے روم سے تا شام
شور آبِ دمِ تیغ کا اس کے لب جو ہے
سالاریِ لشکر ہے ترے نام پہ مرقوم
رستم سے سوا جنگ کے فن ہیں تجھے معلوم
داماد کا غم دے شہِ آوارہ وطن کو
یوں کہنے لگا چیں بجبیں ہو کے وہ مغرور
اس فوج پہ تو گو کہ حکومت پہ ہے معمور
مارا ہے ہزاروں کو مری دھاک ہے سب میں

وہ ہاتھ چلے تھے کہ ادھر پڑ گئی ہل چل
سر کٹ گئے یہ برچھیوں بھالوں کو ملا پھل
اک نیزہ سران لوگوں کے کٹ کٹ کے گرے تھے
چلائے کہ حلقے میں ہمیں موت نے گھیرا
نعرہ تھا کہ ہاں وار کوئی روکے تو میرا
گوشوں سے تو نکلیں قدر انداز کہاں ہیں
پیہم یہ خبردار خبر دیتے تھے آکر
دریا تلک آپہونچا ہے لختِ دلِ شبّر
سب کہتے ہیں بجلی کو تو روکا نہیں جاتا
کس ڈھال پہ شمشیرِ شرربار کو روکیں
تلوار کو روکیں کہ وہ رہوار کو روکیں
اک برق جہندہ ہے تو اک سیلِ فنا ہے
آیا وہ جفا کار سنبھالے ہوئے بھالا
گھوڑے کو مگر تو نے پرے سے نہ نکالا
نزدیک ہے آکر کسی سردار کو مارے
سردار کے کام آ کہ شجاعوں کا یہ ہے کام
دولھا کو مٹا دے تو بڑا ہوگا ترا نام
گر یاں تلک آیا تو نہ پھر میں ہوں نہ تو ہے
ہے چار طرف آج شجاعت کی تری دھوم
تو جا تو ہو بے سر پسرِ سیّدِ مسموم
دیکھا نہیں سر پیٹتے اک شب کی دلہن کو
لڑکے سے لڑوں میں یہ تری عقل سے ہے دور
یہ ننگ کسی طرح نہ ہوگا مجھے منظور
ہو جاؤں گا بدنام شجاعانِ عرب میں

مجھ سا کوئی عالم میں نہیں اور جوانمرد
ہوں رستم و سہراب و نریماں کا ہم آورد
جلادِ فلک کا ہے مرے خوف سے منھ زرد
ٹھکوں جسے میداں میں زمیں سے نہ اٹھے گرد
پھٹ جائے کلیجہ جو سناں گیو کو ماروں
سرمہ ہو گر اک گرزِ گراں دیو کو ماروں

تابندہ ہو رستم مرے آگے یہ نہیں تاب
پنجے میں جو پکڑوں نہ چھٹے گردنِ سہراب
چھیدوں دلِ ارجن جو کروں تیر کو پرتاب
تلوار کو کھینچوں تو جگر شیر کا ہو آب
اس طفل سے کیا جنگ کا آہنگ کروں میں
میداں میں حسینؑ آئیں تو ہاں جنگ کروں میں

بولا پسرِ سعد کہ اس طفل کو پہچان
یہ شبیر کا فرزند ہے لڑکا نہ اسے جان
رہتا ہے لڑکپن سے انہیں جنگ کا ارمان
جانباز ہیں مرکر بھی نہیں چھوڑتے میدان
جب تیغ کھنچے ان کی تو سر تن سے جدا ہیں
یہ ہاشمی و مطلبی قہرِ خدا ہیں

آنکھ ان کی جھپکتی نہیں لاکھوں سے دمِ حرب
خوفِ بلا ان کو نہ رنج و الم و کرب
اوروں کے نہ سو وار نہ ان لوگوں کی اک ضرب
ایسا کوئی جرار نہیں شرق سے تا غرب
سر لاکھوں اتر جاتے ہیں چڑھتے ہیں جو رن پر
تلواریں بھی کھاتے ہیں تو ہنس ہنس کے بدن پر

اس شیر کے فرزند کے فرزند ہیں یہ شیر
اللہ نے بھیجی ہے جسے عرش سے شمشیر
تلوار کھنچی ان کی تو لاشوں کے ہوئے ڈھیر
یہ سب سے زبردست ہیں اور ان سے ہیں سب زیر
ہم لوگوں کی ہے موت جو زندہ ہیں یہ غازی
گر تیغ نہ ہو شیر درندہ ہیں یہ غازی

آنکھ ان سے دمِ جنگ ملائی نہیں جاتی
بگڑیں تو کوئی بات بنائی نہیں جاتی
فاقوں میں بھی ہاتھوں کی صفائی نہیں جاتی
رستم سے بھی ضرب ان کی اٹھائی نہیں جاتی
بعضے جو حسینیؑ ہیں تو بعضے حسنیؑ ہیں
تلوار کے مالک ہیں شجاعت کے دھنی ہیں

سرکش کو قدم آگے بڑھانے نہیں دیتے
سوفار کو چلے سے ملانے نہیں دیتے
لڑنے میں سپر چہرے پہ لانے نہیں دیتے
بھاگیں تو نہیں بھاگ کے جانے نہیں دیتے
یوں آتے ہیں دشمن پہ یہ گھوڑے کو ڈپٹ کر
شیر آتا ہے جس طرح سے آہو پہ جھپٹ کر

گو طفل ہیں پر تیغ زنی ارث ہے ان کا
یہ بطن سے مادر کے جری ہوتے ہیں پیدا
جانباز ہیں ایسے کہ نہیں جان کی پروا
بڑھ بڑھ کے ہزاروں سے وغا کرتے ہیں تنہا
طفلی میں جوانوں کے کیے کام علیؑ نے
گہوارے میں اژدر کو بھی چیرا ہے کسی نے

ارزق نے کہا گرچہ تری راست ہے گفتار
قتل اس کا ہے منظور تو ہیں میرے پسر چار
ماہر ہے ہر اک میری طرح جنگ کے فن کا
یہ کہہ کے بڑے بیٹے سے ظالم نے کہا جا
تو زور میں بے مثل شجاعت میں ہے یکتا
جولاں کیا گھوڑے کو پرے سے جو نکل کے
بجنے لگے طبل و دف و نقارہ و قرنا
دیتا ہے شجاعوں کو مزا خون میں بھرنا
غیرت کی ہے جا نام بزرگوں کے بڑے ہیں
نیزے کا ستم گار نے آتے ہی کیا وار
پھر گھوڑے کو چمکا کے جو آیا وہ جفا کار
روکے کسے ظالم کبھی یاں تھی کبھی واں تھی
تلوار کا ظالم نے کیا وار جھپٹ کر
دولھا نے جو حربہ کیا گھوڑے کو ڈپٹ کر
نے تیغ نے پنجہ نہ کلائی نظر آئی
سر پر سے گرا خود ہٹا وہ جو جھجک کر
قاسمؑ نے لپیٹا اسے پنجے میں لپک کر
سمجھا تھا وہ کچھ چرخ نے کچھ اور دکھایا
ارزق کو زمانہ تہ و بالا نظر آیا
سب کو رخِ قاسم کا اجالا نظر آیا
حیران تھے قوت پہ ملک ابن حسنؑ کی
اک بھائی کے مرتے ہی بڑھا دوسرا بھائی
مہلت نہ مگر ہاتھ سے نوشاہ کے پائی
ڈھونڈھا کئے قاسم بھی کہ کیا ہو گیا دشمن

پر میں تو نہ لڑکے پہ کبھی کھینچوں گا تلوار
رو تین تن و زور آور و نام آور و جرار
سر کاٹ کے لے آئیں گے فرزندِ حسنؑ کا
ہاں تیغ سے اس طفل کا سر کاٹ کے لے آ
یہ سن کے جفا جو نے لیا ہاتھ میں نیزا
بھاگے ہوئے بولے کہ چلا منہ میں اجل کے
کٹر کا ہوا نکلے وہ جواں ہو جسے مرنا
ہاں تا بہ ابد نام رہے آج وہ کرنا
یاں شمر و عمر واں شہِ مظلوم کھڑے ہیں
قاسم اسے رد کر کے پکارے کہ خبردار
بجلی سی ادھر سے بھی چلی تیغ شرربار
نیزے کو جو دیکھا تو نہ بوری نہ سناں بھی
خالی دیا اس وار کو نوشاہ نے ہٹ کر
دستانے بھی ساعد بھی گرے تیغ سے کٹ کر
اک ہاتھ میں ہاتھوں کی صفائی نظر آئی
تھے بال بڑے کھل گئے چہرے پہ لٹک کر
سر سے ہوا اونچا تو دیا گھوڑے پہ چکر
گردش نے زمانے کی نیا دور دکھایا
دن چشم ستم گار میں کالا نظر آیا
یہ چاند نظر آئے وہ ہالا نظر آیا
اس زور سے پٹکا کہ زمیں ہل گئی رن کی
اس نے بھی لڑائی میں بہت جان لڑائی
آیا وہ ادھر سے کہ ادھر سے اجل آئی
اک برق سی چمکی کہ فنا ہو گیا دشمن

فرزندِ سوم فوج سے نکلا صفتِ شیر
دولھا سے ہی ردّ و بدل تیروں کی تا دیر
وار اپنا یہ کرتے تھے جو وار اس کا بچا کر
لب پر جو ادھر بے ادبانہ سخن آیا
اس وقت کوئی توڑ نہ ظالم کو بن آیا
جاں بہرِ سفر تن کی سرا سے نکل آئی
نیزے کو دبایا تو فرس سے اُبھر آیا
مچھلی سا پھریرے میں تڑپتا نظر آیا
تلوار کو امت کے جو سردار پر کھینچا
چوتھے کی طرف دیکھ کے قاسم یہ پکارے
تلوار علم کرکے چلا طیش کے مارے
فرصت بھی نہ لے کی ملی دشمنِ دیں کو
چاروں پسر ازرق کو نظر آئے جو بیدم
طاری ہوا غصہ نہ ملی فرصتِ ماتم
بیٹے ہوئے سر بر جو نہ قتالِ عرب سے
آیا وہ ستم گار سجے اسلحہ تن پر
ترکش بھی دہن کھولے ہوئے صورتِ اژدر
کف غیظ سے منھ میں سخن سخت زباں پر
نیزہ صفتِ مارِ زباں منھ سے نکالے
تلوار کا منھ ایسا کہ فولاد کو کھالے
گرز ایسا فلک خاک کا پیوند ہو جس سے
اور زیرِ زرہ پہنے تھا اس طرح کا بکتر
زنجیر سے باندھے تھا کمر یوں وہ ستم گر
وہ رشکِ تہمتن تو فرس پیل دماں تھا

تھا بھائیوں کے غم سے جہاں آنکھوں میں اندھیر
تھا گرچہ زبردست پہ قاسمؑ نے کیا زیر
رہ جاتا تھا غصّہ سے وہ ہونٹوں کو چبا کر
سنتے ہی ادھر غیظ میں ابنِ حسنؑ آیا
بالائے دہاں نیزۂ دنداں شکن آیا
نیزے میں زباں چھد کے قفا سے نکل آئی
سیدھا جو کیا ہاتھ تو بالائے سر آیا
قاسم نے کہا نخلِ وغا میں ثمر آیا
خلاقِ دو عالم نے اُسے وار پہ کھینچا
توکہ وہ تینوں تو جہنم کو سدھارے
تھے ڈھنگ ادھر جنگِ یداللہ کے سارے
اک ضرب میں دو کرکے کیا چار لعیں کو
اک آگ عناصر میں بھڑکنے لگی اس دم
باندھا کمرِ نحس کو زنجیر سے محکم
آنکھیں ہوئیں دو کاسۂ خوں جوشِ غضب سے
شانے پہ کماں رُخ پہ چھلم فرق پہ مغفر
بر میں تو زرہ اور کمرِ نحس میں خنجر
اک ہاتھ تو شمشیر پہ اور ایک عناں پر
ترکش تھا کہ بانبی میں نظر آتے تھے کالے
ڈھال ایسی کہ جو کوہ کے دامن کو چھپالے
چار آئینہ وہ تیغ کا دم بند ہو جس سے
خنجر نہ اثر جس پہ کرے اور نہ جمدھر
حلقے ہیں ہو جس طرح لیے کوہ کو اژدر
اسوار نہ تھا کوہ پہ اک کوہ رواں تھا

چنگھاڑ کے رن میں صفتِ دیو پکارا
کس شخص نے بیٹوں کو مرے جان سے مارا
قاسمؑ نے صدا دی کہ یہ ہے کام ہمارا
الفت ہے جو بیٹوں کی تو ہو معرکہ آرا
اِن بازوؤں میں زور ہے خالق کے وَلی کا
تو ارزقِ شامی ہے میں پوتا ہوں علیؑ کا

شبیرؑ نے ارزق کو جو آتے ہوئے دیکھا
بس بیٹھ گئے تھام کے ہاتھوں سے کلیجا
فرمایا بڑا قہر ہوا آہ کروں کیا
وہ دیو یہ کمزور وہ سیراب یہ پیاسا
گرتا ہے فلک گودی کے پالے پہ ہمارے
اب پیچ پڑا گیسوؤں والے پہ ہمارے

یارب مرے قاسمؑ کو اس آفت سے بچالے
بیکس کو ستم گار کی ضربت سے بچالے
کبریٰ کو رنڈاپے کی مصیبت سے بچالے
بچ جائے تو اپنی عنایت سے بچالے
امت پہ فدا کر چکا اولاد بہن کی
یہ لعل مرے پاس امانت ہے حسنؑ کی

یہ کہہ کے جو بے تاب ہوئے شاہ خوش اقبال
غل پڑ گیا لو باغِ حسنؑ ہوتا ہی پامال
زہراؑ کی بہو بیٹیوں نے کھول دیے بال
ماں خاک پہ یہ کہہ کے گری ہائے مری لال
پلٹی جو دلہن سر کو تو گھبرائی سکینہ
روتی ہوئی خیمے سے نکل آئی سکینہ

یاں ہونے لگی قاسم وارزق میں لڑائی
نیزوں کی چمک دیکھتی تھی ساری خدائی
ارزق کی تو کرتا تھا عمر مدح سرائی
اکبر کا یہ نعرہ تھا کہ ہاں اے مرے بھائی
اب گھوڑے کی ٹاپوں تلے پامال ہے ارزق
تم شیر کے فرزند ہو کیا مال ہے ارزق

ہر کار سے میدان میں پھرنے لگے مرکب
رد کر دیا نوشاہ نے وار اُس نے کیا جب
بندھتا تھا کوئی بند نہ بنتا تھا کوئی ڈھب
جرأت میں یداللہ یہ تھے اور وہ مرحب
اٹھتے تھے تو گرد کے میدانِ بلا میں
چنگاریاں اُڑتی تھیں سنانوں سے ہوا میں

نیزوں کی ہوئی ردّ و بدل ان میں برابر
تھک تھک گئے پسپا نہ ہوا وہ نہ یہ سر بر
گھوڑے بھی تگ و پو سے پسینے میں ہوئے تر
تھے غیظ میں نوشاہ تو غصے میں ستم گر
وہ گونجتا تھا شیر کے مانند اُدھر سے
یاں "یا اسد اللہ" کے نعرے تھے جگر سے

قاسمؑ پہ اٹھاتا تھا وہ جب نیزۂ خونخوار
گرتے تھے کلیجے کو پکڑ کر شہِ ابرارؑ
اُٹھتے تھے سنبھل کر تو چلاتے تھے ہربار
عمّو ترے قربان مری جان خبردار
طاقت تو نہ ہوگی تمہیں تشنہ دہنی سے
سینے کو بچائے رہو نیزے کی اَنی سے

نیزے تھے کہ دو مار نکالے تھے زبانیں
جن سے نہ بچیں رستم و سہراب کی جانیں
حملے تھے یہ شانوں سے نہ سرکیں تھیں زبانیں
لڑ لڑ کے گریں خاک پہ نیزوں کی سنانیں
تھی زو جو کڑی ٹوٹ گئیں ڈانڈیں بھی لڑکر
غصے سے مقابل ہوئے تیغوں کو پکڑ کر

قاسمؑ کی طرف بڑھ کے لگا کہنے وہ بے پیر
مشہور ہے دستِ ملک الموت یہ شمشیر
خالی گئے گو نیزہ و گرز و تبر و تیر
اے طفلِ حسنؑ اب نہ بچے گا کسی تدبیر
دو ٹکڑے کروں گا تجھے یکتائے جہاں ہوں
تو مور سے کمزور ہے میں پیل دماں ہوں

قاسم نے کہا تول کے شمشیر دو دستی
اک دم میں نہ یہ زور رہے گا نہ یہ مستی
پہنچائے گی دوزخ میں تجھے کفر پرستی
دیکھیں کسے ہو آج بلندی کسے پستی
حاکم جو اُدھر ہے تو ادھر شاہِ نجف ہے
شیطاں ترا حامی ہے خدا میری طرف ہے

بل کھا کے ستم گار نے غصے سے کہا ہاں
قاسم نے کہا آ یہی گو ہے یہی میدان
بولا یہ اٹھا تیغ کو وہ دشمنِ ایماں
لے وار مرا روک تو اے کودکِ ناداں
تھی پاس سپر پھر بھی اس وار کو روکا
نوشاہ نے تلوار سے تلوار کو روکا

چمکا کے وہی تیغ جو دشمن کو دکھائی
ہٹنے کی بھی مہلت نہ ستم گار نے پائی
اک برق سی آنکھوں میں چمکتی نظر آئی
ظالم نے سپر سر کے بچانے کو اٹھائی
احسنت کا غُل فوج کے انبوہ سے اُٹھا
معلوم ہوا ابرِ سیہ کوہ سے اُٹھا

عباس صدا دیتے تھے عمو ترے قربان
کس شان سے کرتے ہو وغا واہ مری جان
وہ دیو ہے ضربت کے بچانے کا رہے دھیان
ہر وقت کا موقع ہے بڑھے جاؤ نہ اس آن
زد پر دمِ شمشیر کے آنے دو لعیں کو
جاتا ہے کہاں مار لیا دشمنِ دیں کو

ہاں مغفرِ دشمن پہ گئی تیغ سپر سے
مغفر کو جو کاٹا تو بڑھی کاسۂ سر سے
بجلی سی چمک کر ادھر آئی جو اُدھر سے
گردن تھی جدا سینے سے اور سینہ کمر سے
کیا ہاتھ جفاکار کو نوشاہ نے مارا
تھا شور کہ مرحب کو یداللہ نے مارا

بجلی سی اُٹھی تنگ کے نیچے سے جو شمشیر
للکار کے قاسم نے کیا نعرۂ تکبیر
یاں خاک پہ سجدے کیلئے جھک گئے شبیر
شادی سے ہوا سرخ رُخِ اکبرِ دلگیر
دی بڑھ کے صدا فوج کو عباسِ علیؑ نے
کیوں کیا ہوا اس وار کو روکا نہ کسی نے

زہرا کی صدا آئی کہ دولہا ترے واری
ماں ڈیوڑھی سے بیٹے کے بلائیں یہ پکاری
میں کر چکی تھی سید ذی جاہ کے صدقے
زینبؑ کا جو تھا حال بہت غم سے پریشاں
بانو نے کہا جا کے بہن سے کہ مری جاں
زہراؑ کا ترے فرق پہ دامن رہے بیٹی
ماں خلق پہ آباد تجھے چھوڑ کے مر جائے
روتا ہوا تجھ کو کبھی اللہ نہ دکھلائے
کھلتے ہوئے بر میں گل امید کو دیکھوں
بیٹھی تھی دلہن شکل جو رانڈوں کی بنائے
مژدے جو خوشی ہونے کے قسمت نے سنائے
دولہا نہیں آئے گا یہ ہرگز نہ خبر تھی
سچ کہتے ہیں شادی و غم خلق ہیں توام
دولہا پہ ادھر ٹوٹ پڑا لشکر اظلم
تیر آتے تھے سینے پہ کلیجے پہ جبیں پر
زخموں کا لگا خون رکابوں سے ٹپکنے
پانی کے لئے تن میں لگی روح پھڑکنے
سینے پہ سناں گرز لگا کاسۂ سر پر
عمو کو صدا دی کہ چچا جان خبر لو
دنیا میں کوئی دم کا ہوں مہمان خبر لو
ذریت حیدرؑ کی یہ توقیر ہوئی ہے
آواز حسنؑ آنے لگی ہائے مرے لال
کبرا نے ادھر کھول دئے گوندھے ہوئے بال
داماد کا ماتم تھا کمر ضعف سے خم تھی

اور گرد پھری روح حسنؑ بھی کہتی باری
قاسم ترے قربان یہ ماں درد کی ماری
پھیرا انھیں قسمت نے ید اللہ کے صدقے
پھولی نہ سمائی یہ ہوئی خرم و شاداں
لو شکر کا سجدہ کرو مشکل ہوئی آساں
تو تا صد و سی سال سہاگن رہے بیٹی
دولہا ترا قائم رہے تو خلق میں سکھ پائے
ہنستا ہوا میدان شہادت سے بنا آئے
مسند پہ قران مہ و خورشید کو دیکھوں
تھا سوچ کہ کیا دیکھئے تقدیر دکھائے
یہ دل میں ہوئی شاد کہ آنسو نکل آئے
گھونگھٹ سے کبھی ماں پہ کبھی در پہ نظر تھی
معلوم نہ تھا یہ کہ بچھے گی صف ماتم
تینوں میں گھرے برچھیاں چلنے لگیں پیہم
کٹ کٹ کے گرے پیچ عمامے کے زمیں پر
طاقت گئی لڑنے کی لگا ہاتھ بہکنے
مڑ مڑ کے سوئے خیمہ لگے یاس سے تکنے
تیورا کے جھکے تھے کہ پڑی تیغ کمر پر
ہوتا ہے غلام آپ کا قربان خبر لو
تکلیف نہ دیتا مگر اس آن خبر لو
پامال نہیں کرنے کی تدبیر ہوئی ہے
سبزے کی طرح گل کو مرے کرتے ہیں پامال
دوڑے طرف فوج شہنشاہ خوش اقبال
تیغ دو زباں دست مبارک میں علم تھی

اعدا کو بھگا کر جو لگے ڈھونڈنے سرور
پامال لے قاسمِ نوشاہ سراسر
گودی کا پلا پاؤں رگڑتا تھا زمیں پر
رو کر سپہر فاطمہؑ نے پیٹ لیا سر
دیکھا جو حسنؑ کو تنِ صد پاش سے لپٹے
چلا کے حسینؑ ابن علیؑ لاش سے لپٹے

رو کر کہا صدقے ہو چچا منھ سے تو بولو
کیا حال ہے اے ماہ لقا منھ سے تو بولو
بیٹا میں تڑپتا ہوں ذرا منھ سے تو بولو
گر اُٹھ نہیں سکتے تو بھلا منھ سے تو بولو
مادر کو بڑا داغ دیے جاتے ہو قاسم
بیٹی کو مری رانڈ کیے جاتے ہو قاسم

یہ کہتے تھے جو موت کی ہچکی اُسے آئی
منھ کھول کے حضرت کو زباں خشک دکھائی
مخدومۂ عالم نے یہ آواز سنائی
میں ساغرِ کوثر ہوں ترے واسطے لائی
پی لے اسے لال اکہ ترا خشک گلا ہو
دادی ترے سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ فدا ہو

لب بند کیے قاسمِ نوشاہ نے یک بار
یعنی نہ پیوں گا کہ ہیں پیاسے شہِ ابرار
دنیا سے سفر کر گیا وہ آئینہ رخسار
لاش اس کی چلے لے کے شہِ بیکس و ناچار
ڈیوڑھی پہ جو پہونچے تو کہا دیکھ کے سب کو
وہ آتے ہیں دولھا تھا بنایا جنھیں شب کو

ہے ہے بنے قاسم کا ہوا شور جو در پر
بانو نے کہا لٹ گئی لوگو مری دختر
فرزند کے لاشے سے لپٹنے لگی مادر
سر پیٹتی دوڑی شہِ مظلوم کی خواہر
پھر کون رہے بنتِ علیؑ جب نکل آئے
خیمے میں دلہن رہ گئی اور سب نکل آئے

اِک شور اُٹھا ہائے غضب مر گئے قاسم
سب خون میں سر تا بقدم بھر گئے قاسم
شہ بولے کہ برباد ہمیں کر گئے قاسم
پیاسے مرے گھر سے لبِ کوثر گئے قاسم
لو خیمے میں لے جاؤ تم اس رشکِ چمن کو
شرم آتی ہے میں منھ نہ دکھاؤں گا دلہن کو

ڈیوڑھی سے جو خیمے میں شہِ بحر و بر آئے
روتے ہوئے اور شرم سے گردن کو جھکائے
آغوش میں تھے لاشۂ نوشاہ اُٹھائے
اکبرؑ بھی تھے ہمراہِ پدر اشک بہائے
خاموش انیسؔ اب نہیں طاقت ہے بیاں کی
حالت کہوں کس منھ سے شہِ کون و مکاں کی

رباعی

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

۸ مرثیہ ۵۹

عباس علیؑ شیرِ نیستانِ نجف ہے
تابندہ درِ تاجِ سلیمانِ نجف ہے
سروِ چمنِ خضر بیابانِ نجف ہے
آئینہ روئے مہِ کنعانِ نجف ہے
طفلی سے اسے عشقِ امامِ دوسرا تھا
شہ اُس پہ فدا تھے وہ شہِ دیں پہ فدا تھا

کیا دبدبہ کیا شان تھی کیا صولت و شوکت
کیا حُسن تھا کیا خلق تھا کیا چشمِ مروّت
کیا حلم تھا کیا رعب تھا کیا قوت و قدرت
کیا رحم تھا کیا عدل تھا کیا بخشش و ہمت
جب تک مہ و خورشید میں یہ نور رہے گا
عالم میں علمدار کا مذکور رہے گا

اللہ رے نسب واہ ری توقیر زہے جاہ
دادا تو ابوطالبِ غازی سا شہنشاہ
عم جعفرِ طیّار ہزبرِ صفِ جنگاہ
اور والدِ ماجد کو جو پوچھو تو اسد اللہ
فخر ان کو غلامی کا حسینؑ ابنِ علیؑ کی
مادر کو کنیزی کا شرف بنتِ نبیؐ کی

ہر چند نہ تھا بطن سے زہراؑ کے وہ مہرو
لیکن کسے ہاتھ آتا ہے اس طرح کا بازو
بچپن سے جو چھوڑا نہ تھا شبّیرؑ کا پہلو
تھی طبع میں ساری گلِ زہراؑ ہی کی خوشبو
خلق اس میں جوانمردی شاہِ نجف اس میں
تھے علمِ امامت کے سوا سب شرف اس میں

پیدائشِ عباس کا یہ حال ہے تحریر
جب خلد کو دنیا سے ہوئیں فاطمہؑ رہ گیر
یاور تھی زبس مادرِ عباس کی تقدیر
ہم بسترِ حیدر ہوئی وہ صاحبِ توقیر
جس روز سے آئی تھی یداللہ کے گھر میں
رہتی تھی شب و روز تمنائے پسر میں

دعویٰ کنیزی تھا اسے بنتِ نبیؐ سے
تھا اُنس بہت آلِ رسولِ عربیؐ سے
مطلب تھا نہ اپنی اسے راحت طلبی سے
آگاہ تھی شبّیر کی عالی نسبی سے
مصروف وہ فضّہ سے بھی خدمت میں سوا تھی
سو جان سے فرزندوں پہ زہراؑ کے فدا تھی

حیدرؑ سے کبھی پوچھتی تھی یا شہِ صفدر
دونوں میں بہت چاہتے تھے کس کو پیمبرؐ
اس بی بی سے فرماتے تھے یہ فاتحِ خیبر
الفت تھی محمدؐ کو نواسوں سے برابر
یہ دونوں دل و جانِ رسولؐ دوسرا تھے
صدقے کبھی اُس پر تھے کبھی اس پہ فدا تھے

جب مصحفِ ناطق سے سنی اس نے یہ تقریر کی حق سے مناجات کہ اے مالکِ تقدیر
گر دے تو مجھے ایک پسر صاحبِ توقیر میں اس کو خوشی ہو کے کروں فدیۂ شبیرؑ
ممتاز غلاموں میں جو گل فام ہو میرا زہراؑ کی کنیزوں میں بڑا نام ہو میرا

شبیر کا تھا نام مناجات میں داخل کس طرح نہ مقبول کرے خالقِ عادل
جلد اس کو ثمرِ نخلِ دعا کا ہوا حاصل اللہ نے بخشا پسرِ نیک شمائل
دکھلائی جو تصویرِ پسر بختِ رسا نے عباسؑ علیؑ نام رکھا شیرِ خدا نے

شبیر کو عباسؑ کی مادر نے بلایا اور گود میں فرزند کو دے کر یہ سنایا
لو واری وفادار غلام آپ نے پایا نعلین اٹھائے گا تمہاری مرا جایا
آقا ہو شہنشاہ ہو سردار ہو اس کے مالک ہو تمہیں اور تمہیں مختار ہو اس کے

چھاتی سے لگا کر اسے بولے شہِ خوشخو یہ تقویتِ روح ہے اور قوتِ بازو
اس گل سے وفاداری کی آتی ہے مجھے بو کتنا مرے بابا سے مشابہ ہے یہ گلرو
یہ شیر مددگاری شبیرؑ کرے گا اللہ اسے صاحبِ توقیر کرے گا

جب سات برس کا ہوا وہ گیسوؤں والا ماں نے کہا تم نے مری جاں ہوش سنبھالا
مانی تھی یہ نذر اور تھا اسی واسطے پالا اب تم کو کروں گی میں نثارِ شہِ والا
حق الفتِ زہراؑ کا ادا کرتی ہوں بیٹا جو عہد کیا اس کو وفا کرتی ہوں بیٹا

خوش ہو کے یہ کی حضرتِ عباسؑ نے تقریر یہ عین تمنا ہے کہ ہوں فدیۂ شبیر
حاضر ہوں کرو جلد فدا ہونے کی تدبیر لازم نہیں اماں عملِ خیر میں تاخیر
گو عمر میں چھوٹا ہے گل اندام تمہارا پر خلق میں ہووے گا بڑا نام تمہارا

مادر کو یہ فرزند کی تقریر خوش آئی لے لے کے بلائیں اسے پوشاک پنہائی
پکڑے ہوئے ہاتھ آگے ید اللہ کے لائی کی عرض کہ لونڈی نے جو دولت ہے یہ پائی
تھا دین ادا کرنے کا اس کے مرے سر پر آپ اس کو فدا کیجئے زہراؑ کے پسر پر

کچھ سوچ کے فرزند سے حیدرؑ نے یہ پوچھا شبیرؑ پہ ماں تجھ کو فدا کرتی ہے بیٹا
عباس ابتا دے مجھے مرضی ہے تری کیا وہ اہلِ وفا جوڑ کے ہاتھوں کو یہ بولا
میں عاشقِ فرزندِ رسولِؐ دوسرا ہوں سو بار جو زندہ ہوں تو سو بار فدا ہوں

روکر اسدُاللہ نے دیکھا رُخِ شبیرؑ
جنگاہ کی آنکھوں کے تلے پھر گئی تصویر
پیاسوں کا خیال آگیا حالت ہوئی تغیر
یاد آئی بھری مشک کلیجے پہ لگا تیر
طاقت نہ رہی ضبط کی احمدؐ کے وصی کو
نزدیک تھا صدمے سے غش آجائے علی کو

عباس کو لپٹا کے گلے کرنے لگے پیار
چومے کبھی عباس کے بازو کبھی رخسار
فرماتے تھے تجھ سا نہیں دنیا میں وفادار
صدقے ترے اے دلبرِ زہراؑ کے مددگار
ماتم ترا ہر تعزیہ خانے میں رہے گا
شہرہ تری الفت کا زمانے میں رہے گا

مجمل جو کہے مخبرِ صادق نے یہ اخبار
کچھ پوچھ سکے آکے نہ عباسِ علمدار
گردش پہ جب آیا فلکِ شعبدہ کردار
مہمان ہوئے کوفیوں کے سیدِ ابرار
پانی جو ہوا بند دل و جانِ نبیؐ پر
اُس روز کھلا حال وہ عباسِ علی پر

صبحِ شبِ عاشور ہوئی جب کہ نمودار
سر دینے لگے جنسِ شہادت کے طلبگار
روتے تھے جو ہر لاش پہ جا کر شہِ ابرار
غم کی دل عباس پہ چلتی تھی تلوار
کہتے تھے کہ رخصت کا بہانا نہیں ملتا
سب جاتے ہیں مرنے ہمیں جانا نہیں ملتا

جب قتل ہوا سیدِ مسموم کا دلبر
لکھا ہے نکل آئے حرم خیمے کے باہر
شبیر چلے لاش کے ٹکڑوں کو جو لیے
عباس بھی ہمراہ تھے نیہوڑائے ہوئے سر
تھا سوچ کہ بے جاں ہوا فرزندِ حسنؑ کا
سر پیٹنا دیکھا نہیں جاتے کا دلہن کا

روتے ہوئے عباسؑ گئے بھائی کے ہمراہ
خیمے میں رہا دیر تلک ماتمِ نوشاہ
لاشوں میں لٹا آئے اسے جب شہِ ذی جاہ
سب سے کہا اب بھائی کا پُرسا دو مجھے آہ
لو صاحبو! تشریف لئے جاتے ہیں عباس
بے تیغ ہمیں ذبح کئے جاتے ہیں عباس

کہہ کر یہ سخن روئے جو شاہنشہِ عالم
نوشاہ کے ماتم میں ہوا اور یہ ماتم
گھبرا کے لگی پیٹنے سر زینبِ پُر غم
نزدیک یہ تھا زوجۂ عباس ہو بے دم
دل ہل گیا سینے میں رنڈاپے کی خبر سے
گھبرا کے جو اٹھی تو رِدا گر گئی سر سے

عباس سے کچھ کہنے کا موقع جو نہ پایا
روتی گئی اور غش سے سکینہ کو جگایا
کہنے لگی صدقے گئی اٹھو غضب آیا
اٹھتا ہے مرے سر سے علمدار کا سایا
برباد میں ہوتی ہوں سنبھالو مجھے بی بی
للہ رنڈاپے سے بچا لو مجھے بی بی

تھے صحن میں خیمے کے تو یہ حشر کے آثار
سر کھولے ہوئے زوجۂ عباسؑ علمدار
چلاتی تھی منھ لونڈی سے موڑا مرے صاحب
ہے ہے مرے والی مرے وارث مرے آقا
بچے مرے کم سن ہیں میں ہوں بیکس و تنہا
شمشیر گلے پر مرے دھرتے ہوئے جاؤ
عباسؑ نے جھک کر اُسے قدموں سے اٹھایا
جیتا ہوں ابھی سے ہے یہ کیا حال بنایا
کرتا ہوں ادا حق میں شہِ تشنہ گلو کا
وہ قید اگر ہوویں تو تم قید میں جانا
رکھیں وہ جہاں پاؤں وہاں آنکھیں بچھانا
گو سمجھیں وہ شفقت سے عزیزوں کے برابر
جاؤ جو وطن دیکھیو اماں کو یہ پیغام
کاندھے پہ اٹھایا عَلَمِ لشکرِ اسلام
مشہور ہیں غم خوارِ شہنشاہِ زمن ہوں
یہ کہہ کے گئے خیمے سے با دیدۂ خوں بار
اے قوتِ دل راحتِ جاں یارِ وفادار
قسمت تمہیں ہاتھوں سے مرے کھوتی ہے بھائی
دی فوجِ عدو کو یہ خبر پیک نے جا کر
سر تا بقدم غرق ہے آہن میں وہ صفدر
حیدرؑ کی طرح ہاتھ میں شمشیر دو دم ہے
تب شمر نے پوچھا کہ ہے کیا آنے میں تاخیر
ہیں عاشقِ عباسؑ علیؑ حضرتِ شبیرؑ
کہتے تھے تشفی ابھی میری نہیں ہوتی

ڈیوڑھی پہ کھڑے رو رہے تھے سیدِ ابرار
عباسؑ کے قدموں پہ گری آن کے یکبار
ان قدموں کے صدقے مجھے چھوڑا مرے صاحب
ہے ہے مرے ہمدم مرے مونس مرے شیدا
صاحب میں کہاں بیٹھ کے کاٹوں گی رنڈاپا
جاتے ہو تو بے جان مجھے کرتے ہوئے جاؤ
اور پونچھ کے رومال سے آنسو یہ سنایا
بندے کے لئے کافی ہے اللہ کا سایا
دو ساتھ تم اِس وقت میں زہراؑ کی بہو کا
شہزادی کی خدمت سے کبھی منھ نہ پھیرنا
حیدرؑ کی بہو ہو یہ کبھی دھیان نہ لانا
تم جانیو قدر اپنی کنیزوں کے برابر
جو آپ نے فرمایا تھا وہ میں نے کیا کام
سقائے حرم آپ کے بیٹے کا ہوا نام
پر دودھ تو بخشو کہ ابھی تشنہ دہن ہوں
مانگی جو سواری تو پکارے شہِ ابرار
بھائی کے کلیجے سے لپٹ جاؤ پھر اک بار
تم جاتے نہیں روح جدا ہوتی ہے بھائی
ہاں لشکریو آتے ہیں عباسؑ دلاور
بے طور نظر آتے ہیں اس شیر کے تیور
ہرنے پہ تو مشکیزہ ہے کاندھے پہ علم ہے
وہ بولا کہ اس حال کو میں کیا کروں تقریر
سو بار ہوئے رو رو کے بھائی سے بغلگیر
پھر چھاتی سے لگ جاؤ کہ سیری نہیں ہوتی

جب آخری تسلیم کو جھکتا ہے علمدار
گرتے ہیں کلیجے کو پکڑ کر شہ ابرار
جس وقت سنبھلتے ہیں تو کرتے ہیں یہ گفتار
ناچار ہوں قابو نہیں دل پر مرا زنہار
رقت کا ہے یہ جوش کہ تھراتے ہیں عباسؑ
ہر مرتبہ قدموں سے لپٹ جاتے ہیں عباسؑ

چلاتی ہے ڈیوڑھی پہ اک اختر نادان
عباسؑ چچا پھر کے چلے آؤ میں قربان
غش ہوگئی ہیں صحن میں خیمے کے چچی جان
پانی کے لئے اب نہ سدھارو سوئے میداں
جو ہے مری قسمت میں مصیبت وہ سہوں گی
بابا کو رلاؤ نہ میں پیاسی ہی رہوں گی

یہ حال سنا جب پسر سعد نے سارا
گھبرا کے کہا جلد ہو سب فوج صف آرا
آتا ہے سوئے نہر ید اللہ کا پیارا
ہاں غازیو روکے رہو دریا کا کنارا
گر قتل کیا بازوئے فرزندِ نبیؐ کو
جیتا ہی پکڑ لیں گے حسینؑ ابن علیؑ کو

یہ سنتے ہی صف بستہ ہوا لشکرِ اظلم
ہر صف میں نشانوں کے چمکنے لگے پرچم
تھا تیغوں کی تابندگی میں برق کا عالم
پیغام قضا تیر لئے جاتے تھے پیہم
دریا پہ عجب معرکہ آرائی ہوئی تھی
ڈھالوں کی گھٹا چار طرف چھائی ہوئی تھی

دیتے تھے جو نیزوں کو ستم گار زکانیں
جوں برق ہر اک صف میں چمکتی تھیں سنانیں
گویا کہ نکالے ہوئے تھے مار زبانیں
کھنچتے تھے جو چلے تو کڑکتی تھیں کمانیں
ترکش کے جو منھ تیر فگن کھولے ہوئے تھے
اژدر تھے کہ ڈسنے کو دہن کھولے ہوئے تھے

اِک سمت زرہ پوش سواروں کے رسالے
تحت الحنکیں[1] باندھے لئے ہاتھوں میں بھالے
تولے کوئی شمشیر کوئی گرز سنبھالے
اور تیس ہزار ایک طرف برچھیوں والے
کوسوں ہی وفور سپہ شام ہوا تھا
اِک پیاسے کی خاطر یہ سرانجام ہوا تھا

زیب چمنِ حسن تھا وہ سرو قبا پوش
عمامہ جو سر پر تھا تو شملہ بسرِ دوش
حسن ایسا کہ نظارے سے یوسف کے اڑیں ہوش
موسیٰؑ اسے دیکھے تو تجلی ہو فراموش
خود حسن نے منھ اُن کے قدموں سے ملا تھا
ہر عضو بدن نور کے سانچے میں ڈھلا تھا

تھی غیرت آئینہ وہ پیشانیِ انور
ہو ماہ دو ہفتہ بھی جسے دیکھ کے ششدر
تھی رتبے میں سرلوح سے قرآں کی وہ ہمسر
اور جلوہ گری میں کف موسیٰؑ کے برابر
بچپن سے جو سرگرم عبادت وہ جواں تھا
سجدے کا نشاں صاف ستارا سا عیاں تھا

[1] تحت الحنک کی جمع ہے۔ تحت الحنک عمامہ کی ایک قسم ہے جس کا ایک پیچ ٹھوڑی کے نیچے سے گذار کر لے جاتے ہیں

ابرو کی کمانوں میں عجب طرح کا خم تھا
پیوستہ تھی یہ رابطہ گوشوں میں بہم تھا
آنکھ ایسی کہ حیرت زدہ آہوئے حرم تھا
ہر موئے مژہ ناوکِ دلکش سے نہ کم تھا
دل سہم گیا سینے میں ہر دشمن جاں کا
تحریر نہ تھی سُرمے کی چِلّہ تھا کماں کا

نعرہ تھا کہ ہاں اے سپہ شام خبردار
عباسؑ دلاور ہے مرا نام خبردار
ہے قہر الٰہی مری صمصام خبردار
نیزہ ہے مرا موت کا پیغام خبردار
لختِ جگر صاحبِ شمشیرِ دوسر ہوں
ہشیار کہ میں شیر الٰہی کا پسر ہوں

فرما کے یہ لی تیغ بلا ڈر نے میاں سے
گھوڑے کو جو چھیڑا نہ رکا لاکھ جواں سے
ہر وار میں سر گرنے لگے برگ خزاں سے
چلنے میں زیادہ تھی رواں آبِ رواں سے
جس پر پڑی نازل ہوا قہر اس پہ خدا کا
تھی تیغ کی ضربت کہ طمانچہ تھا قضا کا

ہر ضرب میں نعرہ تھا کہ یا حیدرِ صفدر
مقتل کی زمیں ہو گئی تھی عرصۂ محشر
جب چمکی وہ بجلی تو جدا ہو گئے یکسر
گردن سے سر اور جسم سے جاں روح سے پیکر
وہ قابضِ روح جسدِ اہل جفا تھی
عباسؑ کی شمشیر کے قبضے میں قضا تھی

لڑتا ہوا پہنچا سرِ ساحل جو وہ ذی ہوش
تھی تیغ علم ہاتھ میں اور مشک سرِ دوش
دریا جو نظر آیا تو رقت کا ہوا جوش
یاد آئی سکینہ کی ہوئی جنگ فراموش
تھی خشک زباں پیاس کی گرمی سے دہن میں
آئی جو ہوا سرد تو جان آ گئی تن میں

چمکار کے رہوار کو اس نہر میں ڈالا
لہرایا جو پانی تو ہوا دل تہ و بالا
پیاسے تھے جو دو روز سے گھر میں شہِ والا
مشکیزے کو بھر کر سرِ دوش سنبھالا
اسوار جو بے پیاس بجھائے ہوئے نکلا
منہ پانی سے گھوڑا بھی اُٹھائے ہوئے نکلا

رہوار سے فرمایا کہ یہ سخت گھڑی ہے
رستے میں پرا باندھے ہوئے فوج کھڑی ہے
مشکیزے سے ایک کی آنکھ اب تو لڑی ہے
پانی نہ تلف ہو یہ مجھے فکر بڑی ہے
دل سینے میں بے تاب ہے پیاسوں کے الم سے
مشکیزہ سنبھالوں کہ لڑوں فوجِ ستم سے

گھوڑے نے کہا ہو ابھی دریا میں لڑائی
خیمے تلک اس فوج سے مشکل ہے رسائی
حضرت نے تو یاں پیاس بھی آ کر نہ بجھائی
اور اس پہ بھری مشک ہے کاندھے پہ اٹھائی
بے پانی پئے ضعف سوا ہوئے گا آقا
طاقت ہی نہ ہوئے گی تو کیا ہوئے گا آقا

عباسؑ نے فرمایا کہ اے اسپِ وفادار
مرجانا تو ہے سہل پہ یہ امر ہے دشوار
تو پی لے اگر شدّتِ تشنہ دہنی ہے
گھوڑے نے کہا اے اسداللہ کے جانی
ہر چند ہیں پیاس آپ تو کیونکر پیوں پانی
تا خیمہ گیا بچ کے اگر فوج ستم سے
عباسؑ چلے کہہ کے توکّلت علی اللہ
دن کی ہوئی شب شام کی بدلی ہیں گھر ماہ
جوں شیر ادھر اور اُدھر جاتے تھے عباسؑ
اُمڈا ہوا تھا فوج کا دریا لبِ ساحل
رہوار بھی مجروح تھا اور آپ بھی گھائل
تلوار تو اس کی صف اعدا کی طرف تھی
تھا رُخ سے ٹپکتا کبھی جوں اشک پسینہ
لڑنے میں یہ تھا مشک بچانے کا قرینہ
سب صورتِ غربال بدن چھن گیا اُس کا
اللہ نے دی تھی جو اسے ہمت عالی
یوں آفت تیر ستم اس غازی نے ٹالی
ہر حملے میں لشکر کو بھگا دیتے تھے عباسؑ
ناگاہ سنان ابنِ انس بڑھ کے پکارا
تھا فوج کے نرغے میں یداللہ کا پیارا
بھائی کو مدد کے لئے چلاتے ہیں شبیرؑ
سب بی بیاں خیمے سے نکل آئی ہیں باہر
چلاتی ہے عباسؑ کو اک چھوٹی سی دختر
کہتی ہے مدد کرنے کو آتا نہیں کوئی

سیراب علمدار ہو پیاسا ہے سردار
فرزند میں اس کا ہوں جو کوثر کا ہے مختار
اب ہم ہیں یہ انبوہ ہے اور تیغ زنی ہے
ہر چند ہے دو دن سے مجھے تشنہ دہانی
ہرگز مجھے منظور نہیں پیاس بجھانی
چار آنکھیں نہ ہوں گی فرسِ شاہِ اُمم سے
تنہا پہ پرے ٹوٹ پڑے فوج کے ناگاہ
انبوہ میں پیاسے کو نہ خیمے کی ملی راہ
تلواریں ہی پڑتی تھیں جدھر جاتے تھے عباسؑ
گھیرے ہوئے غازی کو چلے آتے تھے قاتل
تا خیمہ پہونچنا تھا علمدارؑ کا مشکل
اور آنکھ خیامِ شہِ والا کی طرف تھی
غم تھا کبھی لب تشنہ نہ رہ جائے سکینہؑ
سینے پہ کبھی مشک کبھی مشک پہ سینہ
چار آئینہ تیروں سے زرہ بن گیا اُس کا
دیتا تھا کبھی وار کو تلوار کے خالی
سینہ تو سپر کر دیا اور مشک بچالی
پانی کے لئے جان لڑا دیتے تھے عباسؑ
لو غازیو یاور ہوا اقبال تمہارا
تلوار چلی واں علیؑ اکبر گیا مارا
لاشہ علیؑ اکبر کا لئے آتے ہیں شبیرؑ
وہ روتی ہے کلثومؑ وہ زینبؑ ہے کھلے سر
لب خشک ہیں ہلتے ہیں پڑی کان کے گوہر
ہے ہے مرے بابا کو بچاتا نہیں کوئی

یہ سنتے ہی گھبرا گئے عباسؑ علمدار
اور رو کے کہا ہائے مرے بھائی کے غمخوار
خیمے کی طرف جلد پھرے پھیر کے رہوار
واحسرت و دردا کہ لگی شانے پہ تلوار
مڑ کر طرف راست نظر کی کہ یہ کیا تھا
تلوار سے یاں دوسرا بازو بھی جدا تھا

تھا ہاتھوں کا کٹنا کہ لگا مشک پہ بھی تیر
چلا کے کہا ہائے سکینہ تری تقدیر
گھوڑے سے گرا خاک پہ جس وقت وہ دلگیر
آپہونچے گریبان کو پھاڑے ہوئے شبیرؑ
منہ پاؤں پہ مل مل کے فدا ہوتے تھے عباسؑ
شہ رو کے پلٹ جاتے تھے جب روتے تھے عباسؑ

تھے نزع میں عباسؑ یہ بھائی سے یہ پوچھا
اکبر کی تو ہے خیر یہ فرمایئے آقا
شہ بولے حفاظت کو ہے گھر کی اُسے چھوڑا
یہ سُن کے سوئے قبلہ کیا شکر کا سجدا
سجدے ہی میں دنیا سے سفر کر گئے عباسؑ
مشکیزہ لئے چھاتی تلے مر گئے عباسؑ

خامے کو بس اب روک انیسؔ جگر افگار
ہر بیت ہے اس مرثیے کی مطلعِ انوار
برگشتہ زمانہ ہو تو کچھ غم نہیں زنہار
حامی ہیں ترے حضرتِ عباسؑ علمدار
فیاض دو عالم ہیں انیسِ غربا ہیں
سب مشکلیں آساں ہیں کہ وہ عقدہ کشا ہیں

رباعی

سینوں میں جگر پہ تیر غم چلتے ہیں
رخساروں پہ اشک ساں ڈھلتے ہیں
کیوں تعزیہ خانوں میں نہ رونق ہو یاں
دل بھی تو چراغوں کی طرح جلتے ہیں

رباعی

حُر جب کہ فدائے شہِ ذی جاہ ہوا
اِک غلغلۂ جزاکم اللہ ہوا
جنت میں نہ کس طرح پہنچتا وہ جری
شبیر سا رہبر خضر راہ ہوا

رباعی

وہ موج حوادث کا تھپیڑا نہ رہا
کشتی وہ ہوئی غرق وہ بیڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھے زندگانی کے انیسؔ
جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیڑا نہ رہا

رباعی

سوزِ غمِ دوری نے جلا رکھا ہے
آہوں نے کنول دل کا بجھا رکھا ہے
نکلو کہیں جلد عمر آخر ہے انیسؔ
اس ہند سیہ بخت میں کیا رکھا ہے

مرثیہ ۹ بند ۱۷۱

عباسؑ علیؑ یوسفِ کنعانِ علیؑ ہے
شمشاد قباپوش گلستانِ علیؑ ہے
شبیرؑ کا دل روحِ حسنؑ جانِ علیؑ ہے
شوکت سے دلاور کے عیاں شانِ علیؑ ہے
ہاتھ اس کے نہ کیوں کر ہے میدانِ وغا کا
فرزند زبردست ہے وہ دستِ خدا کا
سلطان سپہر حشم و جاہ ہے عباسؑ
عالم کے شجاعوں کا شہنشاہ ہے عباسؑ
آئینۂ تصویرِ ید اللہ ہے عباسؑ
شبیرؑ تو خورشید ہے اور ماہ ہے عباسؑ

اقبال و جلال ان کا زمانے پہ جلی ہے
وہ نورِ محمدؐ ہے تو یہ نورِ علیؑ ہے
روتے ہیں ملائک یہ عزاخانہ ہے کس کا
جنت سے علیؑ آئے یہ کاشانہ ہے کس کا
ہر شمع کو رقت ہے یہ افسانہ ہے کس کا
گردش میں ہے خورشید یہ پروانہ ہے کس کا
اٹھتے ہیں علم سب کے گریبان پھٹے ہیں
کس شیر کے بازو تہِ شمشیر کٹے ہیں

یہ لشکرِ غم ہے کہ عزاداروں کی صف ہے
گوہر ہے جو ہر اشک تو ہر چشم صدف ہے
کون اٹھ گیا کیوں رونے کا غل چار طرف ہے
ہاں ماتمِ فرزندِ شہنشاہِ نجف ہے
خالی نہیں مجلس میں جگہ نوحہ گروں سے
پرسے کو علمدار کے آتے ہیں گھروں سے
بن کر ہمہ تن گوش سنو وصفِ علمدار
دے سب کو خدا دیدۂ حق بیں دلِ بیدار

ہیں بلبلِ گلزارِ سخن اور بھی دو چار
انصاف کریں ہر گُلِ مضموں کے طلبگار
گلدستۂ معنی کے ذرا ڈھنگ کو دیکھیں
بندش کو نزاکت کو نئے رنگ کو دیکھیں
خورشیدِ منیرِ فلکِ نور ہے عباسؑ
مصباحِ شبستانِ سرِ طور ہے عباسؑ
سقائے حرم خلق میں مشہور ہے عباسؑ
حیدرؑ کی طرح صاحبِ مقدور ہے عباسؑ

لاکھوں ہوں تو خوف اس کو دمِ رزم نہیں ہے
ایسا کوئی عالم میں اولوالعزم نہیں ہے
کیا کیا نہ جواں مرد ہوئے خلق میں پیدا
لیکن کوئی عباسؑ کی جرأت کو نہ پہنچا
ہر شہر میں غازی کی شجاعت کا ہے شہرا
ہر لب پہ یہ ہے ذکر کہ یکتا ہے وہ یکتا
ایسا نہ ہوا کوئی نہ ہوئے گا جہاں میں
جو اہلِ وفا ہے اسے روئے گا جہاں میں

کیا دھاک ہے کیا رعب ہے کیا عزت و توقیر
معشوق شہِ عقدہ کشا عاشقِ شبیرؑ

حملہ ہے وہی شان وہی حرب وہی ہے
دنیا میں ہما نے یہ سعادت نہیں پائی
حمزہؑ نے یہ ہمت یہ شجاعت نہیں پائی

سقائے حرم ہیں خلفِ شاہِ نجف ہیں
دو ہاتھ جو قربان کئے حصے میں آئی
کوثر تو ہے قبضے میں تصرف میں ترائی

بے دست ہیں لیکن سپر پیر و جواں ہیں
تھراتا ہے خورشید جلال و حشم ایسا

نام ایسا دل ایسا شرف ایسا کرم ایسا
قطرے کے عوض لعل و گہر دیتے ہیں عباسؑ
کیا فیض ہے کیا اسمِ مبارک میں اثر ہے
کیسی ہی مہم سخت ہو اک آن میں سر ہے

کام آتا ہے یہ نام مصیبت میں بلا میں
شمشیر وغا فارسِ میدانِ تہوّر
تشبیہ میں عاجز نہ ہو کس طرح تصور
جب کھینچ چکا شکل علمدار علم کو
لکھے کوئی کیا الفتِ سردار و علمدار
بلبل کو بھی یہ گل کی محبت نہیں زنہار

اک آن فراق ان میں شب و روز نہیں ہے
فخر اپنا سمجھتے تھے یہ نعلین اٹھانا
ساتھ آنا سدا شاہ کے اور ساتھ ہی جانا
شہ سوتے تو تکیے پہ نہ سر دھرتے تھے عباسؑ

ہے فتح طلب ان سے ہر اک صاحبِ شمشیر
صورت ہیں سراپا اسداللہ کی تصویر

پنجہ ہے وہی زور وہی ضرب وہی ہے
فردوس میں طوبیٰ نے یہ رفعت نہیں پائی
جعفرؑ نے یہ توقیر یہ شوکت نہیں پائی

واں ایک بزرگی ہے تو یاں لاکھ شرف ہیں
دیں پروری و دادرسی عقدہ کشائی
ہر بند سے دیتے ہیں یہ بندوں کو رہائی
کیا تیغ کی حاجت ہے کہ خود سیف زباں ہیں
لاکھوں سے بھی ہٹتا نہیں ثابت قدم ایسا
جھک جاتی ہے شاخِ سرِ طوبیٰ علم ایسا
دامن درِ مقصود سے بھر دیتے ہیں عباسؑ
ہنگامِ مرض تقویتِ قلب و جگر ہے
بازو پہ جو باندھے تو سرِ دست ظفر ہے
آفت میں سپر ہے تو سر وہی ہے وغا میں
جرّار و وفادار و اولوالعزم بہادر
ہے عالمِ بالا پہ ملائک کو تحیّر
خود چوم لیا صانعِ قدرت قلم کو
دیکھا نہ کبھی عاشق و معشوق یہ یکجا
قمری بھی نہیں سرو کی اس طرح طلبگار
پروانہ بھی یوں شمع کا دلسوز نہیں ہے
معراج تھی رومال کھڑے ہو کے ہلانا
تھی عین تمنا قدم آنکھوں سے لگانا
مانند قمر پھر کے سحر کرتے تھے عباسؑ

فرماتے تھے شبیرؑ کہ اے میرے گل اندام
تم نے کوئی ساعت نہ کیا رات کو آرام
کہتے تھے غلاموں کو ہے آرام سے کیا کام
راحت ہے جو خدمت میں بسر ہو سحر و شام
لازم ہے ادب آپ ہیں سردار ہمارے
جاگے تو زہے طالع بیدار ہمارے

فرماتے تھے شہ مادرِ عباس سے اکثر
عباسؑ علیؑ ہے مرا شیدا مرا یاور
پیارا نہ ہو کیوں کر یہ مجھے آپ کا دلبر
جب سامنے آتا ہے تو یاد آتے ہیں حیدرؑ
اس بھائی میں خو بو ہے شہِ عقدہ کشا کی
گھر میں مرے تصویر ہے یہ شیرِ خدا کی

ساری وہی صورت وہی شوکت ہے وہی شان
طینت میں وہی خلق وہی طبع میں احسان
عباسؑ دلاور پہ تصدق ہے مری جاں
منظور یہ ہے روز حسین اس پہ ہو قرباں
اس کو بھی تو بچپن سے مرا عشق دلی ہے
صفدر ہے بہادر ہے سعیدِ ازلی ہے

وہ کہتی تھی اے احمدِ مختار کے پیارے
خادم ہیں یہ سب آپ ہیں سردار ہمارے
زیبندہ ہے صدقے ہوں اگر چاند پہ تارے
فخر اس کا ہے عباسؑ جو سر قدموں پہ وارے
منہ اس نے سدا پائے مبارک پہ مَلا ہے
بیٹوں کی طرح آپ کی گودی میں پلا ہے

عباسؑ کی خاطر سے میں کہتی نہیں واری
ہے اس کو نہ اولاد نہ جان آپ سے پیاری
سوتے میں بھی رہتا ہے زباں پر یہی جاری
فرزندِ پیمبرؐ پہ فدا جان ہماری
ہے عشق دلی اُس کو شہِ کون و مکاں سے
لیتا نہیں بے صلِ علیٰ نام زباں سے

اک روز کہا میں نے کہ عباسِ وفادار
تم ان کا غلام آپ کو کیوں کہتے ہو ہر بار
صدقے گئی یہ طرفہ محبت ہے نیا پیار
جو تم ہو سو وہ ہیں خلفِ حیدرِ کرارؑ
مرتے ہوئے حیدرؑ نے سپرد ان کے کیا ہے
کچھ خطِ غلامی تو نہیں لکھ کے دیا ہے

اتنا مرا کہنا تھا کہ بس آنکھ پھرا لی
تھرا کے کہا بات یہ کیا منہ سے نکالی
توبہ کرو یکساں ہوا میں اور شہ عالی
ہیں بندۂ ناچیز وہ کونین کے والی
قطرہ کبھی دریا کے برابر نہیں ہوتا
ذرہ کبھی خورشید کے ہمسر نہیں ہوتا

نسبت مجھے کیا ان سے کہاں نور کہاں خاک
میں گردِ قدم اور وہ تاجِ سرِ افلاک
عباس کے نانا بھی ہیں کیا سیدِ لولاکؐ
میرے لئے آتی ہے کبھی خلد سے پوشاک
سویا ہوں کبھی میں بھی محمدؐ کی عبا میں
میری بھی ثنا ہے کہیں قرآنِ خدا میں

زہراؑ نے مجھے دودھ پلایا ہو تو کہہ دو
جبریل نے جھولے میں جھلایا ہو تو کہہ دو

وہ فخر دو عالم ہے امام دوجہاں ہے
اک مور ہو کس طرح سلیماں کے برابر
ہر باغ نہیں روضۂ رضواں کے برابر
سر قائمۂ عرش تلک جا نہیں سکتا

خوش ہوں جو غلام علی اکبر مجھے سمجھیں
وہ خادم اولاد پیمبر مجھے سمجھیں

نعلین اٹھاؤں مری معراج یہی ہے
یکساں ہے تو ہے مرتبۂ شبرؑ و شبیرؑ
میں پاؤں پہ سر رکھتا ہوں ای مادر دلگیر
اب آپ کو صورت بھی نہ دکھلائے گا عباسؑ

کیا بھول گئیں واقعۂ رحلت حیدر
اس پہلو میں شبیر تھے اس پہلو میں شبرؑ

صحت ہو پدر کو یہ دعا کرتا تھا میں بھی
پاس اپنے بلا کر مجھے بابا نے کیا پیار
فرمایا حسنؑ ہے مرے نو بیٹوں کا مختار
فرمایا تھا مجھ سے کہ امام اپنا سمجھنا

ہنس ہنس کے میں سنتی رہی تقریر یہ ساری
لے لے کے بلائیں کہا تب میں نے کہ واری

وہ دن ہو کہ حق تجھ سے غلامی کا ادا ہو
فرمانے لگے اشک بہا کر شہ ابرار
عباسؑ مرا اور مرے سب گھر کا ہے مختار
اماں اسی بازو سے قوی ہاتھ ہیں میرے

کاندھے پہ محمدؐ نے بٹھایا ہو تو کہہ دو
ان رتبوں میں رتبہ کوئی پایا ہو تو کہہ دو

اسرار لدنی مرے سینے میں نہاں ہے
رتبے میں صحیفہ نہیں قرآں کے برابر
کیوں کر ہو سُہا نیّر تاباں کے برابر
کعبے کا شرف کوئی مکاں پا نہیں سکتا

میں یہ نہیں کہتا کہ برادر مجھے سمجھیں
رتبہ مرا بڑھ جائے جو قنبر مجھے سمجھیں

شاہی بھی یہی تخت یہی تاج یہی ہے
بیٹوں میں علیؑ کے یہ کسی کی نہیں توقیر
مجھ سے نہ سنی جائے گی اس طرح کی تقریر
باتیں جو یہی ہوں گی تو مر جائے گا عباسؑ

تھا آپ کے زانو پہ سر فاتح خیبر
زینبؑ بسر خاک تڑپتی تھیں کھلے سر

لپٹا ہوا قدموں سے دعا کرتا تھا میں بھی
اور ہاتھ مرا ہاتھ میں شہ کے دیا یک بار
عباسؑ رہا اک تو حسینؑ اس کا ہے سردار
آقا سے کہا تھا کہ غلام اپنا سمجھنا

اس کو تو یہ غصہ تھا کہ آنسو ہوئے جاری
حاصل ہوئی واللہ مراد آج ہماری

تو قبلۂ کونین کے قدموں پہ فدا ہو
ہاں والدہ ایسا ہی ہے وہ بھائی وفادار
رکھتا ہے حسینؑ اک یہی یاور یہی غم خوار
عباسؑ نہیں ساتھ علیؑ ساتھ ہیں میرے

کیا انس ہے کیا عشق ہے کیا پیار ہے کیا چاہ
جب قافلہ نزدیک پہنچتا ہے تو ناگاہ
آج آتے ہیں غمخوار شہنشاہِ امم کے

تربت سے نکل آتا ہے یوں عاشق شبیرؑ
حیرت سے ملک دیکھتے ہیں چاند سی تصویر
واں رحمتِ خالق کی طرح آتے ہیں عباسؑ

روضے ہیں کہ دو عرش زمیں پر ہیں نمودار
دربار یہ حضرت کا وہ عباسؑ کی سرکار
دل کھل گئے پہونچے جو رواقِ شہِ دیں میں

یاں رحمت و غربت ہے وہاں دبدبہ و جاہ
شبیروں کا یہ نقشہ ہے کہ بن جاتے ہیں روباہ
بے اذن بشر کیا کہ ملک جا نہیں سکتا

رشکِ درِ فردوس ہے وہ روضۂ پرنور
دروازۂ رحمت وہ ملائک میں ہے مشہور
رضواں کی طرح خادمِ درگاہ کھڑے ہیں

ساتوں فلک اس در کی بلندی سے ہیں ششدر
کرتے ہیں طواف اس کا ملک فخر سمجھ کر
کس در کے لئے خلق میں یہ عزّ و شرف ہے

شبیر کے زواروں کی الفت کا ہے جوش
ہے ذاتِ علمدار عطا پاش و خطا پوش
یہ کون سی جاگہ ہے رہے دھیان ادب کا

دریا کی طرح صحنِ مقدس ہے کشادہ
دیندار کریں کیوں نہ زیارت کا ارادہ
ہاتھ آیا شرف جب قدم اس فرش پہ پہنچا

مر کر بھی ہیں پروانۂ شمعِ لحدِ شاہ
عباسؑ کو ہوتا ہے یہ حکمِ شہِ ذی جاہ
لاؤ مرے زوّاروں کو سائے میں علم کے

کاندھے پہ محمدؐ کا علم ہاتھ میں شمشیر
ہوتے ہیں جلو میں شہدا حسب رضا توقیر
کس دھوم سے زوّاروں کو لے جاتے ہیں عباسؑ

اُردو ہے اِدھر شہ کا اُدھر آپ کا بازار
دونوں درِ رحمت ہیں جدھر رخ کریں زوّار
فردوس سے نکلے تو چلے خلدِ بریں میں

روضے پہ ہے یہ رعب کہ العظمۃ للّٰہ
سر رکھتے ہیں چوکھٹ پہ فقیروں کی طرح شاہ
جھوٹی کوئی روضے پہ قسم کھا نہیں سکتا

پہونچے نہ کبھی جس کی بلندی کو سرِ طور
زنجیر ہے یا سلسلۂ زلفِ سرِ حور
کیلیں نہیں اس در پہ ستارے سے جڑے ہیں

زیبا ہے اسے کہیے اگر عرشِ منوّر
حقا کہ درِ خانۂ ایماں ہے وہی گھر
دنیا میں جواب اس کا اگر ہے تو نجف ہے

دروازہ بھی ہے شوق میں کھولے ہوئے آغوش
روتے ہیں جو زائر تو ملک کہتے ہیں خاموش
آرام میں ہے لعلِ شہنشاہِ عرب کا

روشن ہے زمیں وادیِ ایمن سے زیادہ
مل جاتا ہے واں سے درِ فردوس کا جادہ
کرسی پہ رکھا پاؤں تو سر عرش پہ پہنچا

اس گنبدِ آبی کی نہ ہے آب نہ ہے تاب
کیا سطوتِ شاہانہ ہے کیا رعب ہے کیا داب

یہ قصرِ فلک قالبِ افتادہ ہے اس کا
ضو دیتا ہے کیا قبۂ ایوانِ علمدار
شمسے پہ نظر کرتا ہے جب گنبدِ دوّار
ہو جاتا ہے دھوکا فلکِ نیلوفری پر

رتبہ میں ہے وہ سقف کہیں چرخ سے عالی
بے حسن نہ دیکھا کوئی روزن کوئی جالی
منھ ملتا ہے خورشید ہر اک خشت پہ آکر
فولادی ضریح ایک جو مرقد پہ دھری ہے
حلقوں میں ستاروں کی طرح جلوہ گری ہے
ہے زانوئے حور اس کے رخِ پاک کے نیچے
محروم پھرا واں سے نہ جا کر کوئی مخلوق
اس طرح بہم ہے وہ ضریح اور وہ صندوق
رحمت کا سفینہ اسے کہیے تو بجا ہے
کرتے ہیں طواف اس کا سدا فخر سے افلاک
پلکوں سے ملک جھاڑتے ہیں واں خس و خاشاک
کیا قدرِ ارم جب یہ مکیں اس میں نہیں ہے
قندیلوں میں ہے روضۂ اقدس کے عجب نور
رنگِ رخِ مہتاب فلک ہوتا ہے کافور
بخشے ہیں خدا نے دلِ بیدار وروں کو
قندیلیں ہیں خالے ہیں کہ پھولا ہوا گلشن
نور اس میں ہے یوں سینے میں جیسے دلِ روشن
ہر وقت نیا حسن نئی جلوہ گری ہے

ہوتے دلِ پژمردہ جسے دیکھ کے شاداب
جھک جھک کے ملک کرتے ہیں سجدہ بصد آداب

کہتے ہیں جسے کاہکشاں جادہ ہے اس کا
ہے مہبطِ انوارِ خدا ہر در و دیوار
گر پڑتی بالائے زمیں مہر کی دستار
فیروزے کا ہے ایک نگیں تاجِ زری پر
پایا نہ لطافت سے کسی طاق کو خالی
معمار نے بھی اس کی بِنا نور کی ڈالی
گچ داں کی بنائی ہے ستاروں کو مِلا کر
ہے نور کا گھر لوٹے بہشت اس میں کھڑی ہے
جو اس کا شگفتہ ہے وہ اک چشمِ پری ہے
سوتا ہے زرہ پوش جواں خاک کے نیچے
پاتے ہیں شفا کور و شل و ابرص و مدقوق
آغوش میں عاشق کے ہو جس طرح سے معشوق
تابوتِ سکینہ اسے کہیے تو بجا ہے
تابوت نہیں عرشِ بریں ہے بسرِ خاک
روضہ ہے اگر رحل تو قرآں لحدِ پاک
خاتم تو ہے نادر پہ نگیں اس میں نہیں ہے
پروانہ ہے شمعوں پہ تجلی ہے سرِ طور
ہو جاتا ہے خورشیدِ فلک شام سے مستور
حوریں ہیں کہ غرفوں سے نکالے ہیں سروں کو
خاکے ہیں کہ بر میں مہِ کنعاں کی ہے جوشن
جلوے سے ہے ظاہر کہ تجلی کا ہے مسکن
کھنچنے میں ہے طاؤس ابھرنے میں پری ہے

عباسؑ علمدار کی درگاہ کے صدقے
شوکت کے تصدق حشم و جاہ کے صدقے
کیا شیر ہے ابن اسد اللہ کے صدقے
جس راہ سے سب جاتے ہیں اس راہ کے صدقے
پہلے نہ بہشت اور نہ رخِ حور دکھا دے
اللہ ان آنکھوں کو وہی نور دکھا دے

مدّاحیِ عباسؑ بشر کا نہیں مقدور
اب تذکرۂ معرکۂ جنگ ہے منظور
ظاہر ہوئی گردوں پہ جو صبحِ شبِ عاشور
میداں میں صف آرا ہوا سب لشکرِ مقہور
تیر آتے ہیں ہر صف سے امامِ ازلی پر
فوجوں کی چڑھائی ہے حسینؑ ابن علیؑ پر

جب شہ کے عزیزوں کو پیامِ اجل آیا
راحت میں علمدارِ جری کی خلل آیا
اک شیر سا جھنجلا کے پرے سے نکل آیا
تلواریں کھنچیں واں ادھر ابرو پہ بل آیا
کچھ کہہ تو نہ سکتے تھے شہِ دیں کے ادب سے
ہونٹوں کو چباتے تھے مگر جوشِ غضب سے

اتنے میں شہادت کئی لڑکوں نے بھی پائی
اور سامنے مارے گئے چھوٹے کئی بھائی
جب شمعِ مزارِ حسنؑ اعدا نے بجھائی
تھا شور کہ بیوہ ہوئی شبیرؑ کی جائی
محتاج تھا یاں لاشۂ نوشاہ کفن کو
واں بیبیاں رنڈ سالہ پہناتی تھیں دلہن کو

روتے تھے بھتیجے کے لیے سیدِ ابرار
تر تھے عرق شرم سے عباسؑ علمدار
رو کر علی اکبرؑ سے یہی کہتے تھے ہر بار
جی چاہتا ہے پھینک دیں اب کھول کے تلوار
انصاف کرو منھ کسے دکھلانے کی جا ہے
غیرت سے گلا کاٹ کے مرجانے کی جا ہے

کی زوجۂ مسلمؑ نے فدا اپنی کمائی
بیٹوں کو رضا مرنے کی زینبؑ نے دلائی
سب بیبیوں نے دولتِ اولاد لٹائی
قاسمؑ تھے سو واں ان کی اماں نذر کو لائی
ہم کس سے کہیں چپ کے کھڑے روتے ہیں صف میں
اماں تو مدینے میں ہیں بابا ہیں نجف میں

شبیرؑ نے مغموم جو عباسؑ کو پایا
ہم شکل پیمبرؐ کو اشارے سے بلایا
احوال جو پوچھا تو یہ اکبرؑ نے سنایا
ہے ابرِ الم دل پہ چچا جان کے چھایا
کام آتا ہے رن میں تو خجل ہوتے ہیں عباسؑ
دامانِ علم منھ پہ دھرے روتے ہیں عباسؑ

جس وقت سے نوشاہ کا لاشہ ہوا پامال
اس وقت سے ہے آپ کے بھائی کا عجب حال
چہرہ ہے کبھی زرد کبھی سبز کبھی لال
دانتوں میں کبھی ہونٹ کبھی آنکھوں پہ رومال
کہتے ہیں کہ اب سوئے نجف جائیں گے عباسؑ
منھ رانڈ بھتیجی کو نہ دکھلائیں گے عباسؑ

حضرت نے کہا سب ہے یہ سامانِ جدائی ٹوٹے گی کمر ہم سے بچھڑ جائے گا بھائی
منظور تھا ضائع نہو بابا کی کمائی پر کچھ ان کا نہ جائے گا ہماری اجل آئی
بھائی کے لیے داغِ جگر بھائی کا غم ہے دھیان اپنا ہے ان کو ہمیں تنہائی کا غم ہے

وہ چاہتے ہیں جوہر شمشیر دکھائیں آنچ آئے نہ شبیرؑ پہ ہم برچھیاں کھائیں
خود سینہ سپر ہوکے برادر کو بچائیں ہم آہ کہاں سے جگر اس طرح کا لائیں
پھر کون ہے میرا جو وہ عالم سے اُٹھے گا یہ داغ تو پیارے نہ کبھی ہم سے اُٹھے گا

رخصت نہ ملے گی وہ خوشی ہوں کہ خفا ہوں دم بھرتے ہیں الفت کا تو مجھ سے نہ جدا ہوں
ہم کو بھی تو مرنا ہے شہید ایک ہی جا ہوں ہم ان پہ تصدق ہوں تو وہ ہم پہ فدا ہوں
جب آئے اجل کھول کے آغوش لپٹ جائیں اک وار تیغ سے دونوں کے گلے ساتھ ہی کٹ جائیں

اکبر نے کہا زیست سے بندہ بھی ہے عاری ہے بعد مرے رخصتِ عباسؑ کی باری
شہ بولے ابھی چپ ہو خاطر سے ہماری کس کس کی جدائی میں کریں گریہ و زاری
تنہا نہ کرو دوشِ محمدؐ کے مکیں کو اتنا بھی ستاتے نہیں اک زار و حزیں کو

دیتا ہے کوئی داغ کوئی کرتا ہے گھائل سو وار ہیں اک جان ہے سو زخم ہیں اک دل
کیا درد رسیدہ کو الم دینے سے حاصل تم دونوں کو مشکل نہیں کچھ ہے مجھے مشکل
ایسا بھی کوئی بیکس و بے آس نہ ہوگا ہم ذبح بھی ہوں گے تو کوئی پاس نہ ہوگا

مختار تمہاری تو ہے بس زینبؑ دلگیر لازم ہے تمہیں پالنے والی سے یہ تقریر
تم برچھیاں کھانے کی عبث کرتے ہو تدبیر جو روٹھے ہیں ان کو تو منالے ابھی شبیرؑ
اولاد کا ہے دھیان نہ کچھ پیاس کا غم ہے تم سب سے زیادہ مجھے عباسؑ کا غم ہے

بیٹے سے یہ فرما کے جو رونے لگے سرورؑ بے چین ہوئے دیکھ کے عباسؑ دلاور
سمجھے کہ طلب کرتے ہیں رخصت علی اکبرؑ حضرت کے پسِ پشت کھڑے ہو گئے آکر
سایہ جو کیا فرق پہ دامانِ عَلَم کا سینے میں دھڑکنے لگا دل شاہِ امم کا

مڑ کر کہا اللہ مری جان کہاں تھے ہم دیر سے تصویر کی صورت نگراں تھے
اندھیر جہاں تھا کہ تم آنکھوں سے نہاں تھے کیوں تر گلِ رخسار ہیں کیا اشک رواں تھے
لاشے پہ تو روتے نہ تھے فرزندِ حسنؑ کے ہاں خیمے میں پُرسے کو گئے آپ دلہن کے

ان روتی ہوئی آنکھوں کے قربان ہو شبیرؑ
چھاتی سے لپٹ جا مری اے صاحبِ شمشیر
ناچیز پہ کچھ لطف سے حاصل نہیں مولا
شہ نے کہا کیوں ہم سے کچھ آزردہ ہو بھائی
کیا کہتے ہو کیوں شرم سے گردن ہی جھکائی
دیکھو تو اُدھر سبطِ نبیؐ تم پہ فدا ہو
لو آؤ میں ان اشکوں کو دامن سے کروں پاک
قربان تمہارے پسرِ سیّدِ لولاک
سر بیٹھو گے اور نالہ و فریاد کرو گے
میں نے کبھی ناخوش تمہیں کیا ہو تو کہہ دو
تیوری بھی چڑھا کر کبھی دیکھا ہو تو کہہ دو
بھائی نہیں جانا یہ ہی جانا کہ پسر ہو
انصاف کرو تم سے کیا کس کو سوا پیار
ہر چند کہ جعفرؑ کے بھی پوتے تھے طلبگار
کچھ دل پہ برادر کے ملال آنے نہ پائے
اب کون سی وہ بات ہے جس کا ہے تمہیں غم
رو رو کے علمدار نے کی عرض یہ اس دم
چھوڑوں نہ قدم سر بھی اگر تن سے جدا ہو
مجھ کو علی اکبرؑ کی طرح گود میں پالا
حضرت کے تصدق سے ہوئی شان دوبالا
میں ہوں تو غلام آپ شہِ جن و بشر ہیں
حضرت میں ہے سب احمدؐ مختار کی خوبو
فرمایا بصد لطف جسے قوّتِ بازو
رحمت کا طریقہ کبھی چھوڑا نہیں آقا

اللہ سے کیا زور ہے جو خواہشِ تقدیر
کی سر کو جھکا کر یہ علمدار نے تقریر
میں چھاتی سے لپٹانے کے قابل نہیں مولا
اِن باتوں سے کچھ بُو خفگی کی مجھے آئی
پیارے نہیں ہم تم کو یہ کیا جی میں سمائی
ہم صدقے ہیں تم بھائی سے روٹھو کہ خفا ہو
زلفوں پہ کدھر جا کے جما لائے ہو یہ خاک
مجھ دردرسیدہ کو عبث کرتے ہو غمناک
مر جاؤں گا جب میں تو بہت یاد کرو گے
کچھ رنج مرے ہاتھ سے پہنچا ہو تو کہہ دو
اکبرؑ سے کبھی کم تمہیں سمجھا ہو تو کہہ دو
تم تو مری آنکھیں ہو مرا دل ہو جگر ہو
مالک ہو مرے گھر کے مری جان کے مختار
میں نے یہی چاہا مرا بھائی ہو علمدار
بابا نہیں سر پر یہ خیال آنے نہ پائے
حیرت یہ رہی دل میں کہ جیتے ہیں ابھی ہم
ہے فخر غلامی مجھے اے قبلۂ عالم
بندے کی یہ طاقت ہے کہ آقا سے خفا ہو
ہوش آپ کے دربار میں خادم نے سنبھالا
کیا رنج مجھے پہونچے گا اے سیّدِ والا
حضرت تو زمانے میں یتیموں کے پدر ہیں
بتلائیے حُر کون تھا اے سیّد خوشخو
سر اُس کا کہاں اور کہاں آپ کا زانو
دشمن کا بھی دل آپ نے توڑا نہیں آقا

کیا سن تھا مرا خلق سے جب اٹھ گئے حیدر
ہیں آپ کے سائے میں پلا یا شہ صفدر
ہوتا الم بے پدری پھر مجھے کیوں کر
تھا فضل الٰہی سے شفیق آپ سا سر پر
سب راز خفی قبلۂ عالم پہ جلی ہیں
میں نے یہی جانا کہ مرے سر پہ علیؑ ہیں
ادنیٰ تھا میں اعلیٰ ہوا حضرت کی بدولت
ہر شہر میں شہرہ ہوا حضرت کی بدولت

قطرہ تھا سو دریا ہوا حضرت کی بدولت
یہ سب مرا رتبہ ہوا حضرت کی بدولت
مولا جو مرے حال پہ ہے آپ کی شفقت
نے ماں کی یہ شفقت ہے نہ ہے باپ کی شفقت
بھولے نہیں خادم کو کبھی آپ مگر آج
پاتا نہیں خادم وہ عنایت کی نظر آج

کیا حال ہے پوچھی بھی نہ بندے کی خبر آج
دیکھا بھی نہیں آپ نے شفقت سے ادھر آج
بیزاری کا باعث تو بتا دیجئے آقا
تقصیر ہوئی ہو تو سزا دیجئے آقا
مارے گئے خویش و رفقا مجھ کو نہ پوچھا
مر جانے کی دی سب کو رضا مجھ کو نہ پوچھا

لڑکے ہوئے مقتل میں فدا مجھ کو نہ پوچھا
قاسمؑ پہ چلی تیغ جفا مجھ کو نہ پوچھا
کس طرح کہوں فرق عنایت میں نہیں ہے
حصہ مرا کیا جنس شہادت میں نہیں ہے
آرام سے سب سوتے ہیں اے سید والا
جا گہ مری اک قبر کی مقتل میں نہیں کیا

مارے نہ گئے ہم تو رہے گا یہی چرچا
میداں سے ہوا پیش رو قافلہ پسپا
جینے کا نمک خوار کے اب لطف نہیں ہے
اماں بھی مجھے دودھ نہ بخشیں گی یقیں ہے
شہ بولے اسی بات پہ بس ہے یہ شکایت
انصاف ہے شہ سے اے پسر شاہ ولایت

رخصت ہی کے ملنے کو سمجھتے ہو عنایت
کیا رائے میں آیا ہے یہ اے حامل رایت
قوت ہے تمہیں سے تو مرے قلب و جگر کو
تیغوں میں کوئی ہاتھ سے کھوتا ہے سپر کو
پاتا میں زمانے میں کہاں گر تمہیں کھوتا
چین آتا جو میں ساتھ ترے قبر میں سوتا

سر پیٹ کے پھر کون مری لاش پہ روتا
مر جاتا ہے جب بھائی تو پیدا نہیں ہوتا
بھولے مری الفت کو بھی اللہ برادر
رخصت کے لئے روٹھ گئے واہ برادر
معلوم ہوا ہے تمہیں منظور جدائی
میں منع تو کرتا نہیں کیوں روٹھے ہو بھائی

لو چھاتی سے لپٹو کہ رضا مرنے کی پائی
یہ سنتے ہی اک جان سی عباسؑ میں آئی
خوش ہو کے تصدق ہوئے سلطان امم پر
سر رکھ دیا جھک کر شہ والا کے قدم پر

ناگاہ درِ خیمہ سے فضّہ یہ پکاری
غش ہو گئی ہے پیاس سے پھر آپ کی پیاری
گہوارے میں اصغر بھی سسکتا ہے پیا ری
عباسؑ کو بھیجو کہ حرم کرتے ہیں زاری
رانڈوں میں دہائی ہے رسولِؐ دوسرا کی
اب گھر سے نکلتی ہے بہو شیرِ خدا کی

دو جانیں تلف ہوتی ہیں یا حضرتِ شبیرؑ
پانی اُسے ممکن ہے نہ ملتا ہے اُسے شیر
سر چوب سے ٹکراتی ہے یاں بانوئے دلگیر
للہ کرو پانی کے منگوانے کی تدبیر
پانی کے لئے ماں سے یہ منھ موڑ رہے ہیں
دو بھائی بہن خاک پہ دم توڑ رہے ہیں

فضہ کی صدا سنتے ہی میداں سے پھرے شاہ
روتے ہوئے عباسؑ گئے بھائی کے ہمراہ
خیمے میں تلاطم تھا کہ العظمۃ للہ
پانی کا اِدھر شور اُدھر ماتمِ نوشاہ
جھولے کے قریں غش میں سکینہ تو پڑی تھی
بچے کو لئے بانوئے ناشاد کھڑی تھی

مُردے کی طرح زرد ہوا تھا رخِ روشن
لب پیاس سے نیلے تھے برنگِ گلِ سوسن
چھاتی تو دھڑکتی تھی بس اور سُن تھا سب تن
لٹکے ہوئے تھے ہاتھ ڈھلی جاتی تھی گردن
ماں روتی تھی چلا کے تو رک جاتی تھی ہچکی
ننھا سا دہن کھلتا تھا جب آتی تھی ہچکی

اصغر کی طرف دیکھ کے روئے شہِ ابرار
آوازِ پدر سُن کے سکینہ ہوئی ہشیار
کی چھاتی سے لپٹا کے یہ عباس نے گفتار
قربان تری پیاس کے میں اے جگر افگار
سوکھے ہوئے ہونٹوں کو نہ دکھلاؤ سکینہ
ہووے جو کوئی مشک تو لے آؤ سکینہ

یہ سنتے ہی سوکھی ہوئی اک مشک وہ لائی
سب سمجھے کہ مرنے کو چلا شہ کا فدائی
روتی ہوئی زینب بھی قریں بھائی کے آئی
حضرت نے کہا بھائی سے ہوتی ہے جدائی
مرنے کو وہ جاتے ہیں جو گودی میں پلے ہیں
پانی کے بہانے سے یہ کوثر پہ چلے ہیں

یہ سُن کے سکینہ نے کہا واہ چچا جان
اس غم سے اب میں ہوئی آگاہ چچا جان
ہاتھوں سے چلے تھے مرے تم آہ چچا جان
رکھ دیجئے مری مشک کو للہ چچا جان
گو پیاس سے اب صبر کا یارا نہیں مجھ کو
روئیں مرے بابا یہ گوارا نہیں مجھ کو

پہلے شہِ ابرار کو سمجھاؤ تو جاؤ
پھر چاند سی صورت مجھے دکھلاؤ تو جاؤ
کچھ دیر نہ ہووے یہ قسم کھاؤ تو جاؤ
مانوں گی نہ میں نہر سے جلد آؤ تو جاؤ
تنہا مرے بابا ہیں کوئی پاس نہیں ہے
کھودوں تمہیں ایسی تو مجھے پیاس نہیں ہے

عباسؑ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہ جانی
رُکنے کے نہیں لاکھ ہوں گر ظلم کے بانی
بے مشک بھرے نہر سے آئیں تو قسم لو
چپ ہو گئی یہ سن کے سکینہ جگر افگار
بھائی کے گلے مِل کے جو رُوتے شہِ ابرار
چادر نہ سنبھلتی تھی جگر سینے میں شق تھا
حضرت جو کھڑے تھے تو نہ کر سکتی تھی گفتار
حضرت کو کبھی دیکھتی تھی وہ جگر افگار
بے تابیٔ دل سے جو نکل پڑتے تھے آنسو
منھ پھیر کے زوجہ کو یہ کرتے تھے اشارا
صاحب مری الفت سے مناسب ہے کنارا
بے بار نہ آقا کی طرف دیکھ کے روؤ
بس دیکھ چکیں ہم کو اب آنسو نہ بہاؤ
اللہ تو ہے، وصیان تباہی کا نہ لاؤ
دنیا سے کئی داغِ جگر لے کے چلے ہیں
چپکے سے وہ کہتی تھی نہیں صبر کا یارا
یہ درد وہ ہے درد کہ جس کا نہیں چارا
سینوں میں جگر داغِ یتیمی سے جلیں گے
بھاوج کی طرف دیکھ کے بولے شہِ ابرار
سر شرم سے نہوڑا کے یہ بولی وہ دلِ افگار
مالک مرے اور اُن کے شہِ عرش بریں ہیں
کچھ اپنے رنڈاپے کا مجھے غم نہیں یا شاہ
ماں کو علیؑ اکبر کی سہاگن رکھے اللہ
جو بھائی ہو کس طرح نہ بھائی پہ فدا ہو

بی بی کے پلانے کے لئے لاتے ہیں پانی
کیا دل سے بھلا دیں گے تری تشنہ دہانی
دریا سے ہم آ گے کہیں جائیں تو قسم لو
عباسؑ دلاور نے سجے جنگ کے ہتھیار
تھرانے لگی زوجہ عباسؑ علمدار
فرزند تو تھا گود میں منھ چاند سا فق تھا
غم تھا کہ یہ سب میرے رنڈاپے کے ہیں آثار
تکتی تھی کنکھیوں سے کبھی سوئے علمدار
عباسؑ کے بھی آنکھوں سے ڈھل پڑتے تھے آنسو
شہ دیکھ نہ لیں اشک بہاؤ نہ خدا را
دیکھو نہ کہیں بگڑے بنا کام ہمارا
روتی ہو تو کبرا کی طرف دیکھ کے روؤ
تسکین وہیں ہوئیگی اب اندوں میں جاؤ
بچے ہیں بلکتے انہیں چھاتی سے لگاؤ
ہم اپنی نشانی یہ پسر دے کے چلے ہیں
بے خنجر و شمشیر ہمیں آپ نے مارا
صاحب نہ ہوئے جب تو رہا کون ہمارا
بچے مرے کم سن ہیں یہ کس طرح جئیں گے
تم سے بھی نہ رو کے گئے عباسِؑ علمدار
حضرت ہی رضا دینے نہ دینے کے ہیں مختار
بانوئے کی میں لونڈی یہ غلام شہِ دیں ہیں
کل سے یہ دعا تھی کہ ملے رخصتِ جنگاہ
میری نہ محبت ہے نہ بیٹوں کی انہیں چاہ
فخر اُس کا جو زہرا کی کمائی پہ فدا ہو

یہ آج کی شب چین سے دم بھر نہیں سوئے
گہہ زیرِ فلک جاکے دعا کی کبھی روئے
دھڑکا تھا کہ پہلے نہ کوئی جان کو کھوئے
مقتل میں علمدار فدا شاہ پہ ہوئے
رخصت جو ملی اب تو انہیں عید ہوئی ہے
لونڈی پہ تو رونے کی بھی تاکید ہوئی ہے

اِک آہ بھری شہ نے یہ سُن کر سخنِ یاس
آداب بجالا کے چلے حضرتِ عباسؑ
سر کھولے ہوئے غول تھا رانڈوں کا چپ و راس
چلاتے تھے شاہ اب ہوئے ہم بیکس و بے آس
تازیست تو اب دردِ جدائی نہیں جاتا
دنیا سے علیؑ جاتے ہیں. بھائی نہیں جاتا

غل تھا کہ علمدار خدا حافظ و ناصر
شبیرؑ کے غمخوار خدا حافظ و ناصر
اے بیکس و بے یار خدا حافظ و ناصر
سیّد کے مددگار خدا حافظ و ناصر
دریا سے بھری مشک کو لاتے ہوئے دیکھیں
پھر گھر میں سلامت تمہیں آتے ہوئے دیکھیں

چلاتی تھی زینبؑ کہ میں صدقے ترے بھیا
سچ ہے کہ حسین آج ہوئے بیکس و تنہا
پردے کے قریں بازوئے شبیر جو پہونچا
اونچا کیا فضہ نے درِ خیمہ کا پردا
کاندھے پہ علم رکھ کے وہ ضیغم نکل آیا
بدلی جو ہٹی نیرِ اعظم نکل آیا

دی پیک نے بڑھ کر سوئے اصطبل یہ آواز
آپ آتے ہیں حاضر کرو شبدیز سبک تاز
تھا رشکِ فلک سیر کی آمد کا یہ انداز
جس طرح سے طاؤس خراماں ہو بصد ناز
سرعت کے سبب سائیں میں عالم تھا ہرن کا
اندھیاری نہ تھی چہرے پہ گھونگھٹ تھا دلہن کا

خوبی جو رکابوں کی مہِ نو کبھی پاتے
ہاتھ آئے تو آنکھوں سے فلک اپنی لگائے
آنکھوں کا یہ عالم کہ غزال آنکھ چراتے
اُڑنے میں پرندوں کے بھی ہوش اس نے اڑائے
غازی کی سواری بھی عجب شان سے آئی
غل تھا کہ پری اُڑ کے پرستان سے آئی

گھوڑے پہ چڑھے حضرتِ عباسؑ علمدار
رانوں میں جو دابا تو ہرن ہو گیا رہوار
چاؤش نے آواز یہ دی فوج کو اک بار
شیر آتا ہے دریا کی ترائی سے خبردار
ہاں رُخ طرفِ نہر ہے اس بحرِ کرم کا
خورشید نہ سمجھو اسے پنجہ ہے علم کا

ناگہ نظر آیا عَلَم دیں کا پھریرا
پنجے کے چمکنے سے ہوا دشت سنہرا
دریا کے نگہبانوں کا پانی ہوا زہرا
گھبرا کے ہٹا گھاٹ سے اسواروں کا پہرا
تھا شور کہ دیکھو وہ دلیر آن ہی پہنچا
لو سامنے بپھرا ہوا شیر آن ہی پہنچا

ہے شور کہ سقائے حرم آتا ہے رن میں
بازوئے شہنشاہِ امم آتا ہے رن میں
پرچم وہ سنہرا نظر آتا ہے علم کا
چتون تو قیامت کی ہے تیور ہیں غضب کے
فرزند ہیں یہ فخر شجاعانِ عرب کے
بچے کبھی اس گھر کے نہیں رن سے ٹلے ہیں

خالق جسے اپنے یدِ قدرت سے بنائے
یہ چاند سی تصویر کہاں سے کوئی لائے
وہ گل شاداب ہے قد سروِ سہی ہے
ہر شہر میں پیشانیِ انور کا ہی شہرہ
گویا ورقِ ماہ یہ ہے مہر کا مہرا
اس طرح کا اختر کوئی دنیا میں نہ دیکھا

غصّے سے جو تیوری کو یہ چڑھا دے یہ جرّار
بے جنگ ہوئی جاتی ہیں گھائل صفِ کفّار
اس طرح کا صفدر کوئی بستی میں نہیں ہے
گردوں پہ مہِ نو کا یہ عالم نہیں دیکھا
دونوں میں کبھی فاصلہ اک دم نہیں دیکھا
ایک بیت کے یہ مصرعۂ برجستہ ہیں دونوں

کہیے مہِ نو ان کو تو یہ رو نہیں اس میں
ہے اک گلِ خورشید سو خوشبو نہیں اس میں
بو ہے گلِ تر میں یہ خط و خال کہاں ہے
آنکھوں کو تو دیکھو کہ عجب جلوہ گری ہے
حلقے میں سوادِ شب و نورِ سحری ہے
یہ شام و سحر حور و ملک نے نہیں دیکھی

پانی کے لئے ابرِ کرم آتا ہے رن میں
سلطان کے لشکر کا علم آتا ہے رن میں
دیکھو وہ پھریرا نظر آتا ہے علم کا
اک حملے میں سر تن سے اتر جائیں گے سب کے
شیر ان کے ہی تیور سے نکل جاتا ہے دب کے
یہ سب اسد اللہ کے بیشے میں پلے ہیں

خورشید کی کیا تاب جو آنکھ اس سے ملائے
خود ڈھونڈھے نظیر اپنا تو عالم میں نہ پائے
یوسف شہِ والا کے عزیزوں میں نہیاں کے
سجدے کا نشاں بھی ہے تکلف ہے یہ دہرا
دیکھو سرِ خورشید پہ طالع ہوا زہرا
موسیٰؑ نے یہ جلوہ یدِ بیضا میں نہ دیکھا

گویا کہ ہیں وہ ناخنِ شبیر ابروئے خمدار
ہل جاتے ہیں جس وقت تو چل جاتی ہے تلوار
یہ کاٹ کبھی تیغِ دو دستی میں نہیں ہے
شمشیر ہلالی میں یہ دم خم نہیں دیکھا
یوں ربط کمانوں میں بھی باہم نہیں دیکھا
ظاہر میں کشیدہ ہیں پہ دل بستہ ہیں دونوں

مہتاب کہیں رخ کو تو گیسو نہیں اس میں
آنکھیں نہیں پلکیں نہیں ابرو نہیں اس میں
قد سرو کا موزوں ہے تو یہ چال کہاں ہے
ہاں دیدۂ نرگس کا بھی مضموں نظری ہے
یہ چشم میں پتلی ہے کہ شیشے میں پری ہے
آنکھ ایسی کبھی چشمِ فلک نے نہیں دیکھی

نظروں سے نہ کس طرح گرے دیدۂ آہو
آنکھوں سے نہاں ہے جو رخِ سیّدِ خوشخو
روتے ہیں فراقِ پسرِ شاہِ نجف سے
خط ہے جو شبِ قدر تو رخ صبحِ ارم ہے
توصیف میں عاجز دمِ تحریر قلم ہے
پہلو میں سحر کو شبِ دیجور لیئے ہے
یہ حسن کسی شب کی سحر نے نہیں پایا
رنگ لبِ نازک گلِ تر نے نہیں پایا
باہم تو ہیں دونوں کے مگر رنگ الگ ہیں
خورشید رخ ان موتیوں کی آب میں دیکھے
ایسے نہ کواکب شبِ مہتاب میں دیکھے
ٹھہرا جو نہ وہ لائقِ تشبیہ نظر میں
آئینے کو حیراں کیا گردن کی صفا نے
الماس سے بازو ہیں تو مہتاب سے شانے
قبضہ کبھی ایسا نہیں شمشیر نے پایا
دستانے ہیں فانوس تو ہے شمع کلائی
منھ دیکھنے خود بھی ہے پتلی میں سمائی
بے تیغ کھنچے ہاتھ کا جوہر نہیں کھلتا
انوارِ الٰہی سے منوّر ہے یہ سینہ
ہم مرتبۂ سینۂ حیدر ہے یہ سینہ
ہے عطر کی خوشبو کہ پسینہ ہے قبا میں
اس کی کمرِ راست کا کیا حال کہوں آہ
جس جا پہ ہو نقشِ قدمِ ابن یداللہ
اس خاک پہ کیوں رشک نہ ہو چرخِ بریں کو

بے لطف ہے جب تک کہ نہ ہو چشم نہ ابرو
پتلی صفتِ قبلہ نما پھرتی ہے ہر سو
آنسو نہیں موتی نکل آتے ہیں صدف سے
کیا قدرتِ حق ہے کہ شب و روز بہم ہے
دیکھو خطِ ریحان ورقِ زر پہ رقم ہے
ظلمات کو آغوش میں یا حور لیئے ہے
یہ روئے دل افروز قمر نے نہیں پایا
نور اس دُرِ دنداں کا گہر نے نہیں پایا
وہ لعل کے ٹکڑے ہیں یہ الماس کے رنگ ہیں
ہیرے کی چمک اس دُرِ نایاب میں دیکھے
گردوں نے یہ تارے نہ کبھی خواب میں دیکھے
سوراخ اسی غم سے ہے موتی کے جگر میں
ڈھالا ہے اسے نور کے سانچے میں خدا نے
شانوں کو تو چوما ہے شہِ عقدہ کشا نے
اس طرح کا پنجہ نہ کسی شیر نے پایا
یہ رستمِ دستاں نے بھی قوت نہیں پائی
اور ناخنِ انور کا ہنر عقدہ کشائی
زور ان کا بجز قلعۂ خیبر نہیں کھلتا
مسکن ہے جہاں نور کا وہ گھر ہے یہ سینہ
عدل و کرم و داد کا مصدر ہے یہ سفینہ
جزدان میں مصحف ہے کہ سینہ ہے قبا میں
خم ہو گئی مر جانے سے جس کے کمرِ شاہ
مٹنے سے وہ مثلِ خطِ قسمت نہیں آگاہ
گر زلزلہ آئے تو نہ جنبش ہو زمیں کو

ورثہ میں بزرگوں کے ملے ہیں نہیں ہتھیا
ہاشم کی سپر خود ابو طالبؑ سردار
حمزہ اسی نیزے سے وغا کرتے تھے رن میں
اللہ رے اوج علم فوج پیمبر
تھا سر پہ ہما سایہ فگن کھولے ہوئے پر
تابندہ کوئی شے نہیں زیر فلک ایسی

صف باندھے ہوئے محو تماشا تھے ستم آرا
اے بے خبرو گھاٹ سے کر جاؤ کنارا
کس شان سے آتے ہیں کوئی ٹوک کے دیکھے
ناگاہ کہا شمر جفا جو نے یہ بڑھ کر
کیا قصد ہے دیکھو تو یہ دریا ہے کہ لشکر
جیتے نہیں بچنے کے . جو مرنا ہو تو آؤ

کچھ تم سے محبت نہیں رکھتے شہ ذی جاہ
مفت اپنی جوانی کو نہ ضائع کرو للہ
ہوگا یہ تلاطم کہ دل و کوہ ہلے گا
عباس پکارے کہ خبردار ہم آئے
اک وار میں اس پار سے اُس پار ہم آئے
تلوار کے مالک تہ افلاک ہمیں ہیں

پسپا ہوں یہ جائز نہیں پشتے ہیں ہمارے
ہے زور علی ہر رگ و ریشہ میں ہمارے
خاطر جو کشیدہ ہو تو جھکتے نہیں غازی
تو کیا ہے جو رستم ہو تو ہم کو نہ موڑیں
مرجائے اگر شیر کے پنجے کو مروڑیں
سو بجلیاں چمکیں تو کبھی ہم نہیں ڈرتے

قبضے میں ہے تیغ کمر حیدرؑ کرار
دستانے پہنتے تھے یہی جعفر طیار
دیکھی تھی اسی طرح زرہ جسم حسنؑ میں
جنت کے پھریرے سے ہوا آتی تھی فر فر
پنجے کی ضیا دیکھ کے خورشید ہے ششدر
موسیٰؑ نے تجلی میں نہ دیکھی چمک ایسی

جو حضرت عباسؑ نے بڑھ کر یہ پکارا
ہم شیر ہیں مسکن ہے ترائی میں ہمارا
دعوےٰ ہو کسی کو تو ہمیں روک کے دیکھے
اے وارث شمشیر علیؑ ثانی جعفرؑ
لاکھوں سے کہیں ایک جواں ہوتا ہے نر
پانی کے لئے خون میں بھرنا ہو تو آؤ

یوسف کو گنواتے ہیں یہ کس طرح کی ہے چاہ
آب دم شمشیر پہ اس نہر کی ہے راہ
ان تیغوں کی باڑھوں میں تمہیں گھاٹ ملے گا
ہاں روک تو او ظالم غدار ہم آئے
لے گھاٹ سے اور نہر سے ہشیار ہم آئے
آب دم شمشیر کے پیراک ہمیں ہیں

کٹتا ہے پہاڑ آگ ہے تیشے میں ہمارے
برآ نہیں سکتا کوئی بیشے میں ہمارے
گر آگ کا دریا ہو تو رکتے نہیں غازی
سر جائے تو حیدرؑ کے طریقے کو نہ چھوڑیں
گر قلعۂ خیبر ہو تو اک ہاتھ میں توڑیں
روباہوں کے انبوہ سے ضیغم نہیں ڈرتے

فرما کے یہ تلوار کو صفدر نے نکالا
ہالہ ہوا رہوار کو کاوے پہ جو ڈالا
بھالوں کو ادھر بڑھ کے سواروں نے نکالا
بجلی جو گری ہو گیا لشکر تہ و بالا
اس شان سے غازی صفِ جنگاہ میں آیا
غل تھا کہ اسد لشکرِ روباہ میں آیا

دریائے شجاعت میں تلاطم ہوا اکبار
عالم کو قیامت کے نظر آگئے آثار
ملنے لگے اشجار لرزنے لگے کہسار
صحرا سے گریزاں ہوئے اژدر طرف غار
جن کہتے تھے خالق ہمیں اس آن بچائے
چلاتی تھیں پریاں کہ خدا جان بچائے

گرتے تھے طیور ان ہوا کھولے ہوئے پر
شہباز کے بازو سے لپٹتا تھا کبوتر
بجلی نہ گرے ہم پہ پرندوں کو یہ تھا ڈر
سب جان بچانے کے لئے پھرتے تھے مضطر
نعرہ جو کیا ابنِ شہِ قلعہ شکن نے
منھ ڈال دیا شیر کے قدموں پہ ہرن نے

جس صف پہ چلی تیغ وہ بے سر نظر آئی
رتی پہ ہر اک لاش برابر نظر آئی
جب وار کیا قوتِ حیدر نظر آئی
گہ تنگ کے نیچے کبھی سر پر نظر آئی
غل ہوتا تھا کرتی تھی دو پارا جو سپر کو
دو کر دیا انگشت سے احمدؐ نے قمر کو

تیغوں کو نیاموں سے نکلنے نہیں دیتی
اس فوج کا اک وار بھی چلنے نہیں دیتی
گھوڑوں پہ سواروں کو سنبھلنے نہیں دیتی
انداز لڑائی کا بدلنے نہیں دیتی
تلوار نہیں برق اجل ہم پہ جھکی ہے
ڈھالوں سے کہیں مرگِ مفاجات رکی ہے

ترکش کو نہ چھوڑا نہ کماں دار کو چھوڑا
حلقے کو نہ چلّے کو نہ سوفار کو چھوڑا
بے دو کئے راکب کو نہ رہوار کو چھوڑا
چھوڑا تو سسکتا ہوا دو چار کو چھوڑا
رخ سب قدر اندازوں کے پھرتے ہوئے دیکھے
ہر ضرب میں سر خاک پہ گرتے ہوئے دیکھے

مغفر کو جو کاٹا تو جبیں سے نکل آئی
سر پر جو پڑی خانۂ زیں سے نکل آئی
بجلی سی صفِ لشکرِ کیں سے نکل آئی
گہ ڈوب گئی گاہ زمیں سے نکل آئی
غل تھا کہ عجب کیا جو سپر سے نہیں رکتی
یہ ضرب تو جبریل کے پر سے نہیں رکتی

نے ڈھال پہ نے سر پہ نہ گردن پہ رکی وہ
سینے پہ نہ بکتر پہ نہ جوشن پہ رکی وہ
نے سنگ نہ اشجار نہ آہن پہ رکی وہ
نے زین پہ نے پایۂ توسن پہ رکی وہ
یہ چاشنیٔ خون عدو بھا گئی اس کو
بجلی کی طرح جس پہ گری کھا گئی اس کو

سینے میں در آئی تو نئی چال سے نکلی
ڈوبی جو زرہ میں تو عجب چال سے نکلی
چار آئینے کو آٹھ کیا کاٹ نے اُس کی
جوں موج ہوئی فوج میں ہلچل لبِ دریا
کٹ کٹ کے گرے برچھیوں کے پھل لبِ دریا
بدلی میں نہ اس تیغ کا پرتو نظر آیا

جب بازیوں کو تیغ کے گھاٹ اس نے اُتارا
سقّائے حرم فوج کو بڑھ کر یہ پکارا
تم کہتے تھے ہم نہر پہ جانے نہیں دیتے
یوں لیتے ہیں دریا جو شجاعت کے دھنی ہیں
ہر چند گرفتارِ غریب الوطنی ہیں
ہے بات کی پیچ نام پہ مرتے ہیں بہادر

خالی تو ہیں پھر کر کبھی خیمے میں نہ جاتا
ممکن نہ تھا کہ یہ شبیر ترائی کو نہ پاتا
مٹی بھی یہیں کی تن صد چاک پہ ہوتی
عباسؑ دلاور تو یہ کہتے تھے بصد قہر
دوڑی چلی آتی تھی زیارت کو ہر اک لہر
کس کو خبر اس کی ہے مروں گا کہ جیوں گا

کہہ کر یہ سخن ڈال دیا نہر میں رہوار
تھے صاف حبابِ لبِ دریا گلِ بے خار
تھی نور کی ضو عکس سے گرداب کے اندر
پہلے تو کہا دل سے سمجھا لیجے یہاں پیاس
سوچے کہ سلامت تو پہونچنے کی نہیں آس
جب تشنہ دہن تا بہ لب جو نکل آتے

پہونچے کو قلم کرتی ہوئی ڈھال سے نکلی
مچھلی سی تڑپتی ہوئی اک جال سے نکلی
بٹھلا دی ہر اک کشتیِ تن گھاٹ نے اُس کی
دکھلانے لگا رخش بھی چھل بل لبِ دریا
پھٹ پھٹ گیا ڈھالوں کا بادل لبِ دریا
مطلع جو ہوا صاف مہِ نو نظر آیا

لڑنے میں نظر آگیا دریا کا کنارا
کیوں اب کہو دریا ہی ہمارا کہ تمہارا
لو آؤ تو اب ہم تمہیں آنے نہیں دیتے
ہم قوتِ بازوئے امامِ مدنی ہیں
پر شیرِ غضبناک دمِ تیغ زنی ہیں
جو کہتے ہیں منہ سے وہی کرتے ہیں بہادر

ہٹتا نہ اگر سینے پہ سو برچھیاں کھاتا
کٹتا جو مرا سر بھی تو لاشہ نہیں آتا
گر قبر بھی ہوتی تو اسی خاک پہ ہوتی
پھر پھر کے نظر کرتا تھا گھوڑا طرفِ نہر
فرماتے تھے وہ شاہ یہ پانی ہے مجھے زہر
بے قبلۂ عالم تو یہ پانی نہ پیوں گا

حسنِ رُخِ رنگیں سے وہ تختہ ہوا گلزار
پانی میں مہک عطر کی آجاتی تھی ہر بار
خورشید تو باہر تھا قمر آب کے اندر
پر ساتھ ہی ڈوبے عرقِ شرم میں عباسؑ
خم ہو کے بھر امشک کو دریا سے بصد یاس
اس وقت تو گھوڑے کے بھی آنسو نکل آئے

دریا کی ترائی میں جو آیا وہ غضنفر
شیث آیا کئی سو قدر اندازوں کو لے کر
پیاسے پہ گھٹا شام کے لشکر کی جھکی تھی
غصے میں بڑھے آتے تھے عباسِؑ علمدار
حملے تھے وہی تیغ وہی اور وہی وار
بجلی کی تڑپ فوج میں دکھلاتا تھا گھوڑا

شعلے کی لپک تیغ کے پرتو نے دکھائی
رفتارِ غزال اس کی تگ و دو نے دکھائی
آہو میں بھی ایسے نہ طرارے نظر آتے
جب بڑھتے تھے عباسؑ تو ٹل جاتے تھے ناری
گھبرا کے ہر اک صف سے نکل جاتے تھے ناری
اعجاز یداللہ کے جانی نے دکھایا

جا جا کے جو ہر صف میں لڑا عاشقِ شبیرؑ
جس وقت لگے دونوں طرف بازوں پہ تیر
جنت کے دریچوں کو ملک باز کریں گے
گھوڑا جو رکا روک لیا فوج نے اک بار
گھبرا گئے جب پڑنے لگی تیروں کی بوچھار
پیہم صفِ اعدا سے یہ ناوک فگنی تھی

تھے جسم پہ مانند زرہ تیروں کے روزن
تھی غرق بخوں تن کی قبا زین کا دامن
کھا کھا کے سناں شکر خدا کرتے تھے عباسؑ
غل فوج میں تھا مار لیا شیرِ ژیاں کو
پانی سے کہیں تر نہ کرے خشک زباں کو
مرجائے گا تیغوں سے جو مشکیزہ کٹے گا

بھاگی ہوئی پھر جمع ہوئی فوج ستم گر
غل تھا کہ نکل جانے نہ پائے یہ دلاور
تلواروں سے اور برچھیوں سے راہ رکی تھی
تھی مشکِ سکینہ پہ سپر ہاتھ میں تلوار
اس غول کے آگے کبھی اس صف کے ہوئے پار
آتا تھا کبھی اور کبھی اڑ جاتا تھا گھوڑا

بجلی کی تڑپ اسپ سبک رو نے دکھائی
ہر سم کے تلے شکل مہِ نو نے دکھائی
ہیکل جو ہلی دھوپ میں تارے نظر آتے
نعرے سے بہادر کے دہل جاتے تھے ناری
جب بھاگ نہ سکتے تھے تو جل جاتے تھے ناری
آتش کا اثر تیغ کے پانی نے دکھایا

برچھی کہیں کھائی کہیں نیزہ کہیں شمشیر
عباسؑ بنے جعفرِ طیارؑ کی تصویر
اب سوئے جناں نہر سے پرواز کریں گے
زخمی تھی کلائی پہ چلی جاتی تھی تلوار
مشکیزے کو جھک جھک کے بچاتا تھا علمدار
گھوڑے کی بھی گردن دمِ طاؤس بنی تھی

گویا کہ لہو روتا تھا ہر دیدۂ جوشن
غش آتا تھا ہر نے پہ جھکی جاتی تھی گردن
پر مشک نہ سینے سے جدا کرتے تھے عباسؑ
ہاں بھائیو دم لینے نہ دو تشنہ دہاں کو
توڑو کمرِ سبطِ رسولِؐ دو جہاں کو
پانی جو بہاؤ گے تو زور اس کا گھٹے گا

مطلع ثانیہ

جب گھر گیا اعدا میں علمدارِ حسینی
لڑتا رہا تا دیر مددگارِ حسینی
زخمی ہوا تیروں سے جو غمخوارِ حسینی
غل تھا کہ مٹی رونق گلزارِ حسینی
گو تن میں نہ طاقت تھی مگر لڑتے تھے عباسؑ
جو ٹوکتا تھا شیر سے جا پڑتے تھے عباسؑ

یاں کا تو یہ نقشہ تھا سنو حالتِ سرور
پھرتے تھے کمر پکڑے ہوئے سبطِ پیمبرؐ
ڈیوڑھی پہ تو سب ہیں حرم اور آپ ہیں باہر
لب پر کبھی نالے ہیں کبھی ہائے برادر
تکتے ہیں ہوئے نہر سراچوں کے تلے سے
لپٹائے ہیں عباسؑ کے بیٹے کو گلے سے

منھ چوم کے کہتے ہیں نہ رو میں ترے قربان
تو باپ کے آنے کی دعا مانگ مری جان
ننھے سے اُٹھا ہاتھ یہ کہتا ہے وہ نادان
اللہ یتیمی سے بچائے مجھے اس آن
بھائی کی نشانی پہ فدا ہوتے ہیں شبیرؑ
معصوم دعا کرتا ہے اور روتے ہیں شبیرؑ

پھر غل جو ہوا رن میں تو زینب کو پکارے
آتی ہے تباہی بہن اب گھر پہ ہمارے
گھبرا ہے مرے شیر کو دریا کے کنارے
مارے کوئی مجھ کو مرے بھائی کو نہ مارے
عباسؑ کی گردن سے تو شمشیر ملے گی
پر مجھ کو کہاں باپ کی تصویر ملے گی

ڈیوڑھی پہ تلاطم تھا حرم کرتے تھے زاری
کہتی تھی سکینہ کہ چلی جان ہماری
سر کھولے دعا مانگتی تھیں بیبیاں ساری
یا شیرِ خدا خاک میں مل جاتیں یہ ناری
طوفاں سے خدا پیاسوں کی کشتی کو بچائے
اللہ سکینہ کے بہشتی کو بچائے

ناگاہ یہ جانکاہ صدا دشت سے آئی
ہاں طبل بجے تیغ ید اللہ نے کھائی
تصویر علیؑ صفحۂ ہستی سے مٹائی
دیکھیں تو کہ اب بھائی کو پیدا کرے بھائی
تنہا شہِ والا کا علم کر دیا ہم نے
عباسؑ کے ہاتھوں کو قلم کر دیا ہم نے

نوفل سے کیا شمرِ لعیں نے جو اشارا
وہ دستِ علمدار اٹھا کر یہ پکارا
یہ کس کے کٹے ہاتھ ہیں ہم نے کسے مارا
دیکھے انھیں کس جا ہے ید اللہ کا پیارا
تلواروں سے تصویر مٹائی ہے یہ کس کی
کس شیر کا پنجہ ہے کلائی ہے یہ کس کی

یہ خون بھرے کس کے ہیں الماس کے بازو
ہے کس گل رنگیں میں ید اللہ کی خوشبو
لشکر کا علم کیا ہوا اے سیدِ خوش خو
وہ کون ترائی میں تڑپتا ہے لبِ جو
وہ نہر پہ خنجر سے گلا کٹتا ہے کس کا
بسمل کی طرح خاک میں تن اٹتا ہے کس کا

بھائی کے کٹے ہاتھ نظر آئے جو ناگاہ
تھرانے لگے غیظ سے ابن اسد اللہ
اتنا تو کہا مر گئے عباس علیؑ آہ
تیغ دوزباں کھینچ دوڑے شہ ذیجاہ
یاں بنتِ علیؑ کوٹ کے سینہ نکل آئی
سب بیبیوں سے پہلے سکینہ نکل آئی

عباسؑ کا فرزند تڑپ کر یہ پکارا
کیوں نکلیں بہن تم کسے مارا کسے مارا
وہ کہتی تھی رونے دو نہیں صبر کا یارا
اے بھائی بہشتی مرا کوثر کو سدھارا
چلاتی ہوں میں پھر کے نہیں آتے ہیں بابا
دیکھو وہ کمر پکڑے ہوئے جاتے ہیں بابا

فرزند کو بابا کی خبر سن کے غش آیا
گودی میں اسے دوڑ کے فضہ نے اٹھایا
دریا پہ جو پہنچا اسد اللہ کا جایا
واں بھائی کو بھائی نے تڑپتا ہوا پایا
آنکھوں کو خجالت کے سبب بند کیے تھے
تیروں سے چھدی مشک کو پہلو میں لیے تھے

بھائی سے لپٹ کر یہ پکارے شہِ ابرار
صدقے میں ترے اے مرے لشکر کے علمدار
مجروح جو تھا تیروں سے وہ جسم گہربار
عباسؑ سے آنکھوں کو نہ کھولا گیا زنہار
دکھلا کے وفادار نے کانٹوں کو زباں کے
سر رکھ دیا قدموں پہ امامِ دوجہاں کے

حضرت نے کہا سر تو قدم پر سے اٹھاؤ
عباسؑ ہم آغوش میں لیویں ادھر آؤ
گر ہاتھ نہیں سر مری چھاتی سے لگاؤ
پیاری جو زباں دے تو کچھ احوال سناؤ
تقریر تری شہرۂ آفاق ہے بھائی
بھائی تری آواز کا مشتاق ہے بھائی

عباسؑ نے کی عرض کہ ہے موت گلوگیر
کہنا تھا بہت کچھ پہ نہیں طاقتِ تقریر
اب تن کی رگیں کھنچتی ہیں یا حضرتِ شبیر
امید یہ ہے رحم کرے مالکِ تقدیر
آگے مرے روتے خلفِ شاہِ نجف ہے
اس وقت تلک منہ مرا قبلے کی طرف ہے

سب کام مرے آپ کے صدقے سے بن آئے
وہ فاطمہؑ آئیں شہِ خیبر شکن آئے
آپ آئے حسنؑ آئے رسولِ زمنؑ آئے
سب مشکلیں آسان ہوئیں جب پنجتن آئے
اب روح سوئے خلد بریں جاتی ہے آقا
کچھ نیند بھی خادم کو چلی آتی ہے آقا

یہ کہہ کے کبھی پاؤں سمیٹے کبھی پھیلائے
کلمہ جو پڑھا ہونٹھ علمدار کے تھرائے
دم تن سے نکلتے ہوئے آنسو بھی نکل آئے
سر پیٹ کے حضرت نے کہا ہائے اخی ہائے
زانوئے شہِ دیں پہ سفر کر گئے عباسؑ
گردن تو ڈھلی رہ گئی اور مر گئے عباسؑ

سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبیر پکارے
سر بھائی کے قدموں سے اٹھاؤ مرے پیارے
بھائی میں تری تشنہ دہانی کے تصدق
کچھ بولو تو اے عاشق سلطان مدینہ
بتلاؤ بھتیجی کو تسلی کا قرینہ
یہ مشک جو واں خون میں تر آ گئی بھائی
زہرا کی صدا آئی علمدار سدھارے
حضرت نے کہا جعفر طیار سدھارے
جنت کو گئے ہم سے یہ کیا کر گئے بھائی
خاموش انیس اب تو نہ کہہ زاری شبیر
ہر بات میں ہے درد ہر اک لفظ میں تاثیر
کم ہے عوض اس کا جو کوئی کوہ طلا دے

عباس ہیں چھوڑ کے جنت کو سدھارے
بس ہو چکی تعظیم میں قربان تمہارے
عباس میں اس مرتبہ دانی کے تصدق
چلاتی ہے ڈیوڑھی سے کہیں ہائے سکینہ
اس صدمے سے اس بچی کا دشوار ہی جینا
بس ہائے چچا کہہ کے وہ مر جائے گی بھائی
بے کس ہوئے شہ حیف ہے غم خوار سدھارے
جرار و فادار مددگار سدھارے
باتیں ابھی کرتے تھے ابھی مر گئے بھائی
ٹکڑے کئے دیتی ہے جگر کو تری تقریر
مصرعے ہیں محبوں کے کلیجے کے لئے تیر
آقا تجھے اس مرثیہ گوئی کا صلا دے

رباعی

آدم کو عجب خدا نے رتبہ بخشا
ادنے کے لئے مقام اعلے بخشا
عقل و ہنر و تمیز و جان و ایمان
اس ایک کف خاک کو کیا کیا بخشا

رباعی

یہ اوج یہ مرتبے ہما کو نہ ملے
یہ دلق مرقع[1] امرا کو نہ ملے
بخشی ہے خدا نے ہم کو یہ دولت فقر
برسوں ڈھونڈھے تو بادشا کو نہ ملے

رباعی

دل بت سے اٹھا کے حق پرستی کیجئے
بے تیغ انیس قطع ہستی کیجئے
آخر اک دن یہ پانوں ہونگے بیکار
بہتر ہے یہی کہ پیش دستی کیجئے

[1] خرقۂ درویشاں

۱۰ مرثیہ بند ۱۳۱

یارب جہاں میں کبھی بھائی سے بھائی جدا نہ ہو
بازو کے ٹوٹنے کی کسی پر جفا نہ ہو
تنہا ہے وہ غریب جو عالم شریک ہے
جس سنے نہ اپنی جان کو پیارا کرے بشر
کیا اس غضب کے درد کا چارا کرے بشر
تاب و تواں کہاں رہے بازو اگر نہ ہو

کوئی حسنؑ کے داغ کو پوچھے حسینؑ سے
رہتا تھا حشر مادر قاسمؑ کے بین سے
غم میں شریکِ محفل شادی نہ ہوتے تھے
تنہائی۔ دشمنوں کی جفا ظالموں کے جور
جینے کی کوئی شکل نہ راحت کا کوئی طور
ماتم تھا اہلبیت میں پرسا تھا بین تھے

جاکر حسنؑ کی قبر پہ کرتے تھے یہ بیاں
اب شہر میں حسینؑ کو ملتی نہیں اماں
دشمن خوشی ہوئے مرے بازو کو توڑ کے
برسوں حسنؑ کے غم میں نہ سیدھی ہوئی کمر
تنہا جو ہو اسی کو ہی اس داغ کی خبر
یوں سب ہیں پر برادر غم خوار اور ہی

عباسؑ پل کے نام خدا جب ہوئے جواں
اللہ کیا تھی تربیت شاہِ انس و جاں
روشن ہوا جو نام علیؑ کے چراغ کا

دشمن بھی اس بلا میں کوئی مبتلا نہ ہو
مرجائے خود پہ یہ الم جاں گزا نہ ہو
اس غم میں باپ کا بھی تو ماتم شریک ہے
کس طرح اس کا ہجر گوارا کرے بشر
بھائی کے بعد کس کا سہارا کرے بشر
لیٹے جو قبر میں بھی تو سیدھی کمر نہ ہو

دنیا میں ایک دم انہیں گذرا نہ چین سے
بہتے تھے اشکِ چشم شہِ مشرقین سے
آتے تھے جب سلام کو قاسمؑ تو روتے تھے
جو بانیٔ فساد تھے ان حاکموں کا دور
کوئی بزرگ تھا نہ کوئی سرپرست اور
دو بہنیں رونے والیاں تھیں ایک حسینؑ تھے

مجھ کو بھی اپنے پاس بلا لیجیے بھائی جان
زنداں وطن ہے میرے لئے یا شہِ زماں
جاؤں کدھر میں قبر کو نانا کی چھوڑ کے
راتیں تڑپ تڑپ کے ہوئیں آپ کو بسر
رونا ہے پیٹنا ہے تڑپنا ہے عمر بھر
یہ الفتیں ہی اور ہیں یہ پیار اور ہی

کچھ بازوئے شکستہ میں آنے لگی تواں
ان سے فضائلِ شہِ مرداں ہوئے عیاں
مرہم ملا حسینؑ کو بھائی کے داغ کا

یہ جس طرح تھے شیفتہ شاہِ نامدار
بلبل ہیں اور گل ہیں کہاں اس طرح کا پیار
الفت اسی طرح تھی انہیں اپنے شاہ سے
اب دل میں اپنے بھائیوں والے کریں خیال
رخصت طلب ہے اسلحہ باندھے علیؑ کا لال
فاقہ ہے تن میں زور نہیں دم میں دم نہیں
عباسؑ عرض کرتے ہیں اے قبلۂ زماں
آنکھوں میں اس غلام کے تاریک ہے جہاں
کوشش ضرور چاہیئے کارِ ثواب میں
فرمایا ہاں عطش کا مداوا ہے گر تو آب
صابر کو صبر چاہیئے بھائی کہ اضطراب
کچھ ہوگا اضطراب سے نے شور و شین سے
عباسؑ سو کے بولے کہ ان سب کے ہیں نثار
آنسو بہا کے کہنے لگے شاہِ ذی وقار
پہنچائے اب خدا کہیں جنت کے قصر تک
اے زورِ طبع جوہرِ سیفِ دو دم دکھا
اے خامۂ رواں سرِ اعدا قلم دکھا
سب پر عیاں ہوں شیر کے حملے لڑائی میں
کھل جائیں سب پہ تیغ کے جوہر اسی طرح
بھاگیں لرز لرز کے دلاور اسی طرح
ہر یکہ تاز موردِ قہرِ کریم ہو
عمن سے جو تیغ تیز چلے تن سے سر گریں
زخمی ادھر سے اٹھ کے جو بھاگیں ادھر گریں
غل ہو کہ عقل گم ہوئی ادراک اڑ گئی

پروانہ یوں چراغ پہ ہوتا نہیں نثار
عزت تھی خادمی میں غلامی میں افتخار
جو عشق تھا علیؑ کو رسالتؐ پناہ سے
کیا ہوگا کربلا میں شہِ تشنہ لب کا حال
کیوں کر حسینؑ بھائی کو دیں رخصتِ جدال
ان کا بھی داغ باپ کے ماتم سے کم نہیں
اصغر کی اور سکینہؑ کی اب ہے لبوں پہ جاں
یہ تین دن کی پیاس صغیروں کی الاماں
تازہ یہ باغ ہوئے گا اک مشکِ آب میں
پر مشک بھرنے دیں گے نہیں خانماں خراب
ہرگز نہیں تمہاری جدائی کی مجھ کو تاب
مر جائیں سب پہ تم نہ جدا ہو حسینؑ سے
للہ اذن دیجئے یا شاہِ نامدار
اچھا سدھارو خیر مرا کیا ہے اختیار
تم ظہر تک نہ ہوگے نہ ہم ہوں گے عصر تک
اے جوشِ فکر خونِ سپاہِ ستم دکھا
اے ذہن پھر تلاطمِ بیر الالم دکھا
پھر جنگِ نہروان نظر آئے ترائی میں
بجلی گرے صفوں پہ چمک کر اسی طرح
ہر ضرب میں تنوں سے اڑیں سر اسی طرح
جو پہلوان ہو صورتِ مرحب دو نیم ہو
یوں سر گریں کہ جیسے شجر سے ثمر گریں
بے ہوش و بے حواس گریں بے خبر گریں
جس جا صفیں جمی تھیں وہاں خاک اڑ گئی

ڈر ہے جو تیغ لختِ دلِ بوتراب کا
اس طرح قصر بیٹھ گیا ہر حباب کا
بے تاب نہر تھی کہ نکل جاؤں فوج سے
سہمی ہوئی تھی فوج ادھر سب کنارِ جو
ہتھیار سج کے آئے ہیں حضرت کے روبرو
صدمے سے سننے والوں کے دل ٹکڑے ہوتے تھے
خیمے میں پہنچی رخصتِ عباسؑ کی خبر
فضہ سے بولی زوجۂ عباسؑ نامور
اچھا سدھارتے ہیں تو خیمہ میں آکے جائیں
فضہ سے رو کے کہنے لگی خواہرِ امام
سنتی ہوں میں کہ جاتے ہو سوئے سپاہِ شام
کس کو خبر ہے نہر پہ جاکر کب آؤ گے
عباسؑ آئے خیمے کے اندر جھکائے سر
سر کو لگا کے چھاتی سے بولی وہ نوحہ گر
جاتا ہے یوں کسی سے کوئی آنکھ موڑ کے
کی عرض کیا کروں جو نہ سر کو کروں نثار
آکر پدر سے مانگتے ہیں اذنِ کارزار
حق رکھے شہ کے سائے میں اس نونہال کو
دامن پکڑ کے زوجۂ عباسؑ نے کہا
دو لال آچکے ہیں اور اک میں شکستہ پا
عزت اب اس کنیز کی صاحب کے ہاتھ ہے
کہنے لگے یہ رو کے علمدارِ نامدار
ہمراہ ہوں گے قید میں سجادِ دل فگار
لازم ہے صبر و شکر تمہیں باتمیز ہو

ساحل سے قافلہ ہے رواں موجِ آب کا
گھر ڈوبے جس طرح کسی خانہ خراب کا
پر سر پٹک کے رہ گئے زنجیرِ موج سے
اور اس طرف جنابِ علمدار نیک خو
ہوتی تھی بھائیوں میں عجب غم کی گفتگو
عباسؑ بھی حسینؑ بھی اکبرؑ بھی روتے تھے
سب بی بیاں ہراس میں دوڑیں برہنہ سر
کیا گھر میں وہ نہ آئیں گے باندھے ہوئے کمر
فرزند روتے ہیں انہیں صورت دکھا کے جائیں
میری طرف سے دے یہ علمدار کو پیام
کیونکر جئیں گے ہجر میں شبیرِ تشنہ کام
بیکس بہن سے کیا نہ گلے مل کے جاؤ گے
تسلیم کر کے جھک گئے زینبؑ کے پاؤں پر
عباسؑ تم نہ ہوگے تو لٹ جائیگا یہ گھر
بھیا کدھر چلے مرے بھائی کو چھوڑ کے
اک بھائی سے کیا مجھے قسمت نے شرمسار
کیں میں نے منتیں تو رکا بھی وہ گلعذار
جیتا نہیں زخمی دیکھوں اکبرؑ سے لال کو
اے ابنِ مرتضیٰؑ یہ کنیز آپ کی فدا
پہنچا دو مجھ کو تا بہ نجف بہرِ مصطفا
لازم ہے مجھ پہ رحم کہ بچوں کا ساتھ ہے
رانڈوں کا اور یتیموں کا حامی ہو کردگار
مالک ہیں سب کی زینبؑ غمگین و سوگوار
ہیں شاہ کا غلام تم ان کی کنیز ہو

مشکیزہ لے گئے آئی سکینہ چچا کے پاس
کہنے لگی لپٹ کے وہ بچی بہ ّ دو یاس
تم کو دعائیں دوں گی اگر جلد آؤ گے

مشکِ سکینہ لے کے برآمد ہوئے جناب
گھوڑے پہ جلوہ گر جو ہوئے مثلِ بوتراب
غل تھا یہ ساز ہے کہ دلہن کا بناؤ ہے

وہ خود سر پہ جس کی چمک مثلِ برقِ طور
بر میں زرہ کہ چھنکے نکلتا تھا جس سے نور
ہر جوہر اس کا حور کے چہرے کا خال تھا

وہ تیغِ ذوالفقار سے تھی ہمسری جسے
رکھے بغل میں ہاتھ لگے وہ پری جسے
اُلٹیں صفیں وغا میں جو وہ شعلہ خو بڑھی

اس دوش پر مقام رہے رُتبہ کماں
نیزہ کہ سینہ جس سے چرائے تھا آسماں
غالب تھا اس کا خوف سپاہ کثیر پر

مدحِ علم میں طبع کو تشویش ہے کمال
بے مثل جو ہو پھر اسے کس شئے سے دوں مثال
جھک جائے آسماں وہ بزرگی نشاں میں ہے

کیوں کر نہ جھکے چشمِ جہاں میں کو آفتاب
دامن خدائے پاک کی رحمت کا ہے سحاب
سرسبز اس نے کر دیا دنیا کی کشت کو

پنجہ یہ ابتدا سے رہا نورِ سرمدی
پرچم سیاہ اور پھریرا ز برجدی
کافر رہے نہ لشکرِ اسلام رہ گیا

روتے گلے لگا کے علمدارِ حق شناس
للّٰلہ عمو جان بجھا دو ہماری پیاس
آنے میں دیر کی تو مجھے پھر نہ پاؤ گے

طالع ہوا سپہر شرافت کا آفتاب
برچھوں اُڑا سمٹ کے سمندِ صبا شتاب
بجلی ہے یا بُراق کی یہ آؤ جاؤ ہے

پھیلی تھی دشت کیں میں ضیا رُخ کی دور دور
وہ ڈھال حرز جاں جسے کہتے ہیں ذی شعور
اُس شب میں چار بدر تھے اور اک ہلال تھا

منظورِ فوجِ کفر کی تھی ابتری جسے
عباسؑ نامور سا ملا جوہری جسے
دریا دلوں کا ساتھ دیا آبرو بڑھی

ترکش تھا وہ کہ مرگِ مفاجات کا مکاں
در آئے کوہ میں وہ چمکتی ہوئی سناں
ایک اک گرہ کسے تھی کمر دار و گیر پر

ہر سمت دوڑ دوڑ کے تھک تھک گیا خیال
طوبیٰ اسے کہوں تو وہ ہو جائے خود نہال
یہ راستی نہ سرو میں نہ کہکشاں میں ہے

پنجے سے اسکے آنکھ ملانے کی کس کو تاب
جس کے کرم سے ایک زمانہ ہے فیضیاب
اب تک اسی ہوا کی ہوس ہے بہشت کو

پنجے تھے جس کے قبلۂ عالم کے مقتدی
نصرت پناہِ زینتِ فوج محمدؐی
دنیا میں اس نشاں کا فقط نام رہ گیا

پہنچا جو اس شکوہ سے رن میں وہ ذی حشم
نعرہ جو کر کے کھول دیا دامن حکم
اک شور تھا کہ مشک بھی ہمراہ لائے ہیں
پسپا ہوئے وہ ڈر کے سرآمد تھے جو جواں
گر گر پڑے فرات میں گھاٹوں کے پاسباں
دہشت یہ تھی کہ شیر صفوں پر نہ آپڑے

اللہ ری بے حواسیٔ فوج جفا پسند
بڑھ کر پکارے حضرت عباسؑ ارجمند
مرتے ہیں مارے پیاس کے وہاں بے گناہ دو
یہ سُن کے ابنِ سعدِ لعیں نے پرے جمائے
اک شور تھا کہ اب یہ ہشتی نہ بڑھنے پائے
موت آئی اس کے سر پہ جو آفت نصیب تھا

تیغیں کھنچیں ادھر بھی نیاموں سے مثلِ برق
وہ گرز اٹھے کہ جن سے نہ بچتا تھا خود و فرق
حلقے کماں کشوں کے جنوب و شمال تھے
آوازِ کوسِ حرب ہوئی ہر طرف بلند
شور دہل سے اور تزلزل ہوا دوچند
چھوٹے گھر اژدروں سے ترائی نہر بر سے

بڑھ کر رجز کو تیغ علم کی جناب نے
جلوہ کیا جو دشت میں اس برق تاب نے
بجلی کی برق و شرق بھی نظروں سے گر گئی
چمکائی برق شام کے بادل میں شیر نے
طبقہ ہلایا گونج کے جنگل میں شیر نے
جرأت نثار ہوتی تھی اس دستِ پاک پر

دلدل کی طرح اڑ کے تھما اسپ خوش قدم
اللہ رے رعب ہٹنے لگا لشکر ستم
بھاگو علیؑ جہاد کو میدان میں آئے ہیں
ترکش سے تیر ظلم گرے دوش سے کماں
کانپی زمیں یوں کہ سلامی ہوئے نشاں
گھوڑے بھڑک کے دوسرے گھوڑوں پہ جا پڑے

دہشت سے رستموں کے لرزتے تھے بند بند
جم کر لڑو کہ نام شجاعوں میں ہو بلند
لڑتے نہیں تو نہر پہ جانے کی راہ دو
دستے ستم کے گھاٹ پہ دریا کے اور آتے
تلوار رکھ کے کاندھے پہ عباسؑ مسکرائے
چھیڑا تو رخش اڑ کے صفوں کے قریب تھا

گرچہ وہ یل کہ لوہے کے دریا میں تھے جو غرق
در آئے دل میں جو وہ سنانوں کی برق و شرق
اک آفتاب تھا ہزاروں ہلال تھے
تیغیں کھنچیں کہ ہو گئی دریا کی راہ بند
صف میں کنوتیوں کو بدلنے لگے سمند
جنگل سیاہ ہو گیا ڈھالوں کے ابر سے

لی رخ پہ تھرتھرا کے سپر آفتاب نے
گھیرا منافقوں کو خدا کے عتاب نے
تلوار موت بن کے نگاہوں میں پھر گئی
سر اڑ گئے گزر کیا جس دل میں شیر نے
الٹا پروں کو حملۂ اول میں شیر نے
تلوار تھی کہ بجلیاں گرتی تھیں خال پہ

اک وار روک لے یہ کسی کا جگر نہ تھا
جب تیغ تیز خود تک آ پہونچی سپر نہ تھا
آفت تھی امن میں کوئی بیداد گر نہ تھا
ڈر کر ادھر کی صف سے جو بھاگا اُدھر نہ تھا
بڑھتا تھا آپ سے نہ کوئی جنگ کے لئے
لاتی تھی موت گھیر کے چورنگ کے لئے

اللہ رے ان پروں سے لڑائی دلیر کی
مجمع میں ہر طرف تھی رسائی دلیر کی
پھرتی تھی چار سمت کلائی دلیر کی
غل تھا سپاہ میں کہ دُہائی دلیر کی
نعرہ تھا لڑ تو لیں وہ جو منکر ہیں دین کے
خود ہاتھ روک لوں گا میں دریا کو چھین کے

لازم ہے تم بھی جان لڑا دو لڑائی میں
ملتا ہے مجھ کو لطف صفوں کی صفائی میں
اس معرکے کا شور ہے کا خدائی میں
بہہ لے کمر کمر تو لہو اس ترائی میں
آباد ہو یہ دشت محلے اُجاڑ ہوں
انبار ہوں تنوں کے سروں کے پہاڑ ہوں

چمکی جو برق تیز کماندار ڈر گئے
کانپے جو سب چڑھے ہوئے چلّے اُتر گئے
سر سے تو ہوش اڑ گئے تیروں سے پر گئے
ثابت نہ تھا کٹے ہوئے ترکش کدھر گئے
وہ سرکشی نہ تھی وہ سرافرازیاں نہ تھیں
جاں بازیاں نہ تھیں قدر اندازیاں نہ تھیں

شبدیز کو اُڑا کے گئے جس سوار پہ
شیر آ پڑا سمٹ کے یکایک شکار پر
سر سے وہ تیغ تیز گئی راہوار پہ
نکلی تو خوں کی چھینٹ نہ تھی اس کی دھار پر
قبضے سے راستی نہ گئی کج ادائی میں
دیکھی نہیں کبھی یہ صفائی لڑائی میں

آئی جدھر تنوں سے سروں کو جدا کیا
ایک ایک نخل سے ثمروں کو جدا کیا
شانوں کو گردنوں کو سروں کو جدا کیا
کاٹیں صفیں پروں سے پروں کو جدا کیا
لاکھوں سے اس طرح کوئی تنہا لڑا نہیں
فوجوں میں تفرقہ کبھی ایسا پڑا نہیں

گرتی تھی صاعقے کی طرح شعلہ بار تیغ
خوں پی کے بھی نہ لیتی تھی دم بھر قرار تیغ
چلتی تھی ہر طرف صفتِ ذوالفقار تیغ
کیا دستِ حق پرست تھا کیا آبدار تیغ
دونوں کی آبرو ہے جو ساتھ اس طرح کا ہو
تلوار اس طرح کی تو ہاتھ اس طرح کا ہو

دیکھا نہیں کبھی کسی دریا کا ایسا توڑ
نیزوں کے بند کاٹ دئے تھے تنوں کے جوڑ
کہتی تھی موت ہاں تنِ اعدا میں دم نہ چھوڑ
خوں پی کے جان لے کے فنا کر کے منہ کو موڑ
بڑھ کر لہو فرات کے ساحل سے جا ملے
روکا تھا گھاٹ کیوں انہیں کچھ تو سزا ملے

دریا کے پاسبانوں سے نکلا جو کوئی یل
وہنے سے تیغ بائیں طرف سے بڑھی اجل
چہرے کی چوٹ کھا کے گرا وہ جو منھ کے بل
عباسؑ نامدار پکارے سنبھل سنبھل
اِس تیغِ بے دریغ میں تجلی کا طور ہے
ظالم وہ گھاٹ اور تھا یہ گھاٹ اور ہے

جس پہلوان پہ شاہ کے اقبال سے چلی
جوشن کے ٹکڑے کر کے نئی چال سے چلی
پہونچا اڑا کے سوئے زرہ ڈھال سے چلی
لو ماہیٔ محیطِ ظفر جال سے چلی
راکب فرس سے مُنھ کے بھل آیا زمین پر
ٹکڑے زِرہ کے رہ گئے گھوڑے کی زین پر

چار آئینے پڑے ہوئے تھے خاک پر کہیں
مِغفر کہیں تھے ٹھوکریں کھاتے تھے سر کہیں
تیغیں بہادروں کی کہیں تھیں سپر کہیں
ترکش کہیں کمانیں کہیں تھیں تبر کہیں
قبضہ تھا ناکسوں کا تو بے آب و تاب تھے
اس وقت تھے جو صاحبِ جوہر خراب تھے

تھا اپنے کارزار پہ جن جن کو اعتماد
جنگل میں بھاگے جاتے تھے وہ مثلِ گرد باد
ڈالا تھا آبِ تیغ نے ہر جسم میں فساد
موقوف تھا عناصرِ اربع کا اتّحاد
ہل چل غضب تھی تیغِ بہادر کی تاب سے
آتش ہوا سے بھاگتی تھی خاک آب سے

گم تھے قرار و صبر و ثبات و حواس و ہوش
اٹھتا تھا الاماں کا ہر سمت سے خروش
چھپتے تھے خوف جاں سے جوانانِ زرع پوش
اپنے سروں کو آپ سمجھتے تھے بارِ دوش
رنگت پریدہ موت کی تلخی زبان پر
بھاری تھی جان جسم پہ اور جسم جان پر

تنہا ادھر تھے آپ اُدھر اژدحام تھا
وہ بے نشاں تھا جس کا شجاعوں میں نام تھا
تلوار تھی کہ برطرفی کا پیام تھا
چہرے کٹے تھے جائزۂ فوجِ شام تھا
ڈر فرد فرد کو تھا عذابِ شدید کا
دفتر الٹ گیا تھا سپاہِ یزید کا

اللہ رے رعب و صولت و شوکت دلیر کی
گنتی محال ہو گئی لاشوں کے ڈھیر کی
سب شان تھی نبرد میں خالق کے شیر کی
خود پہونچے گر حریف نے بڑھنے میں دیر کی
گھوڑا اڑا کے جاتے تھے یوں ہر سوار پر
جنگل میں باز گرتا ہے جیسے شکار پر

اللہ ری تیغ صاعقہ کردار کی چمک
ذرے سے کم تھی مہرِ ضیا بار کی چمک
سینوں کے پار ہوتی تھی تلوار کی چمک
بڑھ بڑھ کے کاٹتی تھی گلے دھار کی چمک
جوہر تو جان لے کے بھی منھ موڑتے نہ تھے
پشتے وہ تھے کہ تن میں لہو چھوڑتے نہ تھے

ڈالی تھی اس جری نے عجب جنگ کی طرح
اعدا دو نیم ہو گئے چو رنگ کی طرح
لوہے کو کھائے جاتی تھی وہ زنگ کی طرح
منھ پر ٹھہر سکا نہ کوئی رنگ کی طرح
کیا صاف تھا وہ ہاتھ صفوں کی صفائی میں
روحیں تنوں کو چھوڑ گئیں اس لڑائی میں

جب ہاتھ اٹھا تو گنبدِ گردوں پہ ضو گئی
پستی سے اوج پر صفتِ ماہِ نو گئی
بجلی سی ہوئے لشکرِ حق ناشنو گئی
دیکھی جو کشتِ کفر تو بہرِ درو گئی
دریا پہ آئی دشت کو لاشوں سے پاٹ کے
تودے لگائے ظلم کی کھیتی کو کاٹ کے

زرہوں کو موج جانتی تھی خود کو حباب
بے مثل بے عدیل، بلا نوش لاجواب
ہر دم عدم کی راہ دکھاتی تھی اس کی تاب
سُم کی طرح کلیجے کو جو چھاندے وہ حباب
کچھ بڑھ گیا تھا کاٹ جو دریا کے کاٹ سے
دھارا پناہ مانگتا تھا اس کے گھاٹ سے

وہ تیغ کی تڑپ وہ تگ و دو سمند کی
وحشت ہرن کی تیز پری تھی پرند کی
ترکیب کچھ جدا تھی ہر اک جوڑ بند کی
پنہاں ہوا سوار جو گردن بلند کی
پریوں کی جان جاتی تھی یال اس کی دیکھ کر
طاؤس سر جھکاتے تھے چال اس کی دیکھ کر

دونوں کنوتیاں ہیں کہ پیکانِ تیر ہیں
چاروں سم اس کے غیرتِ بدرِ منیر ہیں
آنکھوں پہ کیجیے جو نظر بے نظیر ہیں
یال ایسے جس کے پیچ میں پریاں اسیر ہیں
سرعت میں اس سے طیر کو نسبت نہ تیر کو
نرمی یہ جلد میں کہ خجالت حریر کو

چیتے کی جست شیر کی چتون ہرن کی آنکھ
شرمائے جس سے آہوئے چین و ختن کی آنکھ
پڑتی تھی یوں حریف پہ اس صف شکن کی آنکھ
لڑتی ہے جیسے جنگ میں شمشیر زن کی آنکھ
راکب شجاع تھا تو فرس بھی دلیر تھا
گھوڑا ہرن میں تھا کہ غزالوں میں شیر تھا

بجلی صفوں میں کوند رہی تھی دمِ جدل
ہل چل ہیں ہر پرے پہ پرا تھا تو دَل کے دَل
وہ تھوتھنی وہ آنکھ وہ سُم وہ کمر کفل
دیکھا نہ آج تک کہ مٹے اس طرح سے کل
عالم تھا تن کی بو میں گلوں کی شمیم کا
موڑا جدھر نکل گیا جھونکا نسیم کا

چمکار کر یہ کہتے تھے عباس نیک خو
حقِ وفا جو ہے وہ ادا کر چکا ہے تو
پامال فوج ہو چکی اب چل کنارِ جو
بس اب فقط ہے مشک کے بھرنے کی آرزو
ماتم بپا ہے گھر میں شہِ مشرقین کے
پانی بغیر مرتے ہیں بچے حسینؑ کے

فرما گئے یہ ترائی میں مانند شیر آئے
ہاں صفدرو ادھر یہ بہشتی نہ آنے پائے
فرمایا روکنا ہمیں کیا بے شعور ہو
مشکیزہ ساتھ ہے یہ نہ ہوگا کہ ہم نہ آئیں
عالم کے ہوں شجاع تو ہم پر ظفر نہ پائیں
آتش پہ ڈال دیں جو قدم لالہ زار ہو
دریا نہ ہو کہ روک لیا باندھ کر پرے
پانی کے واسطے تو ہیں ہاتھوں پہ سر دھرے
ڈھالوں پہ برقِ تیغِ دو دم کو تو روک لو
اِک خوں گرفتہ سُن کے یہ نکلا پئے جدال
چہرے کا اور سپر کا سیاہی میں ایک حال
نامِ علیؑ کسی نے لیا جب تو جل گیا
مغفر تنور تھا تو زرہ موجِ رودِ نیل
حملے میں تھا جو دیو تو ٹکر میں مستِ فیل
فوجیں ہوں گر تو منہ کو پھرائے نہ حرب سے
تیغے کا وہ چڑھا ہوا پھل کہ الاماں
پر خاش خو مہیب نظر اژدرِ دماں
افزوں تھا کید و مکر میں ابنِ زیاد سے
بولے یہ اس سے حضرتِ عباس نیک خو
ان کو بھی ہاں بلا جو کھڑے ہیں کنارِ جو
آتا ہے بے دھڑک کوئی یوں منہ پہ شیر کے
اچھا ہوس ہو جو ترے دل میں اسے نکال
ہم منتظر کھڑے ہیں کہیں ختم ہو جدال
تجھ کو ہے خوفِ جاں ہمیں مرنے کی عید ہے

چلّائے سب وہ گھاٹ پہ جو تھے پرے جمے
کاندھے پہ رکھ کے تیغ کو عباسؑ مسکرائے
پیاری اگر ہے جان تو دریا سے دور ہو
چاہیں ابھی تو خوں کی یہیں ندیاں بہائیں
یہ نہر کیا ہے آگ کے دریا کو پیر جائیں
بیڑا ہمارا نوح کے طوفاں سے پار ہو
شیروں کے شیر بھی کہیں رکتے ہیں بے مرے
ہم اور ہٹائیں پاؤں کو بے مشک کے بھرے
جس طرح گھاٹ روکا تھا ہم کو تو روک لو
تندر صدا مہیب ادا اہرمن خصال
(آوازِ رعد — دیو و شیطان)
بدخواہ خاندانِ محمدؐ عدوئے آل
نکلا نہ دل سے بغض نہ ابرو سے بل گیا
عمرو ابنِ عبدود سے بھی قامت میں کچھ طویل
بے مثل بغض و کیں میں عداوت میں بے عدیل
دل کیا پہاڑ کانپتے تھے اس کی ضرب سے
بالائے دوشِ نحس کئی ٹانک کی کماں
بدعت کا در فریب کا گھر مفسدِ زماں
رگ رگ بھری ہوئی تھی عناد و فساد سے
اس گھاٹ پر بڑھا ہے ہمیں روکنے کو تو
دریا جو چھن گیا تو رہے گی نہ آبرو
ثابت ہوا اجل تجھے لائی ہے گھیر کے
ہاں آزمودہ تر ہو جو حربہ اسے سنبھال
تیغ و سپر اٹھا کے دکھا اپنی چال ڈھال
یہ انتظار موت سے بھی کچھ شدید ہے

تجھ سا جوان اور نہ کرے کچھ خدا کا ڈر
کانٹوں کا ساتھ گل سے خلش رہنما سے شر
کافر کریں گے طعنہ زنی اُس لعین پر
کیا وعدۂ یزیدِ جفا جو کا اعتبار
بھولے ہو اس کو جو ہے محمدؐ کا یادگار
کچھ فرق نیک و بد میں کرو گر تمیز ہے
معصوم جاں بلب ہیں کئی قحطِ آب سے
دل میں غبار ہے خلفِ بوتراب سے
گرمی سے اختلال جو ہوگا حواس میں
یہ ذکر سن کے رونے لگے اور اہلِ شر
میزانِ عقل میں جو سبک تھا وہ خیرہ سر
بڑھتے جو دیکھا بے ادبانہ دلیر کو
قبضے میں تھی کھنچی ہوئی شمشیرِ خونچکاں
برقِ غضب تھی ضرب علمدار نوجواں
پہلے ہی وار میں خطِ نصرت رقم ہوا
خود سر نے ڈانڈ پھینک کے قبضہ میں لی کماں
نعرہ کیا زہے ہنر اے اژدرِ دماں
چلّے بھی نادرست تھے ترکش بھی دور تھا
کٹ کٹ گیا چلے جو یہ تیغِ زباں کے وار
گرز و سنان و تیر ہیں کیا او جفا شعار!
تیروں کا مینھ برس گیا تیغوں کی برق دیکھ
یہ سن کے غیظ آ گیا اُس بدمآل کو
کاندھے سے لے ہاتھ میں لوہے کی ڈھال کو
غصے میں لب پہ بے ادبانہ کلام تھے

کستا ہے کوئی قتل پہ سادات کے کمر
دریا میں بخل. نا ہے اس نخل کا ثمر
لعنت تمہاری عقل پہ تُف ایسے دین پر
کاذب قمار باز منافق شراب خوار
سیّد ستم رسیدہ مسافر عیال دار
ایسے بزرگ سے تمہیں پانی عزیز ہے
کیوں ظالمو بھٹکتے ہو راہِ ثواب سے
کوثر پہ کیا کہو گے رسالت مآب سے
مانگو گے کس سے آب قیامت کی پیاس میں
پر اس شقی کے دل میں نہ مطلق ہوا اثر
گھوڑا بڑھایا نیزۂ خطّی کو تول کر
آیا جلال شیرِ الٰہی کے شیر کو
کوندی کہ الحفیظ بڑھی وہ کہ الاماں
سُن ہو گیا جو سن سے چلی تیغِ جاں ستاں
مثلِ خیار بیچ سے نیزہ قلم ہوا
گوشوں کو بڑھ کے کاٹ گئی تیغِ بے اماں
سب یاں کے سرکشوں میں ہے تو صفدرِ زماں
تیری نہیں خطا یہ کماں کا قصور تھا
گونجے مثالِ شیر علمدارِ ذی وقار
آ جا قریب کھینچ کے شمشیرِ آبدار
کٹتا ہے کس کا سر حق و باطل کا فرق دیکھ
دابا شقی نے اشہبِ صرصر مثال کو
چمکائی تیغ گھور کے حیدر کے لال کو
آنکھیں تھیں یا بھرے ہوئے خوں کے جام تھے

شرمندہ جس سے قیر وہ چہرہ سیاہ رنگ
ماتھا بھی تنگ ہاتھ بھی کوتاہ دل بھی تنگ
کس معرکے میں روم و عرب کے لڑا نہ تھا

عباس نامور نے بھی جولاں کیا فرس
وہ تھوتھنی وہ آنکھ وہ سینہ وہ پیش و پس
جم کر اڑا تو نعلوں کی ضو تا فلک گئی

مغفر کٹی کبھی کبھی بکتر کبھی سپر
سینے پہ آئی وہ تو یہ پہونچی قریب سر
سر سے بلند ہو کے جو تیغیں چمکتی تھیں

دستانے سے کبھی کبھی جوشن سے جا ملی
جھجکا تو نوک بازوئے شہپر سے جا ملی
وہ خود پر تو یہ سپر آہنیں میں تھی

اس کا فرس ادھر تھا تو اس کا سمند ادھر
یہ ارجمند ادھر تھا تو وہ خود پسند ادھر
گو وہ سیاہ رو بھی قوی ہے دلیر ہے

گرمی میں ہانپنے جو لگا وہ سیہ دروں
محتاج آب ہم ہیں تہ چرخ واژگوں
شیر اب تجھے شکست سر دست دیتے ہیں

تیری جو کلیات تھی وہ ہو چکی تمام
اس ڈیل ڈول پر نہیں کچھ پاس ننگ و نام
کس بزدلی کا تجھ میں ستم گر زمیل تھا

چالیس وار ہم نے کئے ایک دم میں رد
پر مار ڈالنے میں ترے کی نہ جد و کد
لے اب بھی بھاگ جا مرے کہنے کو مان لے

رسوائے زنگبار سواد حبش کا رنگ
قتال بد مزاج سلح شور خانہ جنگ
پر ایسے شیر سے کبھی پالا پڑا نہ تھا

گرد قدم کی جس کے ہوا کو رہی ہوس
تھا تازیانہ جس کے لئے رشتۂ نفس
باگیں ذرا جو ہل گئیں بجلی چمک گئی

چمکی یہ برق ادھر تو وہ بجلی گری ادھر
شانے سے وہ پھری یہ چلی جانب کمر
انساں تو کیا فرشتوں کی آنکھیں جھپکتی تھیں

سر کی سپر جہاں سے وہیں سن سے جا ملی
پہلو سے وہ گئی تو یہ گردن سے جا ملی
اس دن غضب کی رد و بدل کفر و دیں میں تھی

گھوڑوں میں اس طرف تھے طرارے زغند ادھر
لیکن ادھر تو امن و اماں تھی گزند ادھر
پھر بھی تو کلب کلب ہے اور شیر شیر ہے

فرمایا دیکھ ہے تری گردن پہ تیرا خوں
تو نے نکال دی ہے زباں او سگ زبوں
دو ہاتھ میں ترائی کو ہم چھین لیتے ہیں

جز و ضعیف میں ہوں بس اب دیکھ میرا کام
تجھ کو تو عمرو جانتے تھے ساکنان شام
یہ تیری ضربتیں تھیں کہ لڑکوں کا کھیل تھا

آگاہ اس سے دونوں طرف کے ہیں نیک و بد
سر پر اجل اب آگئی او بانی حسد!
یا لیلے دم تو پھر ملک الموت جان لے

دانتوں کو پیس کر یہ پکارا وہ پُر غرور
فرمایا عقل سے یہ تعلّی تری ہے دور
وہ میری حرب تھی یہ علیؑ کی نبرد ہے
اسپ و سر و جسد سے خبردار ہوشیار
وا با ذرا تو ہل گیا گھوڑے سے اہوا
سر اڑ گیا سپر سے ہزار اُس نے آڑ کی
کب سر اُڑا شقی کو نہ مطلق ہوئی خبر
قربان ضربِ دستِ علمدار نامور
ہاتف نے دی صدا کہ اسے جنگ کہتے ہیں
کاندھے پہ تیغ رکھ کے پکارا وہ شکِ ماہ
دَب کے گھاٹ چھوڑ گئی شام کی سپاہ
کی آہ خیمۂ شہِ والا کو دیکھ کر
جس جا ہے قبر یاں سے اس جا پہ کی نظر
آواز مرتضےٰ کی یہ آئی کہ اے پسر!
روتی ہیں سر پٹکتی ہیں فریاد کرتی ہیں
اُمّ البنین سا کوئی ہوگا نہ نیک نام
سقائے اہل بیت ہے تو اے فلک مقام
مرنے کے بعد اور بڑھے گا حشم ترا
یہ تشنگی یہ جنگ یہ حملے یہ کارزار
یہ آج کی وغا ہے زمانے میں یادگار
ناصر وہ ہے امام کے جو روبرو لڑا
دنیا میں آج سے ہے بہشتی ترا لقب
پانی بلا نہیں علی اصغر کو ہے غضب
پیاسوں کا تشنگی سے کلیجہ کباب ہے

روکوں گا میں بھی وار کریں پاس سے حضور
لے آئے ہم وغا میں نہ اب کنجکو قصور
روک اب ہمارا وار تو جانیں کہ مرد ہے
چلتا ہے اب کے دستِ علیؑ ولی کا وار
بجلی گری کہ سن سے چلی تیغِ آبدار
کٹ کر گری زمین پہ چوٹی پہاڑ کی
پھر وار اک کیا کہ دو پارہ ہوئی کمر
راکب کے پاؤں کاٹ دیے اور فرس کا سر
ضرب اس کو کہتے ہیں اسے جونگ کہتے ہیں
کیوں اور بھی ہے کوئی جو روکے ہماری راہ
پہنچا کچھار میں پسرِ ضیغمِ الٰہ
آنسو بھر آئے آنکھوں میں دریا کو دیکھ کر
فرمایا رے گئے ہیں یہیں کی علیؑ خبر
تعریف کر رہے ہیں تری سید البشر
زہرا دعائیں دے کے تجھے یاد کرتی ہیں
فرزند جس کے چار ہوئے فدیۂ امام
شبیر کی طرح تجھے روئیں گے خاص و عام
پہلو میں ہر ضریح کے ہوگا علم ترا
اے باوفا پسر ترے ہاتھوں کے میں نثار
تلوار تھی کہ برق چمکتی تھی بار بار
میں غزوۂ اُحد میں لڑا آج تو لڑا
اب مشک بھر حسینؑ کے بچے ہیں تشنہ لب
جو بچوں والیاں ہیں تری منتظر ہیں سب
کوشش کر اے پسر کہ یہ کار ثواب ہے

غازی نے عرض کی کہ دعائیں کریں جناب
مطلب یہ خاکسار کا ہے یا ابو تراب
جا پہونچے مشک گھر میں سلامت تو عید ہو
یہ کہہ کے نہر میں گئے عباسؑ عرش جاہ
دیکھی جو شوکت اسد اللہ دیں پناہ
غل مچھلیوں میں تھا اسد حق کے جاتے ہیں
وہ مشک دوش پر وہ چھلکتا ہوا علم
غل تھا کہ آج کوثر و طوبیٰ ہوئے بہم
ٹپکا عرق جبیں سے تو پانی گلاب تھا
اک سطح نور ہو گیا دریا کا آب سب
کرنے لگے زیارتِ روئے جناب سب
اُبھری صدف کہ گوہر فیض عموم لوں
نکلا جو مشک بھر کے وہ بچوں کا خیر خواہ
ہاتھوں پہ مشک رکھ کے دعا کی کہ یا الٰہ
تن کا لہو بہے تو بہے آب بہہ نہ جائے
آئی ندائے غیب کہ اے حامیٔ رسولؐ
بچوں کا آج اور تڑپنا کرو قبول
سیراب ہوں گے سب جو علیؑ کے غلام ہیں
ہم سا رحیم کون ہے دنیا میں دوسرا
جو مصلحت ہے اس کو کوئی جانتا ہی کیا
منظور ہے محبوں کا درجہ رفیع ہو
اے بازوئے حسین دا بوالفضل باوفا
کوثر کیا ہے ہم نے ترے باپ کو عطا
ضائع ہو آب اگر تو عوض ہم سے لیجیو

رکنے نہ کوئی راہ جو نکلوں میں بھر کے آب
اصغر میں جان آئے سکینہ ہو کامیاب
پانی پلا کے بچوں کو خادم شہید ہو
شور اک درود کا ہوا ماہی سے تا بہ ماہ
ہیں گرد پھر لوں پہلے یہ گرداب کو تھی چاہ
مجرا کرو کہ ماہِ بنی ہاشم آئے ہیں
اِک برق نور گرتی تھی موجوں پہ دمبدم
وہ عکس روئے پاک کا وہ شوکت و حشم
باہر تو آپ تھے تہہ آب آفتاب تھا
موجیں ٹھہر کے بھول گئیں اضطراب سب
قدموں سے آنکھیں ملنے کو دوڑے حباب سب
پانی کو تھی ہوس کہ لب پاک چوم لوں
آئی نظر گھٹا کی طرح شام کی سپاہ
زخمی ہوں میں پہ یہ مری محنت نہ ہو تباہ
سقا بنا ہوں جس کا وہ محروم رہ نہ جائے
کوثر پہ ہو گا تیری دعا کا ثمر حصول
عرصہ نہ کچھ ہے اجر میں نہ کچھ جزا میں طول
کل تو ہے اور چشمۂ کوثر کے جام ہیں
بچوں پہ ہم شفیق ہیں ماں باپ سے سوا
ظالم یہ سب ہیں امتِ مرحوم سے جدا
ہم بخشیں اور حسینؑ سبھوں کا شفیع ہو
سقائے اہلِ بیتِ نبیؐ ہے لقب ترا
یہ مشک کیا فرات کا پانی ہو گر تو کیا
مشکوں کو بھر کے خلد میں پیاسوں کو دیجیو

روز الست ہو چکی ہے اس کی گفتگو
حیدر کے فاطمہؑ کے محمدؐ کے روبرو
اقرار کر چکے ہیں حسینؑ خجستہ خو
طے ہو چکا ہے مرحلہ گھبرائیو نہ تو
بخشش کا اب حسینؑ پہ دار و مدار ہو
بوجھ اور یہ نہیں ہے شفاعت کا بار ہو

تلواریں برسیں یا کہ ستم کی ہوا بڑھے
رنج و بلا ادھر سے ادھر سے ولا بڑھے
ہاں صبر کر جو آج بلا پر بلا بڑھے
تا آبروئے اُمّتِ خیر الوریٰ بڑھے
کوثر ملے بہشتِ بریں کے ثمر ملیں
پیاسوں کو روئیں جو نہیں جنت میں گھر ملیں

دریا سے نکلے اشک بہاتے ہوئے جناب
قطعاً یقیں ہوا کہ بچے گی نہ مشکِ آب
تلوار تول کر یہ کیا فوج سے خطاب
ممکن نہیں کہ تم سے رکے ابنِ بوتراب
سینے پہ خنجر و تبر و تیر کھائیں گے
جس طرح آئے ہیں یوں ہی دریا سے جائیں گے

مقتل پہ اپنے لاکھوں سے لڑتے ہوئے جو آئے
نیزے کہیں لگے کہیں چھاتی پہ تیر کھائے
شانوں سے ہاتھ کٹ گئے غازی کے ہائے ہائے
پانی بہا تو دیکھ کے گردوں کو مسکرائے
جو اس وغا میں بھاگ گئے تھے وہ پھر پڑے
جھکنے لگا نشان تو علمدار گر پڑے

اک غل ہوا کہ شیر کو مارا پچھاڑ میں
وہ ٹوٹتا ہے عرش کا تارا پچھاڑ میں
اب کون ہوگا معرکہ آرا پچھاڑ میں
بے جاں ہوا حسینؑ کا پیارا پچھاڑ میں
ہم جن کے ڈر سے کانپتے تھے وہ گزر گئے
پہنچو خبر حسینؑ ہیں زندہ کہ مر گئے

حضرت سے دوڑ کر علی اکبر نے یہ کہا
طاقت ہماری گھٹ گئی مارے گئے چچا
سنتے ہی کانپنے لگے حضرت کے دست و پا
خیمے کا در پکڑ کے کہا وا مصیبتا
بتلاؤ لاش لینے چلیں یا بُکا کریں
ہم پر پہاڑ ٹوٹ پڑا ہائے کیا کریں

گرتے ہوئے جو بھائی کے لاشے پہ آئے شاہ
دیکھا کہ نزع میں ہیں علمدار عرش جاہ
منہ قبلہ رو ہے مشک و علم کی طرف نگاہ
لب پر یہی سخن ہے کہ حضرت نہ آئے آہ
پیاسوں کا یا مفارقتِ شہ کا غم کروں
یارب کسے سپرد یہ مشک و علم کروں

پھیلا کے دونوں ہاتھ پکارے شہ زماں
آیا غریب و بے کس و مظلوم و ناتواں
تڑپے صدا یہ سن کے علمدار نوجواں
گویا نکل کے آئی دوبارہ بدن میں جاں
دل ڈھونڈتا تھا بس کہ شہ مشرقین کو
حسرت سے آنکھیں کھول کے دیکھا حسینؑ کو

گودی میں سر کو رکھ کے پکارے امام دیں
قدموں پہ منھ کو رکھ کے پکارا وہ مہ جبیں
آنکھوں میں گو ہے دم پہ ہوں عارف امام کا
سب بن گئے حضور کے صدقے سے میرے کام
دست علیؑ میں دیکھتے کوثر کے ہیں جام
کیا دیکھتے ہو مشک کو دم توڑ توڑ کے
خادم کو پیار کرتے ہیں محبوب ذوالمننؑ
اس موت پر حیات نثار اے شہ زمن!
مولا مدد کو آئیں سفر جب قریب ہو
سب حسرتیں بر آئیں مری یا شہا انام
اک یہ کہ چھوڑتا ہوں سکینہ کو تشنہ کام
بیٹے کا افتخار جو صدقہ ہو باپ پر
یہ کہہ کے اشک آنکھوں سے عباسؑ نے بہائے
کروٹ بدل کے منھ قدمِ شاہ تک جو لائے
پتلی پھری ہوئی سوئے شبیرؑ رہ گئی
آغوش میں جو بھائی کے بھائی گذر گیا
چلاتے تھے کہ شیر ہمارا کدھر گیا
یہ چاند سوئے قبر میں قسمت زمین کی
اے میری زندگی کے سہارے ترے نثار
اے تین دن کی پیاس کے مارے ترے نثار
سینے میں دم کی آمد و شد کا اثر نہیں
ہم روتے پیٹتے ہیں تمہیں کچھ نہیں خیال
تم کیا سدھارے مر گیا خیرالنساؑ کا لال
پانی کا ماجرا نہ کہوں اس سے کیا کہوں

اے ابن مرتضےٰ مجھے پہچانا یا نہیں؟
اے جان فاطمہؑ جگرِ ختم مرسلینؐ
آغوش میں حضور کے سر ہے غلام کا
نہریں بہشت کی نظر آتی ہیں یا امام!
حوریں پکارتی ہیں یہ لے لے کے مرا نام
کوثر پہ جلد آؤ ترائی کو چھوڑ کے
یہ فاطمہؑ کھڑی ہیں یہ حیدرؑ ہیں یہ حسنؑ
ہنگامِ نزع جس کے سرہانے ہوں پنجتنؑ
شیعوں کو آپ کے یونہیں مرنا نصیب ہو
دو داغ خلق سے لئے جاتا ہے یہ غلام
غم دوسرا یہ ہے کہ اکیلے ہیں اب امام
اکبر کے بعد کون فدا ہو گا آپ پر
ہچکی کبھی کراہ کے لی گاہ مسکرائے
چلائے شاہ چھوڑ چلے ہم کو ہائے ہائے
آنکھوں سے دم نکل گیا تصویر رہ گئی
خنجر الم کا دل سے جگر تک اتر گیا
جینے کا جس کے دم سے مزا تھا وہ مر گیا
ہے ہے کمائی لٹ گئی امّ البنین کی
بہنوں کی جان بھائی کے پیارے ترے نثار
اے بچپنے کے دوست ہمارے ترے نثار
کیسی یہ نیند ہے کہ ہماری خبر نہیں
عباسؑ آنکھیں کھول کے دیکھو ہمارا حال
اب تشنہ لب سکینہؑ کی ہے زندگی محال
اتنا بتاؤ تم کہ سکینہ سے کیا کہوں

مرنے حسینؑ جاتا ہے لو پاؤں پر گرد
کس جا ہوا ابن فاطمہؑ زہرا کے ناصرؑ
تیغوں میں جو سپر تھا وہ بھائی جدا ہوا
دیکھا جو باپ کا علیؑ اکبر نے غیر حال
لاشے پہ جب سے آئے ہیں مولائے خوشخصال
چھریاں غم و الم کی کلیجوں پہ چلتی ہیں
ضد کرتی ہیں سکینہ کہ دریا پہ جاؤں گی
پانی نہ ہو میں اپنے چچا کو تو پاؤں گی
قائم رکھے کریم، علی کی نشانی کو
فرمایا لاش لے چلو خیمے میں اے پسر
بازو جدا ہیں گرز سے ہے چار پارہ سر
چادر میں رکھ کے لے چلو لاشے کو اس طرح
کی عرض جو رضائے شہنشاہِ بحر و بر
اک تشنہ لب سکینہؑ ناشاد و نوحہ گر
ہم جاں بلب ہیں شیر کو پامال دیکھ کر
آئی صدا علیؑ کی یہ پہلو سے اک بار
سچ ہے کہ سر بسر تن عباسؑ ہے فگار
ہو گی تکان راہ سے ایذا دلیر کو
مشک و علم اٹھا کے چلے اکبرؑ حزیں
حضرت کے پیچھے اسپ علمدار مہ جبیں
حیوان کے بھی قتل کے درپے شریر تھے
مقتل سے روتے پیٹتے گھر میں حسینؑ آئے
خوں میں بھرا ہوا علیؑ اکبر جو علم لائے
سر کھولنے کو زوجۂ عباسؑ ہٹ گئی

بھائی کے گرد ہاتھوں کو جوڑے ہوئے پھرو
تھم تھم کے راہ خلق سے بولے مسافرو
آتا ہے پیچھے پیچھے مسافر تھکا ہوا
کی عرض چلیے خیمے میں اب بہرِ ذوالجلال
در پر کھڑے ہوئے ہیں حرم کھولے سر کے بال
اک شور ہے کہ خیمے سے زینب نکلتی ہیں
میں آپ ہاتھ تھام کے عمو کو لاؤں گی
کچھ اُن پہ بن گئی تو کسے منھ دکھاؤں گی
وہ گھر میں آئیں آگ لگے ایسے پانی کو
کی عرض چور چور ہیں عباس نامور
کہنے لگے حسینؑ گریباں کو پھاڑ کر
گھر میں علیؑ کو لائے تھے مسجد سے جس طرح
لیکن ہے تین جانوں کے جانے کا اس میں ڈر
دو چھوٹے چھوٹے حضرت عباسؑ کے پسر
بچے جئیں گے لاش کا یہ حال دیکھ کر
اے ابن فاطمہؑ تری غیرت کے میں نثار
آفت کی برچھیاں ہیں کلیجے کے وار پار
سونے دو اے حسینؑ ترائی میں شیر کو
بیٹے کے پیچھے چاک گریباں تھے شاہِ دیں
باگیں کٹی تھیں خون میں ڈوبا ہوا تھا زیں
سینہ تھا چور تیغوں سے ہاتھوں پہ تیر تھے
بیٹھی ہوئی تھیں بی بیاں ماتم کی صف بچھائے
اِک غل ہوا کہ مر گئے عباسؑ ہائے ہائے
مُنھ پیٹ کر علم سے سکینہ لپٹ گئی

سب مل کے صف پہ اندکو تے آئیں بی بیاں
پُرسے کا شور ہونے لگا درد کے بیاں
چلاتی تھی یہ زوجۂ عباسؑ نوجواں
صاحب علم کو چھوڑ کے تم چل بسے کہاں
گرمی جو تھی ہوا تمہیں بھائی فرات کی
اب تم ہوا اور سرد ترائی فرات کی
صاحب تو جان دے کے ہر اک غم سے چھٹ گئے
صدموں سے مطمئن ہوئے ماتم سے چھٹ گئے
ماں سے چھٹے امامؑ دو عالم سے چھٹ گئے
ہم تم سے آج چھٹ گئے تم ہم سے چھٹ گئے
حرمت اب اس کنیز کی صاحب کے ہاتھ ہے
کیونکر نباہ ہوگا کہ بچوں کا ساتھ ہے
یہ بین کر کے روتی جو وہ تازہ سوگوار
ماتم سے بی بیوں میں ہوا حشر آشکار
خاموش اب انیسؔ کہ دل کو نہیں قرار
بے خود ہیں بزمِ غم میں شہِ دیں کے دوست دار
حامی ہر اک الم میں امامِ جلیل ہیں
مداح جن کا تو ہے وہ تیرے کفیل ہیں

رُباعی

جب واردِ حشر رونے والے ہوں گے
شاہِ شہدا کے سب حوالے ہوں گے
جنت جاگیر میں ملے گی سب کو
نامے اعمال کے قبالے ہوں گے

رُباعی

ادبار کا کھٹکا حشم و جاہ میں ہے
جاگو جاگو کہ خوف اِسی راہ میں ہے
اُٹھو اُٹھو! یہ خوابِ غفلت کب تک
دیکھو دیکھو اجل کمیں گاہ میں ہے

رُباعی

انساں ہی کچھ اس دور میں پامال نہیں
سچ ہے کوئی آسودہ و خوش حال نہیں
اندیشۂ آشیاں و خوفِ صیاد
مرغانِ چمن بھی فارغ البال نہیں

۱۱ مرثیہ نمبر ۱۰۲

شبیر ہی سخنی ختم تھی ہم شکل نبیؐ پر
غنچہ دہنی ختم تھی ہم شکل نبیؐ پر
گل پیرہنی ختم تھی ہم شکل نبیؐ پر
نازک بدنی ختم تھی ہم شکل نبیؐ پر
آغوش میں خورشید امامت کے پلے تھے
سب عضو بدن نور کے سانچے میں ڈھلے تھے

تھا رشک مہِ چاردہم حُسن کا پرتو
نہ طور میں یہ نور نہ خورشید میں یہ ضو
تھیں ایک سراپا میں بھری خوبیاں سوسو
کٹتا تھا تراشے ہوئے ناخن سے مہِ نو
اس حُسن پہ نہ مہر کوئی ماہ کو دیکھا
دیکھا جو اسے قدرتِ اللہ کو دیکھا

تھا فخرِ حسینانِ جہاں یوسفِ شبیرؑ
صانع نے بنائی تھی فقط نور کی تصویر
کیا خلقِ حسنؑ رکھتا تھا وہ صاحبِ توقیر
جھڑتے تھے عجب پھول دہن سے دمِ تقریر
آواز سے جان آتی مُردوں کے بدن میں
اعجاز مسیحائی تھا ایک ایک سخن میں

آئینہ رُخ آئینۂ نورِ محمدؐ
اور گیسوؤں میں نکہتِ گیسوئے محمدؐ
اجلال علیؑ خلق حسنؑ خوئے محمدؐ
آتی تھی تنِ پاک سے خوشبوئے محمدؐ
تنہا نہ تھا حُسنِ شہِ لولاک کا جلوہ
اِس نور میں تھا پنج تنِ پاک کا جلوہ

تھا صورتِ محبوبِ خدا خلق میں ممتاز
قامت وہی موزوں وہی رفتار کا انداز
لہجہ بھی وہی اور وہی لب اور وہی آواز
تقریر وہ تقریر کہ ہو شبہۂ اعجاز
عالم کو یقیں سیدِ لولاک کا ہوتا
سایا جو زمیں پر نہ تنِ پاک کا ہوتا

گردن وہ کہ آئینہ مہتاب سے شفاف
شانے وہ کہ دشوار ہے حُسن شانوں کا اوصاف
ہاتھ ایسے کہ آنکھوں پہ رکھیں صاحبِ انصاف
سینہ تھا کہ اک تختۂ بلّور تھا تا ناف
یہ شور صدا رہتا تھا مشتاقوں کی صف میں
ہے مُوئے کمر بال ہے یا دُرِّ نجف میں

قد غیرتِ شمشاد ہے رخ رشکِ چمن ہے
غنچہ ہے جہاں سر بہ گریباں وہ دہن ہے
گویا ثمرِ نخلِ بدن سیبِ ذقن ہے
اور موئے کمر رشتۂ گلدستۂ تن ہے
کس شے میں ہے خوشبو رخ و کاکل سے زیادہ
وہ گل سے زیادہ ہے یہ سنبل سے زیادہ

جب گھر سے نکلتا تھا وہ شبیر کا دلدار
ہو جاتی تھی ایک ایک گلی مصر کا بازار
روز آتے تھے کوسوں سے زیارت کو طلبگار
ایک ایک سے آپس میں یہی کرتا تھا گفتار
جس نے کہ نہ دیکھا ہو جوانی میں نبیؐ کو
وہ دیکھ لے ہم شکلِ رسولِؐ عربی کو

جس روز سے پیدا ہوا وہ گیسوؤں والا
مادر کی طرح باپ نے آغوش میں پالا
فرماتے تھے منہ چوم کے ہر دم شہِ والا
ہم شکلِ پیمبرؐ ہے مرے گھر کا اُجالا
کیوں کر نہ فدا ہوں کہ یہ سایہ ہے نبیؐ کا
اس ماہ نے دیدار دکھایا ہے نبیؐ کا

اوجھل کبھی آنکھوں سے نہ کرتے تھے پسر کو
اکبر ہی کا منہ دیکھ کے اٹھتے تھے سحر کو
تسلیم کو جھکتا تھا وہ نہوڑا کے جو سر کو
کہتے تھے لگا چھاتی سے اُس شاہِ قمر کو
اس چہرے کے اس زلفِ گرہ گیر کے صدقے
فرزندِ پیمبرؐ تری تصویر کے صدقے

اکبر کو تھا باپ سے اک عشق کا عالم
بے سبطِ نبیؐ چین نہ آتا تھا کوئی دم
یہ عرض تھی جاتے جو کہیں سیدِ اکرم
یا شاہ ٹھہر جاؤ تو ہمراہ چلیں ہم
خوفِ نظرِ بد سے نہ لے جاتے تھے حضرت
چھپ کر علیؑ اکبر سے چلے جاتے تھے حضرت

اُٹھتے جو نمازِ سحری پڑھنے کو سرور
اٹھ بیٹھتے تھے ساتھ پدر کے علیؑ اکبر
جاتے جو سوئے روضۂ پر نورِ پیمبرؐ
پکڑے ہوئے انگلی یہ چلے جاتے تھے باہر
سب کہتے تھے شانِ قمر و مہر کو دیکھو
لو دن کو قرانِ قمر و مہر کو دیکھو

عمامہ وہ چھوٹا سا وہ گیسو وہ رخِ پاک
چھوٹی سی عبا نور کا تن نور کی پوشاک
دیکھے سے جسے ہوتے قمر مثلِ کتاں چاک
تکمے سے گریباں کے خجل اخترِ افلاک
اک اوس سی پڑ جاتی تھی گلہائے چمن پر
بس قطع تھا زیبائی کا جامہ اُسی تن پر

فرزند سے مادر کی محبت تو ہے مشہور
بانو نے کبھی آنکھ سے اک پل نہ کیا دور
زینت وہی گھر کی تھی وہی آنکھوں کا تھا نور
ماں کو وہی منظور تھا جو تھا اسے منظور
خوش دیکھ کے چھاتی سے لگا لیتی تھی بانوؑ
روتا تھا جو فرزند تو رو دیتی تھی بانو

زلفِ رخِ اکبرؑ پہ نظر تھی سحر و شام
اس لعل کی خدمت کے سوا اور نہ تھا کام
بانو کے تنِ پاک کی جاں تھا وہ گل اندام
ماں رہتی تھی بیدار پسر کرتا تھا آرام
نظروں سے چھپے گر نہ رہی جان بدن میں
جب آ گئے باہر سے تو جان آ گئی تن میں

گر شانہ کیا زلفوں میں سر زانو پہ دھر کے
منھ رکھتی تھی منھ پر کبھی اس رشکِ قمر کے
بوئے تنِ ہم شکل نبیؐ بھاتی تھی اس کو
بے دل نہ ہوا اکبرؑ بھی رہتا تھا اسے دھیان
پہلے ہی مہیا کیا تھا بیاہ کا ساماں
ٹھہراؤ کہیں بیاہ مرے رشکِ چمن کا
کیوں صاحبو بیٹا ہے مرا چودھویں کا ماہ
اب نامِ خدا بیاہ کے قابل ہے یہ ذیجاہ
جلدی کہیں حاصل مری امید ہو یا رب
یہ نذر ہے جس روز دلہن بیاہ کے لاؤں
اور گرد دلہن دولھا کو روضے کے پھراؤں
ہو ساتھ سواری کے ہجوم اہل وطن کا
سنتے تھے جو یہ بانوئے آفاق کی تقریر
رونے کا سبب پوچھتی گر آن کے ہمشیر
بہتر ہے جو اللہ کو منظور نظر ہے
زینبؑ کی محبت سے تو ماہر ہے خدائی
سب دولت و حشمت علیؑ اکبر پہ لٹائی
بیٹوں کو تو بھائی کی غلامی میں دیا تھا
کہتی تھی ہر اک سے کہ خوشا میرے مقدر
شبیرؑ سا دنیا میں ملا ہم کو برادر
قائم رہے یہ گیسوؤں والا مرے گھر میں
چھاتی سے لگاتی تھی جو اکبر کو بلا کر
فرماتی تھیں عاشق ہوں تمھاری بھی مقرر
بیٹا مرا ہم شکل رسولؐ دوسرا ہے

سرمہ کبھی آنکھوں میں دیا نورِ نظر کے
پروانہ سی پھرتی تھی کبھی گرد پسر کے
منھ رکھتی تھی سینے پہ تو نیند آتی تھی اس کو
جب کہتے یہ اماں تو وہ کہتی تھیں قرباں
کہتی تھی وہ جب بیبیاں کچھ آتے تھے مہماں
سہرا ہے یہ اکبرؑ کا یہ جوڑا ہے دلہن کا
وہ دن ہو کہ اللہ بنائے اسے نوشاہ
جیسا ہے یہ ایسی ہی دلہن دے اسے اللہ
اس گھر میں قرانِ مہ و خورشید ہو یا رب
مرقد پہ محمدؐ کے میں لے کر اسے جاؤں
پھر گھر میں بڑی دھوم سے لیکر اسے آؤں
آگے میں ہوں اور پیچھے محافہ ہو دلہن کا
منھ پھیر کے رو دیتے تھے تب حضرت شبیرؑ
فرماتے تھے جو چاہے کرے مالکِ تقدیر
غم ہو گا کہ شادی کسے قسمت کی خبر ہے
بلبل نے تو یہ گل کی محبت نہیں پائی
دم بھر نہ گوارا تھی بھتیجے کی جدائی
فرزندی میں ہم شکل پیمبرؐ کو لیا تھا
ماں فاطمہؑ زہرا ہے پدر ساقیٔ کوثر
بیٹا بھی دیا حق نے تو ہم شکل پیمبرؐ
ہے نورِ محمدؐ سے اجالا مرے گھر میں
حیرت سے سپہر دیکھتے تھے جانبِ مادر
پر سچ کہوں پیارے نہیں اکبر کے برابر
تم ہو تو کفِ خاک ہو یہ نورِ خدا ہے

ہر چند نہیں تم میں کچھ اور ان میں جدائی
شہزادۂ عالم انہیں کہتی ہے خدائی
خادم کی طرح ان کی غلامی میں رہو تم
صدقے گئی تم جانتے ہو رتبۂ حیدرؑ
تھا فوق زمانے میں ید اللہ کو سب پر
کعبے میں چڑھے دوش شہنشاہِ اُمم پر
کس شخص کی تصویر ہے یہ گیسوؤں والا
تعظیم کیا کرتے ہیں اس کی شہ والا
دنیا میں سلامت جو یہ گلفام رہے گا
نکلے گا جو اس گھر سے جنازہ مرا باہر
کاندھا مرے تابوت کو دے گا علیؑ اکبر
زینبؑ کو یقیں تھا کہ مجھے دفن کریں گے
اب کاتبِ اخبارِ عزا کرتے ہیں تحریر
غربت میں گرفتارِ مصیبت ہوئے شبیرؑ
وہ پیاس سے مرتے تھے جو بازوں کے پلے تھے
تھی لاکھ جوانوں کی بہتر ۷۲ پہ چڑھائی
شہ دیکھتے تھے لٹتی تھی زہراؑ کی کمائی
جو شخص کہ زندہ تھا وہ مرنے پہ تلا تھا
لہریں جو دکھاتا تھا انہیں چشمۂ کوثر
گرمی میں پسینے سے جو ہوتا تھا بدن تر
کہتے تھے کہ خادم ہیں ولی ابن ولی کے
جب رو چکے قاسمؑ کو شہ بیکس و بے آس
بھائی جو ہوا قتل تو جینے سے ہوئی یاس
بے تاب تھے تھامے ہوئے ہاتھوں سے کمر کو

صدقے گئی پر تم نے یہ دولت نہیں پائی
آقا کے تو آقا ہیں یہ اور بھائی کے بھائی
بھائی یہ کہیں گر تو خداوند کہو تم
ہم نام خدا شاہ نجف ساقیٔ کوثر
باندھے رہے ہاتھوں کو مگر پیشِ پیمبرؐ
پر فخر سے آنکھوں کو بھی ملتے تھے قدم پر
چھوٹا ہے یہ رتبے میں بڑوں سے ہے دو بالا
میری بھی سعادت ہے جو اس لعل کو پالا
ہم شکلِ پیمبرؐ سے مرا نام رہے گا
تم دونوں ادھر اور ادھر ہو گے کھلے سر
یہ گریہ و زاری کی ہے جا وائے مقدر
اس کی نہ خبر تھی کہ یہی پہلے مریں گے
اٹھارہ ۱۸ برس کے ہوئے جب اکبرؑ دلگیر
دولت کے عوض جمع تھے تیغ و تبر و تیر
تلواریں تھیں اور آلِ محمدؐ کے گلے تھے
غل تھا کہ کرو فاطمہؑ کے گھر کی صفائی
بابا سے بچھڑتا تھا پسر بھائی سے بھائی
حوریں نظر آتی تھیں درِ خلد کھلا تھا
جا پڑتے تھے ہنستے ہوئے تلواروں کے اوپر
جنت کے دریچوں سے ہوا آتی تھی فرفر
سو مر ہوں تو قربان حسینؑ ابن علیؑ کے
گل چین گلستانِ شہادت ہوئے عباسؑ
کوئی علی اکبرؑ کے سوا پھر نہ رہا پاس
تکتا تھا پسر باپ کو اور باپ پسر کو

شہ چاہتے تھے مرنے کو پہلے ہمیں جائیں
اکبر کا ارادہ تھا کہ ہم برچھیاں کھائیں
جب شاہ نظر کرتے تھے شمشیر دو دم پر
شہ کہتے تھے فرزند کو چھاتی سے لگا کر
پھر آپ کو یہ چاند سی تصویر دکھا کر
منہ معرکۂ جنگ سے موڑا نہیں جاتا

شہ کہتے تھے اے جان پدر ہم کو نہ روکو
امت پہ فدا کرنے دو سر ہم کو نہ روکو
ہم نے وہ سہے رنج کہ کچھ کہہ نہیں سکتے
جب جانیں کہ صابر ہو تم اے اکبر دلگیر
خنجر مری گردن پہ ہو اور سینے پہ بے پیر
ریتی پہ ہمارے تنِ صد پاش کو دیکھو

اکبرؑ نے کہا خالقِ اکبر نہ دکھائے
شہ بولے پدر دیکھے پسر برچھیاں کھائے
جو کہتے ہو بابا سے بجا کہتے ہو بیٹا
جو ہم نے سہے زخم یہ دل پر کوئی کھاتا
عباسؑ سے بھائی کا کوئی داغ اٹھاتا
شبیر کسی رنج میں مجبور نہیں ہے

اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ یا سید ابرار
خود بیٹے کی گردن پہ رکھا خنجرِ خونخوار
زندہ پسر ان کا تو بلا ان کے گلے سے
دو جان کا اکبر ترے جانے میں زیاں ہے
مرنا ترا دیکھے یہ اسے تاب کہاں ہے
مادر کو قسم رونے کی دے لوگے تو جانا

سینے کو سپر کر دیں کلیجے کو بچائیں
میدان سے بابا مرے لاشے کو اٹھائیں
ہم شکلِ نبی دوڑ کے گرتے تھے قدم پر
زینب کو تو دیکھ آؤ ذرا خیمے میں جا کر
وہ کہتا تھا "ہاں جائیں گے ہم برچھیاں کھا کر
اس وقت میں حضرت کو تو چھوڑا نہیں جاتا

ہاں بہنوں کی لو جا کے خبر ہم کو نہ روکو
احسان تمہارا ہے اگر ہم کو نہ روکو
اللہ اتم اک داغِ پدر سہہ نہیں سکتے
دیکھا کرو اور ہم پہ چلیں نیزہ و شمشیر
اس وقت کہو تم یہی جو خواہش تقدیر
ٹکڑے سُمِ اسپاں سے مری لاش کو دیکھو

یا شاہ کہاں سے یہ کلیجہ کوئی لائے
دنیا میں رہے پیر جواں برچھیاں کھائے
انصاف بھی لازم ہے یہ کیا کہتے ہو بیٹا
ننھے سے کوئی بھانجے ہاتھوں سے گنواتا
ایوبؑ سے صابر کا کلیجہ نکل آتا
پر داغِ پسر سہنے کا مقدور نہیں ہے

یاد آپ کریں صبرِ خلیلِ جگر افگار
فرمایا کہ سچ کہتے ہو پر اے مرے دلدار
تم پھر کے نہیں آؤ گے تیغوں کے تلے سے
تو زینبؑ بے کس کی تن زار کی جاں ہے
بانوؑ کا تو پھر حق بطرف ہے کہ وہ ماں ہے
زینبؑ سے رضا مرنے کی لے لوگے تو جانا

ہم شکلِ نبیؐ کو تو نہ کچھ بات بن آئی
لو بی بی ہوئی شاہ کے لشکر کی صفائی
کچھ پہلے تو باتیں تھیں شہنشاہِ امم سے
بانو نے کہا شاہ کو کیا تد نظر ہے
نے ہوش تمہارا ہے نہ کچھ اپنی خبر ہے
صابر ہیں پہ مضطر انہیں ہوتے نہیں دیکھا

بے تابی ہیں بیٹے سے لپٹ جاتے ہیں ہر بار
فرماتے ہیں صدقے ہیں ترے اے مرے دلدار
طاقت نہیں اب ضعف سے تھراتے ہیں شبیرؑ
گھبرا کے کہا بانو نے ہے ہے غضب آیا
اصغر کو تو کھوائے ہیں جلدی سے لٹایا
دوڑو مری دولت پہ زوال آتا ہے بی بی

تم ڈیوڑھی پہ جا کر مرے اکبر کو بلاؤ
زینبؑ نے کہا سبطِ پیمبرؐ کو بلاؤ
میں نکلوں گی گھر سے جو نہ یاں آئیں گے اکبر
ماں بولی رضا دے چکے شاید انہیں سرور
ہاں مجھ کو بھلا دیں تو بھلا دیں علی اکبر
۱۸ اٹھارہ برس پالا ہے مختار ہوں میں بھی

آئے تو مرے سامنے وہ گیسوؤں والا
آغاز مسیں بھی ہوئیں سبزہ بھی نکالا
مادر سے رضا جنگ کی لینے کو نہ آئے
اے لال بھلا مجھ کو بھلایا تو بھلایا
جس ماں نے تمہارے لئے اک جوگ کمایا
اس کو بھی بھلایا مرے پیارے علی اکبر

فضہ نے خبر جا کے یہ بانو کو سنائی
اب باپ میں اور بیٹے میں ہوتی ہے جدائی
اب لپٹے ہوئے روتے ہیں بابا کے قدم سے
وہ بولی کہ آفت میں محمدؐ کا پسر ہے
ہر مرتبہ جھک جاتے ہیں یہ درد جگر ہے
میں نے کبھی اس درد سے روتے نہیں دیکھا

گر روتے ہیں پڑھتے ہیں کبھی درد کے اشعار
چھاتی سے لپٹ جا کے پدر تجھ کو کرے پیار
اکبرؑ تو ہیں زندہ پہ موئے جاتے ہیں شبیرؑ
بس اب نہ رکے گا نہ رکے گا مرا جایا
سر پیٹ کے یہ زینبؑ بیکس کو سنایا
لال آپ کا مرنے کے لئے جاتا ہے بی بی

مر جاؤں گی جلدی علی اکبر کو بلاؤ
ہے ہے مرے مظلوم برادر کو بلاؤ
کیا باپ کے بے حکم چلے جائیں گے اکبر
زینب نے کہا یہ مجھے آتا نہیں باور
پر بے مری مرضی نہ رضا دیں گے برادر
وہ بیٹے کے مالک ہیں تو حقدار ہوں میں بھی

پوچھوں گی بتاؤ مجھے کس نے تمہیں پالا
اللہ یہ بھولے ہمیں جب ہوش سنبھالا
بیٹوں کا بھی پرسا ہمیں دینے کو نہ آئے
بانو کی محبت کا بھی کچھ دھیان نہ آیا
خود راتوں کو جاگی تمہیں چھاتی پہ سلایا
اے ماں کے نبیرے تم نہ ہمارے علی اکبر

یہ ذکر ابھی تھا کہ شہ بحر و بر آئے
چلاتی سکینہ مرے بچیں پدر آئے
زینبؑ پسر نائب حیدرؑ سے نہ بولی
تھی جان تو اکبر میں نظر تھی سوئے شبیر
فرماتے تھے حضرت کہ یہ کیا حال ہے ہمشیر
وہ کہتی تھی میں کون ہوں کیا مجھ سے کہیں گے

بانو نے اشارہ کیا باگریہ و زاری
منھ ڈھانپ کے روتی ہیں ابھی یہ کئی باری
جو مرضی ہو ان کی وہی اب کیجیو بیٹا
سمجھے علی اکبر کہ خفا ہیں پھوپھی اماں
لپٹا کے گلے سے وہ پکاری کہ مری جاں
زندہ نہ محمدؑ ہے نہ اب عونؑ ہی بیٹا

تم صبح سے میدان میں سدھارے مرے دلدار
واری مجھے دکھلا نہ گئے آخری دیدار
تلواریں لئے اہل ستم گرد کھڑے تھے
بغلوں میں اگر ہاتھ میں دیکر نہ اٹھاتا
نیزہ کوئی ظالم کوئی شمشیر لگاتا
سب کہتے کہ بابا سے نہ الفت ہے پسر کو

جب سنتیں پسر زندہ ہے اور مر گئے سرور
میں جانتا تھا آپ ہیں شیدائے برادر
کہتیں نہ مرے سامنے آوے علی اکبر
میں آپ کے صدقے نہ بلائیں مری لیجئے
میدان میں مارے گئے سب بھائی بھتیجے
اماں بھی خفا ہیں مجھے قدموں پہ گرا دو

اور باپ کے پیچھے علی اکبر نظر آئے
نیوڑا لیا سر بانو نے اور اشک بھر آئے
لیں شہ کی بلائیں علی اکبر سے نہ بولی
کہنا تھا کچھ اور بھائی سے کچھ کرتی تھی تقریر
دیکھو تو ذرا کہتے ہیں کیا اکبرِ دلگیر
جو دل میں ہے انکے وہ بھلا مجھ سے کہیں گے

آزردہ ہیں کچھ تم سے پھوپھی جان تمہاری
قدموں پہ گرو پالنے والی کے میں واری
مر جانے کی رخصت نہ طلب کیجیو بیٹا
قدموں پہ گرے دوڑ کے با دیدۂ گریاں
زینبؑ ترے بابا کے فدا اور ترے قرباں
تم مجھ کو نہ پوچھو تو مرا کون ہے بیٹا

جا جا کے میں ڈیوڑھی پہ پکار آئی کئی بار
اکبرؑ نے کہا نرغے میں تھے سیدِ ابرار
عباسؑ کے لاشے پہ یہ بے ہوش پڑے تھے
بابا کو بڑی دیر تلک ہوش نہ آتا
گھر میں اگر آتا تو نہ پھر باپ کو پاتا
چھوڑ آیا ستمگاروں میں مظلوم پدر کو

بتلایئے پھر دودھ مجھے بخشیں گی مادر
یوں پیار نہ کرتیں مجھے چھاتی سے لگا کر
کہہ دو مجھے صورت نہ دکھاوے علی اکبر
لے آیا ہوں بابا کو صدقہ کچھ مجھے دیجئے
ٹلتی ہے بلا شہ کی تصدق مجھے کیجئے
پالا ہے تم ہی نے مجھے مرنے کی رضا دو

یہ وقت مصیبت کا ہے مجھ پر کرو احساں
مادر سے کہا آپ کے قدموں کے میں قرباں
آزردہ نہ ہونا کہ نہایت مجھے غم ہے
بانو نے کہا میں تو خفا کچھ نہیں واری
راضی ہیں یہ رخصت پہ تو منگواؤ سواری
یہ خوش ہیں اگر تم سے تو خرسند ہوں میں بھی
مجھ کو تو فقط دودھ پلانے کی ہے الفت
صدقے گئی جب ان کی یہی دیں تمہیں رخصت
دعویٰ ہے کنیزی کا مجھے بنتِ علیؑ سے
بانو نے یہ ہم شکل پیمبر سے کہا جب
زینبؑ نے کہا مجھ پہ کھلا آپ کا مطلب
ہر چند سنبھلتا نہیں دل اے علی اکبر
بابا کی طرف بیٹے نے دیکھا بہ تبسم
چلائے شہِ دیں کہ مری جان چلے تم
اس غم میں نہیں صبر کا یارا علیؑ اکبر
روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے اکبر دلگیر
کی شمر سے جا کر یہ خبرداروں نے تقریر
ہم کہتے تھے دو دن کے نہ پیاسے کو ستاؤ
یہ احمدؐ مرسل ہیں قسم کھانے کی جا ہے
انوار مہ و مہر کو یاں مرتبہ کیا ہے
مالک انہیں خالق نے کیا حشر کے دن کا
بولا پسرِ سعد یہ ہے آمدِ اکبر
اب خاتمہ جنگ ہے تنہا ہوئے سرور
بڑھ بڑھ کے جو لڑتے تھے وہ جانباز کہاں ہیں
حضرت سے کہا آپ سفارش کریں اس آن
چھاتی سے لگا لو کوئی دم کا ہوں میں مہماں
اماں تمہیں میری ہی جوانی کی قسم ہے
ہیں کون یہی ماں یہی مالک ہیں تمہاری
تم سے تو ان کو نہ مجھے جان ہے پیاری
مرضی ہے یہ ان کی تو رضامند ہوں میں بھی
زینب نے تو اٹھارہ برس کی ہے ریاضت
پھر روک سکوں میں یہ بھلا ہے مری طاقت
ہیں دودھ بھی اپنا تمہیں بخشوں گی خوشی سے
حسرت سے لگے دیکھنے اکبر سوئے زینبؑ
پھر چھاتی سے لپٹو کوئی حجت نہ رہے اب
چھاتی پہ رکھی صبر کی سل آہ علی اکبر
خیمے میں ہوا رخصتِ اکبر کا تلاطم
بابا کی ضعیفی پہ کیا خوب ترحم
فریاد ہے تم نے مجھے مارا علی اکبر
گھوڑے پہ چڑھا لال گرے حضرت شبیر
محبوبؐ خدا آتے ہیں تولے ہوئے شمشیر
لو اور محمدؐ کے نواسے کو ستاؤ
روشن ہے جبیں حسنِ نبیؐ کی یہ ضیا ہے
یوسفؑ بھی کرے ان کی غلامی تو بجا ہے
یہ آیۂ رحمت ہیں ادب چاہیئے ان کا
دنیا میں وہی ایک ہے تصویرِ پیمبرؐ
ہاں فوج ہو تیار چلیں نیزہ و خنجر
صف باندھ کے روکیں قدر انداز کہاں ہیں

عباس علمدار کے قاتل کو بُلاؤ
رستے پہ سواروں کے پرے جلد جماؤ
کھینچے ہوئے تلواروں کو لے بھائیو جاؤ
لاؤ سرِ اکبر تو صلہ جنگ کا پاؤ
طاقت نہیں رہنے کی تنِ شاہِ اُمم میں
مر جائیں گے شبّیر جواں بیٹے کے غم میں

عباس کے مرنے سے تو ہیں بیکس و مجبور
ٹوٹی ہے کمر ہو گئے ہیں جنگ سے معذور
زخموں سے جو ہو ویگا برابر کا یہ پھر چور
آنکھیں شہِ مظلوم کی ہو جائیں گی بے نور
خوں کا بھی نہ بیٹے کے عوض لیویں گے شبّیر
خود آ کے گلا تیغ پہ دھر دیویں گے شبّیر

یہ سنتے ہی لشکر کی صفیں ہو گئیں تیار
ڈنکے پہ لگی چوب علم کھل گئے یک بار
بجلی سی چمکنے لگی اک ایک کی تلوار
ڈھالوں کا اٹھا چار طرف ابر دھواں دار
شورِ دُہلِ حرب گذرتا تھا فلک سے
خیرہ تھی نظر برچھیوں کے پھل کی چمک سے

اک سمت کماندار قدم آگے بڑھا کر
خم ہو گئے تیروں کو کمانوں سے ملا کر
کجبازوں نے سیدھا کیا نیزوں کو اٹھا کر
کچھ آئے کمیں گہ میں کمندوں کو بچھا کر
رونے کی ہے جا داں تو یہ سامانِ وغا تھا
یاں اکبرِ مظلوم تھے اور سر پہ خدا تھا

ناگاہ زمیں ان کی ہوئی وادیِ ایمن
صحرائے بلا دور تلک ہو گیا روشن
نعرہ جو کیا شیر نے تھرا گئے دشمن
رشکِ مہِ نو بن گئے نقشِ سُمِ توسن
ذرّوں نے نگاہوں سے ستاروں کو گرایا
گھوڑوں نے الف ہو کے سواروں کو گرایا

اک شور ہوا دلبرِ شبّیر کو دیکھو
لو سلسلۂ زلفِ گرہ گیر کو دیکھو
پیشانیِ پرنور کی تنویر کو دیکھو
اس ابروئے خمدار کی شمشیر کو دیکھو
وہ نور کی مصباح ہے یہ صاحبِ ضو ہیں
کس اوج پہ اک بدر ہے اور دو مہِ نو ہیں

نرگس کہیں آنکھوں کو بھلا کیا اولوالابصا
وہ دیدۂ بے نور ہے یہ مطلعِ انوار
یہ سبزۂ نوخیز یہ مہتاب سے رخسار
گویا ورقِ زر پہ رقم ہے خطِ گلزار
لب پر ہیں مسیں حسن شباب ان سے عیاں ہے
لو آتشِ یاقوت کا دیکھو یہ دھواں ہے

دانتوں کی چمک دیکھ کے حیرت میں ہیں مردم
آتی ہے نظر صاف دو رشتہ صفِ انجم
دیکھا نہیں غنچے میں یہ اندازِ تبسم
ہے ان کا تبسم نمکِ خوانِ تکلم
کرتا ہوں جو وصفِ لبِ اعجاز بیاں کو
ہونٹوں کو زباں چاٹتی ہے ہونٹ زباں کو

گردن نہ کہو نور کی اک شمع ہے روشن
پروانہ ہے یاں روشنئ وادئ ایمن
پیاسا ہے یہ کم سمجھو اس ماہ کی طاقت
کس منھ سے کہوں سینۂ انور کی صفائی
کیوں کر نہ کرے سینہ زنی ساری خدائی
سوراخ جگر دیکھ کے ہم شکل نبیؐ کا
پٹکے سے محمد کے بندھی ہے کمر پاک
جس جا پہ رکھے پاؤں شبیہ شہ لولاک
ہاتھ آیا ہے غازی کو چلن شیر خدا کا
ناگاہ بڑھی فوج ہوا جنگ کا ساماں
شہزادے پہ جب پڑنے لگا تیروں کا باراں
اک برق جہاں سوز چمکتی نظر آئی
نعروں سے بہادر کے دہلنے لگے ناری
سر پیچ کے لڑنے کو نکلنے لگے ناری
میدان میں تو اس برق مجسم نے جلایا
تنہا تھے مگر فوج ستمگار کو روکا
غازی نے سپر پر نہ کسی وار کو روکا
نیزے نے ستمگاروں کے دل توڑ دیئے تھے
ایک ایک زرہ پوش تہ دام اجل تھا
غازی تھے جنھیں حوصلۂ جنگ و جدل تھا
کیوں کر نہ عدو بھاگتے اس صف شکنی سے
نیزے کی لگاں سے تو سنانوں کو گرایا
گھوڑوں سے نمودار جوانوں کو گرایا
جنگ اسد اللہ کے سب ڈھنگ دکھائے

ہے طور کا شعلہ بھی چراغ تہ دامن
اور شرم سے حوروں کی جھکی جاتی ہے گردن
ہے ساعد و بازو میں یداللہ کی طاقت
آئینۂ مہ نے یہ صباحت نہیں پائی
جلّادوں نے برچھی اسی چھاتی پہ لگائی
کیا حال ہوا ہوگا حسین ابن علیؑ کا
اور زیب بدن ہے گی یداللہ کی پوشاک
کحل بصر اہل بصیرت ہے وہی خاک
ثابت قدمی نام ہے نقش کف پا کا
اور گھٹنے لگی طاقت جسم شہ ذیشاں
تلوار علم کر کے کہا یا شہ مرداں
جس صف پہ گری آگ بھڑکتی نظر آئی
اس شعلۂ جوالہ سے جلنے لگے ناری
ٹھہرے نہ قدم ہاتھوں کو ملنے لگے ناری
تن سرد ہوا جب تو جہنم نے جلایا
دو چار کو گھائل کیا دو چار کو روکا
روکا بھی تو تلوار پہ تلوار کو روکا
تلوار نے تلواروں کے منھ موڑ دیئے تھے
چار آئینہ والوں کو بھی حیرت کا محل تھا
تیروں میں نہ پیکاں نہ کسی برچھی کا پھل تھا
حربوں کے بھی سر اڑ گئے تھے تیغ زنی سے
تلوار سے غازی نے کمانوں کو گرایا
شانوں سے لعینوں کے نشانوں کو گرایا
تیغ علی اکبر نے عجب رنگ دکھائے

دو ٹکڑے کیا خودوں کو گردن پہ نہ ٹھہری
گردن سے بڑھی آگے تو جوشن پہ نہ ٹھہری
جوشن کو بھی جب کاٹ چکی تن پہ نہ ٹھہری
کیا تن کی حقیقت تھی کہ توسن پہ نہ ٹھہری
اسواروں کو جنبش نہوئی خانۂ زیں پر
اللہ رے صفائی کہ یہ ٹھہری تو زمیں پر

اٹھی جو چمکتی ہوئی وہ برق شرربار
اوچھی سی کمر پر جو لگا دی تو ہوئی پار
جس غول پہ جا پڑتے تھے تولے ہوئے تلوار
پیدل پہ تو پیدل تھے اور اسوار پہ اسوار
سوکھے ہوئے لب چاٹ کے دم لیتے تھے اکبر
دو چار صفیں کاٹ کے دم لیتے تھے اکبر

گھوڑوں سے اڑی گرد ہوا رن میں اندھیرا
میدان سے نہ اکبر نے مگر باگ کو پھیرا
چلاتی تھی بانو کہ پھرا لال نہ میرا
یاں حضرت شبیر کو تشویش نے گھیرا
اٹھ اٹھ کے کبھی دیکھتے تھے فوج ستم کو
کہتے تھے کہ لو کچھ نظر آتا نہیں ہم کو

ہر مرتبہ گردوں کو ہلا دیتے تھے نالے
چلاتے تھے ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے
آواز تو دے باپ کو اے گیسوؤں والے
آگے ترے اے لال خدا مجھ کو اٹھا لے
تو باپ کو دنیا سے گزرتے ہوئے دیکھے
بابا تجھے مقتل میں نہ مرتے ہوئے دیکھے

کس صف میں ہو کس غول سے ہوتی ہے لڑائی
منھ پھیر کے صورت بھی نہ بابا کو دکھائی
پیارے کوئی برچھی تو نہیں چھاتی پہ کھائی
تکبیر کی آواز بھی ہم تک نہیں آئی
ایسا نہیں یہ درد کہ موقوف ہو بیٹا
ہم مرتے ہیں تم جنگ میں مصروف ہو بیٹا

اب باگ پھراؤ علی اکبر علی اکبر
دیدار دکھاؤ علی اکبر علی اکبر
دیر اب نہ لگاؤ علی اکبر علی اکبر
بس لڑ چکے آؤ علی اکبر علی اکبر
گر اب نہیں آنے کے تو کب آؤ گے بیٹا
ماں گھر سے نکل آئے گی تب آؤ گے بیٹا

بابا ترے صدقے مرے رستم علی اکبر
صفدر علی اکبر مرے ضیغم علی اکبر
یاور علی اکبر مرے ہمدم علی اکبر
جلد آ کے خبر لو کہ ہوئے ہم علی اکبر
پیری میں نہ بابا کو دغا دے ترے صدقے
چھاتی مری چھاتی سے لگا دے ترے صدقے

بانو نے سنی شہ کی جو یہ گریہ وزاری
دروازے پردے کو اٹھا کر یہ پکاری
اکبر کو ہوا کیا جو یہ حالت ہے تمہاری
حضرت نے کہا رن میں اسے گھیرے ہیں ناری
ذرّے تو نظر آتے ہیں خورشید نہیں ہے
اکبر کے پھر آنے کی اب امید نہیں ہے

میدان میں سنتی ہوں یہ تلواروں کی جھنکار
اور برچھیوں کے پھل وہ چمکتے ہیں جو ہر بار
بی بی ترے فرزند پہ چلتے ہیں یہ سب وار
وہ تشنہ دہن ایک ہے اور لاکھ ستم گار
مڑ کر ہمیں صورت بھی دکھاتے نہیں اکبر
ہم دیر سے چلاتے ہیں آتے نہیں اکبر

بانو نے کہا میں بھی کھلے سر نکل آؤں
بے تاب ہے دل خیمے سے باہر نکل آؤں
گہوارے میں اصغر کو لٹا کر نکل آؤں
کہتی ہوئی ہمراہ علی اکبر نکل آؤں
صدقے گئی قربان پسر ہونے دو مجھ کو
تلواروں میں اکبر کی سپر ہونے دو مجھ کو

یا شاہ مرے سر کی قسم دے کے بلا لو
صاحب علی اصغر کی قسم دے کے بلا لو
اپنے سرِ انور کی قسم دے کے بلا لو
اکبر کو پیمبر کی قسم دے کے بلا لو
تیروں کی جو بوچھار ہے اور تیغ زنی ہے
میداں میں یہ کیسی مرے بچے پہ بنی ہے

حضرت کو بہت جب قلقِ دل نے ستایا
حمال سے ناقے کو محمد کے منگایا
جب اس پہ چڑھا حیدرِ کرار کا جایا
اک ابرِ ستم چاند پہ چھایا نظر آیا
فرمایا کہ اللہ بڑی جنگ ہے رن میں
نیزوں میں یہ اکبر ہے کہ خورشید گہن میں

سنبل سے نظر آئے جو اڑتے ہوئے گیسو
پہچان کے اکبر کو پکارے شہِ خوش خو
بابا تری جرأت پہ فدا اے مرے مہرو
شاباش مرے شبیر مرے قوتِ بازو
گھبراؤ نہ گو فوج ستم چھا گئی بیٹا
حیدر کی لڑائی ہمیں یاد آ گئی بیٹا

ناگاہ یہ دیکھا کہ چلا نیزہ خونخوار
چلائے شہِ دیں کہ مرے لال خبردار
یاں سینۂ اکبر سے ہوئی نوکِ سناں پار
تھرائے کلیجہ کو پکڑ کر شہِ ابرار
پھل برچھی کا چھاتی سے نکلتے ہوئے دیکھا
خوں سینۂ انور سے ابلتے ہوئے دیکھا

تھی پیاس کئی دن کی کئی روز کا فاقا
ہے ہے علی اکبر کہا اور غش ہوئے آقا
سر پیٹ کے حمال نے بٹھلا دیا ناقا
ریتی پہ گرے غش سے ہوا کچھ جو افاقا
بسمل بھی نہ اس طرح کبھی خاک پہ تڑپے
جس طرح حسینؑ ابن علی خاک پہ تڑپے

زینب تو یہ سمجھی کہ برادر ہوئے زخمی
چلائی یہ بانو علی اکبر ہوئے زخمی
حضرت نے کہا ہاں مرے صفدر ہوئے زخمی
افسوس کہ ہم شکل پیمبر ہوئے زخمی
آواز سنا کیا ابھی گھوڑے سے گرے ہیں
پھل برچھی کا کھا کر ابھی گھوڑے سے گرے ہیں

خاتونِ قیامت کی صدا اتنے میں آئی
اٹھارہ برس والے نے جاں اپنی گنوائی
پھل تیغوں کے بجلی کی طرح کوند رہے ہیں
ہے ہے مرے پوتے نے سناں سینے پہ کھائی
اب لاش پہ نرغہ ہے محمدؐ کی دہائی
رہواروں سے لاشے کو عدو روند رہے ہیں

لاشے پہ چلے خاک بسر سیدِ عالم
فریادِ محمدؐ کی صدا آتی تھی ہر دم
سیدانیوں میں ہوتا تھا جب شور بکا کا
اکبر کی جدائی کا ہوا خیمے میں ماتم
جنباں تھی زمیں کانپتا تھا عرشِ معظم
ہلتا تھا کلس خیمۂ شاہِ شہدا کا

راوی نے یہ لکھا ہے کہ میں دیکھتا ہوں کیا
خورشید سا تھا بکھرے ہوئے بالوں میں چہرا
دیکھا نہ گیا اشک ہمارے نکل آئے
اِک بی بی نکل آئی اٹھا خیمے کا پردا
مریم کوئی کہتا تھا کوئی حضرت زہرا
گردوں پہ چھپا مہر ستارے نکل آئے

ملتے تھے دُرِ گوش کھلا تھا سرِ انور
گرتی تھی کبھی اور کبھی چلاتی تھی اُٹھ کر
منزل کا پتہ مجھ کو نہ دیتے گئے واری
اک دوش پہ اک خاک پہ تھا گوشۂ چادر
ہے ہے علی اکبر علی اکبر علی اکبر
اس پالنے والی کو نہ لیتے گئے واری

مقتول کے لاشے کو جو اس بی بی نے پایا
پھر سینے کو ہاتھوں سے یہ پیٹا کہ غش آیا
خیمے میں بصد غم اسے پہنچا کے پھر آئے
مُردے کی بلائیں لیں کلیجے سے لگایا
ہاتھ اس کا پکڑ کر شۂ بیکس نے اُٹھایا
روتے ہوئے دروازے تلک جا کے پھر آئے

اس وقت یہ راوی نے کسی شخص سے پوچھا
مریم ہے کہ سارا ہے خدیجہ ہے کہ زہرا
اس نے کہا یہ زینبؑ آوارہ وطن ہے
ہے کون یہ خاتونِ معظم مجھے بتلا
جنت سے چلی آئی ہیں یا حضرتِ حوا
بیٹی ہے علیؑ کی شہِ والا کی بہن ہے

بس طولِ انیسؔ جگر افگار کہاں تک
ہر حرفِ تحیر کبھی لانا نہ زباں تک
سب کچھ تجھے آقا کے تصدق سے ملا ہے
پہنچی یہ تری نظم شہِ کون و مکاں تک
تو خاک ہے کر عجز کیا جائے جہاں تک
اس نظم کی تعریف سخن فہم صلا ہے

رباعی

مظلوم نہ شاہِ بحر و بر سا ہوگا
مینہ تیروں کا یوں کسی پہ برسا ہوگا؟
پیاسے رہے کربلا میں جس طرح حسینؑ
یوں کوئی بھی پانی کو نہ ترسا ہوگا

۱۲ مرثیہ ۸۰ بند

مومنو مرنے کو ہم شکلِ نبیؐ جاتا ہے
کیا الم ہے کہ جگر سینے میں تھراتا ہے
ماں تڑپتی ہے شہِ جن و بشر روتے ہیں
بیٹا کیا جاتا ہے ہوتا ہے بھرا گھر برباد
کرتے ہیں اپنی جوانی علی اکبر برباد
داغِ اولاد ہے یاں صبر کا مقدور نہیں

ماں کے ہے جسم کی جاں باپ کا پیارا ہے پسر
روشنی گھر کی ہے اور آنکھوں کا تارا ہے پسر
ماں سے چھٹتا ہے پسر بیٹے سے ماں چھوٹتی ہے
کیا چمن فصلِ بہاری میں خزاں ہوتا ہے
نرگسی چشم نگاہوں سے نہاں ہوتا ہے
شہ نے پھاڑا ہے گریبانِ قبا گل کی طرح

ایسا بیٹا جسے اٹھارہ برس پالا ہے
تفرقہ چرخِ ستمگر نے عجب ڈالا ہے
دل کی بے تابی ہر اک آن سوا ہوتی ہے
داغِ اولاد نہیں آہ اٹھایا جاتا
درد وہ ہے کہ زباں پر نہیں لایا جاتا
داغِ فرزند حسینؑ ابن علیؑ سے پوچھو

داغِ یوسف سے ہیں یعقوبِ پیمبر آگاہ
آنکھیں روشن ہوئیں جب مل گیا وہ نورِ نگاہ
دشت میں چار طرف ڈھونڈنے جائینگے حسینؑ

دولتِ بانوئے بیکس پہ زوال آتا ہے
داغ بیٹے کا فلک باپ کو دکھلاتا ہے
کس جواں بیٹے سے ماں باپ جدا ہوتے ہیں
ہوتی ہے دولتِ فرزندِ پیمبرؐ برباد
جان کھوتا ہے پدر ہوتی ہے مادر برباد
پہلے فرزند سے مر جائیں تو کچھ دور نہیں

سر بسر زیورِ خوبی سے سنوارا ہے پسر
قوتِ دل ہے ضعیفی کا سہارا ہے پسر
کوہِ غم گرتا ہے بابا کی کمر ٹوٹتی ہے
باغِ عالم سے عجب سرو رواں ہوتا ہے
خشک بے آبی سے کیا غنچہ دہاں ہوتا ہے
ماں پریشان کئے ہیں بالوں کو سنبل کی طرح

گھر سے جاتا ہے وہی گھر کا جو اُجیالا ہے
کیا کریں صبر کلیجہ ہی تہ و بالا ہے
روح ماں باپ کی قالب سے جدا ہوتی ہے
ایسا بیٹا نہیں ہاتھوں سے گنوایا جاتا
زخم وہ ہے کہ جگر پر نہیں کھایا جاتا
نوجواں بیٹے کا غم باپ کے جی سے پوچھو

کہ جھنکاتی تھی کنوئیں دشت میں فرزند کی چاہ
یوں تو فرزند کے ملنے کی توقع نہیں آہ
اپنے یوسف کو بجز حشر نہ پائیں گے حسینؑ

لے گئے ذبح کو جس وقت خلیل اپنا پسر
باندھی اُلفت کے سبب آنکھوں پہ پٹی کس کر

تا گلا کٹتے ہوئے آئے نہ بیٹے کا نظر
ذبح یاں ہو گا پسر سامنے دیکھے گا پدر

بخدا ابن علی صبر میں لاثانی ہے
واں تو دُنبہ تھا یہاں بیٹے کی قربانی ہے

سوچیں سب صاحب اولاد کہ کیا مشکل ہے
تا کجا صبر کہ ماں باپ کا آخر دل ہے

پہلے فرزند سے بابا کا جگر گھائل ہے
زخم اکبر نے نہیں کھائے پہ باپ بسمل ہے

پار جب سینے سے برچھی کی انی ہووے گی
کیا غضب ہووے گا کیا سینہ زنی ہووے گی

باندھا ہے وہ کمر اور کمر شاہ ہے خم
تیغ سجتا ہے پسر باپ کے دم میں نہیں دم

شان سے شانے پہ رکھتا ہے کماں وہ ضیغم
تیر غم لگتے ہیں مادر کے جگر پہ پیہم

تن پہ چار آئینہ سجنے کا وہاں ساماں ہے
پارہ پارہ ہے جگر ماں کا پدر حیراں ہے

ہو گا آنکھوں سے نہاں جس گھڑی وہ رشک قمر
ٹکڑے مانند کتاں ہوئے گا بابا کا جگر

زلفیں سنبل سی جو ہیں رخ پہ ادھر اور ادھر
خوں میں تر ہوں گی تو کیا ہوگی پریشاں مادر

کچھ نہ ماں باپ کو آنکھوں سے نظر آوے گا
نور چشم ایسا سلامت جو نہ گھر آوے گا

واقعی دولت اولاد عجب دولت ہے
اس کو راحت ہے تو ماں باپ کو بھی راحت ہے

نوجواں بیٹے کا مرنا بھی بڑی آفت ہے
زندگی تلخ ہے پھر جینے کی کیا لذت ہے

اس کا دل دیکھو چھٹے باپ سے جس کا بیٹا
اور بیٹا بھی تو ہم شکل نبی سا بیٹا

ہیں مسیں بھیگتی اٹھارہ برس کا ہے سن
منتیں مانی ہیں مادر نے مرادوں کے ہیں دن

رنج میں کاٹی ہیں کڑی راتیں گن گن
پالنے والی کو چین آئے گا کیونکر اُس بن

ماں کو حسرت ہے دولہن بیاہ کے گھر لانے کی
فکر یاں ان کو جوانی میں ہے مر جانے کی

ماں کو منظور ہے جاوے نہ کہیں نور نظر
اور فرزند کو درپیش ہے دنیا سے سفر

باپ کو غم ہے کہ چھٹتا ہے برابر کا پسر
سیدھی ہو سکتی نہیں خم ہوتی جاتی ہے کمر

بھائی کے واسطے قاسم کی دلہن روتی ہے
پکڑے داماں قبا چھوٹی بہن روتی ہے

رن کو جانے کیلئے بانو کے جائے ہیں کھڑے
شوق ہے جنگ کا ہتھیار لگائے ہیں کھڑے

ہاتھ جوڑے ہوئے گردن کو جھکائے ہیں کھڑے
ماں سے مرنے کیلئے آنکھ چرائے ہیں کھڑے

شاہ خاموش ہیں اور بول نہیں سکتے ہیں
کبھی بانو کا کبھی بیٹے کا منہ تکتے ہیں

دل سے فرماتے ہیں اب دیکھئے ہوتا ہے کیا
صبر کی جا نہیں ہوتا ہے پسر ماں سے جدا
جسم کانپے گا قلق ہو گا غش آجائے گا
بانو کہتی تھی کہ کیا کہتے ہیں اکبر یا شاہ
دیکھتی ہوں کہ میں حضرت کی بھی حالت ہے تباہ
منہ سے کچھ کہتے نہیں پاسِ ادب کرتے ہیں
شاہ فرماتے ہیں بانو سے کہ اے نیک نہاد
پوچھو اکبر سے کہیں گے جو کچھ ان کی ہے مراد
تھا مقدر یہیں کہ سب ہوویں جدا ہم دیکھیں
سن کے یہ بانو نے فرزند سے پوچھا رو رو
ہاتھ کیوں جوڑے ہو ان ہاتھوں کے ماں صدقے ہو
صبر فرماؤ کہ اب تم سے جدا ہوں گے ہم
یہ سخن سنتے ہی فرزند سے ماں ہو گئی زرد
مردنی چھا گئی چہرے پہ اُٹھا دل میں درد
تم سے بچھڑوں گی تو واری میں کدھر جاؤں گی
کہا اکبر نے کہ بہتر ہے نہ دیجئے رخصت
میرے بابا سے ہوئے بھائی بھتیجے رخصت
ماں سے فرزند کو تکرار کا یارا کیا ہے
سب نے قربان کئے زہرا کے پسر پر فرزند
میں نے چاہا تھا کہ ہو آپ کا بھی نام بلند
آپ کہتی ہیں نہ جاؤ تو نہ جاویں گے ہم
جائے گا جو سوئے تیر تو نہ جائے گا غلام
خیمے کے لوٹنے کو آئے گا جب لشکرِ شام
آبرو پاتے جو سر تیغ سے کٹواتے ہم

بانو دیتی ہے کہ بیٹے کو نہیں دیتی رضا
اب خدا خیر کرے ہے یہی مر جانے کی جا
حرفِ رخصت کا نہ بانو سے سنا جائے گا
اُن کے جو دل میں ہے کچھ آپ ہی اُس سے آگاہ
ماجرا کیا ہے یہ کچھ مجھ سے تو کہئے للّٰلہ
کون سی چیز ہے جو ماں سے طلب کرتے ہیں
راز داں ہوتی ہے ماں بیٹے کی بابا سے زیاد
حق نہ ماں باپ کو دکھلائے فراقِ اولاد
اب بھی اُٹھ جائیں جہاں سے تو نہ یہ غم دیکھیں
کیا کہا چاہتے ہو ماں سے تو اے لال کہو
کہا اکبر نے رضا کرنے کی ماں ہمیں دو
دودھ بخشو ہمیں بابا پہ فدا ہوں گے ہم
دھیان آیا کہ چلا ہائے پسر بہرِ نبرد
دیکھ منہ بیٹے کا کہنے لگی بھر کر دم سرد
پھر نہ رخصت کا سخن کہنا کہ مر جاؤں گی
خیر مرنے کو نہ جاویں گے نہ دیجئے رخصت
مجھ کو بھی دھیان ہے یہ آپ سے لیجئے رخصت
تابعِ حکم ہیں ہم زور ہمارا کیا ہے
کٹ گئے تیغوں سے کس کس جگر کے پیوند
پر تعجب ہے کہ آئی نہ مری بات پسند
اپنے ہم چشموں کو پھر منہ دکھاویں گے ہم
کام بابا کے نہ آئے تو وطن سے کیا کام
قید ہم ہو گئے نہ لڑنے کا یہی ہے انجام
طوق و زنجیر کی ایذا سے بھی چھٹ جاتے ہم

آج جو مرتے تو داخل شہدا میں ہوتے
پائنتی باپ کے آرام سے رن میں سوتے
لاش پر کہتے ملک ہائے علیؑ کے پوتے
حشر تک ہم کو عزادار جہاں میں روتے
جو ہے منظور ہمیں آپ کو منظور نہیں
اب بھی فرماؤ تو میدان وغا دور نہیں

بولی ہاں ہوگئے آزردہ میں واری بیٹا
گلہ آمیز یہ باتیں ہیں تمہاری بیٹا
باپ پیارا ہے تمہیں ماں نہیں پیاری بیٹا
دھیان اپنا ہے نہیں فکر ہماری بیٹا
پہلو بابا کا تو آباد کیا چاہتے ہو
پالنے والی کو برباد کیا چاہتے ہو

علی اکبر مری محنت کی طرف دھیان کرو
اماں واری کی بستی کو نہ ویران کرو
چھوڑ کر ماں کو نہ تم کوچ کا سامان کرو
پھر فدا ہوجیو پہلے مجھے قربان کرو
میرے جیتے نہ قدم گھر سے نکالو بیٹا
اپنی مادر کا جنازہ تو اٹھا لو بیٹا

ماں کی تقریر سے مایوس ہوئے جب اکبر
اشک آنکھوں سے بہے چاند سے رخساروں پر
رکھ دی تلوار لگے کھولنے ہاتھوں سے کمر
بانو گھبرا گئی ٹکڑے ہوا زینب کا جگر
لے کے بیٹے کی بلائیں کہا کیوں روتے ہو
نہیں روکوں گی میں کاہے کو خفا ہوتے ہو

رو کے کہنے لگے بیٹے سے امام خوش خو
ماں تو دیتی ہے رضا مرنے کی آزردہ نہ ہو
پھر کہا بانو سے اب مرنے کی رخصت انہیں دو
تھا مقدر میں یہی صبر کرو شکر کرو
یہ دعا مانگو کہ تڑپے نہ کلیجا میرا
آزماتا ہے مرے صبر کو مولا میرا

تم نے اٹھارہ برس کھینچے ہیں گو رنج و تعب
بانو پر خواہشِ تقدیر سے ناچار ہیں سب
اس کا میں کون ہوں تم کون ہو جو مرضی رب
زور کیا جس کی امانت ہے وہ کرتا ہے طلب
اب نہیں جینے کے عمر اتنی ہی یہ لائے تھے
خلق میں داغ دکھانے کو ہمیں آئے تھے

شہ نے سمجھایا تو بانو نے کہا رو رو کر
کیوں کمر کھولتے ہو غصہ سے صدقے مادر
ماں سے چلتے ہوئے آزردہ نہ جاؤ اکبر
خیر جو مرضی ہو اچھا کرو دنیا سے سفر
اب تو راضی ہوئے مادر سے میں واری بیٹا
آگے آؤ کہ بلائیں لوں تمہاری بیٹا

سن کے ماں سے یہ سخن قدموں پہ فرزند گرا
عرض کی آپ سے روٹھوں مرا مقدور ہی کیا
ماں نے چھاتی سے لگا کر کہا صدقے بیٹا
جاؤ رخصت بھی کیا دودھ بھی تم کو بخشا
غم نہ کھانا کہ یہ ماں رو رو کے مر جائے گی
ساتھ دو باپ کا ماں کی بھی گذر جائے گی

کہہ کے یہ دی جواں بیٹے کو چھاتی سے لگا
غل ہوا بانو نے دی مرنے کی بیٹے کو رضا
خاک پر سیدِ سجادؑ نے سر دے پٹکا
رونے چلانے لگیں بہنیں کہ ہے ہے بھیا
کچھ زباں سے علی اصغر جو نہ کہہ سکتا تھا
جھولے سے رو رو کے بھائی کی طرف تکتا تھا

کہتی تھی پیٹ کے سر زینب مضطر ہے ہے
نوجواں مرنے چلا بھائی کا دلبر ہے ہے
بانو لوٹی گئی . برباد ہوا گھر ہے ہے
ہم سے پردیس میں چھوٹے علی اکبر ہے ہے
پاس کوئی نہیں تنہا شہِ مظلوم ہوئے
ہائے نانا کی زیارت سے بھی محروم ہوئے

چھوڑ کر روتا انہیں خیمے سے اکبر نکلے
پیچھے فرزند کے روتے ہوئے سرور نکلے
پر عجب حال سے ہم شکلِ پیمبرؐ نکلے
مڑ کے تکتے تھے کہ خیمے سے نہ مادر نکلے
ماں کے رونے کی جو کانوں میں صدا آتی تھی
ٹکڑے ہوتا تھا جگر چھاتی پھٹی جاتی تھی

در پہ موجود سواری کو جو تھا اسپ عقاب
جوڑ کر ہاتھ کہا شاہ سے باچشم پُرآب
فدوی اسوار ہولے جائیں جو تشریف جناب
بولے شہ تم چڑھو گھوڑے پہ میں تھاموں گا رکاب
باپ نے پاؤں کو گر ہاتھ لگایا تو کیا
کاندھے پہ چڑھتے تھے گھوڑے پہ چڑھایا تو کیا

تم ہو ہم صورت محبوب خدائے اکرم
پاؤں لے لال تو آنکھوں سے لگاؤں یہ قدم
آج تک کرتے تھے نانا کی زیارت ہر دم
ہم سے تم چھٹتے ہو اور تم سے بچھڑتے ہیں ہم
گھر میں اٹھارہ برس تک مرے مہمان رہے
باپ کو آخری خدمت کا نہ ارمان رہے

کہا اکبر نے کہ ہیں آپ امام ابنِ امام
یہ نہ فرمایئے ہوتا ہے گنہ گار غلام
گو کہ ہم شکل محمدؐ ہوں میں یا شاہِ انام
آپ ہیں جانِ نبیؐ آپ کا ہے عالی مقام
قدر حضرت کی جو ہے میری وہ توقیر نہیں
اصل کے سامنے کچھ رتبۂ تصویر نہیں

چاہا اکبر نے یہ کہہ کر کہ گریں قدموں پر
شہ نے لپٹا لیا چھاتی سے پسر کو رو کر
راوی کہتا ہے چڑھے گھوڑے پہ جب ابنِ حسین دم بھر
گرے غش کھا کے کئی بار اور اٹھے سرور
گہہ رکابِ پسرِ تشنہ جگر تھامتے تھے
کبھی دل تھامتے تھے گاہ کمر تھامتے تھے

کبھی گردن سے لپٹ گھوڑے کی کرتے تھے بکا
کبھی کہتے تھے کہ بیٹا تری غربت پہ فدا
اے مرے قوتِ دل اے مری پیری کے عصا
اے مرے راحتِ جاں اے مری آنکھوں کی ضیا
ہائے جی بھر کے نہ تجھ کو مرے جانی دیکھا
اس ضعیفی میں ترا داغِ جوانی دیکھا

ہائے جاں باز مرے ہائے مرے شیرِ جواں
تو نہیں جاتا ہے جاتی ہے مرے جسم سے جاں
کون لے جائے گا تجھ تک مجھے تنہائی میں
تیرے چہرے کے تصدق تری نفوس کے نثار
پھر مری چھاتی سے چھاتی کو لگا دو اکبر
اپنی پیشانی پہ بوسے تو ذرا دینے دو
علی اکبر نے کہا دے کے محمدؐ کی قسم
ساتھ خادم کے اگر آپ بڑھائیں گے قدم
شہ نے فرمایا کہ قسمیں نہ دلاؤ بیٹا
کر کے تسلیم چلے جانبِ میداں اکبر
یک نے جا کے یہ دی لشکرِ اعدا کو خبر
ہاں جوانو! دمِ پیکار ہے ہشیار رہو
مورچے والو رہو تیغ زنی پر تیار
ہاں کمان دارو نہ چلّے سے جدا ہوں سوفار
شہ کو فرزند کے لاشے پہ رلانا ہے تمہیں
کاٹنا ہے پسرِ فاطمہؑ کا نخلِ مراد
کوئی شبیرؑ کو پیارا نہیں اکبر سے زیاد
ختم ہے جنگ جو اس رشکِ قمر کو مارا
ذکر یہ تھا کہ زمیں رن کی ہوئی مطلعِ انوار
طور تھا اسپ فلک سیر تو وہ شعلۂ طور
صبحِ صادق کی سی پر نور جبیں روشن تھی
سہرنگوں جس سے مہِ نو ہو وہ ابروئے خمدار
نرگسی آنکھیں وہ جس پر دلِ مردم ہو نثار
نسبت اس لب سے نہیں غنچہ کا یہ حرف نہیں

ہائے اے غنچہ دہن ہائے مرے سروِ رواں
پاؤں یاری نہیں دیتے تجھے ڈھونڈوں کہاں
آ گیا فرق ابھی سے مری بینائی میں
جان بے تاب ہے بابا کی نہیں دل کو قرار
مر ہی جائے گا پھیرو نہ عنانِ رہوار
گرد گھوڑے کے تو بیٹا مجھے پھر لینے دو
آپ صابر ہیں مناسب ہے تامل اس دم
خیمے سے نکلیں گے سر پیٹتے سب اہلِ حرم
خیر اللہ کو سونپا تمہیں جاؤ بیٹا
خاک پر گر پڑے شہ تھام کے ہاتھوں سے جگر
آن پہنچا خلفِ شیرِ الٰہی کا پسر
شیر آتا ہے اسی رخ کو خبردار رہو
نیزہ بازو نہ کرو دیر بڑھاؤ رہوار
برچھیاں تانے رہو پیدلو کچھ نہ فرار
آج تصویرِ محمدؐ کو مٹانا ہے تمہیں
آج کر دینی ہے بانو کی کمائی برباد
سن لو بیٹے کے لئے کرتے ہیں اک اب فریاد
بخدا باپ کو مارا جو پسر کو مارا
آ گیا صاف نظر حسنِ محمدؐ کا ظہور
مہر تھا ذرے سے کم اس کی تجلّی کے حضور
کوسوں تک حسن کی پرتو سے زمیں روشن تھی
تیر مژگاں وہ کہ اک پل میں کریں دل سے گذار
دیکھ کر دنگ ہو آئینہ صفائے رخسار
دہنِ تنگ میں گنجائشِ یک حرف نہیں

آب و تابِ درِ دنداں سے خجل دُرِّ عدن
حق نے ہے آبِ لطافت سے بھرا چاہِ ذقن

شعلۂ طور ہے پروانۂ شمعِ گردن
سینہ ہے علمِ جنابِ احدی کا مخزن

قامتِ راست نشانِ اسداللّٰہی ہے
دست و بازو سے عیاں شانِ یداللّٰہی ہے

تیغ وہ ہے کہ کرے کوہ کو جوں کاہ قلم
نیزہ وہ دیکھ کے کانپے جسے مارِ ارقم

صورتِ قوس ہی قبضے میں کماں مستحکم
تیر ترکش کے نہیں مرگِ مفاجات سے کم

ہے سپر کاندھے پہ یا شب ہے سحر کے پیچھے
یا کوئی ابر کا ٹکڑا ہے قمر کے پیچھے

باگ ہلنے کی نہیں اسپِ فلک سیر کو تاب
ہو ذرا گرم تو اڑ جائے مثالِ سیماب

ڈالے کاوہ یہ جو دریا میں بشکلِ گرداب
یہ سُبک رَو ہے کہ ٹوٹے نہ کبھی سُم سے حباب

نے زمیں زیرِ قدم غرب سے تا شرق رہے
رشک سے نعلِ دُرِ آتش بھی سدا برق رہے

ایسا راکب کہیں دیکھا ہے نہ ایسا اسوار
خوش نما جسم پہ زیور کی طرح ہیں ہتھیار

کوئی اس حسن سے مرنے نہیں آیا زنہار
پر خزاں ہو گئی اب باغِ جوانی کی بہار

خاک پر کاٹ کے تیغوں سے گرا دیویں گے
آج اس چاند کو مٹی میں ملا دیویں گے

اسے کیا سوجھے گا یہ نورِ نظر ہے جس کا
ہوا اندھیر اسے دنیا یہ قمر ہے جس کا

دل پہ کیا گذرے گی اس کے یہ جگر ہے جس کا
پوچھو اس ماں کے کلیجے سے پسر ہے جس کا

در پہ خیمے کے کھڑی بیٹے کو تکتی ہوگی
آگ یاں ماں کے کلیجے میں بھڑکتی ہوگی

شمر اتنے میں پکارا کہ جوانو جاؤ
سرِ ہم شکلِ نبی کاٹ کے جلدی لاؤ

کہا اکبر نے کہ موجود ہیں ہم بھی آؤ
دخل کیا ہے جو اماں ہاتھ سے میرے پاؤ

کس طرح لڑتا ہے ہم شکلِ پیمبر دیکھو
آج شمشیرِ حسینی کے بھی جوہر دیکھو

کہہ کے یہ فوج میں ڈوبا وہ شجاعِ ازلی
نعرہ زن تھا کہ اَنَا ابنِ حسینؑ ابنِ علیؑ

تیر چلنے لگے نیزے چلے تلوار چلی
برق شمشیرِ دو دم سے صف کفا چلی

سر قلم ہوتے تھے افواجِ ستم عاری تھی
صفحۂ خاک پہ اک جدولِ خوں جاری تھی

خرمنِ ہستیِ اعدا کو جلاتی تھی وہ برق
نارِ دوزخ کی زمانے کو دکھاتی تھی وہ برق

فرق پر جس کے چمکتی ہوئی جاتی تھی وہ برق
صاف دو کر کے زمیں میں اتر آتی تھی وہ برق

کٹ گیا ہے مہِ نو شرم سے خم ایسا تھا
ڈر سے دم بند تھے کفاروں کے دم ایسا تھا

خوں میں دنبالہ تک آلودہ تھی وہ ناخن شیر
غضب حق تھی حقیقت میں بظاہر شمشیر

نہ گئی پیش زبردستوں کی ایسے ہوئے زیر
دشمن جاں بھی یہ کہتے تھے کہ اللہ رے دلیر

شور تھا ضرب یہ ہے کاٹ اسے کہتے ہیں
باڑھ کہتے ہیں اسے گھاٹ اسے کہتے ہیں

آب شمشیر سے میداں میں اٹھا تھا طوفان
بحر خوں چار طرف دشت میں تھا موج کناں

کشتی تن کو لعینوں کے نہ تھی جائے اماں
تیغ کے گھاٹ جو اترا ہو دوزخ کو رواں

کیا جگر ہیں جو ید اللہ کی اولاد کے ہیں
تیغ چھٹتی نہیں کیا ہاتھ بھی فولاد کے ہیں

ناب اس تیغ کی تھی جادۂ صحرائے فنا
موج زن آب میں تھا قہر خدا کا دریا

خم سے دوزخ کا نظر آتا تھا سیدھا رستا
پشت پر فتح دم جنگ تھی قبضے میں قضا

گر پڑے کوہ پہ دو ٹکڑے برابر ہو ویں
کس سے وار اس کا رکے جس میں یہ جوہر ہو ویں

مثل سیماب نہ اک جا پہ تھا مرکب کو قرار
گرتی تھی فوج پہ بجلی سی چمک کر تلوار

واں صف جنگ تھی یاں شاہ کھڑے تھے ناچار
دل تڑپتا تھا جدائی تھی پسر کی دشوار

نہ بلایا مجھے کام ایسا کوئی کرتا ہے
جلد آواز دو بیٹا کہ پدر مرتا ہے

کان میں آئی نہ جب نعرۂ اکبر کی صدا
رو کے شہ کہتے تھے مارے گئے ہے ہے بیٹا

صوت تکبیر ہوئی بند یہ کیا قہر ہوا
نیزہ چھاتی پہ لگا حلق پہ ننھا تیر لگا

جا کے جس غول پہ ہم شکل نبی لڑتے تھے
شاہ بے زخم لگے خاک پہ گر پڑتے تھے

تن پہ رعشہ مرے آیا ہے بصارت میں خلل
لڑتے بھڑتے ہوئے کیا رن سے گئے دور نکل

باگ روکو مری جاں باپ کا دل ہے بے کل
آؤ اب دم لو بہت لڑ چکے بابا کے بدل

کیا ہمیں بھول گئے دھیان کدھر ہے بیٹا
کچھ پدر کے بھی کلیجے کی خبر ہے بیٹا

ماں سے یہ کہہ گئے تھے آؤں گا پھر آپ کے پاس
نگراں ہے در خیمہ سے وہ با حسرت و یاس

مر ہی جائے گی نہ توڑو مری جاں بانو کی آس
بہنیں بیتاب ہیں پھوپھیوں کے بجا ہیں نہ حواس

غل ہوا شاہ کے دلدار کو مارا ہم نے
پسر سید ابرار کو مارا ہم نے

شور یہ سنتے ہی روتے ہوئے دوڑے شبیر
شیر کی طرح دھنسے فوج میں کھینچے شمشیر

دل پہ اک ہاتھ تھا اور تھی یہ زباں پر تقریر
نوجواں قتل ہوا میرا پسر بے تقصیر

عضو بے کار ہوئے گھٹ گئی طاقت میری
لوٹ لی نانا کی امت نے بضاعت میری

ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے لاشے کو شہنشاہ اُمم
ایڑیاں بیٹے کو دیکھا جو رگڑتے پیہم
پیار سے گود میں زخمی کو کبھی لیتے تھے
باپ کو بیٹے کا لاشہ نہ دکھائے اللہ
ہلتی تھی رن کی زمیں کرتے تھے جس دم آہ
قدر کچھ امتِ احمدؐ نے نہ جانی تیری

ہوش میں آ ن کے اکبر نے کہا بابا جاں
کھنچتی ہیں تن کی رگیں اینٹھتی ہے منہ میں زباں
لوگ حیواں کو نہیں پانی سے ترساتے ہیں
شہ نے فرزند کا سر زانو پہ رکھ کر یہ کہا
کیا کہوں ہیں علی اکبر نہیں پانی ملتا
دم تو ٹھہرے گا جو کم تشنہ دہانی ہو گی

کہہ کے یہ منہ میں زباں دینے جھکے تھے شبیر
دم گلے میں جو رکا ہو گئی حالت تغیر
شاہ چلائے نہ رحم اس کی جوانی پہ کیا
باتیں کرتا تھا مِری زانو پہ رکھے ہوئے سر
بے گنہ قتل کیا تم نے جواں میرا پسر
خونِ ناحق کی غریبوں کی سزا پاؤ گے

باپ یہ کہتا تھا اور توڑتا تھا دم بیٹا
شاہ کہتے تھے پسر ہائے میں کیا کروں کیا
ایسا تڑپے علی اکبر کو سنبھالا نہ گیا
کچھ نہ بن آتی تھی حیراں تھے شہِ جن و بشر
بند تھی سانس زیادہ جو ہوا دردِ جگر
شاہ چلاتے تھے بے آس ہوئے ہم بیٹا

آن پہنچے کہ پسر توڑتا تھا خاک پہ دم
مارے الفت کے لگانے لگے آنکھوں سے قدم
خوں بھرے منہ پہ منہ اپنا کبھی رکھ دیتے تھے
گر کے فرزند کے پہلو میں تڑپنے لگے شاہ
متصل لب پہ یہ تھا ہائے مرے غیرتِ ماہ
ہائے یہ حُسن ترا ہائے جوانی تیری

اب نہیں جینے کے ہم ہیں کوئی دم کے مہماں
جان پانی ہے اس وقت یہ پھٹتا ہے کہا
حیف ہے خلق سے ہم تشنہ دہن جاتے ہیں
اے مری جان تری پیاس کے صدقے بابا
خشک ہونٹوں سے زباں باپ کی چوسو بیٹا
کچھ تو تسکین تجھے اے یوسفِؑ ثانی ہو گی

حلقِ اکبرؑ پہ کسی شامی نے مارا اِک تیر
شہ کی گودی میں تڑپنے لگا وہ ماہِ منیر
کیا ستم نزع میں ظالم مرے جانی پہ کیا
باپ سے بیٹے کو کہنے نہ دیا دردِ جگر
حق سے فریاد کروں گا میں بروزِ محشر
آج بے بس ہوں میں اُس روز کہاں جاؤ گے

حلق پر تیر تھا بند آنکھیں تھیں اور منہ تھا کھلا
چاہا کتنا کہ کریں تیر کو گردن سے جدا
شہ سے الفت کے سبب تیر نکالا نہ گیا
نہ نکل سکتا تھا پیکاں نہ سنبھلتا تھا جگر
مر گئے باپ کی گودی میں تڑپ کر اکبر
باپ جیتا رہا تم ہو گئے بے دم بیٹا

دیکھتے کیا ہیں پھر آتے ہیں شہِ نیک خصال
کہ ردا گر گئی سر سے نہیں اس کا بھی خیال
کبھی منھ پیٹتی ہے ہاتھوں کو ملتی ہے کبھی
کبھی چلاتی ہے اے فاطمہؑ کے راحتِ جاں
بھڑکی ہے آگ جگر میں مرے یا شاہِ زماں
ہاتھ پھیلا کے کلیجے سے لگا لوں گی میں
دخترِ فاطمہؑ پیچھے ہے کھلے سر آتی
پیچھے رو رو کے سکینہ ہے یہی چلاتی
ننھے بچوں سے بھی منھ موڑے چلی جاتی ہو
چھوڑ کر لاش کو بیٹے کی اٹھے سرورِ دیں
کہا اکبر گئے دنیا سے سوئے خلد بریں
کیا مناسب ہے کہ پردے سے نکل کر روؤ
رو کے بانو نے کہا مر گئے اکبر ہے ہے
تشنہ لب جانبِ کوثر گئے اکبر ہے ہے
دن جو شادی کے قریب آئے تو ناشاد ہوئی
کیا تمنا تھی مجھے اور ستم کیا دیکھا
نہ دلہن دیکھی نہ بنتے ہوئے دولہا دیکھا
جب تلک جیتے ہیں کیا کیا نہ ستم دیکھیں گے
کہا بانو نے سنبھلتا نہیں سینے میں جگر
بولے حضرت کسے دیکھو گی کہاں ہیں اکبر
بال کھولے ہوئے بلوے میں کدھر جاؤ گی
بانو غش ہونے لگی سن کے یہ پُر درد سخن
ڈال کر دونوں پہ جلدی سے عبا کا دامن
پہونچے جس وقت بصد آہ و بکا خیمہ میں

بانو خیمے سے چلی آتی ہے کھولے ہوئے بال
کوکھ پکڑے ہوئے چلاتی ہے ہے ہے مرا لال
کھا کے ٹھوکر کبھی گرتی ہے سنبھلتی ہے کبھی
تم کہاں روتے ہو صاحب مرا بچہ ہے کہاں
میری چھاتی سے لگا دو اسے تم پر قرباں
مجھ سے روٹھے گا جو اکبر تو منا لوں گی میں
بانو بے تاب ہے زینب ہے پچھاڑیں کھاتی
ٹھہرو اماں کہ راہوں میں تمہاری لاتی
علی اصغر کو کہاں چھوڑے چلی جاتی ہو
آئے گھبرائے ہوئے زینبِ بیکس کے قریں
ڈھونڈھنے نکلی ہو جس کو اسے پاؤ گی نہیں
ہنسنے والے ہیں یہاں خیمے میں جا کر روؤ
ہائے بے آس مجھے کر گئے اکبر ہے ہے
داغ سینے پہ مرے دھر گئے اکبر ہے ہے
محنت اٹھارہ برس کی مری برباد ہوئی
وائے قسمت کہ نہ فرزند کا سہرا دیکھا
بولے شہ شکر ہے جو دیکھا سو اچھا دیکھا
علی اصغر کا بھی لاشہ ابھی ہم دیکھیں گے
لاشِ اکبر تو مجھے دیکھنے دو ایک نظر
لاش پر بیٹے کی ماں کا نہیں جانا بہتر
لاش فرزند کی دیکھو گی تو مر جاؤ گی
ایسا پیٹی کہ گری خاک پہ حضرت کی بہن
گود میں لیکے سکینہ کو چلے شاہِ زمن
شور ہے ہے علی اکبر کا ہوا خیمہ میں

کوئی کہتی تھی کہ مارا گیا ہم شکل رسولؐ
کوئی کہتی تھی کہ بیکس ہوا فرزند بتولؑ
کوئی کہتی تھی گرا گلشن شبیر کا پھول
بس انیسؔ جگر افگار رہ منا سب ہے طول
کر دعا حق سے کہ عاجز ہوں گنہگار ہوں میں
رحم کر مجھ پہ کہ سرور کا عزادار ہوں میں

سلام

گنہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اٹھا کے چلے
خدا کے آگے خجالت سے سر جھکا کے چلے
مقام یوں ہوا اس کارگاہ دنیا میں
کہ جیسے دن کو مسافر سرا میں آ کے چلے
خیال آ گیا دنیا کی بے ثباتی کا
چلے جہان سے اصغر تو مسکرا کے چلے
طلب سے عار ہے اللہ کے فقیروں کو
کبھی جو ہو گیا پھیرا صدا سنا کے چلے
کسی کا دل نہ کیا ہم نے پائمال کبھی
چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے
خرام اسپ شہ دیں سے دیں گے ہم تشبیہ
کہاں ہے کبک دری چال تو بنا کے چلے
ملا جنھیں انہیں افتادگی سے اوج ملا
انہیں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اٹھا کے چلے
حسینؑ کہتے تھے واحسرتا علی اکبر
بہار باغ جوانی ہمیں دکھا کے چلے
ملک پکارے کہ الٹا زمین کا تختہ
حسینؑ فوج پہ جب آستیں چڑھا کے چلے
ملی نہ پھولوں کی چادر تو اہل بیت امام
مزار شاہ پہ لخت جگر چڑھا کے چلے
چلے وطن کو جو عابدؑ تو کہتے تھے رو کر
علیؑ کے چاند کو ہم خاک میں ملا کے چلے
رہی غرور سے نفرت سیاہ کاروں کو
قلم کی طرح چلے جب تو سر جھکا کے چلے
تمام عمر جو کی سب نے بے رخی ہم سے
کفن میں ہم بھی عزیزوں سے منہ چھپا کے چلے
انیسؔ دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

رباعی

راحت کیا حاسدوں سے حاصل ہوتی
لذت دنیا کی زہر قاتل ہوتی
اس وقت میں گر خضر و مسیحا ہوتے
دو چار گھڑی بھی زیست مشکل ہوتی

۱۳ مرثیہ بند ۹۰

جب طے کیا شہ نے سفرِ راہِ خدا کو
منزل پہ قضا لائی غریب الغربا کو
اِک عید ہوئی عاشقِ ربِّ دوسرا کو
بس روک لو باگیں یہ پکارے رفقا کو
گردوں سے فزوں اوج ہے اس پاک زمیں کا
یاں سے نظر آتا ہے چمن خلدِ بریں کا

اے قافلے والو یہ ٹھہرنے کی جگہ ہے
خیمے کرو برپا یہ اترنے کی جگہ ہے
دیںداروں کے یہ سر سے گذرنے کی جگہ ہے
ہمت جو خدا دے تو یہ مرنے کی جگہ ہے
ایسی نہ زمیں پھر تہِ افلاک ملے گی
یہ خاک وہ ہے جس میں مری خاک ملے گی

کعبے سے بزرگی میں برابر یہ زمیں ہے
آئینۂ گردوں سے منوّر یہ زمیں ہے
گو فرش ہے ہو عرش کی ہمسر یہ زمیں ہے
قربان گہِ اولادِ پیمبرؐ یہ زمیں ہے
بے جان یہیں ہونا ہے یہ جان گئے ہم
اِس دشت کو اس نہر کو پہچان گئے ہم

مدت سے اسی خاک کا مشتاق تھا شبیر
پھرتی تھی سدا آنکھوں میں اس دشت کی تصویر
اس ارضِ مقدس کی محبت تھی گلوگیر
اب منزلِ مقصود پہ لائی مجھے تقدیر
اُترو! یہ فرشتوں کی صدا آتی ہے مجھ کو
یاں گلشنِ جنّت کی ہوا آتی ہے مجھ کو

کیا سبزۂ نوخیز ہے کیا خوب فضا ہے
کیا چشمۂ شیریں ہے عجب سرد ہوا ہے
جنّت کا نمونہ اسے کہیے تو بجا ہے
آرام سے سونے کی اگر ہے تو یہ جا ہے
یوں غنچۂ خاطر متبسم ہوا کھِل کر
خوش ہوتا ہے جیسے کوئی معشوق سے مل کر

دریا سے وضو کر کے مصلوں کو بچھاؤ
سجدے میں سر اس ارضِ مقدس پہ جھکاؤ
کھولو کمریں اب قدم آگے نہ بڑھاؤ
حمّالوں کو دو حکم کہ اونٹوں کو بٹھاؤ
گھوڑے بھی تھکے ماندے ہیں زینوں کو اُتارو
محمل سے اب ناقہ نشینوں کو اتارو

اُترے فرسِ خاص سے سبطِ شہِ لولاک
تھرّا گئی زمیں زرد ہوئی اُڑنے لگی خاک
آلودہ ہوا گرد سے حضرت کا رخِ پاک
رومال سے خدام لگے جھاڑنے پوشاک
غم چھا گیا نوبت نہ خوشی ہونے کی آئی
جنگل سے صدا فاطمہؑ کے رونے کی آئی

جھونکوں سے ہوا کے جو اُٹّے پردۂ محمل
سینوں میں اُچھلنے لگے سیدانیوں کے دل
زینبؑ نے کہا کیا متوحش ہے یہ منزل
آفات سے محفوظ رکھے خالقِ عادل
کچھ بادِ مخالف سے نہیں زور کسی کا
طوفاں میں نہ آ جائے جہازِ آلِ نبیؐ کا

اونٹوں سے نہ اُترا تھا ابھی خیمہ و خرگاہ
صحرا سے ٹہلتے ہوئے دریا پہ گئے شاہ
تھے سارے عزیز و رفقا آپ کے ہمراہ
گرد اختر تابندہ تھے اور بیچ میں وہ ماہ
صحرا پہ کبھی گاہ ترائی پہ نظر تھی
بیٹے پہ کبھی اور کبھی بھائی پہ نظر تھی

اکبر تو یہ کہتے تھے کہ صحرا پہ ہے عالم
اپنی تو اسی سمت نظر پڑتی ہے ہر دم
فرماتے تھے عباس ترائی بھی نہیں کم
خیمہ ہو کہیں آن کے سوئیں گے یہیں ہم
گرمی کے ہیں دن سرد ہوا بھاتی ہے اکثر
شیروں کو ترائی ہی میں نیند آتی ہے اکثر

ہوتی تھی چچا اور بھتیجے میں یہ تقریر
منھ دیکھتے تھے دونوں کا اور روتے تھے شبیر
رنگِ رُخِ عباسِ علی ہو گیا تغییر
پوچھا سببِ گریہ تو بولے شہِ دلگیر
دریا جو مرے سامنے لہراتا ہے بھائی
دل خود بخود اس وقت بھر آتا ہے بھائی

جاتے تھے لڑائی پہ جو صفین کی حیدر
ہے خوب مجھے یاد یہیں اُترا تھا لشکر
مغموم تھے اس روز بہت فاتحِ خیبر
جب تک رہے آنسو نہ تھما آنکھ سے دم بھر
کھایا تھا نہ کھانا نہ ذرا سوئے تھے بابا
تا دیر کھڑے ہو کے یہیں روئے تھے بابا

تب میں نے یہ کی عرض کہ اے سرورِ ذیشان
کیا وجہ ہے بیتابی کی کیوں آپ ہیں گریاں
لپٹا کے مجھے چھاتی سے بولے شہِ مرداں
اے احمدِ مرسل کے پسر میں ترے قرباں
اک دن تو مرے بعد یہاں آئے گا شبیر
عقدہ مرے اس رونے کا کھل جائے گا شبیر

سب چھوٹے بڑے رونے لگے سن کے یہ گفتار
ہم شکلِ پیمبر نے کہا یا شہِ ابرار
خیمہ ہو کہاں اُترے کجاووں سے کہاں بار
فرمانے لگا مصلحتاً شہ کا علمدار
برپا ہو لبِ نہر جو خیمہ تو بجا ہے
کم سن کئی معصوم ہیں اور گرم ہوا ہے

گرمی تو صغیروں کی ہلاکت کا سبب ہے
پیاسے رہیں دم بھر یہ تأمل نہیں کب ہے
کھینچی ہے جو ایذائے سفر حال عجب ہے
کھانے سے زیادہ انہیں پانی کی طلب ہے
منزل پہ میں رکھواتا تھا مشکیزوں کو بھر کر
پانی پہ گرے پڑتے تھے ناقوں سے اُتر کر

حضرت نے کہا یاں بھی خدا واں بھی خدا ہے
ہر چند کہ تدبیر حفاظت کی بجا ہے
دریا پہ اُترنے کا سر انجام نہ کیجے
ہر چند حقیقت میں یہ دریا ہے ہمارا
ہے مالکِ کوثر اسد اللہ کا پیارا
فکر اس کی عبث ہے کہ نہ ہاتھ آئے گا پانی

فرما کے یہ حضرت اسی صحرا میں پھر آئے
خیمے کئے استادہ سراچے بھی لگائے
پاس آکے گھٹاٹوپ کو کھلواتے تھے عباس
جمازۂ زینب جو قریں ڈیوڑھی کے بیٹھا
گرد آکے لیا قاسم و عباس نے پردا
اک ہاتھ علی اکبر ذی جاہ نے تھاما

چھاتی سے سکینہ کو لگائے ہوئے اُتریں
آنسو رخِ انور پہ بہائے ہوئے اُتریں
آگاہ نہ تھی اس ستم چرخ کہن سے
داخل ہوئیں خیمے میں جوں ہی دختر حیدر
جب کھل گیا پردا تو اُترنے لگا لشکر
کمروں کو پیادوں نے اور اسواروں نے کھولا

اک سمت بندھے آن کے اصطبل میں رہوار
اُٹھے پئے گل گشت جوانانِ خوش اطوار
صورت نظر اللہ کے مقبولوں کی آئی
وہ خیمۂ زنگاری شاہنشہِ والا
اوج اس کا جو دیکھے تو کہے دیکھنے والا
دستار پہ رکھ ہاتھ جو دیکھا ہے فلک سے

صحرا کو بھی دریا کو بھی اک روز فنا ہے
پر ہوگا وہی جو کہ مقدر میں لکھا ہے
جس بات میں تکرار ہو وہ کام نہ کیجے
پر کرتے ہیں ہم دیدہ و دانستہ کنارا
کیا بحر کرم کے لئے چشمے کا سہارا
اللہ وہیں پیاسوں کو پہنچائے گا پانی

فراشوں نے جھاڑی وہ زمیں اونٹ بٹھائے
اور ڈیوڑھی پہ ناموس کے جمازوں کو لائے
ہر بی بی کو محمل سے اُترواتے تھے عباس
کرسی سے اٹھے آپ شہ یثرب و بطحا
محمل سے اُترنے جو لگی دختر زہرا
اک ہاتھ جگر بند ید اللہ نے تھاما

شہزادی کو چادر میں چھپائے ہوئے اُتریں
پردا تھا مگر سر کو جھکائے ہوئے اُتریں
کھل جائے گا سر ہاتھ بندھے ہونگے رسن سے
پیچھے گئیں ناقوں سے کنیزیں بھی اتر کر
بالیں بھی کھڑی ہوگئیں اور لگ گئے بستر
دو کانوں کو لشکر کے دکانداروں نے کھولا

محمل جو اُتارے تو ہوئے اونٹ سبکبار
زہرا کے گلستاں سے وہ صحرا ہوا گلزار
ہنستے گئے جس سمت مہک پھولوں کی آئی
بے چوبہ گردوں سے تھا رفعت میں دوبالا
سر چرخ چہارم سے زمیں نے ہے نکالا
خورشید کا منہ زرد ہے شمسے کی چمک سے

وہ خیمہ وہ لشکر وہ بیاباں وہ ترائی
رونق چمنِ خلد کی اس دشت نے پائی
کانٹوں کے جہاں ڈھیر تھے گلشن نظر آیا
سقے گئے اور آنے لگا دشت میں پانی
موقوف اسی دن سے ہوئی تھی رسدائی
مہمانوں پہ رحم آیا نہ پیماں شکنوں کو

گذرا جو وہ دن عالمِ غربت میں ہوئی شام
مصروف عبادت میں ہوئے شاہِ خوش انجام
جوں دانۂ تسبیح برابر وہ جواں تھے
فارغ جو فریضے سے ہوئے سیدِ ذی جاہ
پہونچے جو سراپردۂ عصمت کے قریں شاہ
داخل ہوئے حضرت حرمِ شاہِ نجف میں

مسند کو شہِ دیں نے منور کیا جا کر
جا بیٹھی سکینہ بھی قدم جلد بڑھا کر
کس کس سے بلانے کے لئے میں نے کہا تھا
کس بات کا اندیشہ ہے میں آپ کے قرباں
سونے کی نہ ہے فکر نہ کھانے کا ہے کچھ دھیاں
ہر مرتبہ کیوں اشکوں سے منھ دھوتے ہو بابا

ڈھل پڑتے ہیں اشک آنکھوں سے جب کرتے ہیں کچھ بات
پچھلے کو یہ کرتے ہو دعا بعدِ مناجات
تو چاہیے تو مقصد پہ پہنچ جاتا ہے شبیر
حضرت نے کہا کچھ نہیں تشویش مری جاں
عاشق وہی ہے جو ہو رہِ معشوق میں قرباں
فارغ الم و رنج سے ہونے کے دن آئے

اِک قدرت اللہ کی تھی جلوہ نمائی
ویرانے میں بستی ہوئی جنگل کی بن آئی
پھولوں سے بھرا دشت کا دامن نظر آیا
ترسے ہوئے گھوڑوں کی بجھی تشنہ دہانی
لشکر میں ہوئی شاہ کے غلے کی گرانی
فاقوں کے پیام آنے لگے بے وطنوں کو

اک بار اذاں دینے لگے اکبرِ گل فام
طاعت کے لئے جمع ہوا لشکرِ اسلام
صف پیچھے تھی اور آگے امامِ دو جہاں تھے
سجادۂ طاعت سے اُٹھے خیمہ کی لی راہ
رخصت ہوئے آداب بجا لا کے ہوا خواہ
اختر تو رہے ماہ گیا برجِ شرف میں

لینے لگی بھائی کی بلائیں بہن آکر
کہنے لگی منھ شاہ کی چھاتی سے لگا کر
بابا تمہیں کب سے مرادِ دل ڈھونڈھ رہا تھا
خاطر بھی پریشان ہے گیسو بھی پریشاں
کیا ہو گئے وہ لوگ کہ ہم جن کے ہیں مہماں
کیا فاطمہ صغرا کے لئے روتے ہو بابا

رونے میں کئی دن سے گذر جاتی ہے سب رات
مشکل مری آسان کرے قاضیِ حاجات
اب دیر جو ہوتی ہے تو گھبراتا ہے شبیر
اللہ سے لازم ہے طلب خیر کی ہر آن
آتے ہیں وہ لوگ کہ ہم جن کے ہیں مہمان
صدقے پدر اب چین سے سونے کے دن آئے

منھ دیکھ کے زینبؑ کا یہ کہنے لگے شبیرؑ
پاتا ہوں بہت میں تمہیں افسردہ و دلگیر
کیوں آنکھیں ہیں سوجی ہوئی کیا روتی ہو ہمشیر
ہے غم سے تمہارے مرا حال اور بھی تغیر
ہاتھوں سے نہ مادر کا چلن دیجیو بھینا
مر جائے گا شبیرؑ تو رو لیجیو بھینا

زینبؑ نے کہا شاہ سے با گریہ و زاری
یہ کون سا صحرا ہے بہن ہو گئی واری
منھ ڈھانپ کے میں رو چکی ہوں پا کئی باری
گھبراتی تھی ڈر ڈر کے سکینہ مری پیاری
ہاں تو کو بھی تشویش نے یاں گھیر لیا ہے
پہ کچھ دو دن سے صغراؑ نے بھی منھ پھیر لیا ہے

زینبؑ سے کہا شاہ نے جو خواہش تقدیر
کچھ حکم سے اللہ کے باہر نہیں شبیرؑ
اس دشت کا کیا حال سناؤں تمہیں ہمشیر
کونین میں اس ارض مقدس کی ہے توقیر
گردوں سے ملائک کے اترنے کی یہ جا ہے
تم کو نہیں معلوم یہ ہی کرب و بلا ہے

یہ سن کے اڑا رنگ رخ زینبؑ مضطر
منھ پیٹ لیا چوب سے ٹکرانے لگی سر
حضرتؑ نے کہا خیر ہے کیا کرتی ہو خواہر
وہ بولی میں بے آس ہوئی ہائے مقدر
طفلی سے مجھے یاں کی مصیبت کی خبر ہے
اب مجھ پہ کھلا یہ وہی آفت کا سفر ہے

اس دشت میں تم مجھ سے بچھڑ جاؤ گے بھائی
گر خاک بھی چھانوں تو نہ ہاتھ آؤ گے بھائی
بھینا کو مدینہ بھی نہ پہنچاؤ گے بھائی
بن دیکھوں گی اور برچھیاں تم کھاؤ گے بھائی
اولاد سے ماؤں کے یہ چھٹنے کی جگہ ہے
ناموس نبیؐ کے یہ ہی لٹنے کی جگہ ہے

جب سنتی تھیں یہ نام تو غش ہوتی تھیں اماں
منھ شام تلک آنسوؤں سے دھوتی تھیں اماں
نے کھاتی تھیں نے سوتی تھیں بے چین تھیں اماں
جیسے کوئی مر جاتا ہے یوں روتی تھیں اماں
وہ بین وہ فریاد و بکا یاد ہے مجھ کو
وہ ہائے حسیناؑ کی صدا یاد ہے مجھ کو

حجرے سے صدا آتی تھی ہے ہے مرے شبیرؑ
اماں ترے قربان ہوئے کشتۂ شمشیر
بچے تری ثابت ہوئی تھی کون سی تقصیر
اے لعل ترا سینہ کہاں اور کہاں تیر
ماتم میں ترے کوکھ مری جل گئی بیٹا
تو ذبح ہوا مجھ پہ چھری چل گئی بیٹا

زینبؑ سے جو یہ ذکر سنانے لگے شاہ
ناموس محمدؐ پہ ہوا صدمۂ جانکاہ
باجوں کی صدا دشت سے آنے لگی ناگاہ
پہنچا یہ خبردار کو حکم شہ ذی جاہ
ہاں جلد خبر لا کہ یہ لشکر کدھر آیا
اس سمت نشانوں کے ہیں رخ یا ادھر آیا

مانندِ نظر دوڑ گیا پیکِ صبا دم
قائم رہے اقبالِ شہنشاہِ دو عالم
سب چار ہزار اُن میں زرہ پوش جواں ہیں
اس فوج میں تیار ہے سب جنگ کا ساماں
گھوڑے ہیں ڈوڑ کالے جوانوں کے تہِ راں
ڈھالیں عقبِ دوش ہیں چار آئینے بر ہیں
شہ نے کہا سر کردۂ لشکر کا ہے کیا نام
سُن کر یہ خبر بولے شہنشاہِ ذوالاکرام
دشمن کو اگر رہنے کی حکومت کی خوشی ہے
اکبرؑ نے کہا ہوتا تھا کیا فوج میں چرچا
شہزادہ کو نین جو کچھ آپ نے پوچھا
کہتا تھا یہ لشکر عمرِ سعدِ شقی کا
عباسؑ لگے کاٹنے ہونٹوں کو چبا کر
فرمایا کہ دیکھوں تو میں اس فوج کو جا کر
سوچے کہ نہ آداب میں شہ کے خلل آئے
شہ نے کہا کیوں روتے ہو کیا جی میں آئی
روئے گی غریبی پہ مری ساری خدائی
غصے کی یہ جا گہ نہیں کیا اس میں ضرر ہے
مظلوم ہیں ہم غیظ سے مظلوم کو کیا کام
ہر رنج کو سمجھو رہِ معبود میں آرام
کچھ جان کا صرفہ نہیں حیدرؑ کے پسر کو
کیا ہوتا ہے کہنے دو جو کہتے ہیں ستمگر
موجود ہے اکبرؑ سا پسر تم سا برادر
آنسو نہ بہاؤ کہ لہو میرا گھٹے گا

پھر آیا وہ اور کہہ کے یہ مجرے کو ہوا خم
کوفے کی ہوئی فوج لبِ نہر فراہم
پیچھے تو صفیں فوج کی ہیں آگے نشاں ہیں
تیروں کی یہ کثرت ہے کہ گویا ہے نیستاں
دیکھا جسے سرتا قدم آہن میں ہے پنہاں
تلواریں تو قبضوں میں ہیں خنجر ہیں کمر میں
کی عرض تب اس نے عمر سعد بد انجام
صد شکر کہ آ پہنچا ہمیں موت کا پیغام
موجود ہیں ہم کو بھی شہادت کی خوشی ہے
تھرا گیا اور سر کو وہ نہوڑا کے یہ بولا
ہوئے یہ زباں قطع اسے عرض کروں کیا
سر لینے کو آتے ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ کا
کی تیغ کے قبضے پہ نظر غیظ میں آ کر
روکا شہِ مظلوم نے چھاتی سے لگا کر
غصے سے یہ تھرائے کہ آنسو نکل آئے
تم میری طرف دیکھو کہ بے کس ہوں میں بھائی
جو چاہیں کریں ہم کیے جائیں گے بھلائی
سر لینے کو آئے ہیں تو حاضر مِرا سر ہے
غصے کا نہیں وقت یہ ہے صبر کا ہنگام
منظور ہے یاں بخششِ امت کا سرانجام
وہ مانگیں تو خود کاٹ کے میں بھیج دوں سر کو
طاقت ہے کوئی ہاتھ اٹھا سکتا ہے مجھ پر
کیوں روتے ہو تم کاٹتا ہے کون مرا سر
آگے نہ تمہارے سرِ شبیر کٹے گا

تم سا کوئی دنیا میں نہیں حسب صفا شمشیر
عالم کے زبر دستوں کو بابا نے کیا زیر
اس روز نہ تقدیر سے کچھ زور چلا تھا
ہر دم یہ صدا آتی تھی تیغ دو زباں سے
فرماتے تھے اس صاعقۂ شعلہ فشاں سے

یہ دیدہ و دانستہ جفائیں نے سہی ہے
اماں مری پہلوئے شکستہ کو سنبھالے
چلاتی تھیں کوئی مرے وارث کو بچالے
ہم پہ نہ اماں کے کھلے سر پہ نظر تھی
غصہ تھا تمھاری ہی طرح ہم کو بھی بھائی
مرجانے پہ تیار تھے پر کچھ نہ بن آئی
جب والدہ روتی تھیں تو چلاتے تھے ہم بھی
میری تو کسی نے ابھی باندھی نہیں گردن
بہنیں مری نکلی نہیں کرتی ہوئی شیون
بے تیغ چلے غیظ میں تم آگئے بھائی
تیروں کا نشانہ جو بنائیں گے ستم گر
اس پیار سے معلوم یہ ہوتا ہے برادر
لو بس کرو اتنا بھی کوئی روتا ہے بھائی
اتنے میں صدا ڈیرے سے نقاروں کی آئی
شہ بولے کہ پھر فوج جفا کاروں کی آئی
کی عرض وہ لشکر ہے سیہ جس کے علم ہیں
جس جا پہ ہے فوج پسر سعد بد اختر
عباس سے شہ بولے کہو اس سے برادر
اک حشر بپا زینب ناشاد کرے گی

موقعہ نہیں غصے کا ہر اک وقت مرے شیر
کیا کیا نہ سہے رنج ہوئے زیست سے جب سیر
رسی سے بھلا بندھنے کے قابل وہ گلا تھا
یا شیر خدا مجھ کو نہ کھینچو گے زباں سے
مجبور ہیں ہم حکم خدائے دو جہاں سے

تلوار وہی ہاتھ وہی زور وہی ہے
پیچھے چلی جاتی تھیں ردا دوش پہ ڈالے
بازار میں سر پیٹتے تھے دیکھنے والے
بابا کی فقط خالق اکبر پہ نظر تھی
کچھ غیظ میں آنکھوں سے نہ دنیا تھا دکھائی
بابا نے قسم روحِ محمدؐ کی دلائی
لپٹے ہوئے بابا سے چلے جاتے تھے ہم بھی
شبیر کو پکڑے لئے جاتے نہیں دشمن
گھر میرا جلانے کو آتے نہیں بد ظن
سر کٹنے کے مذکور پہ تھرا گئے بھائی
پھر تم سے بھلا صبر کیا جائے گا کیونکر
مرجاؤ گے جب تیغ کوئی کھینچے گا مجھ پر
بھائی تو ابھی ذبح نہیں ہوتا ہے بھائی
آواز جفا کاروں کے ہوراؤں کی آئی
پھر ساتھ ہی جوڑی بھی خبرداروں کی آئی
اک شمر ہے اور چار ہزار اہل ستم ہیں
دہنی طرف اس فوج کے اترا ہے وہ لشکر
آہستہ کہے داخلۂ شمر ستم گر
سر کھول کے اللہ سے فریاد کرے گی

جس وقت سے اترا ہوں میں اس دشتِ ستم میں
مادر کی طرح روتی ہے زینب مرے غم میں
شبیر کے بچنے کا بھی کچھ طور نہیں ہے

اس فکر میں سوئے نہ ذرا سبطِ پیمبرؐ
دن کو بھی خبریں چلی آتی تھیں برابر
خود آگے ہے اور پیچھے کمانداروں کی صف ہے

یہ سنتے تھے جو دوسرا آ کر یہ پکارا
عمانِ شقاوت لے ہے اک جوش سا مارا
پانی بھی کوئی نہر سے پاتا نہیں اب تو

آئے دہل فتح بجاتے ہوئے باہم
تھے چار ہزار اہل ستم اور بھی ظالم
اڈی ہوئی بادل کی طرح فوج گراں تھی

اس فوجِ سقر موج کی تعداد ہی دشوار
اور اس سے فزوں تر بھی ہے کچھ وارد اخبار
لکھتے ہیں یہ بعضے کہ چھ لاکھ اہلِ جفا تھے

اڑتے تھے نشانوں کے پھریرے تو ہوا سے
اندھیر کئی کوس تھا ڈھالوں کی گھٹا سے
غل تھا کہ نہ مہلت دو شہِ جنّ و بشر کو

تانے ہوئے نیزوں کو سوار ایک طرف تھے
اور تیر فگن تیس ہزار ایک طرف تھے
بدلی سپہِ شام کی پیاسوں پہ جھکی تھی

اللہ رے جوانانِ حسینی کے ارادے
کل تیس تو اسوار تھے چالیس پیادے
جنت ہی شہیدوں کی شہادت کا صلا تھا

لب خشک ہے منھ فق ہے دم اس کے نہیں دم میں
دھڑکا ہے کہ مر جائے نہ بھائی کے الم میں
اس کا تو کوئی میرے سوا اور نہیں ہے

صحرا میں رہی تا بہ سحر آمدِ لشکر
شبیث آیا ہے اب ساتھ لئے فوجِ ستم گر
ایک ایک کا رخ فوجِ حسینی کی طرف ہے

آ پہنچا یزید ابن رکاب ستم آرا
گھوڑوں سے رکا جاتا ہے دریا کا کنارا
جز تیغ و سناں کچھ نظر آتا نہیں اب تو

حجاج و سنان ابن انس خولی و قشعم
انبوہ ہوا تا ششم ماہ محرم
مقتل کی زمین گھوڑوں کی ٹاپوں سے نہاں تھی

لکھتا ہے کوئی تیس ہزار آئے تھے غدار
اکثر کا یہ ہے قول کہ تھے لاکھ ستم گار
کیا بے کس و مظلوم امامِ دوسرا تھے

اور گونجتا تھا دشت وہ گھوڑوں کی صدا سے
سب تیغ زن اس پیاسے کے تھے خوں کے پیاسے
سادات کا سر کاٹ کے کھولیں گے کمر کو

تلواریں لئے ظلم شعار ایک طرف تھے
کوفے کے جواں باندھے قطار ایک طرف تھے
شہ بیچ میں تھے چار طرف راہ رکی تھی

ساونت نہوں کیوں شخص بتوفیق خدا دے
ایک ایک پہ ایسا تھا کہ لاکھوں کو بھگا دے
ہفتم سے دہم تک انہیں پانی نہ ملا تھا

کچھ پیاس کا شکوہ تھا نہ فاقوں کی شکایت
تھی دل میں ولائے پسرِ شاہِ ولایت
ہر چند یہ سامانِ وغا اُن کی طرف تھا
پڑھ پڑھ کے نمازیں شبِ عاشور گذاری
ہر دم یہی نعرہ تھا کہ یا ایزدِ باری
خوشنود رہے فاطمہؑ وہ کام کریں ہم
جانکاہ ہے صبحِ عاشور کا احوال
جس وقت کمر باندھ چکے شاہِ اقبال
رومال جو حضرت نے رکھا دیدۂ نم پر
رو کر سرِ زینبؑ کو قدم پر سے اُٹھایا
فرما کے سخن صبر و رضا کا یہ سُنایا
نیکوں سے صدا نیک عمل ہوتا ہے زینبؑ
یہ کہہ کے چلے آپ ہوا گھر تہ و بالا
کرسی پہ جلو خانے میں بیٹھے شہِ والا
کہنے کو تو کرسی تھی مگر عرش نما تھی
شہ نے نظرِ لطف سے غم خواروں کو دیکھا
گہ ان کو کبھی فاطمہؑ کے پیاروں کو دیکھا
پوشاک کو مانندِ کفن چاک کئے تھے
خوش بھی ہوئے رونے بھی لگے سرورِ ذی شاں
عرصہ نہیں تیار ہے سب فوج کا ساماں
زینت ہے وہی فوج حسین ابن علی کی
جب لے چلے اکبر سے وہ علم خیمے سے باہر
جس وقت نکالا اُسے ڈیوڑھی سے جھکا کر
ہوتے تھے بیاں بے کسیٔ شاہِ اُمم کے

ایک ایک تھا پروانۂ مصباحِ ہدایت
لب پر فسیکفیکہم اللہ کی آیت
حضرت کے یہ تھے ساتھ خدا ان کی طرف تھا
خشکیدہ زبانوں پہ یہا شکر ہی جاری
ہے فکر کہ عزت ہے ترے ہاتھ ہماری
پہلے ترے محبوب کے پیارے سے مریں ہم
زہرا کا اسی روز چمن ہو گیا پامال
سر پیٹ کے سب بی بیوں نے کھول دئے بال
گھبرا کے بہن گر پڑی بھائی کے قدم پر
پیشانی سے بکھرے ہوئے بالوں کو ہٹایا
مجبور ہیں قسمت نے ہمیں تم سے چھڑایا
اب ٹھہریں تو وعدے میں خلل ہوتا ہے زینبؑ
زینبؑ جو گری دوڑ کے فضہ نے سنبھالا
گردِ مہِ زہرا رفقا ہو گئے ہالا
پائے میں کہیں تختِ سلیماں سے سوا تھی
مر جانے پہ تیار وفاداروں کو دیکھا
کمروں سے الگتی ہوئی تلواروں کو دیکھا
دربار میں سر نذر کو ہاتھوں پہ لئے تھے
ہم شکلِ پیمبرؐ سے کہا اے مہِ تاباں
لاؤ علمِ فوج کو خیمے سے مری جاں
سب کر لیں زیارت کہ نشانی ہے نبی کی
روئے حرم آنکھوں سے پھریری کو لگا کر
فضہ لگی سر پٹنے پھریرے کو اُٹھا کر
تھیں بی بیاں سر کھولے ہوئے پیچھے علم کے

زینب علم شاہ کی لیتی تھی بلائیں
اللہ کرے خیر سے پھر گھر میں سب آئیں
سادات کا اقبال و حشم جاتا ہے دیکھو

عباس کی زوجہ یہ بیاں کرتی تھی رو رو
زینب کے پسر عمر میں چھوٹے ہیں ابھی تو
خادم شہِ دیں کے ہیں تو عباس علی ہیں

اکبر سے کہا بانو نے کیوں اے مری دلدار
وہ بولے کہ مجھ پر تو ابھی کچھ نہیں اظہار
اس وقت انہیں پر نظرِ سرورِ دیں ہے
خاموش کھڑے ہیں جو لگائے ہوئے ہتھیار
پڑتی ہے انہیں پر نظر ایک کی ہر بار
شہ دیکھتے اشک بھرے دیدۂ تر میں

مژدہ یہ سنا زوجۂ عباسؑ نے جس دم
بولی کہ بڑی فکر تھی پر اب نہیں کچھ غم
مخدومۂ کونین کے جانی کے تصدق
کیوں کر نہ ہو اس بھائی کو ہے گود میں پالا
نام اپنا ہے خادم کا جو رتبہ ہو دو بالا
توقیر جواں کی ہے تو نامِ شہِ دیں ہے

کونین میں والی کو مرے کر دیا ممتاز
ہے دل بر زہرا کی محبت پر اسے ناز
شمشیر کے شعلے سے نہ ٹل جائے گا عباسؑ
شوہر کی ہیں خاطر سے یہ کرتی نہیں گفتار
بھڑکانے کے درپے ہی رہا شمر ستمگار
جھنجلا کے وہ کہتے تھے کہ مر جانے کی جا ہے

کہتی تھی کہ روبی ہیو نصرت کی دعائیں
بھائی کی عداوت سے عدو ہاتھ اٹھائیں
گھر سے مرے نانا کا علم جاتا ہے دیکھو
کیوں صاحبو دیکھیں یہ علم ملتا ہے کس کو
ہم شکل پیمبرؐ ہیں علی اکبرؑ خوش خو
اس عہدے کے لائق جو اگر ہیں تو وہی ہیں

یہ منصبِ والا کسے دیں گے شہِ ابرار
پر چاہیے عباس علی ہوئیں علمدار
اور ایسا جواں بھی کوئی لشکر میں نہیں ہے
ہے شانِ حسنؑ دبدبۂ حیدرِ کرارؑ
حمزہؑ کوئی کہتا ہے کوئی جعفرِ طیارؑ
تصویرِ علیؑ پھرتی ہے بابا کی نظر میں

منہ سرخ خوشی سے ہوا تشویش ہوئی کم
قربان تمہارے میں شہنشاہِ دو عالم
آقا میں تری مرتبہ دانی کے تصدق
نعلین اٹھانے لگے جب ہوش سنبھالا
سب ملتے ہیں ملتا ہے کہاں چاہنے والا
جانیں گے یہ ہی سب کہ غلامِ شہِ دیں ہے

عزت وہ نہ دیویں تو کرے کون سرفراز
وہ شمعِ ہدایت ہے یہ پروانۂ جاں باز
آنچ آئے گی آقا پہ تو جل جائے گا عباسؑ
عباس سا دنیا میں نہ ہوئے گا وفادار
سالاری لشکر کا پیام آیا کئی بار
تلوار کے بھی زخم سے یہ زخم ہرا ہے

شاید مجھے محتاج سمجھتا ہے وہ بے پیر
منصب مرا مر جاتا ہی اور خلد ہے جاگیر
کیا قہر ہے کیوں کر نہ مجھے رنج و تعب ہو
پر ہاں یہ تمنا ہی کہ ہوں شہ کا علمدار
صاحب یہ دعا مانگو کہ اے کل کے مددگار
حسرت ہے کہ جب سامنے افواج ستم ہو
میں کہتی تھی کیوں شاہ سے کرتے نہیں اذکار
میں ذرہ ہوں وہ مہر ہیں میں خاک ہوں وہ نور
سامان تو خالق نے کئے ساری خوشی کے
مذکور علمداری عباس کو سن کر
کہنا کہ مبارک ہو تمہیں منصب جعفرؑ
بھولے گی مری یاد نہ میدان ستم میں
لائے علی اکبر علم شاہ کو جس دم
تھی نور کی چادر یہ پھریرے کا تھا عالم
تا عرش خدا رتبے کو پہنچا تا ہے کس کے
عباس کو کس پیار سے حضرت نے بلایا
بھائی کو علم فوج کا دے کر یہ سنایا
خوش ہو کے رکھا ہاتھ تو غازی نے علم پر
فرمایا شہ دیں نے کہ منگواؤ سواری
عباس بہن صدقے ہو شوکت پہ تمہاری
سونپا ہے تمہیں ہی نے دل و جان نبی کو
بھیا مرے مانجائے کا دشمن ہی زمانہ
بھائی کو کہیں چھوڑ کے گھوڑا نہ اٹھانا
چھٹپن پہ نہ دونوں کے نظر کیجیو بھائی

ہے اس ولد انقلب کا سر اور مری شمشیر
دنیا کے لئے چھوڑیں گے ہم دامن شبیرؑ
سن لیویں کہیں قبلۂ عالم تو غضب ہو
اس رات تلک مجھ سے یہی کہتے تھے ہر بار
عباسؑ کو لشکر کا علم دیں شہ ابرار
اس دوش پہ تلوار اہو اور اس پہ علم ہو
شرما کے وہ کہتے تھے کہ میرا نہیں مقدور
ہاں فضل خدائے دوجہاں سے نہیں کچھ دور
پھولے نہ سما دیں گے وہ اب مارے خوشی کے
چلائی سکینہ مرے بھیا علی اکبرؑ
کیا اب بھی نہ پانی سے کرو گے مرے لب تر
میں باندھتی ہوں سوکھی ہوئی مشک علم میں
پنجہ تھا کہ اک نیزہ پہ تھا نیر اعظم
حسرت سے عزیز و رفقا کہتے تھے باہم
دیکھیں یہ ہما فرق پہ پھر جاتا ہے کس کے
آداب سے ہاتھوں کو وہ جوڑے ہوئے آیا
لو پایہ جعفرؑ کی تمنا تھی سو پایا
اور بیٹھ کے نہوڑا دیا سر شہ کے قدم پر
ناگاہ در خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری
زہراؑ کی امانت سے خبردار ہیں واری
لے دیگی بہن تم سے حسینؑ ابن علیؑ کو
بڑھ کر بھی کوئی لوے تو غصے میں نہ آنا
تلواروں سے زہراؑ کے کلیجے کو بچانا
پہلے مرے بچوں کو سپر کیجیو بھائی

بانو یہ پکاری علی اکبر کو مری جاں
صدقے تری سج کے ترے ہتھیار کے قرباں
تم کیا چلے واری مرا گھر ہو گیا ویراں
ہشیار خبردار لڑائی کا ہے ساماں
تاثیر مرے دودھ کی دکھلائیو بیٹا
گر آن بنے باپ پہ مر جائیو بیٹا

قاسم کو صدا ماں نے یہ دی ڈیوڑھی پہ آکر
پگڑی پہ لپیٹو مری جاں سہرا اُٹھا کر
دامن کو بھی گردان لو ہتھیار اٹھا کر
بھجوانا ہے میدان میں بنا تجھ کو بنا کر
دو گھر کی ترے مرنے سے بربادی ہے بیٹا
صدقے ہو چچا پر یہ تری شادی ہو بیٹا

خاموش انیسؔ اب کہ تڑپتا ہے دلِ زار
کافی ہے لانے کو تری ورد کی گفتار
اِس جنس کا گر آج نہیں کوئی خریدار
فیاض ہے لیکن شہِ مظلوم کی سرکار
افسردہ نہ ہو غنچۂ اُمید کھلے گا
کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملیگا

سلام

شبیہِ امامِ زماں کھنچتے ہیں
تصوّر میں تصویرِ جاں کھنچتے ہیں
جگہ مول لی ہے مزاروں کی خاطر
شہِ دیں زمیں پر نشاں کھنچتے ہیں
تپِ غم کی شدت سے کہتے تھے عابدؑ
عجب سختیاں استخواں کھنچتے ہیں
کہاں بیڑیاں اور کہاں پائے عابدؑ
یہ لنگر کہیں ناتواں کھنچتے ہیں
پکاری سکینہ دوہائی ہے بابا
ستمگر مری بالیاں کھنچتے ہیں
کٹی جاتی ہیں گردنیں بی بیوں کی
رسن کو جو ایذا رساں کھنچتے ہیں
یہ عالم ہے فرقت میں کہتی تھی صغراؑ
کہ رگ رگ سے جس طرح جاں کھنچتے ہیں
قدم بیڑیوں میں ہیں رسی میں بازو
یہ دکھ عابدِ ناتواں کھنچتے ہیں
کہا رو کے اکبرؑ نے اے درد تھم جا
کہ سینے سے بابا سناں کھنچتے ہیں

انیسؔ اس زمیں میں بہت کم ہے وسعت
کمیتِ قلم کی عناں کھنچتے ہیں

مرثیہ نمبر ۹۷

برہم ہے مرقع چمنستان جہاں کا
ہوتا ہے سفر خلق سے سلطان جہاں کا
سائے میں ہے تیغوں کے بدن جان جہاں کا
جنات میں ماتم ہے سلیمان جہاں کا
مضطر ہیں ملک شور تظلم ہے فلک پر
آہ دل زہرا سے تلاطم ہے فلک پر

تھراتے ہیں لوح و قلم و عرش معظم
کرسی پہ یہ صدمہ ہے کہ ہل جاتی ہے ہر دم
باندھے ہیں ملائک کی صفیں حلقۂ ماتم
ڈر ہے نہ الٹ جائے کہیں دفتر عالم
ہاتھوں سے عطارد کے قلم چھوٹ پڑا ہے
ہر فرد پہ اک غم کا فلک ٹوٹ پڑا ہے

منہ ڈھانپے ہے رونے کے لیے چرخ پہ مہتاب
سر کھولے ہے خورشید فلک چشم ہے پرآب
تاروں پہ بھی طاری ہے غم ایسا کہ نہیں تاب
سیاروں پہ ثابت ہے کہ راحت ہوئی نایاب
قتل پسر سید لولاک کا دن ہے
یہ خاتمۂ پنج تن پاک کا دن ہے

ہے گلشن فردوس کا اس غم سے عجب حال
پژمردہ ہیں گل باغ خزاں دیدہ کی تمثال
حوروں کے پرے پیٹتے ہیں کھولے ہوئے بال
ہے شور کہ گلزار علی ہوتا ہے پامال
پانی نہیں ملتا چمن مرتضوی کو
اب جان کے لالے ہیں حسین ابن علی کو

نرگس ہے خیاباں میں کھڑی ششدر و حیراں
اس سوگ میں سنبل کے بھی ہیں بال پریشاں
ہر سرو ہے مثل علم آہ نمایاں
اور ملتے ہیں پتے کف افسوس کو ہر آں
ماتم میں ہر اک گل کا گریبان پھٹا ہے
فریاد کی غنچوں کے چٹکنے میں صدا ہے

نہروں کو بھی ہے جوش غم سبط پیمبر
ہر موج ہے سینے پہ رواں صورت خنجر
روتے ہیں کنارے پہ کھڑے حیدر و صفدر
اک دیدۂ پرآب کی تصویر ہے کوثر
پیاسوں کے لیے جام جو بھر بھر کے دھرے ہیں
وہ چشم کے ساغر ہیں کہ اشکوں سے بھرے ہیں

حضرت پہ ادھر ہوتی ہے اعدا کی چڑھائی
تنہا ہیں نہ بیٹا نہ بھتیجا ہے نہ بھائی
سیدانیاں دیتی ہیں محمد کی دہائی
اعدا میں یہ غل ہے کہ کرو فتح لڑائی
ڈوبے ہوئے خوں میں شہدا گرد پڑے ہیں
گھوڑے پہ اکیلے شہ ابرار کھڑے ہیں

ہے تابشِ خور سے عرق افشاں رخِ گلفام
یوں جلتی ہے خاک اُڑتی ہے ظہر کا ہنگام
یہ شوقِ شہادت ہے شہنشاہِ زمن کو
ہیں آگ میں تیغوں کی گھڑی پر نہیں کچھ غم
ہیں گردِ بیاباں میں اٹے گیسوئے پُرخم
بو آتی ہے دریا سے برادر کے لہو کی

ذکرِ غمِ عباسؑ بھی اصلا نہیں کرتے
خونِ علی اکبر کا بھی دعویٰ نہیں کرتے
پانی کے بھی طالب نہیں گو تشنہ دہن ہیں
فرماتے ہیں باز آؤ مرے قتل سے یارو
کیوں منہ پہ چڑھے آتے ہو چلوں کو اتارو
دنیا پہ کسی کا کبھی قبضہ بھی رہا ہے

مظلوم مسافر پہ یہ لازم نہیں بیداد
کیا فائدہ خلعت کو پہن کر جو ہوئے شاد
ظاہر میں تو بے کس ہیں گرفتارِ الم ہیں
واں ہوگا نہ یہ اوج نہ یہ زور نہ یہ زر
بر میں تو کفن ہوئے گا اور خاک کا بستر
دشوار ہے واں خوفِ نکیرین سے سونا

تم سب مرے دشمن ہو میں ہوں دوست تمہارا
آزار دیئے لوٹ چکے گھر مرا سارا
گاڑوں اسے اتنی مجھے مہلت نہیں دیتے
جلتی ہے پڑی دھوپ میں لاشِ علی اکبر
یہ جسم کہاں اور کہاں خاک کی چادر
دادی سے کہا ہوگا یہ جنت کے چمن میں

لب خشک ہیں پانی کا میسر نہیں اک جام
تنہا پہ چلی آتی ہے امڈی سپہ شام
بوچھار سے تیروں کی بچاتے نہیں تن کو
امت پہ نہ آنچ آئے دعا ہے یہی ہر دم
نیلے ہیں لبِ لعل یہ ہے پیاس کا عالم
چھینٹیں ہیں قبا پر علی اکبرؑ کے لہو کی

غیرت سے نظر جانبِ دریا نہیں کرتے
امت کے ہیں یہ ظلم پہ شکوا نہیں کرتے
کلمے ہیں نصیحت کے محبت کے سخن ہیں
مرنا ہے تمہیں خانۂ عقبےٰ کو سنوارو
میں گوشہ نشیں خود ہوں مجھے یہ نہ مارو
مہماں کو بناتے ہو نشانہ یہ خطا ہے

برباد مجھے کر کے نہ ہوگے کبھی آباد
جس روز کفن پہنو گے وہ دن بھی رہے یاد
کام آتے ہیں جو قبر کی وحشت میں وہ ہم ہیں
نے خیمہ و مسند نہ علم اور نہ لشکر
کام آئے گی اک دوستیِ آلِ پیمبرؐ
آرام یہاں دو ہمیں پھر چین سے سونا

ہاتھ آئے گا کیا ایک مسافر کو جو مارا
بے جان کیا اس کو جو پسر تھا مرا پیارا
لاشوں کے اٹھانے کی بھی فرصت نہیں دیتے
یہ گرم ہوائیں کبھی نکلے نہیں باہر
مٹی میں چھپا جاتا ہے میرا مہِ انور
بابا نے کفن دے کے نہ گاڑا ہمیں رن میں

حضرت کے سخن سُن کے یہ بولی سپہ شام
کھاتیں گے ابھی دھوپ بہت اکبر گل فام
صفین میں خیبر میں بڑے کھیت پڑے ہیں
شہ نے کہا دیکھو گے بیکس کی لڑائی
آنکھوں کی بصارت غم اکبرؑ نے گنوائی
ہمدم نہیں اب گو دکا پالا نہیں کوئی
بابا سا کہوں آپ کو یہ منھ مرا کیا ہے
شبیرؑ تو بے کس ہے غریب الغربا ہے
کی تیغ عطا حق نے یہ رتبہ ہے انہی کا
یہ سب ہے پہ تم لوگوں سے عاجز نہیں شبیرؑ
کہتا ہوں ابھی اب بھی کہ مری کچھ نہیں تقصیر
بے جنگ یہ بے کس تہِ شمشیر جھکے گا
کیوں غیظ میں لاتے ہو غریب الغربا کو
آزار نہ دو روحِ رسولؐ دوسرا کو
کیا فاطمہؑ کی آہ کا کچھ خوف نہیں ہے
اس پند و نصائح نے نہ کچھ کی اہیں تاثیر
گویا ہوئی اس دم اسداللہ کی شمشیر
ناری ہیں یہ حضرت سے انہیں بغض و حسد ہے
پیاروں کا سہا آپ نے غم مجھ کو نہ کھینچا
اکبرؑ نے بھی لی راہِ عدم مجھ کو نہ کھینچا
میں پاس ہوں اور آپؑ پہ نیزوں کا بر سے
ہیں شرم سے آب آب ہوں یا سیدِ ذیجاہ!
آنے کا نہیں راہ پہ یہ لشکرِ گمراہ
زندہ نہیں اترا ہے کوئی گھاٹ سے میرے

کچھ جوہرِ شمشیرِ زباں کا نہیں یاں کام
ہم مستعدِ جنگ ہیں یاں کھینچیے صمصام
لاکھوں سے اکیلے اسداللہ لڑے ہیں
۳ دو روز سے اک بوند نہیں پانی کی پائی
ہاتھوں میں جو قوت تھی وہ سب لے گئے بھائی
جرأت بھی مری دیکھنے والا نہیں کوئی
وہ شیرِ خدا سیفِ خدا دستِ خدا ہے
نے فخرِ شجاعت ہے نہ دعوائے وغا ہے
کچھ مجھ میں جو قوت ہے یہ صدقہ ہے ان ہی کا
جوہر مرے کھل جائیں گے کھینچوں گا جو شمشیر
حاضر ہوں میں سر کاٹ لوائے فرقہ بے پیر
جب تیغ کھنچی پھر نہ مرا ہاتھ رکے گا
دیکھو نہ ستاؤ خلفِ شیرِ خدا کو
کوتاہ کرو دستِ تعدّی و جفا کو
بندے ہو پر اللہ کا کچھ خوف نہیں ہے
ہر صف سے جگر گوشۂ زہراؑ پہ چلے تیر
اب میان سے کھینچو مجھے یا حضرتِ شبیرؑ
اب تا بہ کجا صبر رحیمی کی بھی حد ہے
بھائی کے ہوئے ہاتھ قلم مجھ کو نہ کھینچا
قاسمؑ پہ چلی تیغِ ستم مجھ کو نہ کھینچا
کس دن کے لئے پھر مجھے باندھا ہے کمر سے
رکھ لیجئے اب آبروئے تیغِ یداللہ
ہیں کوہِ گراں کو بھی سمجھتی ہوں پرِ کاہ
آگاہ ہیں جبریل کے پر کاٹ سے میرے

اِک ضرب میں میں نے سرِ مرحب کو اُتارا
جنات کا لشکر تہہ و بالا کیا سارا
بجلی کی طرح جب صفِ دشمن پہ گری ہوں
حضرت نے کہا مجھ پہ کھلے ہیں ترے جوہر
خوش صبر سے ہوتا ہے بہت خالقِ اکبر
اس دکھ میں ہوں صابر یہ عنایت ہے خدا کی
اس راہ میں جو کچھ تھا وہ سب میں نے لٹایا
پیری میں غمِ اکبرؑ کی جوانی کا اٹھایا
کس طرح ابھی جنگ پہ تیار ہو شبیرؑ
یہ ذکر تھا جو ڈیوڑھی سے آواز یہ آئی
اٹھارہ برس کی تو لٹی میری کمائی
جلد آئیے رن سے دمِ امداد ہے آقا
میداں سے پھرے شاہ صدا بانو کی سن کر
فضہ نے کہا بی بیو لو آتے ہیں سرورؑ
اشکوں سے رخِ پاک کو دھونے لگے شبیرؑ
زینبؑ نے کہا صدقے گئی خیمے میں آؤ
حضرت نے کہا بانوئے بیکس کو بلاؤ
شبیرؑ طلب گار رضامندئ رب ہے
گھبرا گئی سن کر یہ سخن بانوئے ناچار
حاضر ہے کنیز آپ کی یا سیدِ ابرار
دودھ ان کا بڑھاتی یہ مرے دل میں ہوس ہی
آغوش میں لیجے انہیں اے سید والا
وہ مر گئے اٹھارہ برس تک جنھیں پالا
طاقت ہے مری آپ کو میں ٹوک سکوں گی

اِک دم میں کیا عمروؔ سے نامی کو دو پارا
آگے مرے لاکھوں نے کبھی دم نہیں مارا
دم میں حق و باطل کو جدا کر کے پھری ہے
امت پہ محمدؐ کی میں کھینچوں تجھے کیوں کر
اے تیغ! مناسب ہے توقف ابھی دم بھر
ایک اور مرے پاس امانت ہے خدا کی
عباسؑ سے بازو کو بھی ہاتھوں سے گنوایا
جو باقی ہے وقت اس کی طلب کا نہیں آیا
پہنچا لے اسے بھی تو سبک بار ہو شبیرؑ
بچہ مرا مرتا ہے محمدؐ کی دہائی
اب اصغرِؑ معصوم سے ہوتی ہے جدائی
فریاد ہے. فریاد ہے. فریاد ہے. آقا!
ڈیوڑھی کے ادھر جمع تھے ناموسِ پیمبرؐ
دوڑی علیؑ اصغر کو لئے بانوئے مضطر
پردے کے قریب آن کے رونے لگے شبیرؑ
کیا حال ہے بھائی مجھے صورت تو دکھاؤ
گہوارے سے جلدی مرے معصوم کو لاؤ
سرکارِ خدا میں علیؑ اصغر کی طلب ہے
پردے کے قریب آن کے بولی وہ دل افگار
لونڈی کے بھی مالک ہو اور اصغرؑ کے بھی مختار
خالق نے بلایا ہے تو پھر کیا مرا بس ہے
صدقے گئی حاضر ہے مرا ہنسلیوں والا
روئی پہ زباں سے نہیں کچھ حرف نکالا
روکا تھا انہیں کب جو. انہیں روک سکوں گی

بانوئے دو عالم کو رضامند جو پایا
دے کر علیؑ اصغر کو یہ بانو نے سنایا
برگشتہ یکایک مری تقدیر ہوئی ہے
فرمایا شہِ دیں نے کہ اے بانوئے بے پر
جینا مجھے دنیا میں گوارا نہیں دم بھر
بے غسل و کفن خاک پہ ہے لال ہمارا

لے کر علی اصغر کو چلے حضرت شبیرؑ
زینبؑ نے کہا ہائے علی اصغرِ بے شیرؑ
مڑ مڑ کے ہر اک رانڈ کو سمجھاتے تھے شبیرؑ
اعدا کے قریں سر کو جھکائے ہوئے آئے
معصوم کو چھاتی سے لگائے ہوئے آئے
روتے تھے یہ صدمہ تھا شہِ جن و ملک کو

کچھ سوچ کے دامن رُخِ اصغرؑ سے اٹھایا
ہر صاحبِ اولاد کو رو کر یہ سنایا
حاضر ہوں میں خنجر مری گردن سے ملا دو
تم لوگوں کے نزدیک جو مجرم ہے تو شبیرؑ
حضرت کی ابھی ختم ہوئی تھی نہ یہ تقریر
تھی سب کو عداوت خلف شاہِ نجف سے

چلّے پہ کماں داروں کے تھا شمرِ سیہ رو
ناگاہ لگا حلق پہ اِک تیرِ سہ پہلو
دم بند ہوا باپ کا تکنے لگے اصغرؑ
وہ چاند سا رخ زرد ہوا دکھ کے مارے
شہ لاش کو ریتی پہ لٹا کر یہ پکارے
اصغر بھی رہِ حق میں فدا ہو گئے بیٹا

فرزندِ یداللہ نے ہاتھوں کو بڑھایا
آقا نہ مجھے آخری دیدار دکھایا
لونڈی سے بھلا کون سی تقصیر ہوئی ہے
شرمندہ بہت تم سے ہے فرزندِ پیمبرؐ
کیا ہائے میں ہیں آؤں کہ ہیں دھوپ میں اکبرؑ
اب حال جو اکبرؑ کا وہی حال ہمارا

اور خاک پہ غش کھا کے گری بانوئے دلگیر
تھا شور کہ فریاد ہے اے مالکِ تقدیر
روتے ہوئے مقتل کو چلے جاتے تھے شبیرؑ
آنسو رخِ انور پہ بہاتے ہوئے آئے
اصغرؑ کو ردا اپنی اُڑھائے ہوئے آئے
بچے کو کبھی دیکھتے تھے گاہ فلک کو

گویا کہ قمر ابر سے باہر نکل آیا
دو روز سے پانی نہیں اس لال نے پایا
پر تھوڑا سا پانی مرے بچے کو پلا دو
بچہ ہے یہ اس کی ہے بھلا کون سی تقصیر
شمرِ ستم آرا نے پکارا کہ چلیں تیر
بچے پہ چلے تیرِ ستم چار طرف سے

جھک جھک کے بچاتے تھے اسے سیدِ خوش خو
بچے کا گلا چھد گیا اور باپ کا بازو
منہ کھول کے ہاتھوں پہ سسکنے لگے اصغرؑ
بس مٹھیاں باندھے ہوئے دنیا سے سدھارے
اکبر انہیں لو آتے ہیں یہ پاس تمہارے
ہم اس کی امانت سے ادا ہو گئے بیٹا

بانو نے سنی سبطِ پیمبرؐ کی جو زاری
مٹی میں چھپاؤ نہ کمائی کو ہماری
راحت سے مری گود میں آرام کریں گے
حضرت نے کہا قتل ہوئے اصغرِ گلفام
تم سے اُنہیں مطلب ہے نہ کچھ دودھ سے کام
اب بعد مرے اپنے جگر بند سے ملنا
لکھا ہے کہ جب لاش پیمبر رکھتے تھے سرور
تھا شور کہ ہے ہے علی اصغر علی اصغر
رقت سے یہ احوال تھا تیغِ دوزباں کا
سینے میں تڑپتا تھا جو حضرت کا دل زار
گویا یہ ہوئی حیدرِ کرّار کی تلوار
دیکھو تو مری کاٹ کہ میں سیلِ فنا ہوں
ناگاہ صدا آئی کہ اے سبطِ پیمبر
دنیا میں نہ ہوگا نہ ہوا ہے ترا ہمسر
گو جمع ادھر تیس ہزار اہلِ ستم ہیں
جو چاہے کرے ہم نے وہ قدرت تجھے دی ہے
جو دی تھی علیؑ کو وہی طاقت تجھے دی ہے
تجھ کو تو رسولوں سے سوا پیار کیا ہے
تو کہہ تو ابھی خاک میں ان سب کو ملا دیں
پیاسا ہو تو پانی تجھے کوثر کا پلادیں
باقی رہے تو اور فنا فوجِ ستم ہو
مولا نے یہ کی عرض سرِ عجز جھکا کر
اولاد بھی صدقے ہے تصدق ہے مرا سر
یہ قوم جفا پیشہ و نااہل ہے مولا!

خیمے سے کسی بار نکل کر یہ پکاری
لاشِ علی اصغرؑ مجھے دے جاؤ میں واری
تنہا کبھی سوئے نہیں جنگل میں ڈریں گے
اب پہلوئے اکبرؑ میں انہیں کرنے دو آرام
لو خیمے میں بکھر جاؤ یہ ہے صبر کا ہنگام
مقتل میں جو آؤ گی تو فرزند سے ملنا
سیدانیاں سب خیمے سے نکلی تھیں کھلے سر
بے تاب تھی تیغِ کمرِ حیدرِ صفدر
جس طرح کہ مرجاتا ہے بچہ کسی ماں کا
لاشِ علی اصغرؑ سے لپٹ جاتے تھے ہر بار
اب تو کوئی حجت نہیں یا سیدِ ابرار
حضرت نے کہا منتظرِ حکمِ خدا ہوں
تو صبر کے رتبے میں ہے ایوبؑ سے بہتر
ہاں لشکرِ اعدا کو دکھا تیغ کے جوہر
کیا غم ہے تجھے تیرے مددگار تو ہم ہیں
ہمت تجھے بخشی ہے شجاعت دی ہے
اور اس کے سوا صبر کی دولت تجھے دی ہے
کونین کا ہم نے تجھے مختار کیا ہے
جو مانگ وہ اصغرؑ کی شہادت کا صِلا دیں
عباسؑ کو زندہ کریں اکبرؑ کو جلا دیں
جو اجرِ شہادت ہے کچھ اس میں سے نہ کم ہو
اس بندہ نوازی کے فدا سبطِ پیمبرؐ
مشتاق ترے قرب کا ہے بندۂ احقر
گر تیری عنایت ہو تو سب سہل ہے مولا!

خوش ہوں جو تری راہ میں سینے پہ لگیں تیر
غیظ آئے نہ جب برچھیاں ماریں مجھے بے پیر
چھاتی پہ تو قاتل ہو تہ تیغ گلا ہو
خونِ علیؑ اصغر کا صلا ہو یہ عنایت
دنیا سے اٹھیں جب تو ملے گلشن جنت
کوثر پہ میں جاؤں تو گذر ساتھ ہو ان کا

دے امن انہیں گرمی محشر سے خدایا
آئی یہ ندا ان کو ملے گا یہی پایا
خوش ہو تو کہ رتبے ترے شیعوں کے بڑھیں گے
ہمراہ ترے حشر میں ہونگے ترے زوار
وہ دوست ہمارے ہیں جو ہیں تیری عزادار
فردوس انہیں خلعتِ رحمت انہیں دیں گے

یہ سن کے ہوا شاد ید اللہ کا جایا
کی عرض کہ صدقے تری رحمت کے خدایا
نازاں ہوں کہ تو خوش ہے حسینؑ ابن علیؑ سے
یہ کہہ کے بڑھے بہرِ وغا سرورِ عالی
دیکھی جو چمک روحوں سے قالب ہوئے خالی
فرمایا کہ ہاں ضربت شمشیر کو دیکھو

باندھی ہیں صفیں گرد بتاؤ کدھر آؤں
کس غول میں رہوار کو چمکا کے در آؤں
باقی ہے ظفر قبضے پہ جب ہاتھ دھرا ہے
مجھ سا نہیں دنیا میں کوئی آج اولوالعزم
سر کاٹنے کا اب بھی تمہارے جو کروں جزم
ہاں مدنظر رحم ہے گو بے ادبی کی

روکوں نہ سپر پر جو پڑے جسم پہ شمشیر
تسبیح ترے نام کی ہوتے دمِ تکبیر
ان سب کے عوض امت عاصی کا بھلا ہو
یارب مرے شیعوں کی ہو اولاد کو راحت
نے قبر میں ایذا ہو نہ تنہائی میں وحشت
دامن ہو مرا حشر میں اور ہاتھ ہو ان کا

ہو سب کے سروں پر علمِ حمد کا سایا
ہووے گا جہاں شاہ وہیں ہوگی رعایا
وہ حشر کے دن نور کے ناقوں پہ چڑھیں گے
کچھ راہِ صراط ان پہ نہیں ہوئے گی دشوار
بن جائیگا ہر اشک کا قطرہ درِ شہوار
رونے کے عوض اجرِ شہادت انہیں دیں گے

ہرنے پہ کئی بار سرِ عجز جھکایا
جو کچھ کہ شہادت کا صلہ تھا سو وہ پایا
اس وقت کی لذت کوئی پوچھے مرے جی سے
تیغ کمر حیدرِ کرار نکالی
ڈھالوں کی گھٹا چار طرف چھا گئی کالی
لو فاطمہؑ کے دودھ کی تاثیر کو دیکھو

خالی کروں کس صف کو کسے خوں میں بھر آؤں
خالق کا غضب آئے اُدھر میں جدھر آؤں
رگ رگ میں مری زورِ ید اللہ بھرا ہے
تنہا ہوں سفر کر گئے جو تھے مرے ہم بزم
ہو زیر و زبر چشم زدن میں یہ صفِ رزم
پیش آیا ہے یہ امر کہ امت ہو نبیؐ کی

میں وہ ہوں کہ جس کا ہے پدر شیرِ الٰہی
مشہور ہے کفار کے لشکر کی تباہی
قبضہ ہے وہی اور وہی تیغِ دوسر ہے
برقِ غضبِ خالقِ اکبر ہے یہ شمشیر
اعدا کے نگل جانے کو اژدر ہے یہ شمشیر
پانی سے اور آتش سے خمیر اس کا بنا ہے

گھاٹ اس کا ہے بحرِ غضبِ حضرتِ معبود
ہے نصرت و اقبال و ظفر نا بہیں موجود
خونِ سرِ اعدا ہے ہمیشہ خورش اس کی
مرحب سا جواں گر ہو تو اک ضرب میں مر جائے
دو کر کے تمہیں گاوِ زمیں سے بھی گزر جائے
روکوں نہ تو دم لے نہ پرِ روحِ امیں پر

فرما کے یہ گھوڑے کو جو رانوں میں دبایا
روباہوں کے انبوہ پہ اک شیر سا آیا
غل تھا کبھی یوں آگ سے پارا نہیں اڑتا
ملعونوں کو ٹاپوں سے کچلتا ہوا آیا
انبوہ میں اُڑ اُڑ کے سنبھلتا ہوا آیا
سب زیرِ قدم جرأت و سرعت کا چلن تھا

سمجھے جو خیال آنکھوں میں بجلی سی چمک جائے
ساتھ اس کے خیالِ شعرا دوڑ کے تھک جائے
حیلہ جو وہ کرتا تھا تو ہٹ جاتے تھے گھوڑے
مشرق سے جو اک بسے ہاں کہہ کے اُڑائے
"ہے" سے الف ہاں ابھی یاں وصل نہ پائے
دھوکا ہے پرِ پرواز کا ہے دامن دیں پر

خیبر سی لڑائی میں مدد جس نے نہ چاہی
اقلیم شہادت کی ملی ہے ہمیں شاہی
جب ہاتھ اٹھایا تو سرِ دستِ ظفر ہے
اے لشکرِ یو! قاتلِ عنتر ہے یہ شمشیر
مقراضِ اجل بہرِ تن و سر ہے شمشیر
بجلی ہے کبھی اور کبھی سیلِ فنا ہے

اک دم میں رہِ امن و اماں ہوتی ہے مسدود
پشتہ اسی شمشیر کا ہے قاتلِ نمرود
پوچھے کوئی جبریلِ امیں سے برش اس کی
عنتر ہو تو سر تا بہ قدم خون میں بھر جائے
میں کہہ دوں کہ اے تیغ ٹھہر جا تو ٹھہر جائے
پھل جا کے لگے شاخِ سرِ گاوِ زمیں پر

شب دیز نظر کیا کہ ہوا نے بھی نہ پایا
اللہ ری سرعت کہ ہرن ہو گیا سایہ
اس شان سے جنگل میں چکارا نہیں اڑتا
ہر سو دلِ کفار کو ملتا ہوا آیا
غصے سے کنوتی کو بدلتا ہوا آیا
اِس غول میں تھا شیر تو اس صف میں ہرن تھا

یوں فکرِ منجم بھی نہ بالائے فلک جائے
چتون وہ کہ شیروں کی نگہ جس سے جھپک جائے
ہر صف میں الف ہو کے اُلٹ جاتے تھے گھوڑے
عقلِ حکما دنگ ہو سرعت وہ دکھائے
مغرب سے یہ خورشید فلک جا کے پھر آئے
طاؤس ہوا پر ہے تو بجلی ہے زمیں پر

آتے جو پرا باندھ کے اسوار چپ و راس
چلتی تھی عجب شان سے تلوار چپ و راس
دو بجلیاں گر پڑتی تھیں ہر بار چپ و راس
لاشوں کے نظر آتے تھے انبار چپ و راس
مقتل میں سواروں کے رسالے بھی قلم تھے
بھالے بھی قلم برچھیوں والے بھی قلم تھے

اس شعلۂ آتش سے ہوا تھی شرر افشاں
پامال تھے سبزے کی روش دشمن ایماں
گلزار خزاں دیدہ ہوا قتل کا میداں
بکھرے ہوئے تھے چار طرف غنچۂ ایماں
ٹکڑے شجر تیر قلم شاخ کماں تھی
کیا پھل تھا کہ ڈھالوں کے بھی پھولوں پہ خزاں تھی

گھوڑا کسی سرکش نے پرے سے جو نکالا
چلتی ہوئی تلوار کو حضرت نے سنبھالا
مارا ستم آرا نے قریب آ کے جو بھالا
بجلی سی گری کوند کے تیغ شہِ والا
اک وار میں ظالم کے ہر اک بند کو کاٹا
جوشن کو چھیلتے کو کمر بند کو کاٹا

آیا کوئی شہ زور اگر زور میں آکر
ضرب اپنی نہ کی شاہ نے وار اس کا بچاکر
چاہا کہ پٹک دوں اسے گھوڑے سے اُٹھاکر
اک ہاتھ میں لی تیغ اور اک ہاتھ بڑھاکر
یوں بندِ کمر شاہِ سرافراز نے پکڑا
تھا شور کہ کنجشک کو شہباز نے پکڑا

مارا جو زمیں پر تو زمیں سے نہ اٹھی گرد
مقتل سے گیا قعرِ جہنم کو وہ نامرد
تھے تیغ کی دہشت سے سیہ کاروں کے منہ زرد
گرم اس کی ہوا لگ گئی جس کو وہ ہوا سرد
اعجاز یہ ہنگام روانی نظر آیا
پانی میں تو آگ آگ میں پانی نظر آیا

ٹکڑے تھے کماں داروں کے ترکش لبِ دریا
بے جاں تھا کوئی اور کوئی غش لبِ دریا
سیماب تھا شبدیز پری وش لبِ دریا
برسائی تھی شمشیر نے آتش لبِ دریا
خشکی و تری میں نہ کہیں امن کی جا تھی
ہر صف میں محمدؐ کی دوہائی کی صدا تھی

تھا شور کہ اے سیدِ ابرار اماں دو
اب روک لو شمشیر شہِ ابرار اماں دو
آوازِ نبیؐ آئی کہ دلدار اماں دو
بس پہنچے سزا کو یہ ستم گار اماں دو
مظلومی و غربت میں بڑا نام ہے بیٹا
جنگ اب نہ کرو عصر کا ہنگام ہے بیٹا

سنتے ہی یہ آواز تھمے سیدِ ابرار
یاد آگیا امت پہ فدا ہونے کا اقرار
چمکار کے گھوڑے کو رکھی میاں میں تلوار
بھر کر کفِ سر د کھڑا ہو گیا رہوار
ڈر کر جو چھپے تھے وہ ستم گر نکل آئے
خیمے سے حرم قبر سے حیدرؑ نکل آئے

ہیں صانع قدرت نے کفل سانچے میں ڈھالے
کہتے ہیں رکابوں کو جو ہیں دیکھنے والے
گردن پہ عجب حسن سے یال اس کی پڑی ہے
یہ تا حد امکان صفت عقل رسا جائے
کہسار سے دریا کی طرف مثل صدا جائے
سیر اس کی اگر چشم کو منظور نظر ہو
اُڑ جاتے ہیں رنگ رخ عاشق سے سُبک خیز
پوتی ہیں غزالوں کے طراروں سے کہیں تیز
جو سایۂ آہو نہ قرار اس کو کہیں تھا
بجلی سا چمکتا تھا اُدھر فوج میں رہوار
سرگرم وغا تھا خلف حیدر کرار
سوزاں شجر قد تھے چناروں کی طرح سے
اس برق سے نیزوں کے نیستاں میں لگی آگ
مارا جسے اسکے تن بے جاں میں لگی آگ
دوزخ میں انہیں الفت دینار نے کھینچا
جو نیزۂ خطی تھا سواروں کا قلم تھا
کفار کی تلواروں کا سر تہرم سے خم تھا
بجلی سی گرے جس پہ ہو چاٹ کے اٹھے
جس وقت چمک کر کسی سفاک پر آئی
واں سے جو پھری توسن چالاک پر آئی
قبضہ تو رہا دست جناب شہ دیں میں
ہر غول میں ضرب شہ ذی جاہ کا غل تھا
مقتل میں کہیں آہ کہیں واہ کا غل تھا
پانی تھے جگر خوف سے بے داد گروں کے

ہے پیار سے گردن میں عناں ہاتھوں میں ڈالے
ہیں دو مہ نو زین کے دامن کو سنبھالے
گویا کہ پری کھولے ہوئے بال کھڑی ہے
بالائے فلک صورت شبدیز دعا جائے
دریا جو دوڑاؤ تو مانند ہوا جائے
آنکھوں میں پھرے یوں کہ نہ پتلی کو خبر ہو
کاکل وہ کہ زلف سر لیلیٰ سے دلآویز
آقا کے ارادے کو سمجھتا تھا وہ مہمیز
راکب نے جدھر آنکھ سے دیکھا یہ وہیں تھا
شعلے سی چمکتی تھی ادھر تیغ شرر بار
اک آگ لگا دی تھی جلے جاتے تھے کفار
اڑتا تھا لہو تن کا شراروں کی طرح سے
چلاتے تھے ناری کہ بیاباں میں لگی آگ
دامن سے جو بھڑکی تو گریباں میں لگی آگ
یہ آگ ہوئی سرد تو اس نار نے کھینچا
یہ خط شکست اُنکے مقدر میں رقم تھا
یاں دمبدم افزوں دم شمشیر دو دم تھا
ہر غول سے دس بیس کے سر کاٹ کے اٹھے
سر سے کمر ظالم ناپاک پر آئی
توسن کو بھی دو کرتی ہوئی خاک پر آئی
اور تا سر دنبالہ در آئی وہ زمیں میں
ہر سو برش تیغ ید اللہ کا غل تھا
افلاک پہ العظمۃ للہ کا غل تھا
ڈوبے ہوئے تھے خون میں بادل سپروں کے

بادل کی طرح شہ پہ جھکا شام کا لشکر
تلواریں کھنچیں چلنے لگے نیزہ و خنجر
دیکھی نہ چمکتی ہوئی جب تیغِ دوپیکر
سر پیٹ کے چلانے لگی زینبِ مضطر
کیوں تھم گئے کس نے شہِ ابرار کو روکا
ہے ہے مرے ماں جائے نے تلوار کو روکا

یاں ضعف سے گرنے پہ جھکے جاتے تھے سرور
لگتا تھا بدن پر کہیں نیزہ کہیں خنجر
ٹوٹا ہوا تھا تیروں سے سب سینۂ انور
تھے ایک ہزار اور کئی زخم بدن پر
شانے پہ کٹے پیچ عمامے کے پڑے تھے
گردن کو جھکائے ہوئے خاموش کھڑے تھے

زخمی تھی جبیں تیروں سے تلواروں سے ابرو
رخساروں پہ تھے خون میں ڈوبے ہوئے گیسو
بھالوں سے ستمگاروں کے مجروح تھے پہلو
نوکیں تھیں سنانوں کی اور الماس سے بازو
زخمی نہ ہوا ایسی نہ کوئی تن پہ جگہ تھی
ہاں خنجرِ خوں خوار کی گردن پہ جگہ تھی

اڈے چلے آتے تھے سواروں کے رسالے
خود بیچ میں اور چار طرف برچھیوں والے
سینے سے اگر کھینچ کے دو تیر نکالے
اس عرصہ میں ایک جسم پہ سو چل گئے بھالے
رہ جاتی تھی برچھی کوئی سینے میں جو اڑ کر
جھک جاتے تھے ہر بار کلیجہ کو پکڑ کر

دریا کی ترائی کی طرف دیکھ کے ہر بار
چلاتے تھے کیا سوتے ہو عباس علمدار
اٹھو مرے ہمدم مرے صفدر مرے غمخوار
بھالے مرے سینے پہ لگاتے ہیں ستمگار
تلوار سے بھائی کو بچاتے نہیں بھائی
ہم گھوڑے سے گرتے ہیں تم آتے نہیں بھائی

پھر رو کے پکارے علی اکبر تم ہی آؤ
عباس تو آتے نہیں دلبر تم ہی آؤ
واں آ نہیں سکتا ہے یہ بے پر تم ہی آؤ
بیکس کی مدد کو مرے صفدر تم ہی آؤ
ہاں آن کے تھامو! یہ پدر تم پہ فدا ہو
بیٹا تم ہی بابا کی ضعیفی کا عصا ہو

یہ کہتے تھے حضرت جو لگا پشت پہ بھالا
قربوس پہ تھرا کے گرے سیدِ والا
جبریل نے قدموں سے رکابوں کو نکالا
اور ہاتھوں کو گردن میں یداللہ نے ڈالا
غش ہو گیا طاری جو شہِ عرش نشیں پر
بس ٹیک دیا گھوڑے نے گھٹنوں کو زمیں پر

مرکب سے جدا ہو کے جو تڑپے شہِ ابرار
گرد شہِ دیں اٹھ کے لگا پھرنے وہ رہوار
فرمایا کہ منزل پہ تو پہنچا ترا اسوار
رخصت ہو کہ سر اترے تو ہم بھی ہوں سبک بار
اب تیغ لیئے ذبح کو جلاد بڑھے گا
قاتل ترے اسوار کی چھاتی پہ چڑھے گا

نیزے کی سواری ہے اب اے فاطمہؑ کا لال
ٹاپوں کے تلے لاش مری ہوئے گی پامال
سجادؑ کو آگاہ مرے حال سے کر دے
اب آئیں گے خیمے کے جلانے کو ستم گار
سجادؑ سے کہنا کہ میں صدقے ترے بیمار
خاصانِ خدا کے لئے ایذا و محن ہے
گھوڑے کو شہِ دیں نے یہ پیغام دیا جب
خالی اسے دیکھا تو لگی پیٹنے زینبؑ
زخمی تھا سراپا نہ کہاں زخم لگے تھے
خیمے سے جو زینبؑ کے نکل آنے کا تھا دھیان
ڈیوڑھی سے یہ بانو کی صدا آتی تھی ہر آن
تیغوں کے تلے باپ کو تکتی تھی سکینہؑ
شمرِ ستم آرا نے جو خنجر کو نکالا
حیدرؑ نے تو ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالا
فرزند کے پہلو سے نہ ہٹتے تھے محمدؐ
قرآں پہ رکھنے جو لگا پاؤں ستم گار
دریا میں تلاطم ہوا ٹکرا گئے کہسار
سینہ جو دبا تیروں کی سریاں نکل آئیں
کس منہ سے کہوں ذبح کیا شاہ کو کیونکر
سر لے کے عمر پاس گیا شمرِ ستم گر
لاشے پہ ادھر ٹوٹ پڑی فوجِ شقی کی
جابر نے تو مظلوم کی دستار اٹھا لی
لی اسود بے رحم نے تیغِ شہِ عالی
دستانے کٹے ہاتھوں سے غازی کے اتارے

الفت ہے تجھے دیکھ سکے گا نہ مرا حال
زینبؑ نہ نکل آئے کہیں کھولے ہوئے بال
جا بانوؑ سے بے کس کو رنڈاپے کی خبر دے
کہہ دیجیو بہن سے کہ سکینہ سے خبردار
گر ہیڑیاں پہنائیں تو کچھ کیجو نہ تکرار
بندھوائیو گردن کہ یہ دادا کا چلن ہے
مقتل سے چلا سر کو ٹپکتا ہوا مرکب
یاں قبلۂ عالم پہ عدو ٹوٹ پڑے سب
تیغیں وہیں لگتی تھیں جہاں زخم لگے تھے
گر پڑتے تھے اُٹھ اُٹھ کے زمیں پر شہِ ذیشاں
ہے ہے مرے سیدؑ تری تنہائی کے قرباں
چھاتی سے لپٹنے کو بلکتی تھی سکینہ
سجدے میں جھکا فاطمہؑ کی گود کا پالا
زہراؑ نے کہا ہائے مری گود کا پالا
گرِ گرِ کے نواسے سے لپٹتے تھے محمدؐ
تھرّائی زمیں کانپ گیا گنبدِ دوّار
مجروح تھے سرتا بہ قدم سیدِ ابرار
سر کھولے ہوئے قاف سے پریاں نکل آئیں
کافی ہے بس اتنا کہ چلا حلق پہ خنجر
ریتی پہ تڑپتا رہا شہ کا تنِ اطہر
لٹنے لگی پوشاک حسینؑ ابنِ علیؑ کی
لے کر بن اشعث نے عبا دوش پہ ڈالی
مالک نے زرہ جسمِ مطہر سے نکالی
بے دینوں نے موزے بھی نمازی کے اتارے

تاج سر شاہ شہدا لے گیا کوئی
تیروں سے چھپی تن کی قبا لے گیا کوئی
پیراہن محبوب خدا لے گیا کوئی
خاتون قیامت کی ردا لے گیا کوئی
عریاں تھا بدن خاک پہ تھی پشت مبارک
خاتم کے لئے کاٹ لی انگشت مبارک
خامے کو بس اب روک انیس جگر افگار
خالق سے دعا مانگ کہ اے ایزد غفار
زندہ رہیں دنیا میں شہ دیں کے عزادار
غیر از غم شہ ان کو نہ ہو غم کوئی زنہار
آنکھوں سے مزار شہ دل گیر کو دیکھیں
اس سال میں سب روضۂ شبیرؑ کو دیکھیں

رُباعی

کس طرح نہ تلخ زندگانی ہو جائے
پتھر پہ یہ دکھ پڑیں تو پانی ہو جائے
اس دم جو شریک درد ہووے میرا
خورشید کا رنگ آسمانی ہو جائے

رُباعی

دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں
یہ نشۂ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
لبریز ہیں یہ دولت استغنا سے
آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں

رُباعی

مملو دُرِ معنی سے مرا سینہ ہے
دل میں یہ صفائی ہے کہ آئینہ ہے
جب قفل دہن کھلا جواہر نکلے
گویا کہ زباں کلید گنجینہ ہے

۱۵ مرثیہ ۱۲۶ بند

اے شمعِ قلم روشنیِ طور دکھادے
اے لوحِ تجلّی رخِ حور دکھادے
اے بحرِ طبیعت گہرِ نور دکھادے
اے شاہدِ معنی رخِ مستور دکھادے
بزمِ غمِ شبیر میں وہ جلوہ گری ہو
خورشیدِ جہاں تاب چراغِ سحری ہو

اے طبعِ رسا خلد کا گلزار دکھادے
اے باغِ سخن گلشنِ بے خار دکھادے
اے شمعِ زباں لمعۂ انوار دکھادے
اے حسنِ بیاں خوبیِ گفتار دکھادے
لرزاں ہے قدم خامۂ اعجاز رقم کا
ہاں تیغِ زباں آج تو کر کام قلم کا

مانی کو بھی حیرت ہو وہ نقشہ نظر آئے
بہتا ہوا اک نور کا دریا نظر آئے
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آئے
سب بزم کو حیدرؑ کا سراپا نظر آئے
مہتاب تو کیا ہے رخِ خورشید بھی فق ہو
جو بند ہو تصویرِ تجلّی کا ورق ہو

ہے رتبۂ مدحِ چمنِ فاطمہؑ عالی
ہاں باندھ تو گلدستۂ مضمونِ خیالی
ہر مصرعۂ شاداب ہو اک پھولوں کی ڈالی
لفظوں کے بھی غنچے ہوں نزاکت سے نہ خالی
لبریز لطافت سے ہو رنگیں سخن ایسا
رضواں بھی پکارے نہیں دیکھا چمن ایسا

خاموش زباں دعویٰ بے جا نہیں اچھا
ہو جس میں تکبر وہ سخن ایسا نہیں اچھا
بس بس یہ غرور اور یہ دعویٰ نہیں اچھا
آپ اپنی ثنا واہ یہ شیوا نہیں اچھا
کم مایہ کمال اپنا جتا دیتا ہے اکثر
جو ظرف کہ خالی ہو صدا دیتا ہے اکثر

خورشید کو کچھ حاجتِ زیور نہیں زنہار
پھولوں پہ کوئی عطر لگائے تو ہے بیکار
اعلیٰ ہے اگر جنس تو کیا حاجتِ اظہار
خود مشک ہو خوشبو نہ کہ خوشبو کہے عطار
جو بد ہے سو بد ہے جو نکو ہے وہ نکو ہے
چھپنے کی نہیں آپ اگر عود میں بو ہے

انساں کے لئے عجز ہی لازم ہے بہر کیف
ہے خانۂ دنیا میں ہر اک پیر و جواں ضیف
گر صاحبِ جوہر نہ چلے جھک کے تو صد حیف
خارج ہے اصالت سے وہ کستی نہیں جو سیف
آفاق میں یوں فیضِ نگیں عام نہ ہوتا
ہوتا نہ فروتن تو کبھی نام نہ ہوتا

یارب مری فریاد میں تاثیر عطا کر
بلبل بھی پھڑک جائے وہ تقریر عطا کر
دولت کے عوض فقر کی جاگیر عطا کر
توفیقِ ثنا خوانیٔ شبیر عطا کر
دعویٰ نہ سخن کا ہے نہ اعجاز بیاں ہوں
تو عالم و دانا ہے کہ میں ہیچمداں ہوں

اے باعثِ ایجادِ جہاں وقتِ مدد ہے
اے منتظمِ کون و مکاں وقتِ مدد ہے
اے خضرِ رہِ گم شدگاں وقتِ مدد ہے
اے دادرسِ پیر و جواں وقتِ مدد ہے
چلتا ہے دمِ تیغِ دو دم پر کوئی دم کو
یوں ہاتھ پکڑ لے کہ نہ لغزش ہو قدم کو

اے قبلۂ کونین اعانت کی طلب ہے
اے ہادیٔ دارین ہدایت کی طلب ہے
اے بحرِ عطا ہمت و رحمت کی طلب ہے
اے نورِ خدا نورِ بصیرت کی طلب ہے
مقبول ہے وہ تو جسے منظور کرے گا
اس ذرّے کو خورشید ترا نور کرے گا

اے ساقیٔ کوثر مے فردوس عطا کر
اے عیسیٔ دوراں مرضِ دل کی دوا کر
اے دستِ خدا قلبِ مکدّر کی صفا کر
اے نورِ حق آئینۂ خاطر کی جِلا کر
مستی میں نہ فکرِ خرد و ہوش کروں میں
کیفیتِ دنیا کو فراموش کروں میں

اندیشۂ توصیفِ شہنشاہِ اُمم ہے
زانو پہ سرِ فکر ہے سجدے میں قلم ہے
یہ راہ ہے باریک کہ لغزش میں قدم ہے
اے دستِ زبردستِ خدا وقتِ کرم ہے
خادم سے نہ کچھ طبعِ خداداد سے ہوگا
یہ مرحلہ طے آپ کی امداد سے ہوگا

بلبل سے کبھی وصفِ گُلِ تر نہیں ممکن
آئینے سے اوصافِ سکندر نہیں ممکن
ذرّے سے ثنائے شہِ خاور نہیں ممکن
جبریلؑ سے تعریفِ پیمبرؐ نہیں ممکن
مقدور کسے شیرِ الٰہی کی ثنا کا
ہو سکتا ہے بندے سے کہیں شکر خدا کا

ہے عرش جہاں فرش یہ کاشانہ ہے کس کا
ہر سو ہے تجلّی یہ جلوخانہ ہے کس کا
جلتا ہے دلِ شمع یہ افسانہ ہے کس کا
سرگشتہ ہے مہتاب یہ پروانہ ہے کس کا
روشن ہے جہاں جلوۂ نورِ ازلی ہے
ہاں بزمِ معلّائے حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

اللہ رے رتبہ یہ فلک ہے کہ زمیں ہے
ہے عرش مکاں جس کا وہ آج اس میں مکیں ہے
جو دل ہے سو البتّہ لطفِ شہِ دیں ہے
مجلس ہے کہ گلدستۂ فردوسِ بریں ہے
یہ اوج یہ رتبہ کبھی محفل کو ملا ہے
ان پھولوں کے قرباں عجب باغ کھلا ہے

فرماتے ہیں شیعوں کے یہ حق میں شہ اکرم
بن جاتے ہیں اشکوں کے مرے زخموں کے مرہم
مرجاتا ہے کوئی تو بکا کرتا ہوں میں بھی
کیسا ہی گنہ گار مرے میرا عزادار
فرماتے ہیں بخشش کی دعا احمدِ مختار
گر نزع میں سختی ہو تو زہراؑ و نبیؐ ہیں
کیوں مومنو کو کیا فیض ہے کیا لطف و عطا ہے
گوہر ہیں یہ وہ جن کا خریدار خدا ہے
دنیا پہ نہ دولت پہ توجہ ہے نہ زر پر
کیا اشکِ عزادار کا رتبہ کوئی جانے
کی ہے نظر عین عنایت شہدا نے
یاں اس کا نہ عقدہ دلِ مضطر پہ کھلے گا
یاں اشک کا دانہ ہے تو واں دُرِ ثمیں ہے
یاں آنسوؤں کا تار ہے واں حبلِ متیں ہے
قطرہ ہے مگر بحر کو بھی گرد کرے گا
جو لوگ ہیں باکی انہیں دوزخ سے نہیں باک
ہے دولتِ ایماں غمِ سبطِ شہِ لولاک
آنکھوں کی ضیا رخ کی صفا دل کی جلا ہے
مہلت جو اجل دے تو غنیمت اسے جانو
آنسو نکل آئیں تو عبادت اُسے جانو
فاقے کئے ہیں دھوپ میں لب تشنہ رہے ہیں
تکلیف کچھ ایسی نہیں سایہ ہے ہوا ہے
کچھ گرمیٔ عاشور کا بھی حال سُنا ہے
گذری ہے بیاباں میں وہ گرمی شہِ دیں پر

یہ بزمِ عزا ہوتی ہے جس گھر میں فراہم
یہ لوگ ہیں سب میرے حسینؑ کے مصائب کے ہمدم
اِن کے لئے بخشش کی دعا کرتا ہوں میں بھی
ہے اس کے گناہوں سے فزوں رحمتِ غفار
اللہ سے میں ہوتا ہوں بخشش کا طلبگار
اور قبر کی مشکل میں شریک اُس کے علیؑ ہیں
کیا مرتبہ اشک ہے کیا اجرِ بکا ہے
جو کچھ ہے سو سب دوستیٔ آلِ عبا ہے
زہراؑ کی نظر پڑتی ہے اشکوں کے گہر پر
یہ گنجِ گہر بخشا ہے مردم کو خدا نے
دکھلائیں گے کیا کیا ثمر ان اشکوں کے دانے
یا قبر پہ یا چشمۂ کوثر پہ کھلے گا
یاں آب ہے واں غازہ کشِ چہرۂ دیں ہے
یاں قطرہ ہے واں خاتمِ رحمت کا نگیں ہے
دوزخ کے شراروں کو یہی سرد کرے گا
منہ اشکوں سے دھویا تو گناہوں سے ہوا پاک
ہو جاتی ہے کیا بعد بکا طبع فرحناک
سب ایک طرف گلشنِ فردوس ملا ہے
آمادہ ہو رونے پہ سعادت اُسے جانو
ایذا بھی نہو مجلس میں تو راحت اسے جانو
آقا نے تمہارے لئے کیا ظلم سہے ہیں
پانی ہے خنک مروحہ کش بادِ صبا ہے
سر پیٹنے کا وقت ہے فریاد کی جا ہے
بھُن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمین پر

وہ گرم ہوا آہ وہ آندھی وہ بگولے
اٹھے جو ترائی سے تو دم شبیر کا پھولے
دو گام چلے گر تو ہرن چوکڑی بھولے
کیا تاب ہے اس کی جو کوئی سنگ کو چھولے
خاک اڑ کے جمی جاتی تھی زلفوں پہ قبا پر
اس دھوپ میں سایہ بھی نہ تھا نور خدا پر

حدت تو یہ خورشید کی اور پیاس کا وہ حال
لب خشک تھے سونا گیا تھا فاطمہ کا لال
سایا نہ علم کا تھا نہ عباس خوش اقبال
گہ رُخ پہ سپر روکتے تھے اور کبھی رومال
تھی دھوپ کڑی فاطمہ کے شاہ حسین پر
تھی گرم زرہ جلتے تھے ہتھیار بدن پر

زلفیں وہ جنھیں سونگھتی تھی فاطمہ ہر شب
غیرت دہ مشک ختن و عنبر و اشہب
کہتے تھے جنھیں فاطمہ کا رشتۂ جاں سب
کیوں دل نہ پریشاں ہو وہ مٹی میں ہیں جب
آہوں کا دھواں کیوں نہ اُٹھے کون و مکاں سے
فریاد کہ باندھا انہیں خولی نے سناں سے

وہ چاند سی پیشانی نورانی شبیر
اندھیر ہے اُس پر بن اشعث کا لگا تیر
سجدے کریں محراب حرم کی ہے یہ توقیر
اُن ابروؤں پر ہائے چلی ظلم کی شمشیر
آہو کو ستاتے نہیں دیں دار حرم میں
آنکھیں وہ لہو روتی تھیں فرزندوں کے غم میں

وہ ریش جو ہالہ تھی تو چہرہ مہ انور
فاقوں سے یہ تھا زرد وہ تھی آنسوؤں سے تر
وہ پھول سے رخسارہ وہ لعل لب اطہر
اس کے لیے تلواریں تھیں اُس کے لیے پتھر
دندان دہن پاک میں سب رشک گہر تھے
گذرے تھے کئی روز کہ دنداں بہ جگر تھے

وہ حلق جسے چومتے تھے احمد مختار
تیز اسکے لیے ہوتے تھے واں خنجر خونخوار
وہ دوش جو امت کا اٹھائے ہوئے تھا بار
لگتا تھا تبر اس پہ کبھی اور کبھی تلوار
لڑنے کی نہ طاقت تھی شہ تشنہ گلو میں
ڈوبی ہوئی تھیں مچھلیاں بازو کی لہو میں

دو شمع سر طور سی پُر نور کلائی
اس پر خط شمشیر دوہائی ہے دوہائی
منھ دیکھ لو صاف ایسی ہتھیلی میں صفائی
ہے سب پہ کھلی انگلیوں کی عقدہ کشائی
نسبت نہیں ناخن سے کبھی بدر کی ضو کو
ہفتے میں دکھائے تو کوئی دس مہ نو کو

وہ سینہ روشن کہ جو تھا مطلع انوار
گنجینۂ علم احدی مخزن اسرار
قرآں کو رکھ لیتے ہیں سر پر جو ہیں دیندار
کیا قہر ہے واں پانوں دھرے شمر ستمگار
سینے پہ نہ تھا اس کا قدم حشر بپا تھا
ہوجاتی جو دُنیا تہ و بالا تو بجا تھا

عباس سے بھائی کا جو تھا صدمۂ جانکاہ
ٹکڑے تھا جگر ٹوٹ گئی تھی کمرِ شاہ
اِس ضعف میں لغزش سے نہ وہ پاؤں تھے آگاہ
پایا تھا ثباتِ قدمِ پاک ید اللہ
سب خاک پہ ٹکڑے تو کلیجے کے پڑے تھے
لاکھوں سے لڑائی تھی پہ بشاش کھڑے تھے

منہ کرکے سوئے چرخ یہ فرماتے تھے ہر بار
عالم مری نیت سے ہے تو اے مرے مختار
گھر سے نہ علاقہ ہے نہ بچوں سے سروکار
ہر حال میں ہوں تجھ سے اعانت کا طلبگار
گو شاہِ زمن ہوں پہ ترے در کا گدا ہوں
محتاج ہوں بے کس ہوں غریب الغربا ہوں

کس کس ترے احساں کا کروں شکر زباں سے
ہے ناطقہ عاجز کہ زیادہ ہے بیاں سے
واقف نہیں کوئی ترے اسرارِ نہاں سے
دشوار ہے عالم کی صفت ہیچمداں سے
پیاس آج کے دن کی مجھے مرغوب ہے مولا!
جو تیری مشیت ہے وہی خوب ہے مولا!

ہر دم ہے ترا لطف مرے حال کے شامل
پیدا کیا واں وحی جہاں ہوتی تھی نازل
بخشا وہ مکاں رہنے کو اے خالقِ عادل
بے اذنِ ملک جس میں نہ ہو سکتے تھے داخل
یہ لطف و عنایت ہے تری کون سے گھر پر
جبرئیل و سرافیل کھڑے رہتے تھے در پر

نانا تو دیا اشرفِ ذریتِ آدمؑ
بابا شہِ مرداں سا دیا فخرِ دو عالم
ماں سیدۂ کون و مکاں ثانیِ مریمؑ
بھائی وہ کہ تو جس کی بزرگی کا ہے محرم
دنیا میں کسی اور کا رتبہ ہے کب ایسا
نام ایسا گھر ایسا نسب ایسا حسب ایسا

ماں طاہرہ جد طیب و پاکیزہ پدر پاک
رحمت سے تری کیوں نہ ہو ایسوں کا پسر پاک
گلشن کی زمیں پاک شجر پاک ثمر پاک
گھر پاک جگہ پاک صدف پاک گہر پاک
پھولے وہ شجر جس کو ثمردار کرے تو
جس قطرے کو چاہے درِ شہوار کرے تو

بچپن میں محمدؐ نے زباں اپنی چوسائی
اب تک کسی نعمت میں وہ لذت نہیں پائی
قرباں رہی احمدؐ مختار کی جائی
جب دودھ چھٹا نعمتِ فردوس بھی کھائی
افلاک سے دن میں کئی بار آتے تھے جبریل
ڈوری مرے جھولے کی ہلا جاتے تھے جبریل

دم بھر کبھی تنہا نہ رہا آٹھ پہر میں
گہہ دوشِ نبی پر گہے آغوشِ پدر میں
ماں ساتھ مرے ہوتی تھیں آتا تھا جو گھر میں
پتلی کی طرح رکھتے تھے سب مجھ کو نظر میں
اس رتبۂ اعلیٰ کا سرافراز میں کب تھا
مولا یہ تری چشمِ عنایت کا سبب تھا

تھا عید کو عریاں کہ عنایت ہوئی پوشاک
عمامہ و پیراہن و پاجامہ دُر و پاک
مرکب جو نہ تھا اونٹ بنے سیدِ لولاک
بالا رہا سب سے مرا رتبہ تہ افلاک
یہ تختِ سلیماں کو نہ یہ تاج ملا تھا
بچپن میں مجھے رتبۂ معراج ملا تھا

رجعت ہوئی خورشیدِ فلک کو پئے حیدر
یعنی نہ قضا ہوئے نمازِ شہِ صفدر
روزہ جو رکھا میں نے تو اے خالقِ اکبر
دن تھا پہ ہوئی رات چھپا مہرِ منوّر
منظور تھی خردی میں بزرگی مرے سن کی
دن ہو گیا واں شب کا تو یاں شب ہوئی دن کی

کیا عمر تھی جب سر سے اٹھا باپ کا سایہ
دو بھائی تھے دو بہنیں تھیں اور میں پرایا
تھا تو جو نگہبان تو نہ اعدا نے ستایا
ماں باپ کا مرنا تری شفقت نے بھلایا
رحمت سے تری خلق کے مختار ہوئے ہم
دیکھی جو یتیمی دُرِ شہوار ہوئے ہم

دولت مجھے دی گوہرِ عزت مجھے بخشا
بابا کی طرح اوجِ شرافت مجھے بخشا
مسند مجھے دی تختِ امامت مجھے بخشا
ان سب کے سوا تاجِ شفاعت مجھے بخشا
اختر کو قمر قطرے کو گوہر کیا تو نے
ذرہ تھا سو خورشیدِ منوّر کیا تو نے

انصار دئے وہ جو پیمبر نے نہ پائے
اصحاب وہ بخشے کہ جو حیدر نے نہ پائے
احباب وہ یک رنگ جو شبّر نے نہ پائے
لوگ ایسے کسی صاحبِ لشکر نے نہ پائے
تیروں سے نہ تلواروں سے منھ پھرتا تھا ان کا
خادم کے پسینے پہ لہو گرتا تھا ان کا

فرزند وہ امداد کیا حور شمائل
تھی جس کی زیارت کے سبب روشنیِ دل
خورشیدِ زمیں برجِ شرف کا مہِ کامل
یہ بھی تری امداد تھی اے خالقِ عادل
دولت یہ نہ ملتی جو خداوند نہ دیتا
کیا کرتا اگر تو مجھے فرزند نہ دیتا

اکثر ترے بندے ہیں کہ جن کے نہیں اولاد
نے فاتحہ خواں کوئی نہ فرزند نہ احفاد
کتنے ہیں کہ غمگیں ہیں کبھی اور کبھی شاد
بچے ہوئے اور مر گئے اور گھر ہوا برباد
مرتے ہوئے دیکھا ہے برابر کے پسر کو
اس داغ کی قدر آج ہوئی میرے جگر کو

سو مرتے جو فرزند تو بے صبر نہ ہوتا
خادم کبھی اس اجر کو ہاتھوں سے نہ کھوتا
دامن کو ترے خوف میں اشکوں سے بھگوتا
اکبر کو میں فرزند سمجھ کر نہیں روتا
یوں تو وہ کلیجہ تھا مرا اور مرا جی تھا
میں اس لئے روتا ہوں کہ ہم شکل نبی تھا

بچھڑا تھا کبھی مجھ سے نہ وہ گیسوؤں والا
جب چاند سی چھاتی پہ لگا ظلم کا بھالا

اشک آنکھوں سے تھمتے نہیں تفتیدہ جگر ہوں
دریا پہ جو عباس نے جان اپنی گنوائی
باعث تھا یہ لاشے پہ جو رقت بہت آئی
صدمے سے نہ پھر ضبط کا یارا ہوا مجھ کو

تنہا ہوں بس اب کوئی نہیں مونس و ہمدم
اب رنج نہ گھر کا ہے نہ اولاد کا ماتم
وابستہ تسبیح رکھوں رشتہ جاں کو
گو روح کو راحت نہیں اور قلب کو آرام
کم ہے ترے سجدے میں ہوں گر سحر و شام
آنکھیں تری جانب ہیں تو دل تیری طرف ہے

نے پیاس کا شکوہ ہے نہ ہے تے کی شکایت
وہ بھی ترا انعام تھا یہ بھی ہے عنایت

وہ کون سی دولت ہے جو موجود نہیں ہے
ہر چند کہ ہے سخت بہت ذبح کی منزل
زانو جو رکھے سینۂ مجروح پہ قاتل
سجدہ تہِ شمشیر یہ ناشاد نہ بھولے
حضرت تو یہ کرتے تھے سخن صبر و رضا کے
چلاتا تھا یوں شمر کمانداروں میں آ کے
یاں تک خلفِ شاہ نجف آنے نہ پائے

برچھے لئے ہاتھوں میں اُڑان جفاکار
آلودۂ خوں برچھیاں تولے ہوئے خونخوار
لشکر کے جواں گرزِ گراں تولے ہوئے تھے

بیری کا عصا تھا وہی اور گھر کا اجالا
تھا سینے میں خادم کا کلیجہ تہ و بالا
تو رحم کر اے خالق اکبر کہ بشر ہوں
خادم کی کمر ٹوٹ گئی مر گیا بھائی
مولا مجھے یاد آ گئی بابا کی جدائی
پھر داغِ یداللہ دوبارا ہوا مجھ کو
موجود ہے تو سر پہ کچھ اس کا بھی نہیں غم
بہتر ہے گذر جائے تری یاد میں جو دم
جب تک ہے دہن میں حرکت خشک زباں کو
ہے تقویتِ جان و دل و روح ترا نام
قاصر ہے زباں شکر میں اے خالق علام
گر تو اسے مقبول کرے عین شرف ہے

ہر طرح ہے راضی پسرِ شاہِ ولایت
الطاف کا پایاں ہے نہ بخشش کی نہایت
یاں ایک شہادت ہے سو اب وہ بھی قریں ہے
تو چاہے تو ہو جائے گی آسان یہ مشکل
وہ صبر عطا کیجو کہ تڑپے نہ مرا دل
سب محو ہوں دل سے پہ تری یاد نہ بھولے
بندھتے تھے اُدھر رن میں پرے اہلِ جفا کے
تاکے رہو سینے کو امام دوسرا کے
یہ شبیر ترائی کی طرف آنے نہ پائے
بڑھ بڑھ کے صفِ جنگ میں چمکاتے تھے ہوا
تھی ڈھال پہ ڈھال اور تھی تلوار پہ تلوار
ہر صف میں علمدار نشاں کھولے ہوئے تھے

وہ غل عربی باجوں کا وہ بوق کے نالے
رستم کی نہ طاقت تھی جو اں دل کو سنبھالے
پیدا اٹھی جلا جل سے اک افسوس کی آواز
رو رو کے یہ پُر درد صدا دیتی تھی شہنا
فانی ہے زمیں اس پہ ہمیشہ نہیں رہنا
دو روز کے پیاسے شہ مظلوم کھڑے ہیں
چلے سے جو بد کیش ملانے لگے سوفار
فرمایا قسم ہے تمہیں اے قوم ستمگار
انصاف سے کہہ دو کہ طلبگار ہوں جس کا
ہے کون گل سرسبد گلشن اسلام
آتی تھی کسے وحیِ الٰہی سحر و شام
جبریل امیں ہمدم و ہمراز ہے کس کا
برپا علم نظم و نسق کر دیا کس نے
رنگِ رُخِ کفار کو فق کر دیا کس نے
لب ہل گئے جب نخلِ دعا میں ثمر آیا
بخشا کسے اللہ نے معراج کا پایا
پڑتا تھا نہ اس خاک پہ کس شخص کا سایا
کس رُخ کو تجلّی صفتِ بدر عطا کی
سب بولے کہ اسباب سے واقف ہے زمانا
روشن ہے شبِ ماہ سے معراج کا جانا
وہ قبلۂ دیں باعثِ ایجاد فلک ہے
شبیرؑ نے فرمایا کہ وہ کس کی ہے مادر
دنیا کا شرف زینتِ دیں عرش کا زیور
بھیجی ہے انہیں چادرِ تطہیر خدا نے

وہ شور دہل سر پہ جو گردوں کو اٹھالے
دب جائے اگر دیو بھی آواز نکالے
جاتی تھی کئی کوس تلک کوس کی آواز
اچھا نہیں سیّد کا لہو خاک پہ بہنا
در پئے نہ ہو مظلوم کے مانو مرا کہنا
اس غم سے کلیجے میں مرے چھید پڑے ہیں
خود چھیڑ کے گھوڑے کو بڑھے سیّدِ ابرار
کس شخص کا دلبند ہوں میں بیکس و ناچار
جد کس کا ہے تم سب کلمہ پڑھتے ہو کس کا
آباد کُنِ کعبۂ حق کاسرِ اصنام
جو نامِ خدا سے ہے بہم کس کا ہے وہ نام ۴
قرآں جسے کہتے ہو وہ اعجاز ہے کس کا
عالم کو سوئے کعبۂ حق کر دیا کس نے
ہاں بدر کو انگشت سے شق کر دیا کس نے
انگشتِ شہادت کو اٹھا کر شجر آیا
سو مردوں کو عیسیٰ کی طرح کس نے جلایا
جد کس کا ہے وہ سورۂ کوثر جسے آیا
دنیا میں کسے حق نے شبِ قدر عطا کی
لاریب ہیں محبوبِ خدا آپ کے نانا
کافر ہے وہ اس بات کو جس نے نہیں مانا
آپ ان کے نواسے ہیں کچھ اس میں نہیں شک ہے
قرآں میں جسے حق نے کہا طاہر و اطہر
خاتونِ جہان نورِ خدا بنتِ پیمبرؐ
امت کے گنہ ڈھانپ لیے جن کی ردا نے

کہنے لگے بے شرم کہ اے خاصۂ قیوم
سب جانتے ہیں ساکنِ شام و عرب و روم
زہرا کا پدر فخرِ رسولانِ سلف ہے
اس حجتِ باری نے یہ فرمایا پھر اک بار
کس کا ہے لقب شیرِ خدا حیدرِ کرار
ہر جنگ میں کفار پہ در کون رہا ہے
آباد ہوئی کس کی رعایت سے رعایا
کس کے لئے اَکۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِینَكُم آیا
یکتائے جہاں کون ہے جرأت میں سخا میں
وہ کون ہے اللہ و نبی کو جو ہے پیارا
ہے انفسنا انفسکم کس سے اشارا
اعلیٰ کسے فرمایا علیؑ کس کو کہا ہے
طاعت سے جو افضل ہے عطا ہے وہ کس کی
پہنچا دے جو کوثر پہ فاقت ہے وہ کس کی
انصاف کا اس وقت طلبگار ہوں تم سے
جو والیٔ کونین ہے وہ کون ولی ہے
وہ کون ہے جو شاہِ امامِ ازلی ہے
برعکس ہیں جو لوگ وہی بانیٔ شر ہیں
گردوں کی طرف دیکھ کے بولے شہ بےکس
یارب مجھے ان سے کوئی حجت نہ رہی بس
دکھ کون سی اور کون سی ایذا نہیں دیتے
جاہل نہیں سب ہیں مرے رتبے کے شناسا
اس نہر سے پانی نہیں دیتے ہیں ذرا سا
ٹکڑے ہو بدن یا تہِ شمشیر گلا ہو

وہ آپ کی مادر ہیں یہ کس کو نہیں معلوم!
وہ سیدۂ معصوم ہے اور آپ بھی معصوم
حوّا کا نہ رتبہ ہے نہ مریمؑ کا شرف ہے
من بعد نبیؐ کون ہے کونین کا سردار
اللہ نے بھیجی ہے کسے عرش سے تلوار
محبوبِ الٰہی کی سپر کون رہا ہے
کس شاہ نے دینداروں کی بستی کو بسایا
اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡكُمۡ کا صلہ ہے کسے پایا
دو حصے ہے قرآنِ خدا کس کی ثنا میں
جو عرش کی زینت ہے وہ ہے کونسا تارا
اللہ نے کس گھر میں ستارے کو اُتارا
اللہ نے قرآن میں ولی کس کو کہا ہے
پوچھے گا خدا جس کو محبت ہے وہ کس کی
جو اجرِ رسالت ہے مودت ہے وہ کس کی
ہے کون مرادِ آیۂ لا اَسۡئَلُكُم سے
قرآں میں کس کے لئے وہ نصِ جلی ہے
سب نے کہا برحق وہ علیؑ ہے وہ علی ہے
سب پر ہے یہ آئینہ کہ آپ اُن کے پسر ہیں
کافی ہے شہادت کو تری ذاتِ مقدس
کرتے ہیں ستم دیدہ و دانستہ یہ ناکس
مہمان ہوں اور پانی کا قطرہ نہیں دیتے
خود اس کے مُقر ہیں کہ نبیؐ کا ہوں نواسا
شاید تجھے کرتا ہوں کہ دو دن سے ہوں پیاسا
اس سب کے عوض حشر میں شیعوں کا بھلا ہو

سُن کر یہ سخن رونے لگے فوج کے بے پیر
مظلوم کی فریاد نے کی سنگ میں تاثیر
بولا پسرِ سعد کہ یا حضرتِ شبّیر
تنہا ہوئے اب کیوں نہ کرو عجز کی تقریر
میداں سے ہٹاتے نہیں اس فوجِ گراں کو
ایسا ہے مرا رعب کہ لُکنت ہے زباں کو

اِس عجز کو مانے گا نہ یہ لشکرِ سفّاک
پھر کیا کریں گر ہو پسرِ سیّدِ لولاک
سو بل گئے ہیں خاک میں ایسے گہرِ پاک
حاکم ہیں کہ ہر دور ہمارا تہِ افلاک
ڈرتے نہیں گر شکوۂ بیداد کروگے
کیا ہوگا جو اللہ سے فریاد کروگے

عبّاس سے کہدو کہ مدد کرنے کو آئیں
جعفر کے پسر جوہرِ شمشیر دکھائیں
قاسم ہیں کدھر خون کے دریا جو بہائیں
اکبر سے کہو جنگ کریں برچھیاں کھائیں
اب آپ کی جرأت کا بھی وہ طور نہیں ہے
شاید کوئی زینب کا پسر اور نہیں ہے

بے درد نے چھڑکا جو نمک زخمِ جگر پر
طاری ہوا غصہ شہِ مرداں کے پسر پر
سرخی سی نظر آنے لگی دیدۂ تر پر
کی تیز نظر قبضۂ شمشیر و سپر پر
شہ کی نظرِ غیظ نہ تھی قہرِ خدا تھا
شمشیرِ یداللہ جدا میان جدا تھا

خود تیغِ علی شاہ کے اعجاز سے نکلی
فریادِ دلِ فوجِ دغا باز سے نکلی
کس شان و تجمّل سے کس انداز سے نکلی
پریوں کے بھی ہوش اُڑ گئے اس ناز سے نکلی
فانوس سے خود شمعِ تجلّی نکل آئی
محمل سے تڑپتی ہوئی لیلیٰ نکل آئی

تھیں تیغ کی دونوں جو زبانیں شرر افشاں
موسیٰ کا عصا کہتا تھا کوئی کوئی ثعباں[لہ]
غل چار طرف تھا کہ زہے قدرتِ یزداں
ہیں ایک جگہ دو مہِ نو دست و گریباں
شہبازِ اجل بازوؤں کو تولے ہوئے ہے
پرِ اوجِ سعادت کے ہُما کھولے ہوئے ہے

نعرہ کیا ہاں اے پسرِ سعدِ جفاکار
لے دیکھ تو ان کانپتے ہاتھوں کا کوئی وار
ہرچند کہ ہے عجز ہی بندے کو سزاوار
مجبور نہیں سختِ دلِ احمدِ مختار
شاید مرا رتبہ تجھے معلوم نہیں ہے
وہ کون سی شے ہے کہ جو محکوم نہیں ہے

حاکم ہوں میں سب خلقِ خدا ہے مرے تابع
ہیں بابِ اجابت ہوں دعا ہے مرے تابع
مختارِ قدر ہوں ہیں قضا ہے مرے تابع
آتش مری محکوم ہوا ہے مرے تابع
قبضہ ہے مرا خاک کے ہر گنجِ نہاں پر
جاری ہے مرا حکم روانِ آبِ رواں پر

لہ ثعبان بمعنی اژدرہا ۱۲

آتش کو جو دوں حکم ابھی سب کو جلادے
ہستی کے چراغوں کو ہوا دم میں بجھا دے
پانی کا یہ طوفاں ہو کہ عالم کو ڈبا دے
ہل ہل کے زمیں خاک زمانے کی اڑا دے
ہستی ہو نہ بستی نہ مکیں ہوں نہ مکاں ہوں
آثار اذا زلزلت الارض عیاں ہوں

نے رنج سے کچھ بیم نہ دہشت ہے بلا سے
مضطر ہوں نہ دکھ سے نہ ستم سے نہ بلا سے
خائف ہوں نہ جن سے نہ بشر سے نہ قضا سے
ہاں ایک جو ڈرتا ہوں تو ڈرتا ہوں خدا سے
کیا غم ہے اگر لاکھ سواروں کے پرے ہیں
روباہ کے لشکر سے کہیں شیر ڈرے ہیں

تو کیا ہے ترا رعب ہے کیا او سگ ناپاک
میں بیشۂ حیدر کا ہوں اک شیر غضبناک
اُف کروں تو جل کر ترا لشکر ہو یہ سب خاک
مشتاق اجل ہوں مجھے مرنے سے نہیں باک
باتوں میں کروں بند فصیحان جہاں کو
یہ پیاس سے لکنت ہے مری خشک زباں کو

نازاں نہ ہو اے بانی ظلم و ستم و جور
مٹ جاتا ہے اک گردش افلاک میں دور
تو آج جو حاکم ہے تو کل ہوگا کوئی اور
کیا ہو گئی کر دولت قاروں پہ ذرا غور
نمرود نہیں حشمت ضحاک نہیں ہے
ڈھونڈھو جو خزانے میں تو اب خاک نہیں ہے

قیصر کا وہ افسر ہے نہ وہ تاج کیانی ہے
نے قصر خورنق کا مکیں ہے نہ مکاں ہے
آئینہ پہ روئے سکندر نگراں ہے
چینی کی صدا یہ ہے کہ فغفور کہاں ہے
ٹھکرا کے جو چلتا ہے ہر اک راہگذر میں
سو بار شکستوں سے ہیں واں کاسۂ سر ہیں

جام سر جمشید تہ خاک ہے واژوں
کاؤس کی دولت ہے نہ گنجینۂ قاروں
نے تاج قباد آج ہے نے تخت فریدوں
دارا ہے نہ پرویز نہ خسرو ہے نہ گلگوں
دانا تجھے یہ کس طرح پھنسے دام اجل میں
گھر وحشیوں کے بن گئے کسریٰ کے محل میں

مشہور ہے فرعونیوں کے غرق کا احوال
شداد کو کس طرح کیا مال نے پامال
وہ باغ کہ زر جس پہ کیا صرف مہ و سال
دیکھا بھی نہ اس کو کہ اجل آ گئی دنبال
لوٹا ہے وہ گلشن کہ نہ پھل کھائے گا ظالم
اب تو بھی جہنم میں یوں ہی جائے گا ظالم

کیا غم مجھے عباس علمدار نہیں گر
چاہوں تو مدد کرنے کو آئیں ابھی حیدر
بہتر ہوا اس راہ میں گر مر گئے اکبر
خود سینہ سپر ہونے کو حاضر ہوں پیمبر
جعفر بھی شریک الم و یاس ہیں میرے
تو دور نہ جان ان کو یہ سب پاس ہیں میرے

پہچان تو ہیں کون ہوں اے جاہلِ مطلق
نفریں کروں ہیں گر تو اڑے خلق سے رونق
فریاد جو میرے دلِ صد چاک سے نکلے
فرما کے یہ جلوہ دیا تیغِ دو زباں کو
ہر نیزے نے اونچا کیا انگشتِ اماں کو
چڑھ سکتا ہے دنیا میں کوئی شیروں کے منھ پر
اس شان سے لشکر پہ امامِ امم آئے
اتنا تو پکارے کہ خبردار ہم آئے
پل بندھ گئے لاشوں کے نہ اک پل ہوئی آخر
جب تیغِ علیؑ قبلۂ عالم نے علم کی
اللہ ری بُرش سیفِ شہنشاہِ اُمم کی
گُل رنگ لہو سے جو ہر اک جسم شفقی تھا
شمشیر یداللہ نے نئی چال دکھائی
ہر بار چمک برق کی تمثال دکھائی
جل جل کے بدن ناریوں کے سرد ہوئے تھے
کٹ کٹ کے صفیں خاک پہ بے جاں نظر آئیں
بے چلہ کمانیں سرِ میداں نظر آئیں
چلّاتے تھے وہ ہوش نہ تھا خوف سے جن کو
خالی نہ کوئی وار گیا تیغِ دو سر کا
سینہ جو بچا اس سے کسی بانیٔ شر کا
تیغ اُس نے سپر اُس نے زرہ اُس نے نہ چھوڑی
رہ رہ کے چمکتی تھی جو شمشیرِ قضا دم
فوجیں تھیں ہی جان کی سب درہم و برہم
جب برق چمکتی تھی سرک جاتے تھے جبریلؑ

انگلی سے قمر کو مرے نانا نے کیا شق
طبقے سے زمیں کی برکت سلب کرے حق
تا حشر نہ دانہ کبھی اس خاک سے نکلے
عبرت ہوئی بجلی کے چمکنے سے جہاں کو
خود چھوڑ دیا سہم کے تیروں نے کماں کو
تیزی نہ رہی خوف سے شمشیروں کے منھ پر
جیسے صفِ آہو پہ ہزبر اجم آئے
اک دم میں ستم گر تہِ تیغِ دو دم آئے
ثابت نہ ہوا کب صفِ اول ہوئی آخر
اک برق سی میدانِ بلاخیز میں چمکی
اعدا کو نظر آنے لگی راہ عدم کی
تھی دوپہر اور دامنِ صحرا شفقی تھا
سرداروں کی صفِ فوج کو پامال دکھائی
سب خون سے مقتل کی زمین لال دکھائی
ڈر ڈر کے سیہ کاروں کے منھ زرد ہوتے تھے
جو برچھیاں جمع تھیں وہ پاں نظر آئیں
ساری سپریں خون سے افشاں نظر آئیں
فریاد کہ شب خون گرا فوج پہ دن کو
ہاتھ اڑ گئے گر پاؤں بچا کر کوئی سر کا
تھی عقدہ کشا کھول دیا بند کمر کا
دس انگلیوں میں ایک گرہ اس نے نہ چھوڑی
غل ہوتا تھا پریوں میں کہ یا حافظِ عالم
مضطر تھا فلک کانپتا تھا عرشِ معظم
یا شیرِ خدا کہہ کے جھجک جاتے تھے جبریلؑ

ناگاہ محمدؐ کی صدا آئی کہ شبیرؑ — اب عصر کا ہے وقت کرو میان میں شمشیر
یہ سنتے ہی بس تھم گیا وہ تابعِ تقدیر — تلوار کا تھمنا تھا کہ چھاتی پہ لگا تیر
تھا دھیان غلاموں کا جو اس خاصۂ حق کو — بس روکا خود الٹے ہوئے دنیا کے ورق کو
حضرت پہ جھکے اہلِ ستم چار طرف سے — نیزے ہوئے بے کس پہ علم چار طرف سے
پڑنے لگی شمشیرِ دودم چار طرف سے — بس گھر گیا اک کشتۂ غم چار طرف سے
تر خوں میں سر تا بقدم ہو گئے شبیرؑ — برچھی جو لگی پشت پہ خم ہو گئے شبیرؑ

جھکتا تھا کہ تیغوں کے برابر سے چلے وار — قدموں سے رکابیں بھی جدا ہو گئیں اک بار
جب گرنے لگا خاک پہ وہ بیکس و ناچار — زہراؑ کی صدا آئی کہ یا حیدرِ کرارؑ
گھیرا ہے لعینوں نے اکیلا اسے پاکر — گرتا ہے مرا لال مدد کیجیے آکر
گھوڑے نے جو دیکھا کہ سنبھلتے نہیں زیں پر — بس بیٹھ گیا ٹیک کے گھٹنوں کو زمیں پر
زخموں سے جو تھا چور تنِ سبطِ پیمبر — غش ہو گئے رہوار سے ریتی پہ اُتر کر
از فرطِ جراحت سے بدن رشکِ چمن تھا — سب فوج کے حربے تھے اور اک شاہ کا تن تھا

دس سو تو کماندار تھے اک سینۂ شبیرؑ — برچھی کا جہاں زخم تھا لگتا تھا وہیں تیر
یا شاہِ نجف کہتے تھے جب پڑتی تھی شمشیر — چلاتی تھی دروازے سے یہ زینبؑ دلگیر
تم کھاتے ہو تلواریں موئی جاتی ہوں بھائی — اے سینہ سپر ہونے کو میں آتی ہوں بھائی
اُس وقت بھی شہ ہاتھ سے کرتے تھے اشارہ — ہٹ جاؤ بہن گھر سے نکلیو نہ خدارا
رتبہ ہے فزوں مریمؑ و حوا سے تمہارا — دم تن میں ہے جب تک نہیں مجھ کو یہ گوارا
للہ نہ اِس دم تنِ صد پاش پہ آنا — سر تن سے اُتر لے تو مری لاش پہ آنا

تھی رانڈوں میں ڈیوڑھی پہ عجب گریہ و زاری — سر کھولے ہوئے روتی تھیں وہ بی بیاں ساری
کہتی تھی سکینہ کہ پھوپھی جان میں واری — مجھ کو تو دکھا دو مرے بابا کی سواری
یاں چھوڑ کے ہم سب کو چلے جائیں گے بابا — کیوں روتی ہو کیا گھر میں نہیں آئیں گے بابا
ڈیوڑھی سے ہٹو تن سے نکلتا ہے مرا دم — میں جاؤں وہاں رن میں جہاں ہیں شہ عالم
کہتی تھی اسے تھامے ہوئے زینبؑ پُرغم — اصغر کی طرح تیر نہ ماریں تمہیں ظالم
واں چلتی ہے تلوار کہاں جاؤ گی بی بی — بابا کو بس اب حشر کے دن پاؤ گی بی بی

ناموسِ نبیؐ ہیں تو قیامت یہ تھی برپا

راوی نے یہ لکھا ہے کہ میں دیکھتا ہوں گیا
آنکھیں کہیں آہو کی بھی آنکھوں سے بڑی تھیں
چہرے پہ بکھلی تھی کیا زلفِ مسلسل
تھا طوق گلو رشکِ ہلالِ شبِ اوّل

کرتے کا عجب رنگ تھا اس گل سے بدن پر
ماں ڈیوڑھی کے پردے کو اٹھا کر یہ پکاری
پھر آؤ کہ بے تاب ہوں میں درد کی ماری

کہنا مرا مانو نہ ارادہ کرو رن کا
وہ کہتا تھا اماں ہمیں قسمیں نہ دلاؤ
قاسم کی طرح داغ ہمارا ابھی اٹھاؤ

لاکھوں میں کہاں جاتے ہو اس آن اکیلے
میداں میں چچا قتل ہوں ہم خیمے میں آئیں
ہم سائے میں ہوں دھوپ میں وہ برچھیاں کھائیں

بس صبر کرو قید ہوں کیا خیمے میں آکے
چلاتی تھی رو رو کے یہ بیوہ جگر افگار
کس طرح لڑو گے نہ سپر پاس نہ تلوار

وہ کہتا تھا قربانِ شہنشاہِ امم ہیں
دروازے پہ خیمے کے تڑپتی رہی مادر
بند آنکھیں تھیں اور جھومتے تھے سبطِ پیمبرؐ

کہتا تھا کہ سب خوں سے بدن لال ہوا ہے
میں تھامے ہوں یا شاہ ذرا غش سے سنبھلئے
زخموں کا لہو چہرۂ انور پہ نہ ملئے

سب روتے ہیں اس وقت نہیں ہوش کسی کو
سر کھولے ہوئے بیٹھتی تھی دخترِ زہراؑ
روتا ہوا اک طفلِ حسین خیمے سے نکلا

منھ چاند سا تھا ہنسلیاں گردن میں پڑی تھیں
ظاہر تھا کہ گھیرے ہوئے ہے چاند کو بادل
ہاتھوں میں کڑے کان میں دُر سینے پہ ہیکل

معلوم یہ ہوتا تھا کہ شبنم ہے چمن پر
میں بھی نکل آتی ہوں کہاں جاتے ہو واری
بیوہ ہوں کرو رحم غریبی پہ ہماری

میں واسطہ دیتی ہوں تمہیں روحِ حسنؑ کا
ہم گھر میں نہ اب آئیں گے تم خیمے میں جاؤ
ماں کہتی تھی اک بات تو سن لو ادھر آؤ

وہ کہتا تھا ہیں میرے چچا جان اکیلے
جیتے رہیں بعد انکے تو منھ کس کو دکھائیں
تیغوں میں نہ عمو کی سپر ہونے کو جائیں

فردوس میں اب جاویں گے ہمراہ چچا کے
صدقے میں ارادے کے ترے اے مرے دلدار
پھر آ ترا سن جنگ کے قابل نہیں زنہار

کیا ہم علی اصغرؑ سے بھی کچھ عمر میں کم ہیں
جنگاہ میں جا پہنچا وہ لختِ دلِ شبرؑ
لپٹا پسرِ فاطمہؑ زہرا سے وہ دلبر

اے میرے چچا جان یہ کیا حال ہوا ہے
کیوں آپ جھکے جاتے ہیں زانو کو بدلئے
سر ننگے نکلتی ہیں پھوپھی خیمہ میں چلئے

پیٹتی ہیں یہ سینہ کہ غش آیا ہے چچی کو

فرمانے لگے کھول کے آنکھیں شہِ ذی جاہ
اِن تیغوں سے اے لال بچائے تمہیں اللہ
کٹتا ہے گلا تیغِ ستم سے کوئی دم میں
یہ کہتے تھے حضرت کہ بڑھا ایک جفا کار
ہاتھ اس نے سرِ شہ پہ سپر کر دیے یک بار
ریتی پہ وہ ننھے سے گرے ہاتھ جو کٹ کر
گودی میں اسے لے کے پکارے شہِ دلگیر
گودی میں تڑپتا تھا کہ گردن میں لگا تیر
لپٹا جو تڑپ کر وہ شہِ تشنہ گلو سے
منھ زرد ہوا جان نکلنے لگی تن سے
جس وقت سفر کر گیا ہستی کے چمن سے
فردوس سے زہرا بصد افغاں نکل آئی
بیٹھے تھے ہوئے قبلہ و زانو شہِ بے پر
تھے ذکرِ خدا میں کہ لگا تیر دہن پر
بہہ آیا لہو تا بہ زنخدانِ مبارک
نیزے کا بنِ وہب نے پہلو پہ کیا وار
ناوک بنِ کاہل کا کلیجے کے ہوا پار
تلوار سے وقفہ نہ ملا چند نفس کا
لکھا ہے کہ جب مر گیا لختِ دلِ شبیرؑ
اِک سیدہ نکلی درِ خیمہ سے کھلے سر
چلاتے لعیں خوف سے ہاتھ آنکھوں پہ دھر کے
اس بھیڑ میں آ کر وہ ضعیفہ یہ پکاری
گھوڑا تو ہے کوتل کدھر اتری ہے سواری
مر جاؤں گی حضرت کو جو پانے کی نہیں میں

کیوں گھر سے نکل آئی یہ کیا تم نے کیا واہ
لو خیمے میں اب جاؤ کہ عمو ہے سرِ راہ
گھر میں تمہیں لے چلنے کی طاقت نہیں ہم میں
چاہا کہ قریب آ کے حضرت پہ کرے وار
بچے کے کہاں ہاتھ کہاں ظلم کی تلوار
غش ہو گیا شبیرؑ کی گردن سے لپٹ کر
صدقے ترے ان دونوں کٹے ہاتھوں کے شبیرؑ
چلایا کہ قربان علی اصغرؑ بے شیر
تر ہو گئیں سب ہنسلیاں گردن کے لہو سے
خوں ہچکیوں کے ساتھ اگلتا تھا دہن سے
رونے کی صدا آنے لگی قبرِ حسنؑ سے
خیمے سے اِدھر خاک بسر ماں نکل آئی
جھکتے تھے کبھی غش میں اٹھاتے تھے کبھی سر
یاقوت بنے ڈوب کے خوں میں لبِ اطہر
ٹھنڈے ہوئے دو گوہرِ دندانِ مبارک
کاندھے پہ چلی ساتھ زرارہ کی بھی تلوار
بازو میں در آیا تبرِ خولیِ خونخوار
دم رک گیا نیزہ جو لگا ابنِ انس کا
بارہ ستم ایجاد بڑھے کھینچ کے خنجر
مقنع تھا نہ برقع تھا نہ موزے تھے نہ چادر
لو فاطمہؑ آتی ہیں بچانے کو پسر کے
اے سبطِ نبیؐ ابنِ علیؑ عاشقِ باری
بھیا بہن آئی ہے زیارت کو تمہاری
بن آپ کے دیکھے ہوئے جانے کی نہیں میں

اُس وقت شہ دیں نے سنی زاری خواہر
فرمایا اشارے سے کہ اے شمرِ ستم گر
آخر تو سفر ہوتا ہے اِس دارِ محن سے
منھ پھیر لیا شمر نے خنجر کو ہٹا کے
تڑپاتی ہو بھائی کو بہن بلوے میں آ کے
اٹھ سکتے نہیں جسم پہ تلواریں پڑی ہیں
دَوڑی یہ صدا سن کے یداللہ کی جائی
پر ہائے بہن بھائی تلک آنے نہ پائی
قاتل کو نہ گردن کو نہ شمشیر کو دیکھا
سر دیکھ کے بھائی کا وہ بیکس یہ پکاری
خنجر سے نہ گردن کی رگیں کٹ گئیں ساری
آفت میں پھنسی آلِ رسولِ عربی کی
بھیا مرا کوئی نہیں تم خوب ہو آگاہ
ڈھارس تھی بڑی آپ کی اے سرورِ ذیجاہ
چلتے ہوئے کچھ مجھ سے نہ فرما گئے بھائی
اے میرے شہیدا مرے ماں جائی برادر
کس طرح مرے دل کو قرار آئے برادر
انساں پہ ستم یوں کبھی انساں نہیں کرتا
خاموش انیسؔ اب کہ ہے دل سینے میں بے چین
اب حق سے دعا مانگ کہ اے خالقِ کونین

جس وقت کہ تھا حلقِ مبارک تہِ خنجر
زینب نکل آئی کہ ٹھہر جا ابھی دم بھر
دو باتیں تو کر لینے دے بھائی کو بہن سے
دی شہ نے یہ زینبؑ کو صدا اشک بہا کے
دیکھو گی کسے ہم تو ہیں نیچے ہیں قضا کے
گھبراؤ نہ اماں مرے پہلو میں کھڑی ہیں
چلائی کہ دیدار تو میں دیکھ لوں بھائی
یاں ہو گئی سید کے تن و سر میں جدائی
پہونچی تو سناں پر سرِ شبیر کو دیکھا
دکھ پائی بہن آپ کی مظلومی کے واری
تم مر گئے پوچھے گا خبر کون ہماری
اب جائیں کہاں بیٹیاں زہراؑ و علیؑ کی
احمدؐ ہیں نہ زہراؑ نہ حسنؑ ہیں نہ یداللہؑ
چھوڑا مجھے جنگل میں یہ کیا قہر کیا آہ
بھینا کو نجف تک بھی نہ پہنچا گئے بھائی
کس سے ترا لاشہ بہن اٹھوائے برادر
پانی بھی نہ قاتل نے دیا ہائے برادر
حیواں کو بھی پیاسا کوئی بے جاں نہیں کرتا
لکھے نہیں جاتے ہیں جو زینبؑ نے کئے بین
حاسد ہیں بہت دل کو عطا کر مرے تو چین

ناحق ہے عداوت انہیں اس ہیچمداں سے
بے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیرِ زباں سے

سلام

رنجِ دنیا سے کبھی چشم اپنی نم رکھتے نہیں
جز غمِ آلِ عبا ہم اور غم رکھتے نہیں

کربلا پہنچے زیارت کی ہمیں پروا ہی کیا
اب ارم بھی ہاتھ آئے تو قدم رکھتے نہیں

در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے
سر جہاں رکھتے ہیں سب واں قدم رکھتے نہیں

صورتِ محراب خم ہو کر بصد عجز و نیاز
سر نہ رکھیں گر تو منبر پر قدم رکھتے نہیں

دیکھنا کل ٹھوکریں کھاتے پھریں گے اُن کے سر
آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں

کہتے تھے اعدا کہ بچے بھی علیؑ کے شیر ہیں
جب بڑھ جاتے ہیں تو پھر پیچھے قدم رکھتے نہیں

دھو دیے اشکوں نے دفتر سے تمام اعمالِ زشت
ہم تری پروا کچھ اے ابرِ کرم رکھتے نہیں

جو سخی ہیں مالِ دنیا سے ہیں خالی اُن کے ہاتھ
اہلِ دولت جو ہیں وہ دستِ کرم رکھتے نہیں

قطعہ

جو مقرر ہے وہ ملتا ہے تری سرکار سے
ہم ہیں صابر کچھ خیالِ بیش و کم رکھتے نہیں

زور اُس اُس کے لیا ہی ہم نے میدانِ سخن
اور نیزہ ہاتھ میں غیر از قلم رکھتے نہیں

یہ دوات و خامہ ہی مُلکِ فصاحت کا نشاں
کون کہتا ہے کہ ہم طبل و علم رکھتے نہیں

نقدِ جاں تک دے کے ہم جاتے ہیں یاں سے وقتِ کوچ
عاریت جو شے ہو اُس کو پاس ہم رکھتے نہیں

ایک کشکولِ توکل ایک نقدِ جاں ہے پاس
ہیں غنی دل کے کوئی دام و درم رکھتے نہیں

قطعہ

کہتے تھے سجادؑ کھینچ سکتی نہ تھیں جب بیڑیاں
کیا کروں اس بوجھ کی طاقت قدم رکھتے نہیں

کہتی تھیں رانڈیں کسے لوٹو گے آ کر ظالمو
سیم و زر شبیرؑ کے اہلِ حرم رکھتے نہیں

فقر و فاقے میں ہمیشہ ہو گئی سب کی بسر
اِن رداؤں کے سوا کچھ اور ہم رکھتے نہیں

یہ مکان محبوبِ حق کا ہے نہ آنا اس طرف
بے اجازت یاں ملائک بھی قدم رکھتے نہیں

چادریں جب چھینیں رانڈوں کی تو عابدؑ نے کہا
کچھ حیا و شرم یہ اہلِ ستم رکھتے نہیں

مرثیہ اک دن میں کیا سب کہہ کے اٹھو گے انیسؔ
ہاتھ سے کیوں آج قرطاس و قلم رکھتے نہیں

۱۶ مرثیہ بند ۱۵۰

شمشادِ بوستانِ رسالت حسینؑ ہے
ابرِ عطا و آیۂ رحمت حسینؑ ہے
ہر جا ظہورِ حق ہے انہیں کے ظہور سے
عنوانِ نسخۂ صحیفۂ اخضر حسینؑ ہے
جسمِ نبی کی روحِ مطہر حسینؑ ہے
قربان رتبۂ شہِ عرش احتشام کے
مشکل کشائے حاضر و غائب حسینؑ ہے
فرماں روائے مشرق و مغرب حسینؑ ہے
چھوٹے سے سن میں عرش سے رتبہ سوا ملا
آدم سے مرتبے میں مقدم حسینؑ ہے
حقا کہ تاجِ عرشِ معظم حسینؑ ہے
مالک ہے کارخانۂ ربِّ جلیل کا
خورشیدِ آسمانِ تجمل حسینؑ ہے
عالم تمام جزو ہے اور کل حسینؑ ہے
جانیں فدا ہیں نام پہ اور دل نثار ہیں
رکنِ رکینِ کعبۂ ایمان حسینؑ ہے
پیدا ہے تو حسینؑ ہے پنہاں حسینؑ ہے
حق اس سے ہے قریب وہ حق سے جدا نہیں
ادنیٰ کو دم میں چاہے تو اعلیٰ کرے حسینؑ
بالا کو پست پست کو بالا کرے حسینؑ
عزت جو دے زمیں کو تو گردوں شکوہ ہو

مفتاحِ بابِ گلشنِ جنت حسینؑ ہے
نقشِ نگینِ مہرِ نبوت حسینؑ ہے
سب خاک سے بنے ہیں یہ خالق کے نور سے
فیاضِ آبِ چشمۂ کوثر حسینؑ ہے
کشتیِ عرش و فرش کا لنگر حسینؑ ہے
بیٹے امامِ دین کے پدر نو امام کے
خورشید و ماہ مکہ و یثرب حسینؑ ہے
دوشِ رسولِ پاک کا راکب حسینؑ ہے
لیکن نگیں بھی مہرِ نبوت کو کیا ملا
اسرارِ کردگار کا محرم حسینؑ ہے
شیرازۂ کتابِ دو عالم حسینؑ ہے
مختار ہے بہشت کا اور سلسبیل کا
طاؤسِ بوستانِ توکل حسینؑ ہے
سب خلق عندلیب ہے اور گل حسینؑ ہے
یوسفؑ ہے ایک چاہنے والے ہزار ہیں
کرسی اگر ہے رحل تو قرآں حسینؑ ہے
عالم تمام جسم ہے اور جاں حسینؑ ہے
جو کچھ کہو وہ سچ ہے مگر اک خدا نہیں
قطرے کو بحرِ لطف سے دریا کرے حسینؑ
اک آن میں ثریٰ کو ثریا کرے حسین
طاقت جو بخش دے تو پرِ کاہ کوہ ہو

ذرے کو آفتاب سے روشن کرے حسینؑ
دوزخ کو دم میں غیرتِ گلشن کرے حسینؑ
چشمِ غضب سے دیکھیں جسے جل کے خاک ہو
کردیں سپید و تو سیاہی ہو شب سے دور
حافظ ہوں گر تو سنگ ہو شیشے سے چور چور

حافظ اگر ہو لطف و کرم اس کریم کا
ہوئے جو حکم نافذِ شاہنشہِ حجاز
اک جا ہو آشیانہ عصفور و شاہباز
گر وہ قوی ضعیف سے کارِ جدال لے

ہاں اے زباں خموش ادب کا ہے یہ مقام
اے کلک سر جھکا دے قدم پر پئے سلام
پیچھے زباں سے وصفِ شہِ نیک خو کریں

یہ وہ حسینؑ ہے کہ جو ہے نورِ مشرقین
خیر النساؑ کی جان محمدؐ کے دل کا چین
اس کی نہ کوئی آس نہ کوئی مراد تھی

مولا کی ذات خلق میں ہے سایۂ الٰہ
روز جزا معالج بیماری گناہ
گر حشر میں وہ حامیٔ امت سپر نہ ہو

دارائے شرعِ مصطفوی مقتدائے خلق
فیض و عطا و شفقت و رحمت برائے خلق
بھیجیں درود کیوں نہ ملک روحِ پاک پر

بابُ السلام حلم نبیؐ آسمانِ شرع
دریائے لطف معدنِ بخششِ جہانِ شرع
اس کے کرم سے گلشنِ دیں تازہ ہو گیا

اک پل میں ناتواں کو تہمتن کرے حسینؑ
آہن کو موم، موم کو آہن کرے حسینؑ
جس پر کرم کریں وہ گناہوں سے پاک ہو
شہر مائے آفتاب جو ظلمت کو دیں وہ نور
چاہیں تو خس کو آگ کے دریا سے ہو عبور

فانوس بہر شمع ہو دامن نسیم کا
آہو کے آگے شیر جھکائے سرِ نیاز
بہرِ شکار باز کرے چشم کو نہ باز
روباہ جا کے شیر کی آنکھیں نکال لے

کوثر سے منہ کو دھوئے تو لے شاہِ دیں کا نام
اے طبع پاک شستہ و رفتہ ہو سب کلام
اشکوں سے پہلے مردمِ دیدہ وضو کریں

جس کے پدر نے فتح کیا خیبر و حنین
شیعوں کو اس کی پیاس پہ رونا ہے فرضِ عین
خنجر گلے پہ تھا تو تمہاری ہی یاد تھی

امت کا کارساز دو عالم کا خیر خواہ
مجرم کو اس کے سایۂ دامن میں ہے پناہ
تیغِ عذابِ حق سے کسی کو مفر نہ ہو

خضرِ صراطِ دینِ مبیں پیشوائے خلق
دستِ خدا کی طرح سے مشکل کشائے خلق
سجدے کا حکم دیوے خدا جس کی خاک پر

نورِ سراجِ دیں شرفِ خاندانِ شرع
منہاجِ علم قطبِ زماں قہرمانِ شرع
شیعوں پہ وا بہشت کا دروازہ ہو گیا

عاجز نہ اس کے وصف میں ہو کس طرح خرد
اس کی کتابِ وصف کے اک جز کی ہے یہ حد
اس میں بھی سب صفاتِ شہِ بحر و بر نہیں
حدِ بشر نہیں ہے تری مدح یا امام
قدسی درود بھیجتے ہیں تجھ پہ صبح و شام
ذرے سے وصفِ نیرِ تاباں ہو کس طرح

راحت نہیں ہے دلِ مضطر کو اک نفس
دن رات قافلے چلے جاتے ہیں پیش و پس
اس سال ہے دعا کہ نہ دوری نصیب ہو
عرشِ خدا ہے تیرے شرف سے بزرگوار
پہنچے فلک پہ گر تری نعلین کا غبار
ہے راہ پر وہی کہ جسے تجھ سے راہ ہے

روحی فداک اے قمرِ برجِ ہل اتیٰ
ابرِ عطا محیطِ کرم منبعِ سخا
اے نوحِ خلق تو ہے سفینہ نجات کا
قیصر تری جناب کا اک بندہ کمیں
ہے غیرتِ بہشت ترے نور سے زمیں
کرسی کی زیب دوشِ پیمبر کی زیب ہے

اللہ رے اوج واہ ری قسمت زہے وقار
اشتر بنے تھے عید کو محبوبِ کردگار
مرکب حسینؑ کے شہِ گردوں مقام تھے
لکھا ہے یہ کہ سجدے میں تھے اک دن رسول
خیر الوریٰ نے سجدۂ حق کو دیا یہ طول
سر پیٹنے کی جا ہے یہ جس کا وقار ہو

افضل کرے جہاں سے جسے مفضلِ احد
آغاز جس کا ہے ازل انجام ہے ابد
فقرے ہیں مبتدا کے خبر کی خبر نہیں
بندے سے کس طرح ہو بیانِ خدا کا کام
ہیں خاک اور عرش سے اعلیٰ ترا مقام
اک مور سے ثنائے سلیماںؑ ہو کس طرح

نالاں ہوں تیری راہ میں صورتِ جرس
اور شوق میں غلام تڑپتا ہے ہر برس
مولا طلب کرو تو حضوری نصیب ہو
کرسی ترے قدم کی بدولت ہے پائدار
سمجھے وہ خلعتِ شرف و تاجِ افتخار
نقشِ قدم برائے فلک سجدہ گاہ ہے

قلبی لدیک اے گہرِ تاجِ لافتا
شمعِ حریمِ حق گلِ گلزارِ قل کفا
طوفاں میں آسرا ہے فقط تیری ذات کا
خاقانِ چیں ہے اک ترے خرمن کا خوشہ چیں
جاروبِ فرشِ عرش شرف زلفِ حورِ عیں
تیرے قدم سے عرشِ منور کی زیب ہے

اک آن بے حسینؑ نبیؐ کو نہ تھا قرار
مثلِ نگیں یہ مہرِ نبوت پہ تھے سوار
جیبیں جو تھیں رکاب تو گیسو لگام تھے
پشتِ نبیؐ پہ آ کے چڑھا دلبرِ بتولؑ
سمجھا ہر اک کہ وحیِ خدا کا ہوا نزول
سینے پہ اس حسینؑ کے قاتل سوار ہو

باراں کی بوندیوں سے جسے فاطمہؑ بچائے

کوثر ہو جس کے قبضۂ قدرت میں ہائے ہائے

یہ واقعہ وہ ہے کہ خوشی ناپدید ہے

حلّے بہشت کے جسے بھیجے خدائے پاک

ہیکل کی خط سے فاطمہؑ کا دل ہو دردناک

دوشِ رسولؐ پاک پہ جو سیمبر چڑھے

ہو جس کی ماں کے مہر میں سب آب اور نمک

گہوارے میں جھلائیں جسے آن کر ملک

چھوڑ آئے کنکروں میں تنِ پاش پاش کو

دنبوں کو روزِ عید تو کرتے ہیں ذبح سب

حیواں کو پانی دیتے ہیں جو ہیں خدا طلب

وارث خلیل کا وہ شہِ مشرقین ہے

مطلع گلزارِ دیں پہ تیغِ خزاں بن کے جب چلی

وقتِ نمازِ ظہر ہوا دوپہر ڈھلی

بھائی کے غم سے خم شہِ دل گیر ہو گئے

طبلِ ظفر بجاتے تھے واں بانیٔ ستم

فضہ پکارتی تھی یہ ڈیوڑھی سے دمبدم

چادر کوئی اُڑھاؤ تنِ پاش پاش پر

ہوتی تھی فوجِ ظلم میں تدبیرِ قتلِ شاہؑ

کہتا تھا یہ جما کے صفیں شمرِ روسیاہ

حلقے میں لے لو آتے ہی یوں اس دلیر کو

رکھنا نہیں کوئی یہ غریبُ الدیار

تیروں کی تن پہ دور سے ہو بے شمار مار

آگے سے تیغ و خنجر و تیر و سناں چلے

واحسرتا وہ سینۂ اقدس پہ تیر کھائے

پانی کی بوند اسے نہ کوئی مرتے دم پلائے

ہر سینہ کربلا ہے ہر اک دل شہید ہے

ہو بعدِ مرگ اس کا کفن کربلا کی خاک

تیغوں سے اہلِ ظلم کریں اس کے تن کو چاک

خنجر سے کٹ کے نیزے پہ اس شہ کا سر چڑھے

ترسے وہ ایک پانی کے قطرے کو کیوں فلک؟

مر کر کفن نہ پائے وہ چالیس روز تک

مٹی نہ دی نبیؐ کے نواسے کی لاش کو

کاٹا گلا نبیؐ کے نواسے کا ہے غضب

فریاد ہے حسینؑ تھے دو دن سے تشنہ لب

ذبحِ عظیم اشارۂ قتلِ حسینؑ ہے

یعنی قلم ہوا چمنِ مرتضیٰ علیؑ

تنہا رہا وہ حضرتِ معبود کا ولی

بیٹا جواں جو قتل ہوا پیر ہو گئے

خیمے سے نکلے آتے تھے سر پیٹتے حرم

کس جا رکھی ہے لاشِ پسر بادشاہِ امم

رونے کو زینبؑ آتی ہے اکبرؑ کی لاش پر

چھائی ہوئی تھی چار طرف شام کی سپاہ

آتا ہے جنگ کو پسرِ ضیغمِ الٰہ

جنگل میں گھیر لیتے ہیں جس طرح شیر کو

شمشیر شعلہ بار پڑے سر پہ بار بار

نیزے اٹھا اٹھا کے کریں سب سوار وار

پیچھے سے فرقِ پاک پہ گرزِ گراں چلے

ہاں غازیو قریب ہے اب تیسرا پہر
بجتا ہے کوئی آن میں نقارۂ ظفر
راحت دلوں کو ہوئے گی قتلِ حسینؑ سے
یہ ذکر تھا کہ نورِ خدا کا ہوا ظہور
بوئے بہشت پھیل گئی رن میں دور دور
پر تو سے رشکِ طور ہر اک سینہ ہو گیا

غل تھا خوشا حسینؑ کی شوکت رہے جلال
اک آسمانِ حُسن کے اَبرو ہیں دو ہلال
کیا دخل رستے نظرِ بد کے بند ہیں
لوحِ کتابِ حُسن ہے پیشانیِ جناب
مصرعے ہیں دونوں مطلعِ ابرو کے انتخاب
شمس الضحیٰ اسی رخِ نیکو کا وصف ہے

وہ زلفِ مشک بیز وہ رخسارِ جانفروز
شمع اور دھوئیں میں بھی نہیں ہوتا یہ ساز و سوز
ظلمت میں نور، نور کو ظلمت میں راہ ہے
گیسوئے مشک بوئے امامِ فلک سریر
چہرہ قمر تو ابرو و مژگاں کماں و تیر
سجدے کی جا ہے زہرہ جبینوں کے واسطے

دونوں بھویں کمانوں کی صورت کشیدہ ہیں
رخسار نازکی میں گلِ نو رسیدہ ہیں
جلوہ خدا کے نور کا ہے اس نگاہ میں
واللیل والضحیٰ رخِ روشن خطِ سیاہ
ابرو و زلف و رخ شبِ قدر و ہلال و ماہ
قربان فاطمہؑ کا دلِ غم رسیدہ ہے

جانیں لڑا کے جلد کرو اس مہم کو سر
عابدؑ کے ہاتھ باندھ کے اب کھولیو کمر
سیدانیوں کو لوٹ کے سوئیں گے چین سے
ذرّے زمیں کے بن گئے رشکِ چراغِ طور
پہنچا فلک تلک قمرِ فاطمہؑ کا نور
تختہ زمیں کا غیرتِ آئینہ ہو گیا

روشن جبیں ہے آئینۂ مہر کی مثال
اور فاطمہؑ کی آنکھ کا تارا ہر اک خال
مجمر ہے آفتاب تو اختر سپند ہیں
جس سے خجل ضیائے جہاں تابِ آفتاب
قرآں کی طرح ہے خطِ رخسار لاجواب
واللیل اذا سجیٰ اسی گیسو کا وصف ہے

پیدا ہوئی ہے روز سے شب اور شب سے روز
دیکھا نہیں ہم سحر و شام کو ہنوز
ہے سنبلے میں مہر کہ ہالے میں ماہ ہے
شرمندہ جس سے عود خجل عنبر و عبیر
جن پر ہزار جان سے قربان جوان و پیر
گوشہ ہے خوب چلّہ نشینوں کے واسطے

بالائے سروِ راست ہلالِ خمیدہ ہیں
آنکھیں جنابِ فاطمہؑ کی نور دیدہ ہیں
پتلی نہیں ہے چشم میں یوسفؑ ہے چاہ میں
لعل و غزال و گل لب و رخسار و چشم شاہ
نیزہ سناں و زرہ مژہ و سرمہ و نگاہ
چشمِ کشودہ صاف کمانِ کشیدہ ہے

آنکھوں کے آگے دیدۂ آہو ہیں ناپسند
رخسار مہر و ماہ سے روشن ہزار چند
ابرو ہیں اس طرح رُخِ پُر آب و تاب پر
صدقے دہن کے اور لبِ جاں بخش کے نثار
یہ لعلِ لب ہیں ان گہروں کے خزینہ دار
ہیرے کے بھی نگیں خجل اُن کے حضور ہیں
نازک کہیں ہیں برگِ گلِ تر سے لعلِ لب
کوکب ہیں آسماں پہ بھلا یہ چمک ہے کب
پانی انھیں پہ فاطمہؑ بیتی تھیں وار کے
وہ دوش ہیں شفاعتِ امت کا جن پہ بار
اس ساعد اور اس کفِ سیمیں کے ہم نثار
ہیہات کچھ نہ دستِ خدا کا ادب کیا
وہ ہاتھ جن کے سامنے زر مال کچھ نہ سیم
شیعوں کے دستگیر بروزِ امید و بیم
ہر دم ہیں مثلِ ابرِ کرم پر تُلے ہوئے
سینہ ہے اِک خزینۂ انصاف و عدل و داد
نور اس میں یوں ہے قلب میں جیسے خدا کی یاد
عاجز دمِ دغا شہِ عالم نہ ہوتے تھے
کرتا ہوں وصفِ پائے شہِ نامدار ہر
کہتا ہے یہ جھکا کے قلم بار بار سر
رتبے دلاوری کے سر ہو گھٹے نہیں
اس فوج پر جو قبلۂ عالم نے کی نگاہ
کالی گھٹا سی چھائی ہے سب شام کی سپاہ
کہتے ہیں سب کہ غلغلہ دار و گیر ہو

پتلی ہے یہ کہ شیشے کے اندر پری ہے بند
بینی سے اور حُسن کا رتبہ ہوا بلند
ہو جس طرح سے مدِّ الف آفتاب پر
جن سے نتائجِ لبِ عیسیٰؑ ہیں آشکار
بے قدر ہیں صدف سے جہاں دُرِّ شاہوار
دنداں نہیں یہ گوہرِ دریائے نور ہیں
اور آب و تاب گوہرِ دنداں ہیں ہی غضب
ہیں دن کو آفتاب تو بجلی میانِ شب
بتیس۳۲ در ہیں دود کے بتیس۳۲ دھار کے
اور بازوؤں سے ہے شانِ ید اللہ آشکار
اٹھتے تھے عاصیوں کی دعا کو جو بار بار
پہونچوں کو ساربان نے کاٹا غضب کیا
کیا سیم و زر ہیں کوثر و تسنیم کے قسیم
انگلی ہر اک کلیدِ درِ جنت النعیم
ہیں ناخنوں پہ عقدۂ مشکل کھلے ہوئے
قرآں اسے سمجھتے ہیں جو ہیں خوش اعتقاد
تیروں کے سامنے وہ سپر تھا دمِ جہاد
ٹوٹی ہوئی کمر تھی مگر خم نہ ہوتے تھے
کر دے گا اس مہم کو بھی پروردگار سر
صدقے امامِ دیں کے قدم پر ہزار سر
سر کٹ گیا پہ کھیت سے پاؤں ہٹے نہیں
دیکھا کھلے ہوئے ہیں کئی سو علم سیاہ
تیغوں کی یہ چمک ہے کہ اللہ کی پناہ
نزدیک ہے کہ بارشِ بارانِ تیر ہو

دریا کی طرح لشکرِ کیں مارتا ہے جوش
ہل من مبارز کا ہر اک صف میں ہے خروش
نیزے ملا رہے ہیں جوانانِ زرع پوش
چلے کھنچے ہوئے ہیں کمانوں کے تا بگوش
غل ہے کہ شاہِ یثرب و بطحا کو گھیر لو
مظلوم کو۔ غریب کو۔ تنہا کو۔ گھیر لو

مہمیز کر کے اسپ کو آگے بڑھے امام
اعدا سے اس طرح بفصاحت کیے کلام
اے سرکشانِ کوفہ و رُوم و عراق و شام
کرتا ہوں تم پہ آخری حجت کو میں تمام
کوئی بھی کاٹتا ہے گلا بے گناہ کا
میں کون ہوں جنابِ رسالتؐ پناہ کا؟

کس کے پدر کا نام جنابِ امیرؑ ہے
کس کا پدر رسولِ خدا کا وزیر ہے
وہ کون ہے جو صاحبِ تاج و سریر ہے
کون و مکاں میں کون بشیر و نذیر ہے
بنیادِ کفر کس نے جہاں سے مٹائی ہے
کس نے نبیؐ کے دوش پہ معراج پائی ہے

پیدا ہوا جو کعبے کے اندر وہ کون ہے
چیرا ہے جس نے مُہد میں اژدر وہ کون ہے
اُتری جسے یہ تیغ دو پیکر وہ کون ہے
توڑا ہے جس نے قلعۂ خیبر وہ کون؟
سب کافروں کو کس نے مطیعِ خدا کیا
باطل کو کس کی تیغ نے حق سے جدا کیا

زور آورانِ خلق کو کس نے کیا ہے زیر
دونوں جہاں میں کون علیؑ سا ہے دلیر
کہتی ہے کس کو خلقِ دو عالم خدا کا شیر
بھوکے کو کس ولی نے کیا تین روز سیر
کس کی سخا کا غل ہے عراق و حجاز میں
سائل کو کس نے دی ہے انگوٹھی نماز میں

حق نے کیا عطا یہ عطائے ہل اتا کسے
حاصل ہوا ہے مرتبہ لا فتا کسے
کونین میں ملا شرفِ انما کسے
کہتی ہے خلق بادشہِ قل کفا کسے
دنیا میں کون منتظمِ کائنات ہے؟
کس کو کہا خدا نے کہ یہ میرا ہات ہے

غیر از علیؑ ملا شرفِ صادقیں کسے
ہاتھ آیا زورِ دستِ جہاں آفریں کسے
یٰسین میں کہا ہے امامِ مبیں کسے
حق نے کیا ہے راز کا اپنے امیں کسے
کس کو کہا ہے منذر و ہادی جہان میں
نصِ مباہلہ ہے کہو کس کی شان میں

محبوبِ حق نے سابق الایماں کسے کہا
فرمایا اپنا جسم کسے جاں کسے کہا
دانندۂ دقائقِ قرآں کسے کہا
نور و دلیل و حجتِ برہاں کسے کہا
کہتے ہیں سب ولیِ خدا کس جناب کو
رجعت ہوئی ہے کس کے لئے آفتاب کو

کس نے جہاں میں کفر و صنم حک فک کیا
کس کو خدائے پاک نے فخر ملک کیا
قائل ملک ہیں ضرب امام جلیل کے
مشہور ہے جہان میں بیرالعلم کا حال
ڈر سے جنوں کو جان بچانا ہوا محال
نے دیو ان کے سامنے ٹھہرے نہ جن لڑے
سب کافروں کو بدر سے دم میں بدر کیا
جنگ حنین و خیبر و خندق کو سر کیا
مارا جو ایک ضرب میں مرحب کو جان سے
جس نے بنائے دیں میں کد کی وہ کون ہے؟
قوت ہے جس میں دست احد کی وہ کون ہے؟
کیوں کر نجات چاہ سے یوسفؑ نے پائی ہے
آدمؑ سے پہلے عرش پہ کس کا ظہور تھا
ہر آن کس پہ رحمتِ حق کا وفور تھا
چلا رہے تھے بہر مدد کس کو دیر سے
کشافِ مشکلاتِ دو عالم ہے کس کی ذات
عیسیٰ کو کس نے بخشا ہے سرمایۂ حیات
گل کر دیا ہے نار کو کس نے خلیلؑ پر
خورشید ساتؑ بار ہوا کس سے ہم کلام
ناطق ہے کس کی شان میں اللہ کا کلام
حامی ہے کون سب کا حیات و ممات میں
ہیں کس کے نام صفدرؑ و کرارؑ و مرتضیٰؑ
شیر و شجاع و صابر و معصوم و مقتدا
بازل وہی مظفر و منصور ہے وہی

کس شیر نے دو نیم سر شرک و شک کیا
کس نے علیؑ کی طرح جہاد آج تک کیا
کاٹے ہیں کس کی تیغ نے پر جبرئیلؑ کے
آتش میں جا کے کود پڑے شیر ذوالجلال
سایہ کی طرح ہو گئی سب فوج پائمال
شیر خدا زمیں کے تلے تینؑ دن لڑے
پیشِ رسولؐ عمرو کو زیر و زبر کیا
عنتر کو سر سے تا بہ قدم خوں میں تر کیا
آئی تھی مرحبا کی صدا آسمان سے
جس کی کسی نے ضربِ بدر کی وہ کون ہے؟
جس نے پیمبروں کی مدد کی وہ کون ہے؟
طوفاں سے کس نے نوحؑ کی کشتی بچائی ہے
حق سے قریب کون تھا اور کون دور تھا
جس کی ضیا تھی طور پہ وہ کس کا نور تھا
کس شیر نے چھڑا دیا سلماں کو شیر سے
کون و مکاں میں کون ہوا فخر کائنات
یونسؑ کو کس نے بطن سے ماہی کے دی نجات
لکھا ہے کس نے نام پرِ جبرئیلؑ پر
کس سے زمیں کہتی تھی شب کو خبر تمام
انجیل اور زبور میں لکھے ہیں کس کے نام
کس کی ثنا ہے سورۂ والعادیات میں
ذی علم و ذی سعادت و ذی النصر ذی عطا
منصور و آرقیا و بلیلا و ایلیا
غائب وہی ہے طور وہی نور ہے وہی

سبط الخلیل حجت دیں مالک الرقاب
بابِ علوم زوجِ بتول فلک جناب
بوطالبؑ و ابو الحسنینؑ و ابو ترابؑ
زہد و وفی و طاہر و جواد و طیبؑ و طاب
قرآں میں کون نورِ سمٰوات وارض ہے
طاعت۔ وہ کس کی ہے جو زمانے پہ فرض ہے

شمشیرِ شرع فارسِ دیں شحنۂ نجف
مفتاحِ فتح عارفِ اسرارِ من عرف
دریائے معرفت دُرِ یکتائے نہ صدف
ذی جاہ و ذی کرامت و ذی فیض و ذی شرف
ہر ذی حیات ان سے طلب گار عون ہے
جس کے یہ مرتبے ہیں حسینؑ اس کا کون ہے

میں پارۂ جگر ہوں بشیرؐ و نذیر کا
میں نور ہوں جہاں میں سراجِ منیر کا
ہے مجھ میں علم و فضل جنابِ امیرؑ کا
واللہ پیشوا ہوں صغیر و کبیر کا
اس میں بھی مصلحت ہے جو مظلوم آج ہوں
شاہوں کا شاہ ہوں سرِ عالم کا تاج ہوں

واللہ بہترینِ عرب ہے مرا پدر
روزِ ازل سے عاشقِ رب ہے مرا پدر
عالی حسب، بلند نسب، ہے مرا پدر
ایجادِ آسماں کا سبب ہے مرا پدر
ہے حکم مثلِ کعبہ مرے احترام کا
فرزند ہوں میں مشعر و رکن و مقام کا

دلبندِ مکہ و عرفات و منا ہوں میں
بہر ادب کرو خلفِ مرتضیٰ ہوں میں
حق ہیں مرے کلام زبانِ خدا ہوں میں
مشکل کشا کا لال ہوں مشکل کشا ہوں میں
میزانِ مغفرت میں گناہوں کو تول دوں
عقدے جو لاکھ ہوں تو اشارے میں کھول دوں

وہ کس کی والدہ ہے جو ہے بضعۃ الرسول
مرضیہ و رضیہ و صدیقہ و بتول
مریمؑ کی عرض ہوتی تھی جس طرح سے قبول
فضہ کے واسطے ہے وہی مرتبہ حصول
عزت یہ فاطمہؑ کی کنیزی میں پائی ہے
اس کے لئے بھی نعمتِ فردوس آئی ہے

اعدا نے تب کہا کہ یہ سب ہم پہ ہے عیاں
بے شک ہو تم نبیرۂ پیغمبرِ زماں
حیدرؑ تمہارے باپ ہیں اور فاطمہ ہیں ماں
بیعت بغیر پر نہ ملے گی تمہیں اماں
مانیں گے فاطمہؑ کو نہ شیرِ الٰہ کو
کاٹیں گے بوسہ گاہِ رسالتؐ پناہ کو

کیا ہوگا گر ہے آپ کے قبضے میں ذوالفقار
آپ ایک یاں چھ لاکھ جواں اور کئی ہزار
دستِ علیؑ سے چلتی تھی یہ تیغ آبدار
فاقہ میں تین دن کے کہاں زورِ کارزار
حملہ نہ ہو سکے گا ہزار آپ کد کریں
عباسؑ اب نہیں ہیں جو آ کر مدد کریں

پہلے تو مسکرائے یہ سن کر امام دیں
اعدا پہ کی نظر صفتِ شیرِ خشم گیں
ساتوں فلک لرز گئے الٹی جو آستیں
دیکھا جو سوئے چرخ تو ہلنے لگیں زمیں
چمکی جو ذوالفقار نکل کر غلاف سے
پریاں بچا کے جان اُڑیں کوہِ قاف سے

نعرہ کیا کہ او پسرِ سعدِ نابکار!
لے دیکھ تین روز کے پیاسے کی کارزار
آیا علیؑ کا شیر خبردار ہوشیار
دیکھوں تو روکتے ہیں مجھے کس طرح سوار
مجھ سے کسے جہاں میں مجالِ ستیز ہے
برہان قاطع ایک مری تیغِ تیز ہے

آفاق میں نہیں مری شمشیر کی پناہ
جوہر کھلیں تو بند ہو امن و اماں کی راہ
قوّت وہ ہے کہ کوہ کو کاٹوں مثالِ ماہ
ہل جائے آسماں جو کروں غیظ سے نگاہ
دریا سموم قہر سے میرے سراب ہو
نعرہ کروں تو زہرۂ مریخ آب ہو

نقارۂ وغا پہ لگی چوب یک بیک
اٹھا غریوِ کوس کہ ہلنے لگے فلک
شہپور کی صدا سے ہراساں ہوئے ملک
قرنا پھنکی کہ گونج گیا دشت و در تلک
شورِ دہل سے حشر تھا افلاک کے تلے
مُردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

حد سے فزوں تھی کثرتِ افواجِ نابکار
نیزے پہ نیزہ تیغ پہ تھی تیغِ آبدار
ہر سمت تھی سناں پہ سناں شکلِ نوکِ خار
ہر صف میں تھی سپر پہ سپر مثلِ لالہ زار
پیکاں بہم تھے جیسے ہوں گل بے کھلے ہوئے
گوشوں سے تھے کمانوں کے گوشے ملے ہوئے

اُمڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دل پہ دل
تھے برچھیوں کے صورتِ مقراض پھل پہ پھل
خنجر وہ جن کی آب میں ہو تلخیٔ اجل
وہ گرز جن کے ڈر سے گریں دیو منہ کے بل
دو دو تبر تھے پاس ہر اک خودپسند کے
حلقوں پہ تھے بچھے ہوئے حلقے کمند کے

حملہ کیا خدیوِ فلک بارگاہ نے
روکا سپر کو رخ پہ ہر اک روسیاہ نے
راہ اماں کو بند کیا تیغِ شاہ نے
قبضے میں پائی امن کی جا کہ پناہ نے
تلوار تھی کہ فوج پہ قہرِ خدا چلا
گویا زباں نکالے ہوئے اژدہا چلا

گیتی کو زلزلہ ہوا اللہ رے جلال
نعرہ کیا کہ گونج گیا عرصۂ قتال
ہلنے لگے درخت لرزنے لگے جبال
سبزہ نہ تھا کھڑے تھے بدن پر زمیں کے بال
مریخ نے منہ اپنا چھپایا تھا خوف سے
سینے کو آسماں نے چرایا تھا خوف سے

ڈر سے ہوا فرات کی موجوں کو اضطراب
اور آب میں سروں کو چھپانے لگے حباب
پانی سے مچھلیوں کو ابھرنے کی تھی نہ تاب
دہشت سے سب نہنگ چھپے جا کے زیر آب
اک شور تھا بچائے خدا اس کے کاٹ سے
طوفاں اٹھا ہے تیغ حسینی کے گھاٹ سے

کعبہ ادھر تھا جلوہ نما اور ادھر کنشت
دوزخ کی آگ ادھر تھی ادھر گلشن بہشت
گیتی ادھر کرم کی ادھر تھی ستم کی کشت
یاں کار نیک ہوتے تھے واں فعل ہائے زشت
شیطاں تھا اس طرف تو ادھر کردگار تھا
میدان میں مقابلہ نور و نار تھا

بجلی گرا کے فوج پہ تیغ دو سر گری
کٹ کر کسی کی تیغ کسی کی سپر گری
چمکی کبھی فلک پہ کبھی فرق پر گری
سر کاٹ کے ادھر سے جو اٹھی ادھر گری
زرہیں تنوں پہ مثل کفن چاک ہو گئیں
اک آن میں صفیں کی صفیں خاک ہو گئیں

پڑتی تھی جس کے فرق پہ وہ تیغ سر شگاف
ہوتا تھا سر سے مثل قلم تا جگر شگاف
تا سینہ کوئی اور کوئی تا کمر شگاف
چار آئینہ کسی کا کسی کی سپر شگاف
سر تھا اگر تو ہاتھ کا تن پر اثر نہ تھا
ثابت کسی کے ہاتھ اگر تھے تو سر نہ تھا

قبضے میں تھی حسینؑ کے دست خدا کی تیغ
غل تھا کبھی رکی ہے کسی سے قضا کی تیغ
بیڑوں کے بند کاٹتی تھی مرتضا کی تیغ
عقدوں کو کھول دیتی تھی مشکل کشا کی تیغ
ثابت کسی سوار کے تن پر زرہ نہ تھی
کھولا نہ ہو جسے کوئی ایسی گرہ نہ تھی

دم بھر اماں نہ دیتی تھی وہ برق جاں گسل
اور ناریوں پہ آگ برستی تھی متصل
روباہ بن گئے تھے جوانان شیر دل
مقتل کی خاک خون سے سب ہو گئی تھی گل
کشتوں کی حد تو زخمیوں کی انتہا نہ تھی
اعدا کے تن سے دم کے نکلنے کی جا نہ تھی

سرکش تھے باد کبر سے جو خانماں خراب
خود ان کے گر کے ٹوٹ گئے صورت حباب
کڑیوں سے یوں زرہ کے گزر جاتی تھی شتاب
جس طرح دام سے نکل آتی ہے موج آب
ضربت میں شہ کی ضرب علیؑ کا قرینہ تھا
سر تھا نہ چار آئنہ تھا اور نہ سینہ تھا

پھولے تھے ہاتھ پاؤں سبھوں کے دم ستیز
نے تاب کارزار تھی نے طاقت گریز
صرصر کی طرح چلتی تھی ہر سو وہ تیغ تیز
سر گر رہے تھے جسم سے تھی فصل برگ ریز
ان باغیوں پہ تیغ کے جوہر عیاں ہوئے
جب پھل لگا تو پھول سپر کے خزاں ہوئے

ہاتھوں میں زور قلب میں صبر و سکون تھا
رخ زرد تھے تنوں میں لعینوں کے خون تھا
وہ کون سا نشان تھا جو سرنگوں نہ تھا
جز موت گم رہوں کا کوئی رہنما نہ تھا
تھے سخت کش مکش میں ستم گار اس طرف
تیغ اس طرف کو کھینچتی تھی نار اس طرف

تھی شکل لا جو تیغ شہ آدم و ملک
کرتی تھی نفی کفر صدا وہ تہ فلک
عالم سے کفر کاف کو اس نے کیا تھا فک
دو انگلیاں بنی تھیں تو چشم شرک و شک
ڈر سے اسی کے کفر کی بنیاد پست تھی
اسلام کو ظفر تو کجوں کو شکست تھی

تھی دست شاہ دیں دو چند آبروئے تیغ
تھا ہاتھ بھر سروں سے خود آئی نہ بچ کے تیغ
آتش ہے معرکے میں مشابہ تھی خوئے تیغ
دوزخ کو کھنچ گیا کوئی آیا جو سوئے تیغ
سر کٹ کے دور جسم سے اک دم میں جا رہا
تن مثل ہیمہ قعر جہنم میں جا رہا

کرتا تھا شر لاکھ لڑائی کا بند و بست
لکھی ہوئی تھی پر خط تقدیر میں شکست
نیزے تو تھے بلند مگر ہمتیں تھیں پست
آگے نہ پاؤں ڈر سے اٹھاتے تھے تیز دست
سر تیغ سے مثال قلم کٹتے جاتے تھے
پیچھے ہی ظالموں کے قدم ہٹتے جاتے تھے

اک برق سی چمکتی تھی بالائے سطح خاک
گاہے سوئے سمک تو کبھی جانب سماک
جوشن تو پارہ پارہ تھے اور جسم چاک چاک
دم لیتی تھی نہ تیغ نہ رکتا تھا دست پاک
اپنے پروں کی فکر تھی روح الامین کو
رعشہ تھا چرخ پیر کو سکتہ زمین کو

جب صف پہ وار کرتے تھے سلطان بحر و بر
اڑتی تھی کٹ کے صورت کاغذ ہر اک سپر
چھپتی تھیں بھاگ کے جاتی تھیں گرتے تھے خاک پر
قبضوں سے تیغیں جسم سے روحیں تنوں سے سر
پے تھے قدم گریز کے گو جی بھی بند تھے
شعلہ وہ تیغ تھی سر اعدا اسپند تھے

چھپتے تھے یوں وہ دیکھ کے اس تیغ کی چمک
بھاگے شعاع مہر سے جس طرح شپرک
اوج سما سے زلزلہ برپا تھا تا سمک
چمکی وہ جب تو کانپ گئے چرخ پر ملک
ہر شے تھی خوف جاں سے خشوع و خضوع میں
سجدے میں تھی زمیں تو فلک تھا رکوع میں

جانوں کو چھوڑتی تھی نہ وہ تیغ برق دم
تھی اس کی ناب جادۂ سر منزل عدم
ہر جوہر اس کا دیدۂ بینا سے تھا نہ کم
اعدا کو ڈھونڈھتی تھی وہ قد اس لیے تھا خم
تھی موج بحر قہر خدا دار و گیر میں
سیل فنا کا آب تھا اس کے خمیر میں

بجلی سی کوند کر جدھر آئی جلا گئی
دم میں چراغِ راہِ ضلالت بجھا گئی
لشکر میں فرد فرد کو جوہر دکھا گئی
خوں سے بھرا نہ پیٹ تو لوہے کو کھا گئی
جوشن کو کاٹ جاتی تھی یوں آ کے اوج سے
ہیرا اک جس طرح نکل آتا ہے موج سے
چلاتی تھیں کمانیں کہ کس جا ہوں گوشہ گیر
ہم تو خطا شعاروں کے قبضے میں ہیں اسیر
چلنے میں نیزے کانپتے تھے مثلِ پائے پیر
سہمے ہوئے نکلتے نہ تھے ترکشوں سے تیر
دم بند خنجروں کے بھی تھے اس مصاف میں
تیغیں چھپی تھیں خوف کے مارے غلاف میں

دریا لہو کا بہتا تھا مقتل کی خاک پر
کاسے سروں کے مثلِ حباب آتے تھے نظر
تھے مثلِ موج دستِ بریدہ ادھر اُدھر
نافیں بھنور تھیں اور کفِ دریا تھے مغزِ سر
نہریں لہو کی دشت میں پیشِ نگاہ تھیں
کشتوں کی کشتیاں شطِ خوں میں تباہ تھیں
بڑھ بڑھ کے یوں بھر آتے تھے وہ عاشقِ صمد
ہوتا ہے جس طرح سے سمندر میں جزر و مد
جاتے تھے نیزہ داروں پہ جب دستِ اسد
آتی تھی فاطمہؑ کی صدا یا علیؑ مدد
ہو جاتی تھی دوچند برش ذوالفقار میں
ہوتے تھے سب کے ہاتھ قلم ایک وار میں

جس فرق پر چمک کے وہ برقِ اجل گئی
بوسہ زمینِ پاک کو دے کر نکل گئی
جس صف کو آنچ لگ گئی اس کی وہ جل گئی
کاٹا کسی کو گر تو کسی کو نگل گئی
ضربت پہ عقل دیکھنے والوں کی دنگ تھی
افعی کسی جگہ تو کسی جا نہنگ تھی
اک شور تھا کہ تیغ ہے یا یہ خدا کا قہر
بہتی ہے جس کی آگ سے کوسوں لہو کی نہر
ناگن ہے یہ کہ کاٹے کی جس کے نہیں ہے لہر
اُتری گلے سے چڑھ سارے بدن میں زہر
زخموں سے جسم ڈر سے کلیجے فگار ہیں
جوہر نہیں ہیں تیغ میں دندانِ مار ہیں

سر پر پڑی فرس کے تو سوئے کفل چلی
وہ منہ کے بھل زمیں پہ چلا یہ نکل چلی
بجلی سی جب لعیں پہ چلی بر محل چلی
پہنچی ادھر سے تیغ ادھر سے اجل چلی
دو آفتوں نے دشمنِ دیں کو دبا لیا
سر تیغ نے لیا تو اجل نے گلا لیا
جب حملہ ور امامِ مسیحا نفس ہوئے
نیچے ہوئے سوار تو اوپر فرس ہوئے
کشتوں کے ڈھیر اس و چپ و پیش و پس ہوئے
پانچ آ گئے جو تیغ کے نیچے وہ دس ہوئے
کشتوں کی شکل خوں سے جو روپوش ہو گئی
گنتی اجل کو ان کی فراموش ہو گئی

سر پر چڑھی تو چنبر گردن کو دو کیا
جوشن کے ساتھ زین کے دامن کو دو کیا
غل تھا حسینؑ بادشہِ شرق و غرب ہے
لڑتا تھا وہ نہنگِ محیطِ دلاوری
ہوتے تھے قتل کوفی و شامی و خیبری
غل طائروں میں تھا کہ عجب راہوار ہے
صرصر سے تیز تر تھا وہ اسپِ خجستہ فر
پانی پہ تھا جو موج تو آتش میں تھا شرر
ٹاپوں سے سرکشوں کی صفیں پائمال تھیں
طے کی جو راہِ بحر تو بر سے نکل گیا
آیا ادھر سے گر تو ادھر سے نکل گیا
سرعت میں تھا ہرن تو وغا میں ہزبر تھا
مثلِ نگاہ فوج کی صف سے نکل گیا
وہ گر پڑا یہ جس کی طرف سے نکل گیا
فرفر رواں ادھر سے دمِ جست و خیز تھا
نکلا اُدھر سے بہرِ وغا ایک مرد سیاہ
کاندھے پہ گرز بر میں زرہ خشمگیں نگاہ
آمد شقی کی تھی کہ رواں رودِ نیل تھا
تھا جسمِ نابکار سے عرصۂ رہ پہ تنگ
خونخوار فتنہ ساز دل آزار خانہ جنگ
تیوری پہ چڑھائی دیکھ کے حضرت کو دُور سے
چمکا کے ذوالفقار اٹھائی جو شہ نے باگ
تھی شمعِ دودمانِ علیؑ سے جو اس کو لاگ
سمجھا نہ یہ کہ ابنِ علیؑ ہے جلال پر

گردن سے بڑھ کے سینہ و جوشن کو دو کیا
دامن کی کیا بساط ہے توسن کو دو کیا
سکّہ ہے اس کے نام کا جس کی یہ ضرب ہے
کرتی تھی تیغ قلزمِ خوں میں شناوری
اُڑتا تھا رخش یوں کہ اُڑے جس طرح پری
تختِ ہوا پہ آج سلیماں سوار ہے
یکساں تھا اسکو صورتِ خورشید دشت و در
گیتی نورد و برق تگ و آسماں سفر
زین آفتاب تھا رکابیں ہلال تھیں
مانندِ تیر لشکرِ شر سے نکل گیا
پُتلی کے گرد پھر کے نظر سے نکل گیا
پستی میں سیلِ تند تھا تو بلندی میں ابر تھا
غلطاں گہر تھا اک کہ صدف سے نکل گیا
اِک تیر تھا کہ صاف ہدف سے نکل گیا
اُلٹا پھرا اُدھر سے تو رفرف سے تیز تھا
زور آور و تہمتن و مغرور و کینہ خواہ
سر پر مثالِ قبضۂ تیغ آہنی کلاہ
ہیبت میں تھا جو دیو تو ہیکل میں پیل تھا
جوشن میں یوں تھا دام میں جس طرح ہو نہنگ
آنکھیں تو فرطِ غیظ سے سرخ اور سیاہ رنگ
آیا قریبِ سبطِ نبیؐ کس غرور سے
لشکر میں اس طرف سے ہوا غل کہ بھاگ بھاگ
سُن کر یہ شور لگ گئی اُس شقی کے تن میں آگ
حملہ کیا شقی نے محمدؐ کے لال پر

رد کر کے اس کے وار بڑھے شاہِ بحر و بر
دو کر دیا عمود کو مثلِ خیارِ تر
گرتے ہوئے لیا کمرِ نابکار کو
زیں سے اُٹھا کے رُک لیا صورتِ سپر
سر سے ہوا بلند تو پھینکا زمین پر
پہچاننا بھی شکل کا اشکال ہوگیا
لوہے کا خود کاسۂ سر میں نہاں ہوا
بر سے اکھڑ کے قلب و جگر میں نہاں ہوا
ساتوں طبق زمیں کے تہہ چرخ ہل گئے
پڑھنے لگے درود فلک پر ملک بہم
آئی صدا علیؑ کی نثار اس وغا کے ہم
یہ جنگ تجھ پہ ختم ہے اندوہ و یاس میں
اے افتخار فاتحِ بدر و حنین واہ
رحمتِ خدا کی واہ مرے نورِ عین واہ
جو زور آج تک تھا خفی وہ جلی ہوا
تنہا لڑا ہوں میں بھی ہزاروں سے میرے لال
میری مدد کو ہوتے تھے محبوبِ ذوالجلال
اِن حادثوں میں جنگ عجب کا مقام ہے
رُو کر کہا حسینؑ نے اے شاہ بحر و بر
عباسؑ مر کے توڑ گئے ہیں مری کمر
کیا جنگ سوجھے غم ہو جب آنکھوں کے نور کا
اکبرؑ بغیر دل نہیں جینے کو چاہتا
اب کیجئے زبانِ مبارک سے یہ دعا
مر جائے حق کی راہ میں فارغ حسینؑ ہو

نیزے کے بند کاٹ دیئے مثلِ نیشکر
جھجکا چمک سے تیغِ دو سر کی وہ خیرہ سر
غل پڑ گیا وہ شیر نے پکڑا اشکار کو
ہتھیار گھل کے گر پڑے اسکے ادھر اُدھر
طفلی سے زیرِ پنجے میں کھینچا تھا اجل کا گھر
ایک ایک عضو قرعۂ رمّال ہوگیا
سر پر لگی یہ ضرب کہ بر میں نہاں ہوا
سینہ شکست ہو کے کمر میں نہاں ہوا
ابرو شقی کے پاؤں کے ناخن سے مل گئے
نصرت نے ہاتھ چوم لئے فتح نے قدم
تو شیرِ حق کا فخر ہے اے صاحبِ کرم
میں بھی کبھی لڑا نہیں اس بھوک پیاس میں
کرتے ہیں مردیوں ہی ادا فرضِ دین واہ
کس حُسن سے جہاد کیا اے حسینؑ واہ
تو فخرِ خاندانِ نبیؐ و علیؑ ہوا
پر تشنہ و گرسنہ کبھی کی نہیں جدال
تنہا ہے تو قلم ہوئے سب تیرے نونہال
اے فاطمہؑ کے لال یہ تیرا ہی کام ہے
میں کیا کروں گا جنگ کہ سو داغ اک جگر
دل ہے ضعیف جب سے موا ہے مرا پسر
ہاں کچھ لڑا تو سب ہے یہ صدقہ حضور کا
نانا کے کلمہ گو ہیں یہ ان سے لڑوں میں کیا
کٹ جائے تیغِ ظلم سے جلدی مرا گلا
میرے حرم لٹیں مگر اُمت کو چین ہو

زینبؑ پکاری ڈیوڑھی سے اس دم بچشم تر
آئی سمٹ کے فوج تمہیں کچھ نہیں خبر
پھر ذوالفقارِ حیدرِ صفدر سے کام لو
دیکھو وہ تیر چلّوں سے اعدا ملاتے ہیں
چھپ چھپ کے حیلہ ساز کمندیں بچھاتے ہیں
رحم ان پہ آپ کا نہ جنھوں نے ادب کیا

پھر کھینچو ذوالفقار کو یا شاہِ دیں پناہ
شفقت کریگا آن کے انڈوں پہ کون آہ
روتی مچل کے گر تو سنبھالی نہ جائے گی
یہ عُسرا اور یتیمی کے رنج و غم و محن
گھبرا یہ جائے رحم ہے اے سرورِ زمن
حضرت بغیر کون سی صورت حیات کی

حضرت پکارے سب کا خدا ہے نہ کھاؤ غم
فرماتے ہیں علیؑ ولی شفقت و کرم
بھائی پسر کی جنگ شہِ خاص و عام کو
زینبؑ پکاری آئے علیؑ شکر کردگار
پردے کو پھر اٹھا کے پکاری وہ سوگوار
یاں چھوڑیو نہ فاطمہ کے نورِ عین کو

دشمن تو لاکھ اور کے بھائی کا ایکدم
بچوں کو ساتھ لیکے وہیں جا پڑیں گے ہم
دن کو تو کربلا کے شہیدوں کو روئیں گے
شہ بولے حکم حق میں نہیں طاقتِ کلام
حیدر بھی ہیں سکوت میں اور انبیا تمام
خنجر قریب زانوئے قاتل قریب ہے

یہ کس سے باتیں کرتے ہو یا شاہ بحر و بر
دم گھٹ گیا نکلتی ہوں خیمے سے ننگے سر
کس نے کہا کہ ہاتھ لڑائی سے تھام لو
نیزوں کو تولتے ہوئے ظالم پھر آتے ہیں
ہے ہے ستم شعار پرے پھر جماتے ہیں
تیغِ علیؑ کو روک لیا کیا غضب کیا

ہم کو بچاؤ قید سے ہم ہوئینگے تباہ
صدقے گئی سکینہؑ کے سِن پر کرو نگاہ
بے آپ کے کسی سے یہ پالی نہ جائے گی
بچی سے اُٹھ سکے گا بھلا صدمۂ رسن
اکبرؑ سا بھائی سر پہ نہ نختِ دلِ حسنؑ
رانڈ آج ہو گئی ہے دلہن ایک رات کی

اب اشتیاقِ ذبح زیادہ ہے دم بدم
تھے شیرِ کبریا سے بہن ہم کلام ہم
بابا نے سرفراز کیا ہے غلام کو
اب تو تمہیں نہ برچھیاں مارینگے نابکار
بابا تمہاری بندہ نوازی کے ہیں نثار
لے جاؤ اپنے ساتھ نجف میں حسینؑ کو

واں تو کوئی کریگا نہ سادات پر ستم
جھاڑے گی قبر بالوں سے زینبؑ اسیرِ غم
راتوں کو گردِ آپ کی تربت کے سوئینگے
ہے ہر بشر کی عقدہ کشائی ہمارا کام
زینبؑ یہی زمیں ہے مرے قتل کا مقام
آج امتحانِ صبرِ حسینؑ غریب ہے

چاہوں تو ایک دم میں فنا ہوں یہ نابکار
لیکن کیا ہی ہیں نے غریبی کو اختیار
مظلوم ہو کے مرتا ہے زہراؑ کا یادگار
تا ہو نجاتِ امتِ محبوبِ کردگار
جو لطف رحم میں ہے نہیں وہ عتاب میں
ہے عاجزی پسند خدا کی جناب میں

کبرا اسیر ہو کہ سکینہؑ طمانچے کھائے
دوزخ سے دوستوں کو ہمارے خدا بچائے
شیعہ رہا ہوں نا ہے عابدؑ گلا بندھ جائے
خیمہ مرا جلے پہ نہ امت پہ آنچ آئے
دوزخ ہو دور کوثر و جنت قریب ہو
ہیں ذبح ہوں تو ہوں انہیں راحت نصیب ہو

یہ کہتے تھے کہ ٹوٹ پڑی شہ پہ فوج شام
گردن جھکا کے برچھیاں کھانے لگے امام
حربے کئی ہزار اور اک شاہِ تشنہ کام
خوں میں قبا رسولؐ کی تر ہو گئی تمام
تیغیں علیؑ کے لال کے شانوں پہ چل گئیں
چھاتی کے پار نیزوں کی نوکیں نکل گئیں

مینہ کی طرح برسنے لگے شاہِ دیں پہ تیر
تھرا رہے تھے لگ کے تنِ نازنیں پہ تیر
دامن پہ تیر جیب پہ تیر آستیں پہ تیر
پہلو پہ تیغ سینے پہ نیزہ جبیں پہ تیر
داغوں سے خوں کے رختِ بدن لالہ زار تھا
شکلِ ضریح سینۂ اقدس فگار تھا

تر تھی لہو میں زلفِ شکن در شکن جدا
مجروح لعلِ لب تھے جدا اور دہن جدا
در پے تھے نیزہ باز جدا تیغ زن جدا
کٹ کٹ کے ہو گیا تھا ہر اک عضوِ تن جدا
سی پارہ تھا نہ صدر فقط اس جناب کا
پرزے ورق ورق تھا خدا کی کتاب کا

کرتا تھا وار برچھیوں والوں کا سب پرا
تیغوں سے دم کے لینے کی فرصت نہ تھی ذرا
نیزوں میں نخل نبیؐ کے نواسے کا بھرا تھا
شمشیر و تیر و نیزہ و خنجر کے ماورا
تھیں پھبتیاں ستم کی شہِ خوش خصال پر
چھپتے تھے سنگ فاطمہؑ زہرا کے لال پر

پھیری نہ تھی جو پشتِ مبارک دمِ مصاف
تھے دو ہزار زخم فقط سر سے تا بناف
سیدؑ سے بے وطن سے زمانہ تھا برخلاف
غل تھا کہ آج ہوتا ہے گھر فاطمہؑ کا صاف
سنبھلا نہ جائے گا خلفِ بوترابؑ سے
لو وہ قدم حسینؑ کے نکلے رکاب سے

رہوار سے ابھی نہ گرا تھا وہ تشنہ لب
نیزہ کسی کا چل گیا پہلو پہ ہے غضب
دل زخمی ہو گیا تو ہوا روح پر تعب
غش کھا کے صدرِ زیں سے گرے سرورِ عرب
پہنچی فلک پہ آہ شہِ مشرقین کی
آئی صدا زمین سے ہے ہے حسینؑ کی

بڑھ کر سناں کا ابنِ انس نے کیا جو وار
دوڑے سنبھالنے کے لیئے شاہِ ذوالفقار

بے چین تجھ پہ گر کے نہ یہ درد مند ہو
اس کے لیئے جہاں کو سنوارا ہے ای زمیں
یہ عرشِ کبریا کا ستارا ہے ای زمیں
دولت نبیؐ و فاطمہؑ و مرتضاؑ کی ہے

ناگہ بلند دامن زیں تک ہوئی زمیں
تھاما علیؑ نے بازوئے فرزندِ مہ جبیں
زخموں میں درد ہو نہ کہیں میرے لال کے
تڑپا اُتر کے خاک پہ فرزندِ بوترابؑ
اس وقت شمر سے یہ عمرو نے کیا خطاب
بے کس پہ کھینچ کھینچ کے خنجر عدو جھکے

بارہ تو خنجر ایک گلا وا مصیبت
غم سے کسی دِل نہ جلا وا مصیبتا

آیا نہ رحم سینۂ شاہِ شہیدؑ پر
رکھنے لگا جو حلق پہ خنجر وہ بد خصال
بے تاب ہو ں بتا دے مجھے بہر ذوالجلال
بولا وہ مثلِ بید زمیں تھرتھراتی ہے
لڑکی بھی ایک ساتھ ہے پہنے ہوئے گہر
اس دم تڑپ کے کہنے لگے شاہِ بحر و بر
خنجر کو ایک دم کے لیئے آہ روک لے

گر یہ نہ ہو تو حلق پہ خنجر کو جلد پھیر
زینبؑ وہ ہے کہ باپ جس کا خدا کا شیر
غصے سے آستیں کو چڑھانے لگا لعیں

دامانِ زیں پکڑ کے جھکے شاہِ نامدار
اُس وقت یہ زمیں کو ہوا حکم کردگار

اے ارضِ کربلائے معلےٰ بلند ہو
میرے حبیبِ خاص کا پیارا ہے ای زمیں
ہم اس کے ہیں حسینؑ ہمارا ہے ای زمیں
دامن میں لے اسے یہ امانت خدا کی ہے

رہوار سے جھکے طرفِ فاک شاہ دیں
زہرا پکاری غش میں ہے احمدؐ کا جانشیں
لوگو اتارو گھوڑے سے بازو سنبھال کے
تیغیں چمکتی دیکھ کے کہتے تھے آب آب
کیا دیر ہے حسینؑ کا سر کاٹ لے شتاب
ہاتھوں کو ٹیک کر شہِ دیں سنبلہ رد جھکے

سیّد پہ یہ بلا پہ بلا وا مصیبتا
اِن سب کے بعد شمر چلا وا مصیبتا 41

زانو رکھا شقی نے کلامِ مجید پر
اس وقت غش سے چونک کے بولا علیؑ کا لال
بی بی تو کوئی کھلی نہیں کھولے سر کے بال
کوئی تو پیٹتی ہوئی خیمے سے آتی ہے
کہتی ہے زلفیں نوچ کے ہے ہے مرے پدر
اے شمر اس کے سامنے مجھ کو نہ ذبح کر
یا خوں بھری عبا مری لِلّٰہ روک لے

لپٹے گی وہ حسینؑ سے آ کر ہوئی جو دیر
اس دم لیا قساوتِ قلبی نے اس کو گھیر
خنجر گلوئے شہ پہ پھرانے لگا لعیں

کرتا ہے راوی یوں ہیں حمید اس طرح بیاں
ہنگام ذبح تیرہ و تاریک تھا جہاں
آتی تھی شش جہت سے صدا کیہ الاماں
غل تھا کہ اب زمین پہ گرتا ہے آسماں
کرتا ہے شمر ذبح دو عالم کے شاہ کو
حضرتؐ پکارتے ہیں رسالتؐ پناہ کو

اک بی بی دوڑی آتی تھی رن میں بہ اضطراب
مونہ سے تو پاؤں میں رخ پُر نور پر نقاب
گرد اس کے تھا ردا کے سوا نور کا حجاب
پیدا یہ تھا کہ ابر میں پنہاں ہے آفتاب
تھی آگے آگے چادرِ عصمت رکی ہوئی
بکھرے تھے سر کے بال کمر تھی جھکی ہوئی

خالی نظر پڑا جو اسے ذوالجناحِ شاہ
چلائی سر کو پیٹ کے میں ہو گئی تباہ
ہے ہے گرا زمیں پہ شہِ عرش بارگاہ
اے کربلا کدھر ہے محمدؐ کا رشکِ ماہ
دیکھی جو اس نے تیغ گلے پر امامؑ کے
ریتی پہ گر پڑی وہ کلیجہ کو تھام کے

چلائی اُٹھ کے خاک سے نانا مدد کو آؤ
بھائی مرا ہے تیغ تلے یا علیؑ بچاؤ
اماں خدا کے واسطے تشریف جلد لاؤ
یا مجتبےٰ حسینؑ کو آغوش میں اُٹھاؤ
ہے ہے کوئی نہیں جو سنبھالے حسینؑ کو
اے ذوالجناح تو ہی بچالے حسینؑ کو

اے ذوالجناح سبطِ نبیؐ ہیں ترے نثار
بچپن سے میرے بھائی نے تجھ کو کیا ہے پیار
قاتل ترے سوار کی چھاتی پہ ہے سوار
تیرے سوا نہیں کوئی اس وقت غمگسار
میں بنتِ فاطمہؑ ہوں جو بھائی کو پاؤں گی
تیرے سُموں کو آنکھوں سے اپنے لگاؤں گی

فریاد کر کے رہ گئی وہ سوختہ جگر
یاں تن سے کٹ گیا پسرِ فاطمہؑ کا سر
چلاتی تھی بتولؑ کہ ہے ہے مرا پسر
کہتے تھے مصطفےٰؐ کہ لٹا مرتضیٰؑ کا گھر
سب دیکھتے کہ لاشِ غریب الوطن اُٹھے
شبیرؑ کیا جہاں سے اُٹھے پنجتنؑ اُٹھے

ہر دم رہے انیس زباں پر خدا خدا
بحرِ جہاں میں کون کسی کا ہے آشنا
دل داریِ و محبت و دلجوئی و وفا
معدوم ہے بصورتِ عنقا و کیمیا
گستاخ ہو کے عرض کیا ہے معاف ہو
ہم نے تو ایک دل کو نہ دیکھا کہ صاف ہو

مرثیہ ۴۳

لہو سے لال جو رن میں علیؑ کا لال ہوا
بہا جو زخموں سے خوں جسم ٹھنڈا ہوا
حسینؑ امام تو گھوڑے پہ ڈگمگانے لگے
اکیلے شاہ تھے اور تھا ہجوم لشکر شام
چھدا ہوا تھا تن پاک برچھیوں سے تمام
نجات اُمّتِ عاصی کی چاہتے تھے حسینؑ
بدن پہ پڑتے تھے جب تیر شکر کرتے تھے
وہ تیر ظلم کے سینے سے جب گذرتے تھے
دکھاتے زورِ امامت تو پھر قیامت تھی
یہ کس میں حوصلہ جو تن تو ہوئے زخموں سے چور
جو چاہتا تو فنا ہوتے دم میں وہ مقہور
بلا نہ کون سا دکھ کون سی جفا نہ ہوئی
رفیق آنکھوں کے آگے ہوئے شہیدِ ستم
فرات پر ہوئے بھائی کے دونوں ہاتھ قلم
ہزار رنج ہیں گو جان دردمند رہی
عدو تو نیزہ و تیر و تبر لگاتے تھے
زبانِ خشک کبھی ہونٹوں پر پھراتے تھے
حرم کا دھیان تھا نہ غم تھا اپنے پیاروں کا
بہم جو پہونچا نہ تھا تین دن سے قطرۂ آب
مہینہ جیٹھ کا تھا دھوپ میں تھی تب و تاب
زوالِ شمس تھا لو گرمیوں کی چلتی تھی

عجب وفورِ جراحت سے تن کا حال ہوا
سنبھلنا خانۂ زیں پر اسے محال ہوا
قریب آکے عدو برچھیاں لگانے لگے
کوئی لگاتا تھا نیزہ ستم کا کوئی حسام
رضا رضا کے سوا کچھ نہ تھا زباں پہ کلام
جو کچھ زباں سے کہا تھا نبھاتے تھے حسینؑ
یہ رحم تھا کہ نہ قبضے پہ ہاتھ دھرتے تھے
تو دیکھتے فلک ہمراہ بھرتے تھے
عجب رسولؐ کی امت سے شہ کو الفت تھی
دکھاتے اس پہ قدرت وہ حسب رضا معبود
مگر حسینؑ کو خالق کی تھی خوشی منظور
مگر زباں کبھی شکوہ سے آشنا نہ ہوئی
بھتیجا قاسمؑ نوشاہ سا ہوا بے دم
پسر مُوا علی اکبرؑ سا سہہ کے رنج و الم
رضائے خالقِ اکبر مگر پسند رہی
امام زخموں کو کھا کھا کے مسکراتے تھے
کبھی دعا کے لئے زخمی ہاتھ اٹھاتے تھے
فقط خیال تھا ہم سے گناہگاروں کا
فرس پہ غش ہوئے جاتے تھے شاہِ عرش جناب
کہ دشتِ کیں کی زمیں تھی زمینِ ورحسنا
شرر فشاں تھا فلک اور زمین جلتی تھی

کھڑا تھا دھوپ میں تنہا وہ شاہ نیک سیر
کٹے تھے پیچ عمامے کے تیغوں سے یکسر
رکاب پائے مبارک سے نکلی جاتی تھی
بدن کے زخم تمازت سے خور کی جلتے تھے
ہر اک زخم سے خوں لپکے منہ پہ ملتے تھے
کبھی دہن سے ٹپکتا تھا گہ جبیں سے لہو

نہ رحم کرتے تھے کچھ شامیانِ بد کردار
ہر ایک سمت سے پڑتی تھی تیر کی بوچھار
نہ مارو مجھ کو دو عالم کا بادشاہ ہوں میں
ڈرو خدا سے ذرا اے گروہ ظلم پسند
کیا قبول کہ حیدر کا بھی نہیں دلبند
اسیر رنج و محن ہوں بلا نصیب تو ہوں

امام مجھ کو نہ اک بندۂ خدا سمجھو
علی کا لال نہ زہرا کا دلربا سمجھو
کلیجہ سوزِ عطش سے کباب ہے یارو
کوئی نہ سنتا تھا یہ اس امام کی تقریر
کھڑی تھی ڈیوڑھی پہ کھولے شاہ کی ہمشیر
یتیمو سمجھو کے پیاسے کو قتل کرتے ہو

میں اب نکلتی ہوں خیمے سے سر کھولے بال
غریب و بے کس و بے آس ہے رسول کا لال
عیال لے کے کسی اور سمت جاوے گا
یہ کہہ کے زینب بے کس پچھاڑیں کھاتی تھی
سکینہ ہائے پدر کہہ کے بلبلاتی تھی
سوئے خیام بحسرت نگاہ کرتے تھے

نہ کوئی یار تھا اس وقت نے کوئی یاور
ہزار و نہ صد و پنجاہ زخم تھے تن پر
زبان پیاس کی شدت سے لڑکھڑاتی تھی
لہو کے قطرے بسانِ شرر نکلتے تھے
جو گرنے لگتے تھے گھوڑے پہ پھر سنبھلتے تھے
امامؑ پونچھتے جاتے تھے آستیں سے لہو

پیاپے اُسپہ لگاتے تھے تیغِ ظلم کے وار
تو اُن سے کہتا تھا فرزند احمدِ مختار
خدا گواہ ہے سیّد ہوں بے گناہ ہوں میں
نہیں سمجھتے نہ سمجھو رسول کا فرزند
بتولؑ کے بھی کلیجے کا میں نہیں پیوند
ہیں کلمہ گو تو ہوں مہماں تو ہوں عزیز تو ہوں

غریب و بے کس و بے یار و آشنا سمجھو
عیال دار مصیبت کا مبتلا سمجھو
پلانا پیاسے کو پانی ثواب ہے یارو
ستم کی برچھیاں سینہ پہ مارتے تھے شریر
فغاں یہ کرتی تھی وہ دخترِ امیرِ کبیر
رسولِ حق کے نواسے کو قتل کرتے ہو

نہ لو امام کے خوں کا تم اپنے سر پہ وبال
بس اب نہ وار کرو زخمی ہو چکا ہے کمال
تمہارے ملک کی سرحد میں اب نہ آوے گا
درِ خیام سے کلثومؑ نکلی آتی تھی
صدا یہ گوشِ شہِ تشنہ لب میں جاتی تھی
جگر کو تھام کے ہاتھوں سے آہ کرتے تھے

بہن جو سنتی تھی بھائی کی نالہ و زاری
پکارتی تھی کہ بھیّا بہن ترے واری
پکار کر کہو مجھ سے جو حال ہے بھائی
یہ ظلم دیکھنے کی میرے دل کو تاب کہاں
تمہاری بےکسی مظلومی کے بہن قرباں
کھڑی ہوئی درِ خیمہ پہ ہاتھ ملتی ہوں
جو تم میں آنے کی طاقت نہ ہو تو آؤں میں
بدن پہ نیزہ و خنجر کے زخم کھاؤں میں
پھر اپنی آنکھوں سے اکبار دیکھ لوں بھائی
سنی غریب بہن کی یہ جب گھڑی تقریر
پکارے خیمے کو منھ پھیر کر کے اے ہمشیر
لگام گھوڑے کی اس دم پھرا نہیں سکتے
کھڑی ہے گھیرے ہوئے مجھ کو فوج ناہنجار
خدا کے شیر کی بیٹی ہو تم بلند وقار
حسینؑ امام کی خواہر کو سر کھلے دیکھا
یہ ہیچ ہے ضبط کا اس دم تمہیں نہیں یارا
اگرچہ تن ہے مرا تیغ کیں سے صدپارا
نہ جانیو کہ مجھے زخموں کی اذیت ہے
یہ جائے گریہ نہیں بلکہ ہے خوشی کی جا
ملے گا خلعتِ پرخوں مجھے شہادت کا
فدائے خالقِ بندہ نواز ہو شبّیر
بھلاؤ دل سے مجھے اب خدا کو یاد کرو
رضائے خالقِ اکبر پر اعتماد کرو
جو وہ ہوا راضی تو مرنا بھی زندگانی ہے
اٹھا کے خیمے کے پردے کو تب وہ دکھیا رہی
لگے ہیں تیروں کے کیا زخم جسم پر کاری
تمہارا جسم تو سب خوں سے لال ہے بھائی
خدا کے واسطے خیمے میں آؤ بھائی جاں
خبر تو رانڈوں کی لو یا امامِ تشنہ دہاں
تم آؤ ورنہ میں اب ننگے سر نکلتی ہوں
تمہارے بدلے سپر ہوں تمہیں بچاؤں میں
ردائے حضرتِ زہرا تمہیں اڑھاؤں میں
تمہارا آخری دیدار دیکھ لوں بھائی
تو اپنی بےکسی پر روئے سیدِ دل گیر
مرے بچانے کی اس وقت مت کرو تدبیر
یہ زخمی ہیں کہ وہاں تک ہم آ نہیں سکتے
قدم نہ ڈیوڑھی سے باہر نکالیو زنہار
جو نکلو گی تو کہے گا ہر ایک بدکردار
بتولِ پاک کی   دختر کو سر کھلے دیکھا
یہ کیا کریں کہ سوا ضبط کے نہیں چارا
مگر بہن ترے بھائی نے دم نہیں مارا
خدا کی راہ میں جو رنج ہے سو راحت ہے
کہ آج ہوتا ہوں بھینٹ شہیدِ راہِ خدا
بلند ہوگا دو عالم میں مرتبہ میرا
چڑھے سناں پہ جو سر سرفراز ہو شبّیر
نہ دیگا کوئی طلب مت کسی سے داد کرو
اسی کی چاہو خوشی دل کو اپنے شاد کرو
محلِ رنج مصیبت یہ دارِ فانی ہے

تمہاری ہاں پہ ہوئے کیسے رنج و محن
سوائے شکر شکایت کا پر کیا نہ سخن
نہ پیٹو سینہ و سر نے رُلا کرو بھینا
گلے پہ جب کہ رواں ہوئے میرے تیغ ستم
ہزار تیر بدن پر اگر لگیں پیہم
گلے پہ جلد رواں میرے تیغ براں ہو
بیان بہن سے یہ کرتا تھا وہ امامِ انام
کرو بس اب پسرِ فاطمہؑ کا کام تمام
سناں سے تیغ سے خنجر سے دل فگار کرو
یہ سن کے ٹوٹ پڑی آن فوجِ کیں اکبار
قبا رسولؐ کی سب خوں سے ہو گئی گلنار
نہ اضطراب تھا کچھ اور نہ بے قراری تھی
سنبھلنے کا جو نہ تھا ذوالجناح کو یارا
کہ نیزہ پہلو پہ اک بد نہاد نے مارا
نکال سے اس کی جو سینے میں درد ہونے لگا
نہ اس ستم پہ بھی باز آئے آہ وہ بے پیر
ابو الحنوق لعیں نے کماں میں جوڑ کے تیر
وہ ماتھا چاند سا یوں تیر کا نشانہ ہوا
وہ زخم تیر کا جب یک بیک لگا کاری
پھر ابن وہب نے اک برچھی چھاتی پر ماری
وہ برچھی سینۂ شبیرؑ کے جو پار ہوئی
سناں وہ سینے سے سبطِ نبیؐ نے جب کھینچی
غش آیا پھر نہ سنبھلنے کی شہ کو تاب رہی
جدا جو گھوڑے سے وہ نامدار ہونے لگا

ہمیشہ صدمے پہ صدمے دیا کیے دشمن
کرو وہ تم بھی کہ جو تھا تمہاری کا چلن
اب اپنے بھائی کے حق میں دعا کرو بھینا
تو سوئے قبلہ ہو سجدہ میں تم بھی گردن خم
دعا کرو یہ کہ اس راہ سے ڈگے نہ قدم
اب ایک ذبح کے دم کی بھی مشکل آساں ہو
پکارا فوج کو تب ابن سعد بد انجام
گرا دو گھوڑے سے جلدی گروہِ شام
بدن سے کاٹ کے سر نیزے پر سوار کرو
ہر اک طرف سے ہوئی برچھیوں کی مارامار
یہ کیا بیان کروں صبر شہ بلند وقار
دعائے بخششِ اُمت زباں پہ جاری تھی
تو لڑکھڑاتا تھا ہر مرتبہ وہ بیچارا
تڑپ گیا وہ جنابِ رسولؐ کا پیارا
تو شہ کا چہرۂ پر نور زرد ہونے لگا
کسی نے فرقِ مبارک پہ ماری اک شمشیر
لگایا آہ سوئے دلبرِ جنابِ امیرؑ
کہ پشتِ سر سے وہ تیر ستم روانہ ہوا
جبیں سے صورتِ فوارہ خوں ہوا جاری
کہ اُس کی زہر میں آلودہ تھی سناں ساری
تو روحِ فاطمہؑ مرقد میں بے قرار ہوئی
کلیجہ ٹکڑے ہوا خوں کی بہی ندی
قدم رکابوں سے اور ہاتھ سے لگام چھٹی
تو ذوالجناح بھی گردن جھکا کے رونے لگا

ابھی زمیں پہ گرے تھے نہ ذوالجناح سے شاہ
خبر حسینؑ کی تو جلد آ کے یا ابتاہ
دوہائی ہے مرا پیارا زمیں پہ گرتا ہے
کوئی نہیں مرے بچے کا تھامنے والا
کوئی لگاتا ہے تیرِ ستم کوئی بھالا
شہید لال مرا بے گناہ ہوتا ہے

پکاری فاطمہؑ پھر ذوالجناح کو اکبار
گرے کہیں نہ تری پشت سے مرا دلدار
خدا نہ کردہ جو یہ نیم جاں زمیں پہ گرا
یہ تیری پیٹھ کا بچپن سے چڑھنے والا ہے
یہ برگزیدۂ محبوبِ حق تعالےٰ ہے
زمیں پہ گر کے جو غلطاں بگرد ہو ویگا

تو جانتا ہے یہ چڑھتا ہے دوشِ احمدؐ پر
برائے سجدہ جو جب جھکاتے تھے سر
خدا کے دوست سے ایسا پیار کرتا تھا
سنی جو گھوڑے نے یہ بنتِ مصطفےٰؐ کی صدا
اُتر کے ریتی پہ گھوڑے سے دلبرِ زہراؑ
وہ گیسو خاک سے اس تن کی کٹ گئے بسیار

زمیں پہ خوں میں غلطاں تھے حضرتِ شبیرؑ
کماں کو زِہ کئے نکلا حصین ابن نمیر
دوسار ہو کے وہ تیرِ ستم لٹکنے لگا
یہ حال دیکھ کے بھائی کا زینبؑ مضطر
قریب شاہ کے آ پہونچی جب وہ خستہ جگر
حجاب روحِ پیمبرؐ سے کچھ بھی آتا ہے

کہ آئی فاطمہؑ زہراؑ کی یہ صدا ناگاہ
خدا کے شیر کو بھی لیتے آئیو ہمراہ
خدا کے عرش کا تارا زمیں پہ گرتا ہے
ہر ایک زخم سے بہتا ہے خوں کا پرنالا
بڑے دکھوں سے اُسے فاطمہؑ نے تھا پالا
مدد کرو کہ مرا گھر تباہ ہوتا ہے

سوارِ دوشِ رسولِؐ خدا ہے تجھ پہ سوار
دو زانو خاک پہ آہستہ بیٹھ جا دلدار
یقیں سمجھ لے کہ بس آسماں زمیں پہ گرا
اسے رسولؐ نے آقا نے تیری پالا ہے
مگر فلک نے مصیبت میں اس کو ڈالا ہے
مرے حسینؑ کے زخموں میں درد ہو ویگا

بنا تھا عید کے دن اس کا اونٹ پیغمبرؐ
سوار ہوتا تھا پشتِ نبیؐ پہ یہ دلبر
نہ سر اٹھاتا تھا جب تک نہ یہ اُترتا تھا
تو گھٹنے ٹیک کے تازی زمیں پہ بیٹھ گیا
لہو میں ماہی بے آب سا تڑپنے لگا
بدن کے زخم تڑپنے سے پھٹ گئے سارے

کہ گردشہ ہوا انبوہ فرقہ بے پیر
گلوئے خشک پہ حضرت کے اس نے مارا تیر
گلے میں آ کے رُکا دم لہو ٹپکنے لگا
اٹھا کے خیمے پردے کو دوڑی ننگے سر
پکاری اے عمر سعد کچھ خدا سے تو ڈر
تو دیکھتا ہے مرا بھائی مارا جاتا ہے

یہ کون ہے جسے کرتا ہے قتل اے بے پیر
یہ کس کے جسم میں پہ لگتے ہیں نیزہ و شمشیر
یہ کس کا حلق ہے مارا ہے جس پہ ظلم کا تیر
بھری ہے خون میں یہ کس کی چاند سی تصویر
ارے غریب ہے یہ کس ہی بھوکا پیاسا ہے
ذرا سمجھ تو یہ کس شخص کا نواسا ہے

سخن یہ زینبؑ دلگیر کے جو شمر نے سنے
زمیں پہ غش میں تڑپتے تڑپتے اٹھ بیٹھے
اور اپنے حلق سے کھینچا وہ تیر جلدی سے
گلے کے زخم پہ زینبؑ کی تا نظر نہ پڑے
لہو کی دھار سی لیکن نظر جو آنے لگی
دھائی دے دے کے زینبؑ پچھاڑیں کھانے لگی

نہ آیا اس پہ کبھی رحم ابن سعد کو اصلا
شقی نے اپنا رخ نحس ادھر سے پھیر لیا
سنانؑ و خولی و حجاج و شمر سے یہ کہا
بدن سے کاٹ لو اب سر حسینؑ بیکس کا
کسی کے پیٹنے رونے کا مت خیال کرو
سُمّوں سے گھوڑوں کے لاشہ بھی پائمال کرو

یہ سن کے آئے پئے قتلِ شہ وہ ناہنجار
امامِ دیں پہ پھر آ کر کیا ہر ایک نے وار
تنِ شریف میں جنبش رہی نہ جب زنہار
چڑھا حسینؑ کی چھاتی پہ شمر بدکردار
اب آگے حال کہوں کیا گلو و خنجر کا
انیسؔ تازہ ہے غم تا بہ حشر سرور کا

رباعی

ہر دم ہے خیالِ عذر خواہی دل میں
مطلق نہیں کچھ خوفِ الٰہی دل میں
نافے کی طرح خطا میں گذری سب عمر
بالوں پہ سپیدی ہے سیاہی دل میں

رباعی

ایوانِ فلک جناب دیکھا ہم نے
فردوسِ بریں کا باب دیکھا ہم نے
جا پہنچے نجف میں خاک ہو کر صد شکر
دربارِ ابوتراب دیکھا ہم نے

رباعی

درد و الم ممات کیونکر گذرے
یہ چند دمِ حیات کیونکر گذرے
مرنے کا تو دن گذر شکر انیسؔ
اب دیکھیں لحد کی رات کیونکر گذرے

مرثیہ نمبر ۱۸

مومنو خانۂ زہراؑ پہ تباہی ہے آج
تنِ تنہا خلفِ شیرِ الٰہی ہے آج
قتل کی بے کس و مظلوم کی تدبیریں ہیں
نیزے تانے ہوئے اڈے چلے آتے ہیں سوار
تیغیں کھینچے ہوئے جو گرد کھڑے ہیں خونخوار
برقِ شمشیر ہر اک جا پہ چمک جاتی ہے

نہ ہے غمخوار نہ ہمدرد نہ یاور کوئی
نہیں اتنا ہے خبر پوچھے جو آکر کوئی
تھے جو غمخوار وہ ریتی پہ پڑے سوتے ہیں
جسم پر تیغ لگاتا ہے کوئی اور کوئی تیر
رو کے فرماتے ہیں اعدا سے کہ اے قومِ شریر
یوں رستاؤ نہ کہ ہیں جنگ پر آمادہ ہوں

کوئی سنتا نہیں فریادِ امامِ عالی
ماہِ زہرا پہ فلک نے یہ مصیبت ڈالی
زخم تلواروں کے خاموش کھڑے کھاتے ہیں
لاشۂ اکبرؑ و عباسؑ جو آتا ہے نظر
رو کے فرماتے ہیں بیٹے سے کہ اے جانِ پدر
میرے پیارے مرے جائے مرے دلبر اٹھو

لاشِ عباسؑ سے کرتے ہیں بصد یاس بیاں
وقتِ امداد و اعانت ہے برادر قرباں
لاکھ ملعونوں نے میداں میں ہمیں گھیرا ہے
گھر پہ سادات کے پانی کی مناہی ہے آج
خلق سے سبطِ نبیؐ خلد کو راہی ہے آج
اِک نبیؐ زادہ ہے اور سینکڑوں شمشیریں ہیں

ہیں کماندار پرا باندھے ہوئے تیس ہزار
غل ہے مہلت نہ ملے سبطِ نبیؐ کو زنہار
جس طرف دیکھتے ہیں موت نظر آتی ہے
نہ بھتیجا ہے نہ بیٹا نہ برادر کوئی
ایک اللہ تو ہے اور نہیں سر پر کوئی
اپنی تنہائی پہ خود شاہِ ہُدا روتے ہیں

خون میں سر تا بقدم تر ہیں جنابِ شبیرؑ
کیا گنہ ہے مجھے کیوں مارتے ہو بے تقصیر
رحم لازم ہے کہ سید ہوں نبیؐ زادہ ہوں
برچھیاں چلتی ہیں اور ہوتے ہیں ترکش خالی
رن میں تنہا ہیں نہ وارث ہے کوئی نے والی
غش میں جھکتے ہیں کبھی گاہ سنبھل جاتے ہیں

تھام لیتے ہیں کلیجہ کبھی اور گاہ جگر
ایسے غافل ہو کہ لیتے نہیں بابا کی خبر
ہم پہ تنہائی ہے اٹھو علیؑ اکبر اٹھو
اے مرے یار و فادار مرے شیر جواں
چھوڑ کر ہم کو لعینوں میں سدھارے ہو کہاں
تم نے بھائی سے عجب وقت میں منھ پھیرا ہے

کہتے تھے اہلِ ستم حال سناتے ہو کیسے
کون ہے بیکس و مظلوم دکھاتے ہو کیسے
حلق پر خنجرِ خونخوار پھرا دیتے ہیں
رو کے فرماتے ہیں یہ فوجِ ستمگار سے شاہ
غم میں اپنوں کے ہیں کیونکر نہ کروں نالۂ و آہ
بھولتا ہے کوئی اس طرح کے غمخواروں کو

دشت میں چلتی ہیں لوئیں دھوپ کی شدت ہے کمال
سرخ ہے خوں سے قبا دھوپ سے رخسار ہیں لال
تن جلا جاتا ہے جب گرم ہوا آتی ہے
تیر بیٹھا ہے جو اس چاند سی پیشانی پر
ہے عجب بیکسی اس فاطمہؑ کے جانی پر
تیغیں کھا کھا کے لبِ خشک جو دکھلاتے ہیں

جوں کماں کٹ کے لٹک آئے ہیں ابروئے خمدار
بوسے جن ہونٹوں کے لیتے تھے رسولِ مختارؐ
چاند شہر مستدہ تھا جن پھول سے رخساروں سے
وا دریغا وہ صراحی سا گلوئے انور
نہ گوارا تھا نبیؐ کو خدا ہیکل جس پر
علم کا گھر ہے جو اور نور کا آئینہ ہے

زخمی ہیں ابنِ یداللہ کے دونوں بازو
تیغ شانے پہ کبھی لگتی ہے ساعد پہ کبھو
پر یہ ہے امتِ محبوبِؐ خدا کی خاطر
سخت آفت میں ہے وہ پشت پناہِ عالم
علی اکبرؑ کی جوانی کا ہے جانکاہ الم
وار سے تیغوں کے اعضائے بدن کٹتے ہیں

مر گئے اکبر و عباس بلاتے ہو کیسے
چونکتے ہیں کہیں مردے بھی جگاتے ہو کیسے
اب تمہیں بھی اسی مقتل میں گرا دیتے ہیں
ذبح ہونے کی مجھے عید ہے خالق ہے گواہ
ان کو رووں گا میں جب تک کہ جیوں گا واللہ
یاد کرتے ہیں وفادار وفاداروں کو

جیٹھ بیساکھ کے ایام ہیں اور وقتِ زوال
نکلی آتی ہے زباں منہ سے یہ ہے پیاس کا حال
ریت اڑ اڑ کے ہر اک زخم میں بھر جاتی ہے
خوں کی چادر سی ہے اک چہرۂ نورانی پر
کبھی اعدا پہ نظر ہے تو کبھی پانی پر
تیر ادھر سے عوضِ جرعۂ آب آتے ہیں

ہیں لہو رونے سے وہ نرگسی آنکھیں گلنار
پیاس سے سوکھ گئے ہیں وہ لبِ گوہر بار
چاک ہیں مثلِ کتاں ظلم کی تلواروں سے
دو برس تک رہا جو فاطمہؑ کے سینے پر
کاٹنے کو اسے کھینچے ہیں ستمگر خنجر
ہائے تلواروں سے صد چاک وہی سینہ ہے

ہائے ہیہات کہ بیکدست ہیں شاہِ خوشخو
انگلیاں ایسی ہیں زخمی کہ ٹپکتا ہے لہو
زخمی ہاتھوں کو اٹھاتے ہیں دعا کی خاطر
کمرِ پاک ہے بارِ غمِ عباس سے خم
زانو پر مارتے ہیں دستِ تاسف ہر دم
کھیت پر سے کہیں شیروں کے قدم ہٹتے ہیں

ساتھ اسوار کے زخمی ہے سراپا رہوار
یال سے خون کی بوندیں ہیں ٹپکتی ہر بار
تیر جب لگتا ہے کچھ کہہ تو نہیں سکتا ہے

شاہ فرماتے ہیں اے میرے رفیق و ہمدم
ہم سے تو چھٹتا ہے اب تجھ سے جدا ہوتے ہیں ہم
خلق سے سوئے عدم کوچ کی تیاری ہے

دیکھ لے تیری طرح میں بھی ہوں زخمی واللہ
ہے اگر تشنہ دہانی سے ترا حال تباہ
تو زباں خشک جو منہ پھیر کے دکھلاتا ہے

عرض کرتا ہے یہ گھوڑا کہ میں حضرت پہ فدا
تشنہ لب اکبر و اصغر ہوئے پانی نہ ملا
پھیر کر منہ کو جو تکتا ہوں الم ہے مجھ کو

آپ بچپن میں کبھی مجھ پہ جو ہوتے تھے سوار
تھی تقید قدم آہستہ اٹھائے رہوار
تیر پڑتے ہیں لگا جاتا ہے بھلا کوئی

روکے کہنے لگے رہوار سے شاہ دو جہاں
سر پہ نانا ہیں نہ بابا ہیں نہ اب ہیں اماں
یاس و اندوہ سے ہے فرق توانائی میں

آئی پہلو سے یہ محبوب الٰہی کی صدا
میرے بیکس مرے مظلوم غریب و تنہا
تجھ سے بے جرم و خطا اہل ستم لڑتے ہیں

تیری ماں خلد سے آئی ہے کھولے ہوئے سر
بوسے لیتے ہیں ترے زخم بدن کے شبر
انبیاء آتے ہیں پرسا مجھے دینے کے لئے

کتنی سو تیر ہیں گردن سے بھی پہلو سے بھی پا
نہ کھڑے ہونے کی طاقت ہے نہ تاب رفتار
پھیر کر منہ شہ والا کی طرف تکتا ہے

ہے مجھے اپنے عزیزوں کے برابر ترا غم
مر کے بھی تجھ کو نہ بھولوں گا میں خالق کی قسم
آخری اب ترے آقا کی یہ اسواری ہے

فاقہ مجھ پر بھی ہے اور تو بھی ہے بے دانہ و کاہ
تین دن گذرے ہیں پانی سے نہیں ہوں آگاہ
پسر ساقی کوثر کو حجاب آتا ہے

پیاس کا میری نہ غم کھائیے ہرگز مولا
کیا میں معصوم سکینہ سے بھی پیاسا ہوں ہوا
خاک پر گر نہ پڑیں آپ یہ غم ہے مجھ کو

بازو تب آپ کے پکڑتے تھے رسول مختار
پشت سے تیری کہیں گر نہ پڑے یہ دلدار
آپ کا آج نہیں چاہنے والا کوئی

اب تو بے کس ہوں میں وہ چاہنے والے ہیں کہاں
دوست سب گلشن ہستی سے گئے سوئے جناں
کوچ دنیا سے ہے کس عالم تنہائی میں

ہے محمد تو بڑی دیر سے حاضر بیٹا
ہیں تری پیاس کے صدقے تری ہمت پہ فدا
تیر سارے یہ کلیجے پہ مرے پڑتے ہیں

کہتے ہیں شبر خدا ہائے پسر ہائے پسر
گرد پھر کر ترے روتے ہیں عقیل و جعفر
چلے آتے ہیں ملائک تجھے لینے کے لئے

سنتے تھے شاہ یہ نانا کی فغان و زاری
پشت پر آ کے کسی شامی نے برچھی ماری
شور تھا سبطِ شہِ عرش نشیں گرتا ہے
دل میں اس وقت لگا سوچنے زخمی ہوا
خاک پر گر جو پڑا لگا یہ شہِ عرش وقار
بیٹھنے کا نہ ذرا رنج اٹھایا تو نے

خاک پر بیٹھ گیا وہ فرسِ تیز قدم
گرد آ کر لگے تلواریں لگانے اظلم
رو کے چلاتی تھی زینبؑ کہ یہ کیا کرتے ہو
ارے لوگو شہِ مظلوم کی کیا ہے تقصیر
ہائے یہ جسمِ حسینؑ اور یہ زخمِ شمشیر
نہ ستم سے جگرِ احمدؐ و حیدرؑ کاٹو
بھیڑ کو چھوڑ دو بھائی تلک آنے دو مجھے
آنکھیں قدموں سے برادر کے لگانے دو مجھے

پھر کہاں پائے گی سرور سے بہن مل لیوے
فاطمہؑ کی ہوں میں بیٹی مرا کہنا مانو
کس کا پیارا یہ نواسا ہے اسے پہچانو
بال کھولے ہوئے یاں فاطمہؑ چلاتی ہے
ساتھ زینب کے سکینہ کا عجب عالم تھا
نوچ کر زلفوں کو کہتی تھی یہ چلا چلا
جیتے گھر میں جو نہ آئے تو مری جان گئی
کیسی حسرت سے مجھے تکتے ہیں بابا ہے ہے
کوئی سنتا نہیں فریاد کروں کیا ہے ہے
اب کہاں زور عبث اہلِ ستم لڑتے ہیں

کہ لگا چھاتی پہ اک تیر سہ پہلو کاری
جھک گیا ہرنے پہ سر شہ کا ہوا غش طاری
خاک پر دوشِ محمدؐ کا مکیں گرتا ہے
راکبِ دوشِ نبیؐ پشت پہ میری ہے سوار
رو کے فرمائیں گے محشر میں رسولِ مختار
خاک پر میرے نواسے کو گرایا تو نے
تڑپے گھوڑے سے جدا ہو کے شہنشاہِ امم
ننگے سر پیٹتے خیمے سے نکل آئے حرم
تن سے کیوں سر مرے بھائی کا جدا کرتے ہو
نزع میں مارتے ہو فاطمہؑ کے لال کے تیر
اب کرو رحم کہ ہے بیکس و بے پر شبیر
بدلے بھائی کے میں حاضر ہوں مرا سر کاٹو
خاک سے سبطِ پیمبرؐ کو اٹھانے دو مجھے
خیمے تک بیکس و مظلوم کو لانے دو مجھے

دمِ آخر تو برادر سے بہن مل لیوے
ظلم کے تیروں سے بھائی کی نہ چھاتی چھانو
زخمی ہوتے ہیں نبیؐ اس پہ نہ نیزے تانو
لو سنو نالۂ حیدرؑ کی صدا آتی ہے
سر پہ ٹوپی بھی نہ تھی اور گریباں تھا پھٹا
گر پڑے گھوڑے سے ہے ہے مرے بیکس بابا
بیٹی اس بیکس و مظلوم کی قربان گئی
برچھیاں کھاتے ہیں تن پر شہِ والا ہے ہے
یاں تک آنے نہیں دیتے ہیں اعدا ہے ہے
ضعف ایسا ہے کہ اٹھتے ہیں تو گر پڑتے ہیں

غش میں حضرت نے سنی جب صدای جانگاہ
پیٹتی سر چلی آتی ہے سکینہ ناگاہ
گھر سے کیوں نکلی ہو بس صیاں مرا بٹتا ہے
سر پہ قاتل لیے شمشیر کھڑا ہے زینب
دم نہ مارو دم تسلیم و رضا ہے زینب
میرا ماں جایا تری راہ میں قرباں ہووے
میری جانب سے مری پیاری سکینہ سے کہو
راتیں ہو چکیں اب تھوڑے دنوں رنج سہو
یاد کر کے مجھے راتوں کو نہ رونا بیٹا
رو بقبلہ ہوئے یہ کہہ کے شہ جن و بشر
دیکھ کر سجدے میں حضرت کو پکارا یہ عمر
خاک زینب جو اڑائے تو اڑانے دینا
اس محمدؐ کی نشانی کو مٹا دے جلدی
تن سے سر کاٹ کے نیزے پہ چڑھا دے جلدی
ذبح ہوگا جو پسر فاطمہؑ چلاوے گی
سن کے یہ متصل شاہ گیا وہ بے دیں
آئی آواز یہ کیا کرتا ہے او شمر لعیں!
علم حق جس میں ہے وہ سینۂ انور ہے یہ
کیا قساوت تھی کہ مطلق نہ کیا خوف اللہ
ذبح کس بیکسی سے ہوتے تھے شاہ ذیجاہ
عمر جو یاد الٰہی میں کٹی جاتی تھی
تیغ چلتی رہی جب تک رہی آب سما
جب جدا ہو گیا تن سے سر شاہ شہدا
شور تھا عالم امکاں میں کہ آفت آئی

دھیان آیا کہ نکل آئی بہن خیمے سے آہ
کھول کر آنکھیں پکارے یہ امام ذیجاہ
جاؤ خیمے میں کہ بھائی کا گلا کٹتا ہے
سب کو بھولا ہوں میں اب یاد خدا ہے زینب
یہ دعا مانگو کہ ہنگام وغا ہے زینب
مشکل ذبح بھی شبیرؑ پہ آساں ہووے
باپ قربان ہوا ہے لاڈلی بیتاب نہ ہو
باپ دنیا سے سفر کرتا ہے ماں پاس رہو
سو چکیں چھاتی پہ اب خاک پہ سونا بیٹا
ٹیک کر گھٹنوں کو بس خاک پہ نہوڑا دیا سر
جلد اے شمر اسپر اشہ کے گلے پر خنجر
سر نہ شبیر کو سجدے سے اٹھانے دینا
شمع ایوان امامت کو بجھا دے جلدی
خاک میں فاطمہؑ کے گھر کو ملا دے جلدی
ڈر نہ جانا جو محمدؐ کی صدا آوے گی
چاہا چھاتی پہ چڑھے کھینچے ہوئے خنجر کیں
پسر مصحف ناطق کا تجھے پاس نہیں
پاؤں تو رکھیو نہ قرآں کے برابر ہے یہ
رکھ دیا خنجر کیں حلق پہ مظلوم کے آہ
حلق پر تیغ تھی او خیمے کی جانب تھی نگاہ
صاف تکبیر کی رگ رگ سے صدا آتی تھی
بخش دے امت عاصی کو تو اے بار خدا
خون برسنے لگا تھرانے لگے ارض و سما
لال بے جاں ہوا زہرا کا قیامت آئی

خیمۂ سبطِ پیمبرؐ میں بپا تھا کہرام — بی بیاں پیٹتی تھیں لے لے کے شبیرؑ کا نام
بس انیسؔ آگئے زباں کو نہیں یارائے کلام — عرض کر سبطِ پیمبرؐ سے کہ اے عرش مقام!

رنج و غم آپ کے مداح پہ اب طاری ہے
اے مددگارِ جہاں وقتِ مددگاری ہے

سلام

عجب وقت ہے اور عجب انجمن ہے — سلامی یہ محفل علیؑ کا چمن ہے
سلامی یہ آلِ نبیؐ پر محن ہے — کہ بارہ تو بازو ہیں اور اک رسن ہے
نہیں انگلیاں پانچ نقرے ہیں گویا — مرے ہاتھ میں خمسۂ پنج تن ہے
کھلا یہ دو رنگی سے برگِ حنا کی — یہ رنگِ حسینؑ اور وہ رنگِ حسنؑ ہے
گریباں مرا چھوڑ اے حرصِ دنیا — مرے ہاتھ میں دامنِ پنج تن ہے
کہا ماں نے جاتے ہو اصغر کہاں تم — اشارا کیا قصدِ نہرِ لبن ہے
مکاں دیکھے معراج میں دو نبیؐ نے — کہ ہر ایک جنت میں پرتو فگن ہے
محل اک زمرد کا ہے رشکِ طوبےٰ — تو وہ دوسرا رشکِ لعلِ یمن ہے
کہا سرخ اور سبز کیوں ہیں یہ دونوں — دل اس وقت کچھ خود بخود نعرہ زن ہے
کہا حاملِ وحی نے سر جھکا کر — یوں ہی مرضیِ حضرتِ ذوالمنن ہے
کروں مختصر عرض ہے طول اس میں — یہ قصرِ حسینؑ اور وہ قصرِ حسنؑ ہے
گلے میں رسن جب بندھی بولے عابد — کہ ہم میں بھی مشکل کشا کا چلن ہے
اسیروں کو دکھلا کے خولی پکارا — یہ کنبہ علیؑ کا اسیرِ محن ہے
نظر آیا مقتل تو عابد پکارے — یہ نعشِ امامِ غریب الوطن ہے
نہیں جسم پر ایک چادر کا سایا — نئی گردش اے آسمانِ کہن ہے
ندا آئی لاشے سے بیٹا نہ روؤ — رہِ حق میں راحت یہ رنج و محن ہے
یہ نیزوں کی چوبیں ہیں تابوت اپنا — یہ دامانِ صحرا ہمارا کفن ہے
نہیں رنج کچھ اپنی عریاں تنی کا — یہ غم ہے کہ زینب اسیرِ محن ہے
انیسؔ اس قدر شورِ بختی کا شکوہ — یہ دولت ہے تھوڑی کہ شیریں سخن ہو

۱۹ مرثیہ ۹۸ بند

جب تیغِ ید اللہ کھنچی دشتِ وغا میں
چمکے جو شرر چار طرف اُڑ گئے ہوا میں
سایا جو پڑا تیغِ دوپیکر کا زمیں پر
خورشید کو رعشہ ہوا کانپا فلکِ پیر
آنکھوں کے تلے پھرنے لگی موت کی تصویر
غل تھا کہ الٹتا ہے زمانہ کوئی دم میں

جبریل کو چلانے لگے عرش کے حامل
کہتے تھے سرافیل کہ قابو میں نہیں دل
کونین سے ضربِ شہِ عالم نہ رکے گی
برہم ہے جو طبعِ پسرِ سیدِ لولاک
گھبرا کے نظر کرتے تھے عیسیٰ طرفِ خاک
سر چرخ پہ آ کھینچا ہے شمشیرِ دوسر کا

سکانِ سموات میں برپا تھا اُدھر غل
معشوق کو تھا صبر نہ عاشق کو تحمل
تاریک تھا دل تاب کسی دل کو نہیں تھی
تھا خوف کے عالم میں ہر اک بندۂ آزاد
غنچوں کے چٹکنے میں نکلتی تھی یہ فریاد
ناحق گلِ زہرا پہ جفا ہوتی ہے کل سے
اڑنے سے پرندوں کے جہاں ہو گیا اندھیر
چیتوں میں یہ غل تھا کہ قیامت میں نہیں دیر
پھر جان کہاں آگئے سامنے ہیں گر اس کے

اک برقِ غضب کوند گئی ارض و سما میں
اعدا میں ہوا غل کہ گھری قہرِ خدا میں
جبرئیلِ امیں کانپ گئے عرشِ بریں پر
رنگِ رخِ جلادِ فلک ہو گیا تغیّر
تھرا کے عطارد نے صدا دی کہ چلا تیر
چھپتا تھا قلم لوح میں اور لوح قلم میں

کرسی کو سنبھالو کہ قیامت ہوئی نازل
ہے قہرِ الٰہی غضبِ سرورِ عادل
یہ تیغ وہ بجلی ہے کہ اک دم نہ رکے گی
سیاروں پہ ثابت تھا کہ اب گرتے ہیں افلاک
ڈر تھا سپہر نہ ہو جائے کہیں خاک
شق ہوئے نہ سینہ کہیں پھر آج قمر کا

رُو رُو کے اُدھر ہوتا تھا گیتی کو تزلزل
گلشن پہ اُداسی تھی جدا تھے گل و بلبل
پروانہ کہیں جلتا تھا اور شمع کہیں تھی
شمشاد کی قمری کو فراموش ہوئی یاد
ہے ہے چمنِ کن فیکوں ہوتا ہے برباد
باقی نہیں پر آنے کے اِس تیغ کے پھل سے
تھا عالمِ وحشت یہ ہرن ہو گئے تھے شیر
بھاگو کہ چمکتی ہے ید اللہ کی شمشیر
ہستی کو جلا دیویں گے دم میں شرر اس کے

لرزاں تھا ہر ایک خوفِ شہِ جن و بشر سے
ہیبت تھی کہ اژدر بھی نکل آتے تھے دَر سے
شمشیرِ شرربار سے منھ سب کے مڑے تھے
ہر بحر میں طوفان تھا تو ہر بر میں تلاطم
جنت میں تزلزل تھا تو کوثر میں تلاطم
جو خاک نشیں تھا وہ ہراسان اٹھا تھا
سب ساکنِ افلاک و زمیں کانپ رہے تھے
ہلتا تھا نجف کشورِ کیں کانپ رہے تھے
اللہ رے ڈر ضربتِ اولادِ علیؑ کا
کس شان سے تولے ہوئے شمشیرِ شرربار
ہے چہرۂ نورانی مولا سے نمودار
عالم شبِ معراج کا دکھلاتی ہیں زلفیں
شمشیر کی نا میں ہیں کہ ماتھے پہ شکن ہو
وہ چشم سیہ آہوئے صحرائے ختن ہو
گہہ شامِ مصیبت ہے گہے صبحِ طرب ہے
کچھ دھوپ سے کچھ غیظ سے تھے سرخ جو رخسار
ڈبتے تھے جو دانتوں کے تلے لعلِ گہربار
مختارِ دو عالم کے جہاں زیرِ نگیں تھا
وہ ریشِ مطہر کی سپیدی و سیاہی
یہ آئینۂ جسم پہ تھی گردِ تباہی
مانندِ یداللہ لڑائی پہ تُلے تھے
تو قبضے پہ ہے دستِ زبردست شہنشاہ
غیر از یدِ قدرت کوئی اس سے نہیں آگاہ
بھاری ہو یہ گر سارا جہاں جنگ پہ تل جائے

فریاد کی آتی تھی صدا سنگ و شجر سے
جنات کی جانوں پہ بنی جان کے ڈر سے
اُڑ سکتی نہ تھیں ہوش یہ پریوں کے اُڑے تھے
تھا شور جزیروں میں سمندر میں تلاطم
برپا تھا بنی جان کے لشکر میں تلاطم
آبِ دمِ شمشیر سے طوفان اُٹھا تھا
لرزہ تھا مکانوں کو مکیں کانپ رہے تھے
تھے امن میں پر روحِ امیں کانپ رہے تھے
غل فرش سے تھا عرش تلک نادِ علیؑ کا
میدانِ شہادت میں کھڑے ہیں شہِ ابرار
اجلالِ محمدؐ غضبِ حیدرِ کرارؑ
غیظ آتا ہے سرور کو تو بل کھاتی ہیں زلفیں
ابرو جو کماں ہے تو مژہ تیر فگن ہے
غصے سے جو ہو سرخ تو پھر شیرِ ژیان ہے
رحمت ہے سپیدی میں سیاہی میں غضب ہے
تھا صاف شفق سے گلِ خورشید نمودار
تھے پرچۂ یاقوت میں گویا دُرِ شہوار
یہ نقشِ سلیماں کی بھی خاتم پہ نہیں تھا
دیتی تھی زمانے کی دو رنگی یہ گواہی
تھیں بازوؤں میں مچھلیاں یا رنگ میں ماہی
سو عقدۂ مشکل انہیں ہاتھوں سے کھلے تھے
جن کی رگ و پے میں ہے بھرا زورِ یداللہ
گر کوہِ گراں ہو تو اکھاڑیں صفتِ کاہ
زور اس کا ہو گر قلعۂ خیبر پہ تو کھل جائے

اعدا بھی ہیں چپ شمعِ رسالت بھی ہے خاموش
تیرِ نگہِ شہ سے جوانوں میں نہیں ہوش
جوہر نظر آتے ہیں جو اس تیغِ دودم کے
ٹوٹے ہوئے شمشیر کو پڑھتے ہیں یہ اشعار
تف تجھ پہ ہے اے دہرِ ستمگار و جفا کار
زہرا سے محمد سے علیؑ سے نہ وفا کی
تو نے غمِ فرزند میں آدمؑ کو رلایا
خنجر سے لہو حضرتِ یحییٰ کا بہایا
وہ کون سے دکھ تھے جو دکھائے نہیں تو نے
توڑے دُرِ دندانِ نبیؐ سنگِ جفا سے
فرصت نہ ملی فاطمہؑ کو رنج و بلا سے
باقی تھا فقط میں سو عزیزوں سے چھٹا ہوں
فرما کے یہ اعدا کو پکارے شہِ ذیجاہ
شاید مری قوت سے ابھی تم نہیں آگاہ
تلوار کا مالک ہوں ولی ابنِ ولی ہوں
عاقل ہو تو مکار کی باتوں پہ نہ جاؤ
دم میں غضب آجائے گا دیکھو نہ ستاؤ
خیر اپنے سروں کی جو ہو منظور تو سر کو
مجھ سا کوئی گر اور ہو تم لوگوں کا رہبر
امت کے جو کام آئے تو حاضر ہے مرا سر
کھو کر مجھے ڈھونڈو گے تو فریاد کرو گے
جو زندہ ہے قدر اس کی کسی کو نہیں زنہار
عبرت کی ہے جا فاعتبروا یا اولی الابصار
روئے تو اسے کیا جو ثنا کی تو اسے کیا

سینے میں تلاطم ہے شجاعت کا یہ جوش
چھپ جاتے ہیں ڈھالوں میں سپاہی زرہ پوش
پانی ہوئے جاتے ہیں جگر اہلِ ستم کے
دنیا سمجھی ہے بے مہر زمانا بھی ہے غدار
بیدل تری اس سفلہ پرستی سے ہیں دیندار
شاکی رہے سب تو نے کسی سے نہ وفا کی
عیسیٰؑ نے جہاں میں کوئی دم چین نہ پایا
کس چاہ میں یعقوبؑ سے یوسفؑ کو چھڑایا
کیا کیا کنوئیں پیری میں جھنکائے نہیں تو نے
مسجد ہوئی تر خونِ سرِ شیرِ خدا سے
ٹکڑے ہوا شبرؑ کا جگر زہرِ دغا سے
پانی کو ترستا ہوں غریبی میں لٹا ہوں
اب جنگ میں کیا دیر ہے اے فرقۂ گمراہ
رستم تو یہاں زال ہے اور شیر ہے روباہ
جرأت مرا حصہ ہے کہ فرزندِ علیؑ ہوں
صابر ہوں میں صابر کو نہ تم غیظ میں لاؤ
جینا ہو تو ہٹ جاؤ جو مرنا ہو تو آؤ
دیکھو ابھی روکے ہوئے ہوں تیغِ دوسر کو
بہتر ہے پھرا دو مرے اس حلق پہ خنجر
پر میرے سوا کوئی نہیں سبطِ پیمبرؐ
جب میں نہ ملوں گا تو بہت یاد کرو گے
زندوں سے کچھ ان مردہ پسندوں کو نہیں کار
سو جاتا ہے جب وہ تو یہ سب ہوتے ہیں بیدار
تعریف اگر بعدِ فنا کی تو اسے کیا

گر زیست میں فاقہ ہو تو غم کوئی نہ کھائے — اور وقت مصیبت کے کوئی پاس نہ آئے
یوں پیاس میں لا کر کوئی پانی نہ پلائے — اور بعد فنا فاتحہ شربت پہ دلائے
پروا نہیں پیوند ہو گر رخت بدن میں — مرتے ہیں بس اس پر کہ تکلف ہو کفن میں

یوں ہاتھ نہ پھیلائیں جو گری بندۂ معبود — تابوت کو دنیا ہو جو کاندھا تو ہیں موجود
یوں جانتے ہیں قرض حسن دینے کو بے سود — زر صرف ہو میت کے جو ماتم میں تو خوشنود
یوں بھول کے بھی ذکر نہیں کرتے ہیں اس کا — مرجاتا ہے جب کوئی تو دم بھرتے ہیں اس کا

ہشیار رہو اے قوم کہ دنیا ہے گذرگاہ — رہتا ہے گدا اس میں ہمیشہ نہ شہنشاہ
کیا مرحلہ صعب ہے العظمۃ للہ — تھراتے ہیں رہبر بھی وہ پرخوف ہے یہ راہ
بے خوف ہیں وہ جن کو تولائے علیؑ ہے — ہاں زاد سفر دوستی آل نبیؐ ہے

کچھ دن بشر اس خانۂ دنیا میں ہے مہمان — دست ملک الموت میں ہے سب کا گریبان
زندہ ہیں ہم گر آج تو کل ہوویں گے بے جان — پہلے سے ہے لازم سفر مرگ کا سامان
اعمال و عقائد میں نہ ہرگز خلل آئے — کیا جانیے کس وقت پیام اجل آئے

کچھ وقت معین نہیں انسان کی اجل کا — آج اٹھ گئے وہ کرتے تھے سامان جو کل کا
بندہ وہ ہے پابند رہے نیک عمل کا — پلہ وہی بھاری ہے جو ہے جرم سے ہلکا
کیا خاک کا بوجھ اس کے لیے قبر میں کم ہے — ہو اور گناہوں کی گرانی تو ستم ہے

لو پند بھی آخر ہے نصیحت بھی ہوئی ختم — لو حجت مجھے منظور تھی حجت بھی ہوئی ختم
الفت بھی مروت بھی محبت بھی ہوئی ختم — لو باب ترحم کی عبارت بھی ہوئی ختم
دل رکھتے ہو فولاد یہ جوہر ہیں تمہارے — اب تیغ یداللہ ہے اور سر ہیں تمہارے

بے قتل مجھے چین کب آتا ہے خبردار — سب فوج پہ ادبار اب آتا ہے خبردار
فرزند امیر عرب آتا ہے خبردار — لشکر پہ خدا کا غضب آتا ہے خبردار
فوجوں کی صفیں دم میں الٹ دیتا ہوں آ کے — دیکھوں تو کہاں جاتے ہو پنجے سے قضا کے

خالق نے مرے قوت حیدرؑ مجھے دی ہے — فیاض نے توقیر پیمبرؐ مجھے دی ہے
مختار نے مختاری کوثر مجھے دی ہے — کرار نے شمشیر دو پیکر مجھے دی ہے
کھل جائے گی دم میں کشش اس تیغ دو سر کی — کنجی تو مرے ہاتھ میں ہے فتح و ظفر کی

غصے میں کرے طور ہیں سب قہر خدا کے
غارت ہو نظر جس پہ کروں غیظ میں آکے
بچتا نہیں تلوار ہماری کوئی کھا کے
ناخن میں ہمارے ہیں ہنر عقدہ کشا کے
کس معرکے میں تیغ کو تولا نہیں ہم نے
تھا کون سا در بند جو کھولا نہیں ہم نے

تم نار ہو میں نور خدائے دو جہاں ہوں
تم ننگ جہاں میں شرف کون و مکاں ہوں
تم جنگ میں روباہ ہو میں شیر ژیاں ہوں
تم کاہ سے کمزور ہو میں کوہ گراں ہوں
لاکھوں ہو تو ہے فتح بہر کیف ہماری
کرتی ہے صفیں صاف سدا سیف ہماری

اس تیغ سے رستم سا دلاور نہیں بچتا
سن سے جو یہ چلتی ہے تو مغفر نہیں بچتا
مغفر نہ رہا فرق پہ جب سر نہیں بچتا
سر کیا ہے کہ اک ضرب میں پیکر نہیں بچتا
بجلی ہے یہ رکتے کبھی دیکھا نہیں اس کو
گر ہوں پر جبریل تو پروا نہیں اس کو

لاسیف اسی حجت قاطع کی ثنا ہے
آسیب ہے کیا سیب سے پھل اس کا بنا ہے
یہ لشکر باغی کے لئے دار فنا ہے
سائے میں جو اس تیغ کے آیا وہ فنا ہے
جوہر میں جو ہے فتح تو قبضے میں ظفر ہے
دشمن کے لئے تیغ ہے مومن کی سپر ہے

فخر عرب و روم و عجم کی ہے یہ تلوار
کاٹے ہیں نشاں جس نے علم کی ہے یہ تلوار
کاٹ اس میں غضب کا ہے ستم کی ہے یہ تلوار
مثل مہ نو بدر میں چمکی ہے یہ تلوار
ہلتی تھی زمیں ہاتھ جو قبضے پہ دھرا تھا
خندق کو اسی تیغ نے لاشوں سے بھرا تھا

پائی نہ اماں لشکر صفین و جمل نے
عنتر کو جلایا ہے اسی تیغ اجل نے
نے لات نے مرحب کو بچایا نے ہبل نے
کاٹا شجر کفر کو اس تیغ کے پھل نے
گر پاس نہ ہوتا پر جبریل امیں کا
ملتا نہ پتہ زیر زمیں گاو زمیں کا

جس وقت سر چاہ علیؑ کے قدم آئے
جنات ہزاروں تہ تیغ دو دم آئے
فریاد کناں ساکن بیرالالم آئے
یا شیر خدا دین محمدؐ میں ہم آئے
دیکھے گا سزا پھر اگر اس راہ سے نکلیں
یوسفؑ کی قسم لو جو کبھی چاہ سے نکلیں

اک ہاتھ میں دو ہوں گی سنانوں کو بچاؤ
ڈھونڈو نہ کمیں گاہ کمانوں کو بچاؤ
مٹ جائے گی یہ شان نشانوں کو بچاؤ
جب جانیں کہ اس تیغ سے جانوں کو بچاؤ
رکتی ہے نہ جوشن پہ نہ چمکتی ہے کمر پر
یہ مرگ مفاجات سے جلد آتی ہے سر پر

بے جان گئے خانۂ تن سے نہیں پھرتی
کچھ ہو یہ شجاعت کے چلن سے نہیں پھرتی

منھ خود و زرہ سے کبھی موڑا نہیں اس نے
بیٹھی ہے تو سر تن سے جدا کر کے اٹھی ہے
کافر کے سراپا کو دوتا کر کے اٹھی ہے
چمکی ہے یہ جس دم تو صفیں چاٹ گئی ہے
پڑھ کر یہ رجز شام کے بادل میں در آئے
بے دینوں کے دل ہل گئے جس دل میں در آئے

تھرا گیا میداں کہ ہژبرِ احد آیا
اعدا کے سروں پر جو وہ تیغِ دوسر آئی
بجلی سی چمک کر ادھر آئی ادھر آئی
دستانے میں یوں کاٹ گئی دستِ ستم کو
بے دست ہر اک صف تھی تو بے سر تھا ہر اک غول
شمشیرِ دودستی نے نکالی تھی نئی تول

اِس تیغ سے فولاد کا دل نرم ہوا تھا
چار آئینہ والوں کو نہ تھا تیغ سے چارا
کہتے تھے زرہ پوش نہیں جنگ کا یارا
جوشن کو سنا تھا کہ حفاظت کا محل ہے
بد کیش لڑائی کا چلن بھول گئے تھے
سب حیلہ کشی عہد شکن بھول گئے تھے

معلوم نہ تھا جسم میں جاں ہے کہ نہیں ہے
ٹوٹے ہوئے بھالوں کو جفاکار تھے ہر چند
کیا روکتے تیروں کو جوانانِ تنومند
بیرق تھے نہ بھالے تھے نہ پرچم نہ علم تھا

بے صاف گئے فوج کو سن سے نہیں پھرتی
بے سیرِ گلِ زخمِ بدن سے نہیں پھرتی

دشمن کو کبھی جنگ میں چھوڑا نہیں اس نے
دشمن کو اشارے میں فنا کر کے اٹھی ہے
ہر معرکہ میں حشر بپا کر کے اٹھی ہے
اِک ہاتھ میں سو سو کے گلے کاٹ گئی ہے
چمکا کے فرس کو صفِ اوّل میں در آئے
اِک شیر سے تلواروں کے جنگل میں در آئے

لشکر میں پڑا شور کہ بھاگو اسد آیا
اِک تیر چھری تھی کہ کلیجوں میں در آئی
دو ہو گئی جب تیغ کے نیچے سپر آئی
جس طرح سے کاٹے کوئی جلدی میں قلم کو
خود الٹے ہوئے خاک پہ تھے صورتِ کشکول
سر بکتے تھے ارزاں نہ لیتا تھا کوئی مول

تن سرد تھے بازارِ اجل گرم ہوا تھا
چو رنگ تھے سینے تو کلیجے تھے دوپارا
بچ جائیں تو جانیں کہ ملی جان دوبارا
اس کی نہ خبر تھی کہ یہی دامِ اجل ہے
ناوک فگنی تیر فگن بھول گئے تھے
بے ہوشی میں ترکش کا دہن بھول گئے تھے

چلاتے تھے قبضے میں کماں ہے کہ نہیں ہے
تھی عقدہ کشا تیغ نہ بندھتا تھا کوئی بند
تھا شیرِ نیستانِ اسد اللہ کا فرزند
اک ہاتھ میں یاں ہاتھ بھی نیزہ بھی قلم تھا

دم کی تھی دعا شاہ نے کیا تیغ دو دم پر
نے خود پہ رکتی تھی نہ تھمتی تھی جھلم پر
گردن سے جو سینے پہ تو سینے سے شکم پر
توسن سے رکابوں پہ رکابوں سے قدم پر
جوشن میں فتوحی میں نہ بکتر میں نہ زیں پر
سُم کاٹ کے گھوڑے کو جو دیکھا تو زمیں پر

غل تھا کہ زمانے میں نہیں صف شکن ایسا
تلوار جو ایسی ہو تو ہو تیغ زن ایسا
دنیا میں لڑا ہے کوئی تشنہ دہن ایسا
کچھ حرفِ شکایت میں نہ آئے چلن ایسا
سکتہ نہ ہو کیوں ضربِ شجاعِ ازلی کا
کونین میں ہے نام حسینؑ ابن علیؑ کا

نیزوں کو ہلاتے تھے جو رہواروں پہ تن کے
ٹکڑے بھی زمیں پر نہ ملے ان کے بدن کے
جنگل میں چھپے آئے وہاں شیر جو بن کے
بھاگے وہ ہرن ہو کے بہادر تھے جو رن کے
صفدر نے جواں مردوں کے دل توڑ دیے تھے
نیزوں کے دمِ تیغ نے منہ موڑ دیے تھے

انبار تن و سر کے سراسر تھے زمین پر
تن تھے کسی جا اور کہیں سر تھے زمیں پر
کاٹے ہوئے ہتھیار برابر تھے زمین پر
جوشن کہیں ٹکڑے کہیں مغفر تھے زمیں پر
بے جاں کہیں دو اہلِ ستم ساتھ پڑے تھے
رستے پہ کہیں پانوؤں کہیں ہاتھ پڑے تھے

کس سر پہ چڑھی تیغ کہ توسن پہ نہ اتری
وہ کون سا توسن تھا کہ یہ سن سے نہ اتری
بے جان لیے جسمِ ستم تن سے نہ اتری
اُتری جو وہ نہ موت بھی اگردن سے اتری
دشمن کو نہ زندہ کسی جا موت نے چھوڑا
تیغ اُتری کمر سے تو گلا موت نے چھوڑا

چلتی تھی چپ و راست جو شمشیر دو دھاری
رستے پہ تڑپتی تھی دو رستہ صفِ ناری
خنجر تھے گلوں پر تو کلیجوں پہ کٹاری
کٹ کٹ گئیں تیغیں ستم آرا ہوئے عاری
نوکیں جو پڑیں دل پہ کسی بانیِ شر کے
دو برچھی کے پھل چار ہوئے ایک جگر کے

افعی کی طرح منہ سے نکالے تھی زباں تیغ
ہر دم صفِ کفار پہ تھی شعلہ فشاں تیغ
گرتی تھی چمک کر کبھی یاں اور کبھی واں تیغ
چھپتے تھے جفاجو جو نہ دیتی تھی اماں تیغ
قبضے میں جو سب فوج تھی اس تیغ دو سر کے
بچ سکتے تھے دشمن نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے

غل تھا کہ ڈھالوں سے یہ تلوار رکے گی
روکے سے نہ یہ برقِ شرربار رکے گی
سو بار گرے گی یہ نہ اکبار رکے گی
برقِ غضبِ ایزدِ قہار رکے گی
انگشتِ قضا کہتے ہیں اس تیغ کے پھل کو
سر پر کبھی آتے نہیں دیکھا ہے اجل کو

پشتہ وہ کہ لشکر کو پریشاں کیا جس نے
آب ایسی کہ خشکی میں یہ طوفاں کیا جس نے
دم ایسا کہ سب فوج کو بےجاں کیا جس نے
بر ایسا کہ جنگل کو گلستاں کیا جس نے
ہر سیکڑوں کاٹے تھے پہ رنگ اس کا ہرا تھا
ہر ناب میں ناگن کی طرح زہر بھرا تھا

قبضہ وہ جسے کہتے تھے قبضے میں ید اللہ
نابوں سے عیاں تھا کہ عدم کی ہے یہی راہ
جوہر وہ کہ ہر فرد بشر جس سے ہوا آگاہ
قد آفت و وراں برش العظمۃ للّٰہ
باڑھ ایسی مقابل کبھی دریا نہیں جس سے
گھاٹ ایسا کہ جیتا کوئی اترا نہیں جس سے

مومن کے لیے نور ہے کافر کے لیے نار
یہ رنگ بنا تھا کہیں آتش کہیں گلزار
اعجاز تو دیکھو کہیں راحت کہیں آزار
قدرت کا تماشا ہے کہیں گل تو کہیں خار
دم بند تھے دہشت سے شجاعانِ جہاں کے
مسدود تھے سب رستے وہاں امن و اماں کے

ناری کو سقر تک کبھی پہنچا کے پھر آئی
دیکھا کبھی موذی کو تو بل کھا کے پھر آئی
ناگن کی طرح سن سے کبھی جا کے پھر آئی
جاتا تھا کہ بس فوج پہ لہرا کے پھر آئی
غل تھا کبھی یوں تیغ کو چلتے نہیں دیکھا
افعی کو بھی یہ زہر اگلتے نہیں دیکھا

خوں ناریوں کا چاٹ کے گھبرائی ہوئی تھی
بجھتی جو نہ تھی پیاس تو جھنجھلائی ہوئی تھی
دریا کی طرف جانے پہ لہرائی ہوئی تھی
سب فوج پہ اک برقِ غضب چھائی ہوئی تھی
منھ کیا تھا کہ اک قہر تھا خم تھا کہ غضب تھا
لشکر کا لہو پی گئی دم تھا کہ غضب تھا

دو کر کے سر و صدر و شکم ناف سے نکلی
تعریف دلِ صاحبِ انصاف سے نکلی
بجلی سی جو چار آئینہ صاف سے نکلی
یا فاتحِ خیبر کی صدا قاف سے نکلی
چل جاتا تھا جب وارا امامِ مدنی کا
غل ہوتا تھا افلاک پہ اللہ غنی کا

جب تن کے چلی حالِ عدو غیر کر آئی
جس صف پہ گری خاتمہ بالخیر کر آئی
کشتوں کے تڑپنے کی کبھی سیر کر آئی
دریا کی طرف خوں میں کبھی پیر کر آئی
سب گھاٹ سے دُنبالے تک خوں میں تر تھی
تلوار نہ تھی ماہیِ دریائے ظفر تھی

وہ سیل جدھر آتی تلاطم نظر آیا
آنکھوں سے نہاں مجمع مردم نظر آیا
ہل چل میں سواروں کا پرا کم نظر آیا
جو تھا بہ سرِ زیں وہ تہِ سُم نظر آیا
منھ کھول کے اژدر نے نوالہ کیا اس کو
بجلی کی تڑپ نے تہ و بالا کیا اس کو

دو شخصوں نے اک غول سے رہوار نکالے
چار آئینہ بر میں سپریں کاندھوں پہ ڈالے
کس دھوم سے وارد سرِ میداں ہوئے دونوں
ایک ایک ستم پیشہ و سرہنگ و جفا جو
بدصورت و بدہیئت و بدسیرت و بدخو
پیاسے تھے لعیں خونِ امامِ ازلی کے

برچھوں کو ہلاتے ہوئے آئے جو وہ بدکار
شب دیز کو چمکا کے پکارے شہِ ابرار
حافظ ہے خدا کچھ مجھے پروا نہیں جو ہو
..یوں کہنے لگے لعن سے دونوں ستم ایجاد
فرمایا پکاروں کسے میں بے کس و ناشاد
سب مر گئے تنہا ہمیں لاکھوں میں کھڑے ہیں

گو کوئی نہ بھائی نہ پسر ساتھ ہے میرے
ہمدم کی طرح تیغِ دو سر ساتھ ہے میرے
تم دونوں ہو کیا فتح کبھی پا نہیں سکتے
ناگاہ بڑھے تول کے نیزوں کو وہ خونریز
ٹاپوں سے ہلا دور تلک دشتِ بلاخیز
آمد میں یہ دعویٰ تھا ہر اک بانیِ شر کو

مکاروں نے دکھلائی بہت شعبدہ بازی
تھے عقل کے کوتاہ جو کی دست درازی
جو منہ چڑھا خاک کا پیوند ہوا ہے
وار آپ نے جب رد کیے اُن کے کئی باری
تھی تیغِ شہِ دیں غضب انگیز دو باری
نیزوں کی سناں کو دمِ شمشیر نے کاٹا

اک ہاتھ میں نیزہ لیے اک تیغ سنبھالے
امداد کو پہنچے کئی سو برچھیوں والے
پڑھ پڑھ کے رجز جنگ کے خواہاں ہوئے دونوں
مغرور و سیہ کار و سیہ رنگ و سیہ رو
سینے جو کشادہ تو قوی ساعد و بازو
دونوں کو عداوت تھی گھرانے سے علی کے

ہر گشت میں پھرتے تھے فرس صورتِ پرکار
آتی ہے اجل سر پہ خبردار خبردار
یہ بھی ہے شگون نیک کہ پہلے ہی سے دو ہو
حضرت بھی بُلا لیں جسے چاہیں پئے امداد
اب تو نہ بھتیجا ہے نہ بھائی ہے نہ اولاد
یہ خاک پہ لاشے نہیں پیاروں کے پڑے ہیں

ہاں ایک خدا آٹھ پہر ساتھ ہے میرے
میں سیفِ الٰہی ہوں ظفر ساتھ ہے میرے
لاکھوں ہو تو قبضے سے مرے جا نہیں سکتے
مہمیز جو کی برق مجسّم ہوئے شب دیز
فولاد میں در آئیں سنانیں تھیں وہ سر تیز
نوکوں پہ اٹھا لیتے ہیں زہرا کے پسر کو

دیکھا کیے ہنس ہنس کے شہنشاہِ حجازی
ہاتھ آتا ہے کب ابنِ یداللہ سا غازی
نیزوں سے کہیں عقدہ کشا بند ہوا ہے
تھرّانے لگے ہاتھ پہ دہشت ہوئی طاری
کانپا جو کلیجہ دو دلے ہو گئے ناری
غل تھا کہ سرِ شمع کو گل گیر نے کاٹا

اک ضرب میں دونوں کے جو نیزے ہوئے بیکار
تیغیں جو چپ و راس سے چلنے لگیں اک بار
دونوں کو ڈرایا بھی نہ شمشیر دو سر سے
اس ضرب میں ہاتھ اس کا اُڑا اور سر اس کی
اس کو خبر اس کی تھی نہ اس کو خبر اس کی
گرمی میں لڑے تھے شہِ دلگیر سے دونوں

اک ہاتھ میں بے جان ہوئے دونوں جو ستم گر
دعویٰ ہو تو دیکھے مری تلوار کے جوہر
دونوں کو اجل لائی تھی شمشیر کے منہ پر
ہاتھ ایسا جسے دستِ خدا کہیے تو حق ہے
جب چاہیں الٹ دیں کہ زمیں ایک ورق ہے
دیتے تھے دہائی جو برے اہلِ جفا کے

ہر چند کہ بیٹوں کے تھے قاتل وہ ستم گار
بدعہد تھی کیا امت غدار و جفا کار
یاں رحم تھا اور اُمتِ عاصی کی دعا تھی
واں ظلم و ستم تھے ادھر الطاف و مدارا
وہ خاک کے ذرے تھے یہ تھا عرش کا تارا
واں قتل کا غل فوجِ مخالف میں اٹھا تھا

سب سے پسرِ سعد یہ کہتا تھا کہ جاؤ
لینا ہے زرِ سرخ تو خوں شہ کا بہاؤ
طوفاں سے کہیں کشتیِ تن پار اُتر جائے
نقصان مرا کیا ہے اگر تم نے دغا کی
اللہ سے وعدہ کیا جو اس پہ وفا کی
سر دینے میں حجت نہیں تکرار نہیں ہے

تلوار پہ علم کر کے پھر آئے وہ ستم گار
روکے سپرِ حضرتِ حمزہؑ پہ وہ سب وار
پسپا ہوئے وہ خود تو بڑھے آپ ادھر سے
دو تھا جو سر اس کا تو جدا تھی کمر اس کی
کی موت نے دعوت ادھر اس کی ادھر اس کی
ٹھنڈے ہوئے آپ دمِ شمشیر سے دونوں

حضرت نے کہا اور بھی ہے کوئی دلاور
پھر تاب کسے تھی کہ مقابل ہو جو آکر
صید آپ سے جاتا ہے کوئی شیر کے منہ پر
ضرب ایسی کہ جس ضرب سے دل کفر کا شق ہے
یہ سب ہے مگر آپ کو امت کا قلق ہے
آنسو نکل آتے تھے امامِ دوسرا کے

مانگی جو اماں سب نے تو خود رک لی تلوار
یاں ہاتھ رکا واں سے ہوئی تیروں کی بوچھار
واں صلح میں تھا مکر لڑائی میں دغا تھی
باطل پہ وہ تھے حق پہ ید اللہ کا پیارا
واں لاکھ ستم گر ادھر اک پیاس کا مارا
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ ادھر شکرِ خدا تھا

جلدی سرِ فرزندِ نبیؐ کاٹ کے لاؤ
فرماتے تھے شبیر کہ حاضر ہوں میں آؤ
سر تن سے جدا ہو تو بڑا بار اُتر جائے
جاگیرِ شہادت مجھے خالق نے عطا کی
میرا نہیں سر یہ تو امانت ہے خدا کی
ہم لوگوں کے اقرار میں انکار نہیں ہے

فرما کے یہ قبضے سے رکھا تیغِ دو سر کو
لٹکا دیا ہرنے پہ دلاور نے سپر کو
پایا تھا جو نیہا شہِ مرداں کے سپر کو
بس گھیر لیا شام کے بادل نے قمر کو
لشکر کی سیاہی تھی کہ گھبرا گئے شبیرؑ
سب فوج کے تیغوں کے تلے آ گئے شبیرؑ
اِک نور کو گھیرے ہوئے ظلمت نظر آئی
دن کو شبِ تیرہ کی علامت نظر آئی
خود شافعِ محشر پہ قیامت نظر آئی
قرآں کے بچنے کی نہ صورت نظر آئی

کٹتی تھیں رگیں ظلم کا دروازہ کھلا تھا
اجزائے تنِ پاک کا شیرازہ کھلا تھا
بُت گرد تھے اور بیچ میں وہ کعبۂ ایماں
تھا نوح پہ خشکی میں عجب طرح کا طوفاں
وہ لاکھ دل آزار اور اک عیسیِٔ دوراں
کیا مورچہ بندی تھی پئے قتلِ سلیماں
فرعونیوں کا حضرتِ عیسےٰ پہ ستم تھا
سب فوج کی تیغیں تھیں اور اک شاہ کا دم تھا

بے کس پہ ہزاروں جو چلے تیر سہ پہلو
غربال ہوا سینۂ شاہنشہِ خوش خو
نیزے جو برابر سے لگاتے تھے جفا جو
چھد جاتے تھے دونوں کبھی شانے کبھی بازو
بند آنکھیں کئے جھومتے تھے گھوڑے پہ رن میں
تلواروں کے پھل لگتے تھے اس پھول سے تن میں

پھولے ہیں گلِ زخم کوئی جا نہیں خالی
شرماتی ہے جس سے گلِ صد برگ کی لالی
یوں کٹ کے لٹک آتے تھے دستِ شہِ عالی
جیسے کوئی کرتا ہے قلم پھول کی ڈالی
جا کر جو پھر آنے کی نہیں باغِ جہاں میں
عالم کو دکھاتے ہیں بہار اپنی خزاں میں

جب مارتا تھا سنگ دہن پر کوئی غدار
فرماتے تھے فریاد ہے یا احمدِ مختارؐ
پڑتی تھی قفا سے جو کوئی فرق پہ تلوار
سر تھام کے چلاتے تھے یا حیدرِ کرار
چھدتا تھا جو تیروں سے جگر شاہِ زمن کا
نعرہ لبِ خشکیدہ پہ تھا ہائے حسنؑ کا

تھا خون کا دریا جو ہر اک زخم سے جاری
منھ زرد تھا اور تن کی قبا سرخ تھی ساری
پہلو پہ جو لگ جاتا تھا بھالا کوئی بھاری
جھک جھک کے سنبھل جاتا تھا وہ عاشقِ باری
مجروح سراپا جو امامِ دو جہاں تھے
وہ خون کے پرنالے رکابوں سے عیاں تھے

ہاں ایک تنِ زار اُدھر سیکڑوں خونخوار
کھایا کبھی نیزہ کبھی برچھی کبھی تلوار
طاقت جو نہیں گرنے پہ جھک جاتے ہیں ہر بار
نکلے ہیں رکابوں سے قدم ہاتھ ہیں بیکار
سینے سے کوئی تیر نکالا نہیں جاتا
اب تو دلِ مجروح سنبھالا نہیں جاتا

غش سے کبھی چونکے کبھی جھومے کبھی تھرائے
کی آہ کبھی اور کبھی اشک آنکھوں میں بھر آئے
تلواروں سے جو چوٹ پہنچ کر وہ کدھر جاتے
دم ہونٹوں پہ تھا اور کوئی ہمدم بھی نہ تھا ہائے
یوں تیروں کی بوچھار کسی تن پہ نہ ہوتے
جو شاہ پہ گزری کسی دشمن پہ نہ ہوتے

رہوار سے ناگاہ گرے قبلۂ کونین
تڑپا جو نواسا تو نبی ہو گئے بے چین
ماتم کا ہوا غل فلک و ارض کے مابین
اعدا میں ہوا فتح کا غل بی بیوں میں بین
تھرا گئے چودہ طبقے ارض و سما کے
نعروں کی صدا آنے لگی شیرِ خدا کے

خنجر کو لیے شمر چلا جب طرفِ شاہ
آئی یہ صدا رحم کر اس پیاسے پہ للّٰہ
خاتونِ قیامت ہوں ہیں کیا تو نہیں آگاہ
فریاد جفا جو نے کسی کی نہ سنی آہ
بالائے سرِ شاہ جو وہ بے ادب آیا
غل تھا کہ الٹتا ہے زمانہ غضب آیا

رکھنے جو لگا سینے پہ زانو ستم آرا
زہرا کی صدا آئی برابر سے قضارا
پتھر کے تلے دب گیا ہے ہے مرا پیارا
سفاک نے زانو کو نہ سینے سے اتارا
ظالم جگرِ شیرِ خدا کاٹ کے اٹھا
خنجر سے مسافر کا گلا کاٹ کے اٹھا

چہرے پہ سکینہ کے یتیمی سی جو چھائی
زینب درِ خیمہ سے تڑپ کر نکل آئی
رستے میں خبر آکے یہ فضہ نے سنائی
مارے گئے شبیر دہائی ہے دہائی
مادر کو تڑپتا ہوا جنگاہ میں دیکھا
آگے جو بڑھی بھائی کا سر راہ میں دیکھا

ہاں اہلِ عزا مرثیہ اب ہوتا ہے آخر
پُرسہ دو کہ ہے فاطمہؑ اس بزم میں حاضر
ہے ہے شہِ آوارہ وطن ہائے مسافر
مذبوحِ قفا تشنہ دہن صابر و شاکر
زلفیں تری خاک میں سب اٹ گئیں آقا
ہے ہے تری خنجر سے رگیں کٹ گئیں آقا

آقا ترے عمامۂ گلگوں کے تصدق
سیّد ترے پیراہنِ پُرخوں کے تصدق
ان زخموں کے صدقے دلِ محزوں کے تصدق
ریتی پہ تڑپتے قدِ موزوں کے تصدق
خنجر کے تلے سجدۂ رب کرنے کے صدقے
سرور ترے پانی کے طلب کرنے کے صدقے

ہاں اہلِ عزا روؤ کہ ماتم ہوا آخر
اے مجلسیو! پیٹو کہ یہ غم ہوا آخر
سامانِ عزائے شہِ عالم ہوا آخر
کیا مجمعِ احباب تھا برہم ہوا آخر
یہ مجلسِ آخر ہے جگر بندِ نبیؐ کی
تم لوگوں سے رخصت ہے حسین ابنِ علیؑ کی

کیا خوب کٹے آٹھ دن اور دو یہ مہینے
نیلے رہے ماتم سے عزاداروں کے سینے

کوتاہ کیا ہاتھ نہ ماتم سے کسی نے
ہر روز دعائیں دیں تمہیں روحِ نبیؐ نے

دل روتا ہے صدمہ ہے عجب طرح کا جاں پر
دیکھو تو کہ کیا آج اداسی ہے مکاں پر

آقا ترے قربان خدا حافظ و ناصر
اے شیعوں کے مہمان خدا حافظ و ناصر

اے فاطمہؑ کی جان خدا حافظ و ناصر
اے دین کے سلطان خدا حافظ و ناصر

مجبور رہیں گر قبر میں ہم ہوئیں گے مولا
جیتے ہیں تو پھر اگلے برس روئیں گے مولا

خاموش انیسؔ اب کہ ہے سینے میں جگر چاک
حق ہے ترا مداح ہی سبطِ شہِ لولاک

حاسد سے نہ کچھ خوف نہ دشمن سے ہے کچھ باک
نافہم ہے وہ چاند پہ ڈالے جو کوئی خاک

سب مدح کریں نظم کی یہ نظم و نسق ہے
باطل ہے سو باطل ہے جو حق ہے سو وہ حق ہے

سلام

ضبطِ گریہ ماتمِ سرور میں ہو سکتا نہیں
سر جھکا کر بیٹھ مجلس میں جو رو سکتا نہیں

رات اندھیری پرسشِ اعمال ایذائے فشار
قبر میں بھی چین سے انسان سو سکتا نہیں

کارِ ذاتی میں ہیں عاجز پاک سازانِ جہاں
گرد اپنے منھ کی پانی آپ دھو سکتا نہیں

کہتے تھے حضرت وہ مشرق ہیں کہ مغرب میں ہیں یا
دوستوں کے ہم نہ کام آئیں یہ ہو سکتا نہیں

شاہ کہتے تھے یہ دنیا بھی ہے عبرت کی جگہ
مر گیا بیٹا جواں اور باپ رو سکتا نہیں

نظم ہے یہ یا دُرِ شہوار یاں کی لڑیاں انیسؔ
جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

رُباعی

گھر سے جو پئے نماز باہر نکلے
مرنے پہ کمر باندھ کے حیدر نکلے

واللہ کہ حقِ خانہ زادی یہ ہے
نکلے جو خدا کے گھر سے مر کر نکلے

۲۰

مرثیہ

جب رن میں آمد آمدِ سلطانِ دیں ہوئی
نورِ خدا کے نور سے روشن زمیں ہوئی
آمادۂ نبرد سپاہِ لعیں ہوئی
روحِ جنابِ فاطمہؑ اندوہگیں ہوئی
تیغیں کھنچیں نیاموں سے خنجر نکل پڑے
شیرِ خدا مزار سے باہر نکل پڑے

بڑھ کر نقیبِ فوج یہ کہتے تھے دم بدم
ہاں اے بہادرو نہ ہٹے ایک کا قدم
ابنِ معاویہ کے نمک کی تمہیں قسم
تیغوں سے سروِ باغِ علی کو کرو قلم
شیرِ خدا کے شیر کے آنے کا وقت ہے
ہاں غازیو یہ جان لڑانے کا وقت ہے

آپس میں کہتے تھے یہ پیادے جمائے صف
روکے گا کون ضربتِ ابنِ شہِ نجف
اس کا نہ دھیان کیجو کہ لاکھوں ہیں اس طرف
چمکی جو ذوالفقار تو جانیں ہوئیں تلف
رکتی نہیں وہ تیغ جو پڑ جائے کوہ پر
روزِ ازل خدا کا قہر ہوا اس گروہ پر

غصہ حسینؑ کا غضبِ ذوالجلال ہے
روباہ مل کے شیر کو ماریں محال ہے
خیبر کو جس نے فتح کیا اس کا لال ہے
میداں میں اس کے سامنے رستم بھی زال ہے
بدر و اُحد کا معرکہ عالم کو یاد ہے
خیبر کی ضرب آج تلک ہم کو یاد ہے

ناگہ سوار نیزوں کو دینے لگے نکال
چمکی اُپی ہوئیں صفِ اعدا میں برچھیاں
چلّوں سے تیر مل گئے کڑکی ہر اک کماں
غل تھا نشانِ دیں کو کرو آج بے نشاں
کیجو نہ پاس یہ کہ امامِ زمانہ ہے
ہاں اے کماں کشو! یہ تمھارا نشانا ہے

یہ ذکر تھا کہ اتنے میں آئے شہِ اُمم
طبل وغا پہ چوٹ پڑی کھل گئے علم
سردارِ فوجِ شام ہٹانے لگے قدم
رُخ پھر گئے صفوں کے گھسیں ہیں رہا نہ دم
اللہ رے رُعب فوجِ ستم تھرتھرا گئی
چہرے پہ روسیاہوں کے زردی سی چھا گئی

غُل تھا نہ ہے حسین نہ ہے شانِ حیدری
دیکھی نہ یہ شکوہ نہ ایسی دلاوری
تیور سے آشکار ہے رعبِ غضنفری
کس کی مجال ہے جو کرے ان سے ہمسری
قابو میں ایسے شیر کا آنا محال ہے
لڑنا تو کیا کہ آنکھ ملانا محال ہے

کیا حسن ہے کہ دشت میں چھایا ہوا ہے نور
اک آفتابِ رخ کی تجلی ہے دور دور
غرفوں سے سر نکالے نہ کیونکر ہر ایک حور
نورِ محمدی کا ہے چاروں طرف ظہور
یہ فیض ہے رُخِ خلفِ بوتراب سے
ذرّے ملا رہے ہیں نظر آفتاب سے

لوحِ جبینِ پاک ہے لوحِ کتابِ حُسن
ابرو تو فصلِ حُسن کی ہیں اور یہ بابِ حُسن
اللہ کس عروج پہ ہے آفتابِ حسن
تابِ نظر نہیں ہے زہے آفتابِ حسن
سجدے کا ہے نشاں کہ تجلیِ طور ہے
صاف اس نشان میں یدِ بیضا کا نور ہے

آخر حسینؑ بھی ہیں اسی شیرِ حق کا شیر
کر دیگا ایک حملہ میں زور آوروں کو زیر
غم میں جو اس سپہر کے وہ ہیں زندگی سے سیر
دیکھیں تو روکتا ہے اُسے کون سا دلیر
وہ بے لڑے شکست کئی بار دے گیا
کشتوں کو اپنے شیر سا آ کے لے گیا

فاقہ ہے تین روز کا اور تین دن کی پیاس
غیر از ہجوم یاس نہیں کوئی اسکے پاس
ظاہر میں گرچہ سب بشریت کا ہے لباس
یہ رعب ہے جو شیر کی آمد میں ہے ہراس
نزدیک ہے کہ گھوڑوں سے اسوار گر پڑیں
حملہ کرے تو ہاتھوں سے ہتھیار گر پڑیں

کیا خوش نما ہیں ابروئے شاہنشہِ حجاز
گویا ہے شاہباز کئے بازوؤں کو باز
تشبیہ سے ہلاک کرے آسماں پہ ناز
پیشِ خدا جھکائے ہوئے ہیں سرِ نیاز
مصروف مو بمو ہیں خضوع و خشوع میں
محراب کی طرح سے جھکے ہیں رکوع میں

چشمہ خدا کے نور کا ہے چشمِ حق پرست
روزِ ازل سے ہے مئے عشقِ احد سے مست
ہے گرد اس لئے صفِ مژگاں کا بند و بست
آئینہ ہائے نور کو پہنچے نہ تا شکست
بچھڑے ہیں عین رنج میں چشم و چراغ سے
مردم سیاہ پوش ہیں اکبر کے داغ سے

ہر دم ہے جوش پر گلِ رخسار کی بہار
رونق نہ پائے رنگ جو بدلے چمن ہزار
وہ روئے انور اور وہ ریشِ خضاب دار
ظاہر ہیں اس سے معنیِ واللیل والنہار
وقتِ نظر یہ ہوتا ہے ثابت نگاہ کو
آغوش میں لئے ہے شبِ قدر ماہ کو

خوشبوئے زلف و خال پہ مشکِ ختن نثار
سرخیِ لعلِ لب پہ عقیقِ یمن نثار
غنچے دہانِ تنگ پہ صدقے چمن نثار
دانتوں کی آب و تاب پہ دُرِّ عدن نثار
موتی بھرے ہیں منہ میں شہِ بے نظیر کے
قطرے ہیں سب پہ فاطمہؑ زہرا کے شیر کے

ہے رشکِ شمعِ طورِ تجلی ہیں وہ گلا
منھ اپنا جس پہ احمدِ مختار نے مَلا
وہ فاطمہؑ کے دودھ کی دھاروں سے تھا پلا
سو اُس گلے پہ خنجرِ شمرِ لعیں چلا
شیرازہ بیاضِ گلو جب کہ کٹ گیا
حیرت ہے کیوں نہ دفترِ عالم اُلٹ گیا

شانوں سے شانِ مرتضوی آشکار ہے
ان بازوؤں پہ روحِ یداللہ نثار ہے
ساعد نہیں ہیں قدرتِ پروردگار ہے
پنجے میں زورِ دستِ شہِ ذوالفقار ہے
حاجت روا ہیں ساری خدائی کے واسطے
یہ انگلیاں ہیں عقدہ کشائی کے واسطے

سینہ صفا میں عبرتِ آئینہ حلب
اس میں بھرے ہوئے ہیں گہرہائے رازِ رب
قرآں سے کم نہ سمجھیں جسے حق پرست سب
واں پائے حکمہ دار رکھے شمر ہے غضب
کیوں فاطمہؑ کے دل پہ نہ کوہِ الم گرے
جب ایسے آئینے پہ یہ سنگِ ستم گرے

ہر لحظہ عاصیوں پہ جو رحمت کی ہے نظر
باندھی ہے کس کے مرنے پہ ٹوٹی ہوئی کمر
کہتے ہیں آہ بھر کے شہنشاہِ بحر و بر
ہم کو ضعیف کر گئے عباسِ نامور
شیعوں کا ہے یہ پاس جو ہم بولتے نہیں
بے اُن کے بخشوائے کمر کھولتے نہیں

قامت ستونِ دیں ہے تو ارکانِ دیں قدم
ہٹ جائیں معرکے سے یہ ایسے نہیں قدم
جس خاک پر رکھے شہِ گردوں نشیں قدم
چومے بصد نیاز و تفاخر زمیں قدم
کس کوہ میں تھے جو تھے صفات اُن کے واسطے
بہرِ ثبات یہ ہیں ثبات ان کے واسطے

ہے خود سر پہ کہ قبۂ عرشِ بریں ہے یہ
کلغی نہ سمجھو شہپرِ روح الامیں ہے یہ
روشن ہے روشنی سے کہ قندیلِ دیں ہے یہ
حقا کہ ایک آیتِ فتحِ مبیں ہے یہ
ہے فرق پر رسول کے لکہ سحاب کا
دیکھو قران ہوا زحل و آفتاب کا

ہے یوں زرہ میں جسم امامِ فلک سریر
ابرِ تنک میں جوں نظر آئے مہِ منیر
حلقوں میں دیکھو جلوۂ اندامِ بے نظیر
سونے کے ہے ورق پہ رقم جوشنِ کبیر
ہے بے مثال موجِ زرہ اپنے کام میں
لائی نہنگِ بحرِ شجاعت کو دام میں

گر خود ہے سرآمدِ اسبابِ کارزار
جوشن ہے زیورِ تنِ مردانِ کارزار
چار آئینہ ہے بہرِ بدن آہنی حصار
گویا ورق پہ نور کے سورے لکھے ہیں چار
پر توفگن ہے چہرۂ شاہِ زمن کا نور
ہے چار آئینے سے عیاں پنج تن کا نور

ہے تیغ برقِ خرمنِ ہستیِ اہلِ شر
دم لے نہ ہو زمیں جو پڑے تیغ کوہ پر
بالائے دوشِ مہرِ نبوت سہی ہی سپر
ہے قرصِ چشمِ عشوہ گرِ لیلیِ ظفر
اک جا دھواں ہے فاطمۂ زہرا کی آہ کا
ٹکڑا ہے آفتاب پہ ابرِ سیاہ کا

یوں ہاتھ میں لیے ہے کماں فاطمہ کا لال
گویا کہ آفتاب کے پنجے میں ہے ہلال
ترکش کے تیر چلتے ہیں پیکِ قضا کی چال
بچنا ہے مرغِ روحِ عدو کے لیے محال
دل دوزِ اہلِ کفر دمِ صفدری تھی یہ
حکمِ خدا کی طرح خطا سے بری تھی یہ

کس سے بیاں ہو سرعتِ رخشِ فلک خرام
ہے کس کے آگے وسعتِ کونین ایک گام
بجلی ہے پھر ہوا سے ملی گر ذرا لجام
زیرِ قدم ہے ہند و حلب مصر روم و شام
اس کو سبک روی میں پرندوں پہ اوج ہے
بجلی ہے گر ہوا پہ تو دریا پہ موج ہے

اس شان سے کھڑے تھے امامِ ذوالاحترام
سردار بے حواس تھے حیران فوجِ شام
کہتا تھا ابنِ سعد تعجب کا ہے مقام
تنہا حسینؑ آئے ہیں لشکر ہوا تمام
اس پر مقابلے کو نکلتا نہیں کوئی
حربے تو سینکڑوں ہیں پہ چلتا نہیں کوئی

ہمراہ اور کیا کوئی عباس سا ہے شیر
اکبر سا کیا جلو میں کوئی اور ہے دلیر
دہشت ہے کس کی وہ تو ہیں خود زندگی سے سیر
اک تشنہ لب کے قتل میں اے غازیو یہ دیر
دن سے کرو شہید شہِ خوش صفات کو
کیا بی بیوں کو لوٹنے جاؤ گے رات کو

ہاں جلد کاٹ لو پسرِ فاطمہؑ کا سر
پھر تم کو لوٹنا ہے رسولِ خداؐ کا گھر
دھڑکا ہے یہ کہیں نہ سرک جائے مال و زر
خیمے میں شاہ کا ابھی جیتا ہے اک پسر
گھیریں اسے جو قتلِ امامِ زمانہ ہو
ایسا نہ ہو کہ لے کے حرم کو روانہ ہو

شقے میں لکھ چکا ہی مکرر امیرِ شام
جس وقت تن سے کاٹ چکے تو سرِ امام
میری طرف سے فوج کو دیجو یہ حکمِ عام
زیور علیؑ کی بیٹیوں کا لوٹ لو تمام
کانوں میں ننھے بچوں کے گوہر نہ چھوڑیو
رانڈوں کے منہ چھپانے کو چادر نہ چھوڑیو

دربار میں جو لاؤ گے زینب کو ننگے سر
اس دن لٹاؤں گا میں خزانے کا مال و زر
کوفے میں عید ہو جو لٹے فاطمہؑ کا گھر
سیدانیاں پھریں گی بستی میں دربدر
ہے دشمنی علیؑ سے عداوت حسینؑ سے
یثرب اجاڑ ہوئے تو سوؤں میں چین سے

لالچ دیا جو فوج کو اس روسیاہ نے
تنہا سے عزمِ جنگ کیا سب سپاہ نے
زینب کی قید کا جو سنا ذکر شاہ نے
کھینچی اک آہ دلبرِ شیرِ الٰہ نے
نزدیک تھا کہ تیغ کمر سے اُگل پڑے
خیمے کو دیکھا پھر کے اور آنسو نکل پڑے
سینے میں مضطرب دلِ پُر درد ہو گیا
برچھی لگی جگر پہ بدن سرد ہو گیا
آلودۂ عرق رُخِ پُر گرد ہو گیا
آنکھیں تو سُرخ ہو گئیں منھ زرد ہو گیا

تنہا اُدھر سے ہر وَغا شاہِ دیں چلے
نیزے ہلا ہلا کے ادھر سے لعیں چلے
کھینچی کمر سے شہ نے جو شمشیرِ شعلہ بار
بجلی چمک کے ہو گئی گویا فلک کے پار
طائر اُڑے ہوا سے نکلنے لگے شرار
تھرائی یہ زمیں کہ اُٹھا دشت میں غبار
مَرفق "تلک اُلٹ لیا جو آستین کو
گرنے کے ڈر سے چرخ نے تھاما زمین کو
پہلے ہوئے دو چار سوارانِ نیزہ باز
تھا جن میں ایک ایک کو اپنے ہنر پہ ناز
یوں آئے تیغ تول کے شاہنشہِ حجاز
جس طرح سے شکار پہ گرتا ہے شاہباز
اللہ کا غضب تھا چمک ذوالفقار کی
فرصت ملی نہ ایک کو نیزے کے وار کی

تھے پست ایک دم میں جوانانِ سر بلند
ہر ضرب میں تھی تیغِ علیؑ کی بُرش دو چند
سر تک گئی وہ جس کے ہوا دو، مع سمند
جوں نے شکر قلم ہوئے نیزوں کے بند بند
سر تھا اگر تو نیزۂ بیداد گر نہ تھا
نیزہ کسی کے ہاتھ میں گر تھا تو سر نہ تھا
مغرور نیزہ بازی پہ تھا اک عدوئے شاہ
آیا وہ اس غضب سے کہ اللہ کی پناہ
نیزے کی تھی سناں کہ ٹھہرتی نہ تھی نگاہ
گویا زباں نکالے تھا اک افعیِ سیاہ
مانند عمرو معرکہ آرائے رزم تھا
گھوڑے سے شاہِ دیں کو گرا دوں یہ عزم تھا
نیزے کے ہاتھ صورتِ مرحب نکال کر
آگے بڑھا سمند کو کاندھے پہ ڈال کر
آواز دی اجل نے کہ فکرِ مآل کر
للکارے شاہ تیغِ علیؑ کو سنبھال کر

او خوں گرفتہ شیر سے ہم لڑنے والے ہیں
نیزے یہاں کی فوج کے سب دیکھے بھالے ہیں
پُھرتی سے اس لعیں نے کیا اک غضب کا وار
سمجھے یہ سب کہ ہو گیا چھاتی کے وار پار
شہ نے انی کو تھام کے چٹکی میں استوار
دکھلایا زورِ دستِ شہنشاہِ ذوالفقار
ساعد سے ہاتھ ہاتھ سے نیزہ نکل گیا
گھٹنے زمیں پہ ٹیک کے گھوڑا سنبھل گیا

نیزہ اُٹھا کے اس پہ چلے شاہِ بحر و بر
تب اپنا ہاتھ چہرے پہ اس نے کیا سپر
بے کار دستِ کفر پرستِ لعیں ہوا
مولا کماں کشوں پہ چلے پھر بہ تیغِ تیز
گرنے لگی چمک کے جو شمشیرِ شعلہ ریز
جو تھم گیا وہ تیرِ اجل کا نشانہ تھا
حلقے میں موت کے قدر انداز گھر گئے
جو لیس تھے لڑائی پہ رُخ ان کے پھر گئے
سارے خطا شعاروں کو جانوں کی فکر تھی
بھاگے جو وہ تو تیغ زنوں سے ہوئے دو چار
چلنے لگیں اُدھر سے بھی تیغیں کئی ہزار
منھ پر سپر امامِ دو عالم نہ لیتے تھے
وہ تیغ جس کے سر پہ پڑی تنگ تک گئی
دہشت سے چشمِ نیرِ اعظم جھپک گئی
غل تھا صفوں میں زیست سے اب تو تنگ ہیں
آہن میں غرق تھے جو دلیرانِ صف شکن
زرہیں بھی چاک چاک ہوئیں صورتِ کفن
گر گر کے مرکبوں سے عدو ہاتھ ملتے تھے
غُل تھا کہ حیدرِ کرار الاماں
اے نورِ چشمِ احمدِ مختار الاماں
کر رحم اپنی تشنہ دہانی کا واسطہ
اکبرؑ کا عینِ جنگ میں شہ نے سنا جو نام
اعدا سے تھر تھرا کے یہ کرنے لگے کلام
سینہ میں ان کے غم سے جگر چاک چاک ہے

فرمایا دیکھ او ستم آرا مرا ہنر
یاں شانے تک انی نے کیا ہاتھ سے گزر
نیزہ تو ہاتھ بن گیا ہاتھ آستیں ہوا
دشتِ نبرد ہو گیا صحرائے رستخیز
گوشوں میں کچھ نہاں ہوئے کچھ کر گئے گریز
ترکش تھا نے کماں تھی نہ بازو نہ شانہ تھا
چلّے بھی کشمکش میں کمانوں سے گر گئے
دریا میں گر کے بہہ گئے جو وہ تیر گئے
تیروں کا ہوش تھا نہ کمانوں کی فکر تھی
در آئے درعہ پوشوں میں چمکا کے راہوار
تا آسماں بلند ہوا شورِ گیر و دار
اک تیغ سے جواب ہزاروں کو دیتے تھے
جس وقت ہاتھ اٹھا تو چمک تا فلک گئی
چمکی کبھی سما پہ کبھی تا سمک گئی
روکیں کسے کہ تیغ میں بجلی کے ڈھنگ ہیں
خود اُن کے تھے سروں سے جدا اور سروں سے تن
چار آئینے بھی کٹ گئے ٹکڑے ہوئے بدن
آنسو لہو کے چشمِ زرہ سے نکلتے تھے
اے سیدہ بتول کے دلدار الاماں
پہنچے سزا کو اے شہِ ابرار الاماں
ہم شکلِ مصطفےٰ کی جوانی کا واسطہ
تھرا کے بس جگر کو لیا دستِ چپ سے تھام
اکبر کہاں ہیں تم تو نہیں کر چکے تمام
وہ بھی ہیں خاک ان کی جوانی بھی خاک ہے

جن کی دُہائی دیتے ہو وہ ہیں لہو میں لال
ہم کو انہیں کے داغ سے ہے زندگی محال
بے جاں کیا اُنہیں تمہیں لوگوں نے جاں سے
آؤ انہیں کی لاش کی کھاتا ہوں میں قسم

چھد جائے جسم تیروں سے گر سر سے تا قدم
تھا غیظ تم پہ مجھ کو سو وہ وقت ٹل گیا
بھولا ہوا تھا جنگ میں بچّہ اس کا تھا نہ دھیان
ہے ہے وہ لمبی زلفیں وہ رخ وہ شکوہ شان
دِکھلا دو پھر مجھے مرے دلبر کی لاش کو

یہ کہہ کے باگ چھوڑ دی اور رک لی حسام
عیبِ دغا تم ہی میں ہے اے ساکنانِ شام
طاقت پہ حلمِ سبطِ پیمبر بھی دیکھ لو
سیراب تم ہو اور مجھے دو دن سے پیاس ہے
سر بر حسینؑ سے ہو یہ دور از قیاس ہے

ہے آرزو کہ اُس مہِ انور سے جا ملوں
یہ سن کے شہ پہ ٹوٹ پڑے تیغ زن تمام
زخموں سے چور ہو گیا شہ کا بدن تمام
بھاگے ہوئے سوار بھی رستے سے پھر پڑے
جب خاک پر تڑپنے لگا فاطمہؑ کا لال
چہرے سے تھا عیاں اسد اللہؑ کا جلال

آلودہ تھے عذارِ مبارک غبار سے
چلاتی تھی یہ ہاتھوں سے تھامے ہوئے جگر
اِس کے عوض پھرا دو چھری میرے حلق پر
کٹتا ہے ایک حلق کئی گھر اُجڑتے ہیں

اُن کو نہ ماں کی فکر نہ ہے باپ کا خیال
وہ ہوتے تو یہ کاہے کو ہوتا ہمارا محال

اٹھارھویں برس میں سدھارے جہان سے
ماروں نہ دم جو لاکھ لگیں نیزۂ ستم
کیا دخل ہے جو تیغِ دو دم کو کروں علم
اکبر کا نام سن کے کلیجہ نکل گیا
یاد آیا اب کہ مر گیا بیٹا مرا جواں
وہ برگِ گل سے ہونٹ وہ سوکھی ہوئی زباں
روؤں گلے لگا کے میں اکبر کی لاش کو

اعدا کو دی صدا کہ لڑائی ہوئی تمام
پھر جائے قول سے یہ نہیں شیوۂ امام
دیکھا غضب تو صبر کے جوہر بھی دیکھ لو
تنہا ہیں با حواس ہیں تم کو ہراس ہے
پر کیا کروں کہ روح کو اکبر کا پاس ہے
جلدی کرو شہید کہ اکبر سے جا ملوں

سینے کو تاکنے لگے ناوک فگن تمام
جوں گُل لہو میں ڈوب گیا پیرہن تمام
یاں تاب اٹھائے زخم کہ گھوڑے سے گر پڑے
اِک بی بی نکلی خیمے سے بکھرائے سر کے بال
ملتی تھی اُس کی چال سے خیر النسا کی چال
غل تھا کہ فاطمہؑ نکل آئی مزار سے

کیوں بے چراغ کرتے ہو خیر النسا کا گھر
اے ظالمو! یہ حیدرِ صفدر کا ہے پسر
ہے ہے یہ تیر کس کے کلیجے پہ پڑتے ہیں

غش میں امام نے جو بہن کی سُنی صدا
سر تن پہ ہے ابھی مرے کیوں پھینک دی ردا
شبیرؑ ذبح ہوتا ہے میں بے حواس ہوں
مقتل میں بے عمامہ ہیں محبوبِ کبریا
اور سر برہنہ گرد علیؑ کے ہیں اولیا
اُٹھ اُٹھ کے جب زمین پہ شبیرؑ گرتے ہیں

ماں کی صدا یہ سُن کے پکاری وہ دل فگار
بھائی سے چھٹتی ہوں مجھے کیوں کر پڑے قرار
اِس بیکسی میں کام نہ بھائی کے آؤں میں
رو کر یہاں یہ کرتی تھی وہ سوختہ جگر
چلّاتی تھی سکینہ کہ ہے ہے مرے پدر
پردے سے منھ نکال کے میداں کو تکتے تھے

راوی رقم یہ کرتا ہے اس معرکے کا حال
منھ بھولا بھولا گوندھے ہوئے گیسوؤں کے بال
رُخسار روشنی میں فزوں آفتاب سے
چشمِ سیاہ نرگسِ شہلا پہ طعنہ زن
وہ گورے گورے گال وہ چہرے پہ بھولا پن
زلفیں اُڑیں ہوا سے تو کوسوں مہک گئی

وہ چاند سا گلا وہ مہِ نَو سی ہنسلیاں
وہ پیارے پیارے ہاتھ کہ صدقے تھی جن پہ جاں
تعویذ بازوؤں پہ کڑے ہاتھ پاؤں میں
چلّائی ماں یہ پردے کو سرکا کے ایک بار
پھر آ خدا کے واسطے بر آ ترے نثار!
لو مُڑ کے دیکھو خیمے سے باہر نکلتی ہوں

گردن اُٹھا کے بولے کہ بھیجنا یہ کیا کیا؟
آئی صدا اے فاطمہؑ بیٹی یہ ماں فدا
تو گھر میں جا کہ میں ترے بھائی کے پاس ہوں
آتے ہیں غش پہ غش اُنہیں تھامے ہیں انبیا
اِک شور ہے کہ ہائے یہ اُمت نے کیا کیا
پروانے کی طرح سے حسنؑ گرد پھرتے ہیں

امّاں یہ بیٹی آپ کی آواز کے نثار
ہے ہے یہ تن حسینؑ کا اور برچھیوں کے وار
نکلی ہو تم تو قبر سے اور گھر میں جاؤں میں
اور پیٹتی تھیں بی بیاں ڈیوڑھی پہ ننگے سر
تھیں چھوٹے چھوٹے بچوں کی اشکوں سے آنکھیں تر
مائیں جو پیٹتی تھیں تو بچے بلکتے تھے

نکلا اُٹھا کے پردے کو ایک طفلِ خورد سال
ماتھا تو رشکِ بدر بھویں غیرتِ ہلال
کانوں میں بُندے ہل رہے تھے اضطراب سے
نازک وہ لب کہ جس سے خجل برگِ یاسمن
گویا کہ دُرجِ لعل تھا غنچہ سا وہ دہن
گوہر ہلا جو کان کا بجلی چمک گئی

کُرتا بدن میں پھولوں پہ شبنم ہو جوں عیاں
ہیکل گلے میں پہنے ہوئے بہرِ حفظِ جاں
دوڑا چچا کو دیکھ کے تیغوں کی چھاؤں میں
بیٹا کدھر نکل گئے مادر ہے بے قرار
برسا رہے ہیں تیر ہزاروں ستم شعار
اچھا نہ آؤ میں بھی کھلے سر نکلتی ہوں

یہ سُن کے بھی پھرا جو نہ وہ غیرتِ قمر
بولی پکڑ کے دامنِ پیراہنِ پسر
مر جاؤں گی رنڈاپے میں مجھ کو پناہ لے
واری میں تیرے پاؤں پہ رکھتی ہوں اپنا سر
کیوں کر لڑو گے پاس نہ تلوار نے سپر
وہ کہتا تھا چچا کے بچانے کو جاتے ہیں
تیغیں چلیں حسینؑ پہ اور واہ ہم نہ جائیں
اصغرؑ تو اپنی ننھی سی گردن پہ تیر کھائیں
کیا ڈر ہمیں علیؑ کے پسر کے پسر ہیں ہم
جانے دو ہم کو مرنے کو اب تم تو گھر میں جاؤ
رانڈوں کا بھی خدا ہے غمِ اولاد کا نہ کھاؤ
پھوپھیاں فراقِ سیدِؑ والا میں روتی ہیں
یہ کہہ کے ماں کے ہاتھ سے دامن چھڑا لیا
ہاتھوں کو ملتی رہ گئی ماں غم کی مبتلا
زخمی چچا کو دیکھ کے دل غم سے پھٹ گیا
گردن میں ہاتھ ڈال کے وہ طفلِ ماہرو
گھبرا کے دیکھتا کبھی اعدا کو چار سو
خیمے سے سر برہنہ پھوپھی نکلی آتی ہیں
زانو پہ ہاتھ مار کے شہ نے کہا کہ ہائے
مارے کوئی تمہیں تو چچا کس طرح بچائے
بیکس چچا پہ فوج ستم کی چڑھائی ہے
ناگہ ہجومِ فوجِ ستم شاہ پر ہوا
اُس وقت بے قرار حسنؑ کا پسر ہوا
گہہ لڑکھڑا کے شاہ کی گودی میں گرتا تھا

دوڑی نکل کے خیمے سے مادر برہنہ سر
بیوہ ہوں اے یتیمِ حسنؑ مجھ پہ رحم کر
صدقہ حسنؑ کی روح کا چل گھر کی راہ لے
غصے سے کانپتے ہو نہیں جان کا خطر
کُرتے کی آستین چڑھائے چلے کدھر
دامن کو چھوڑ دو ہمیں بابا بلاتے ہیں
عمو نے ہم کو پالا ہے کس طرح جی بچائیں
تیغیں چمکتی دیکھ کے مقتل سے ہم پھر آئیں
تلوار گر نہیں تو چچا کی سپر ہیں ہم
دشمن نہ دیکھ لے کوئی چادر سے منہ چھپاؤ
قاسمؑ کا داغ دیکھا ہمارا ابھی داغ اُٹھاؤ
ساتھ اُن کا جا کے دو کہ چچی رانڈ ہوتی ہیں
جلدی قدم اُٹھا کے چچا کی طرف چلا
جا پہنچا قتل گہہ میں وہ مشتاق موت کا
پھیلا کے ننھے ہاتھ گلے سے لپٹ گیا
کُرتا اُٹھا کے منہ سے لگا پونچھنے لہو
کہتا کبھی چچا سے کہ اے شاہِ نیک خو
گھر میں چلو کہ تم کو سکینہ بلاتی ہیں
یہ کیا غضب کیا کہ اس آفت میں گھر سے آئے
قسمت میں تھا حسینؑ تمہارا ابھی داغ اٹھائے
ماں سے تمہیں چھڑا کے اجل رن میں لائی ہے
تیغیں اُٹھا کے لشکرِ کیں حملہ ور ہوا
جب تیغ آئی شہ پہ وہ بچہ سپر ہوا
پروانے کی طرح سے کبھی گرد پھرتا تھا

کہتا تھا ظالموں سے کبھی وہ بہ چشمِ نم
بندے یہ اپنے کانوں کے دیتے ہیں تم کو ہم
دوں گا دعا کریم ہوں ابنِ کریم ہوں

اعدا کو ننھے ہاتھوں سے بڑھ کر ہٹاتا تھا
چمکا کے تیغ جب کوئی نزدیک آتا تھا
کہتے تھے شاہ تیغ نہ اِس پر عَلم کرو

آخر کسی کی تیغِ ستم شاہ پر چلی
زہرا کی روح کو ہوئی جنت میں بے کلی
تلوار ہاتھ کاٹ کے در آئی خود میں

تڑپا زمیں پہ گر کے جو وہ طفلِ خردسال
اُس سے لپٹ کے کہنے لگے شاہِ خوش خصال
اب ذبح کرنے شمر کوئی دم میں آئے گا

آغوش میں چچا کی تڑپتا تھا وہ صغیر
حضرت کے منھ کو تکنے لگا وہ مہِ منیر
آنکھیں پھرائیں چاند سا منھ زرد ہو گیا

اِک آہ کر کے غش ہوئے سلطانِ بحر و بر
فریاد ہے کہ پاؤں دھر اشقیا کے سینے پر
پانی دیا نہ ہائے نبیؐ کے نواسے کو

تن سے جدا ہوا جو سرِ سیّدِ انام
خاموش اے انیسؔ یہ رونے کا ہے مقام

بیکس پہ یہ ہجوم مسافر پہ یہ ستم
بہرِ خدا چچا پہ نہ تیغیں کرو عَلم
بچپن پہ میرے رحم کرو میں یتیم ہوں

کُرتے سے گاہ زخمِ جگر کو چھپاتا تھا
شہ اُس کو تھامتے تھے وہ شہ کو بچاتا تھا
وہ کہتا تھا کہ پہلے مرا سر قلم کرو

چلّایا ہاتھ اُٹھا کے وہ بچہ کہ یا علیؑ!
سر سے نہ اُس یتیم کے تیغِ قضا ٹلی
دستِ صغیر گر پڑے حضرت کی گود میں

چھینٹوں سے خوں کی ہو گیا کرتا تمام لال
صدقے میں تیرے ہاتھوں کے اے مجتبیٰ کے لال
جاتے ہو تم تو کون چچا کو بچائے گا

بچے کے پیاسے حلق پہ مارا کسی نے تیر
سر پیٹے زخمی ہاتھوں سے شاہِ فلک سریر
منھ سے اُگل اُگل کے لہو سرد ہو گیا

آیا پکڑ کے خنجرِ کیں شمرِ بدگہر
حضرت نے چونک کر کہا پیاسا ہوں رحم کر
جلّاد ذبح کرنے لگا بھوکے پیاسے کو

خیمے سے نکلیں پیٹتی سیدانیاں تمام
تازہ ہے روزِ حشر تلک ماتمِ امام

جب تک جہاں ہے شہ کو عزادار روئیں گے
ہم آج ہیں شریک مگر کل نہ ہوئیں گے

۲۱ مرثیہ ۱۲۳ بند

جب آبِ رواں بند ہوا فوجِ خدا پر
نرغہ ہوا دسویں کو امامِ دو سرا پر
پھولا تھا چمن دشت میں اولادِ علیؑ کا
خاروں کی طرح گرد کھڑی تھی سپہِ شام
تھا شور کہ پیاسوں کو نہ پانی کا ملے جام
سادات کو ہاں نیزہ و شمشیر سے مارو

یہ شیر ہیں آغوشِ ید اللہ کے پالے
گھیرے رہیں پیاسوں کو سواروں کے رسالے
ہاتھ آئے گا اس خوں کا صلہ تیغ زنوں کو
دریا کو جو دیکھے کوئی پیاسا تو چلیں تیر
نازاں ہیں بہت اپنے علمدار پہ شبیرؑ
اک عشق ہے ہم شکلِ رسولِ مدنی سے

قاسم کو سمجھتے ہیں برادر کی نشانی
فرزندوں کو زینب کے نہ دینا کہیں پانی
تیغ اِن کے بزرگوں کی ہزاروں پہ چلی ہے
کس شان سے ہیں نیمچے ہاتھوں میں سنبھالے
کاندھوں پہ بھلے لگتے ہیں کیا چھوٹے سے بھالے
تلواروں سے پھر جیے کدھر جائیں گے شبیرؑ

واں ظلم پہ باندھے تھا کمر لشکرِ کفار
ذی قدر جواں مردِ خوش اطوار، وفادار
آغوشِ محمدؐ کا مکیں اُن کی طرف تھا
فاقے کئی گذرے شہِ دیں کے رفقا پر
پیاسوں کا لہو بہنے لگا خاکِ شفا پر
باجوں کا اُدھر غل تھا اِدھر نادِ علیؑ کا

کس شان سے تھا بیچ میں گلدستۂ اسلام
سب تشنہ دہن قبلۂ کون زہراؑ کے گل اندام
بچہ بھی جو آئے تو اُسے تیر سے مارو
جو سب سے زبردست ہو ہاتھ ان پہ وہ ڈالے
نزدیک سے تلواریں چلیں دُور سے بھالے
دم لینے کی مہلت نہ ملے بے وطنوں کو

ہیں اُن کے گلے قابلِ آبِ دمِ شمشیر
دُنیا سے مٹا دو اسد اللہ کی تصویر
چھید و جگر اس چاند کا نیزے کی انی سے
ہاں بھائیو برباد کرو اس کی جوانی
یہ شیر ہیں کونین میں ان کا نہیں ثانی
اِک جعفرِ طیار ہے اور ایک علیؑ ہے

بگڑیں تو بہا دیں یہ ابھی خون کے نالے
زخمی ہوں کسی پیچ سے یہ گیسوؤں والے
زینب نکل آئے گی تو مر جائیں گے شبیر
تھوڑے سے جواں یاں کے بھی تھے مرنے پہ تیار
خاصانِ خدا متقی و زاہد و ابرار
دنیا تو اُدھر جمع تھی دیں ان کی طرف تھا

سمجھا فتح کے مژدے کا مفسر کوئی ذی جاہ
پڑھتا تھا کوئی آیۂ نصرت طرفِ شاہ
کہتا تھا کوئی ہنس کے توکلتُ علی اللہ
بولا کوئی اب جلد کٹی جاتی ہے یہ راہ
گو رحم نہ یہ لشکرِ نا اہل کرے گا
اس پیاس کی سختی کو خدا سہل کرے گا

تھا سورۂ کوثر کسی پیاسے کی زباں پر
مائل تھا کوئی سیرِ گلستانِ جہاں پر
صدقے کوئی ہوتا تھا امامِ دو جہاں پر
لڑکے بھی کھڑے تھے کئی کھیلے ہوئے جاں پر
تسبیحِ امامت کو عجب دانے ملے تھے
یا فاطمہؑ کی شمع کو پروانے ملے تھے

عاشقِ شہِ والا کے مطیعِ اسد اللہ
سر دینے کو سب ہادیِ کونین کے ہمراہ
مستغنی و حق بین و حق آئین و حق آگاہ
دنیا کو وہ دیندار سمجھتے تھے گذرگاہ
فاقوں میں توکل تھا جنابِ احدی پر
پڑتی تھی نظر ان کی نعیمِ ابدی پر

خشکیدہ زبانوں پر سخن شکر کا جاری
معشوقِ امامِ دو جہاں عاشقِ باری
کوئی تو محدث کوئی حافظ کوئی قاری
ہم رتبۂ سلمانؓ و اباذرؓ غفاری
سمجھے ہوئے تھے تلخ وہ لذاتِ جہاں کو
تھا چاشنیِ فقر سے کام ان کی زباں کو

گو فاقوں سے تحلیل تھے وہ صاحبِ توقیر
موقوف نہ ہوتے تھے مگر نعرۂ تکبیر
دانائے جہاں سیفِ زباں صاحبِ شمشیر
طینت میں وفاداروں کے تھی الفتِ شبیر
دل تیروں سے زخمی ہوئے چھد چھد گئے سینے
پر رشتۂ تسبیح کو توڑا نہ کسی نے

اک ایک مئے وحدتِ اللہ سے سرمست
ثابت قدم و صفدر و جانباز و زبردست
سر کائیں نہ سینوں کو جو سو تیر ہوں پیوست
سمجھا کیے دنیا کی بلندی کو سدا پست
نے گھر کا نہ اولاد کا نے مال کا غم تھا
غم تھا تو فقط فاطمہؑ کے لال کا غم تھا

کس شوق سے تلواروں کے پھل بھوک میں کھائے
پانی کا مگر نام زبانوں پہ نہ لائے
آقا کی محبت میں وطن چھوڑ کے آئے
ایسے بھی نمک خوار کسی نے نہیں پائے
زرہیں تنِ پرنور میں شیروں کے پڑی تھیں
آنکھیں سپہِ شام کی تیغوں سے لڑی تھیں

پہلو میں کوئی اور کوئی پیشِ شہِ خوش خو
کوئی سپرِ حفظ کوئی جوشنِ بازو
رخ چاند سے روشن تو بدن پھولوں سے خوشبو
رخساروں پہ سنبل سے لٹکتے ہوئے گیسو
تیروں سے نہ تلواروں سے منہ پھرتا تھا ان کا
حضرت کے پسینے پہ لہو گرتا تھا ان کا

کیا شانِ حبیبؑ ابنِ مظاہرؑ لکھوں حال
وہ پیاس کا صدمہ وہ ضعیفی وہ سن و سال
کیا رتبۂ اعلےٰ تھا، ہے حشمت و اقبال
فرماتا تھا بھائی جسے خود فاطمہؑ کا لال
جو عشق تھا سلمانؓ و ابوذرؓ کو نبیؐ سے
ان کو وہی اُلفت تھی حسینؑ ابن علیؑ سے

انداز جوانوں کا بھی پیرانہ سری بھی
پروانۂ جاں باز بھی شمعِ سحری بھی
ابرار بھی دیں دار بھی عصیاں سے بری بھی
زاہد بھی مجاہد بھی نمازی بھی جری بھی
طفلی سے یہ فوجِ شہ نامی میں رہے تھے
ترسٹھ ۶۳ برس آقا کی غلامی میں رہے تھے

تھا وہ قدم گشتہ شجاعت سے نہ خالی
مرنے کو چلے کیا کہ چلی تیغِ ہلالی
پسپا بھی وہ صف جس پہ نظر شیر نے ڈالی
نعرہ تھا یہ ہر دم کہ نثارِ شہِ عالی
صدقے ہوئے یوں لختِ دلِ ختمِ رسلؐ پر
بلبل کبھی جس طرح فدا ہوتی ہے گُل پر

وہ مومنِ کامل جو زمانے سے سدھارا
حضرت کا جگر ہو گیا سینے میں دو پارا
فرماتے تھے رو کر کہ نہیں صبر کا یارا
افسوس کہ بچپن کا چھٹا دوست ہمارا
یوں روئے جدا ہونے پہ اس تشنہ دہن کے
جس طرح سے روتے تھے جنازے پہ حسنؑ کے

مٹی میں ملایا وہ مرقع جو قضا نے
سر دینے پہ تیار ہوئے شہ کے یگانے
دیکھا ہوئے افلاک امامِ دو سرا نے
تسبیح امامت کے بکھرنے لگے دانے
کیا قہر ہے تیر اُن پہ چلے فوجِ شقی کے
رشتے ہیں جو تھے احمدؐ و زہراؑ و علیؑ کے

مقتل سے یہ خیمے میں خبر جاتی تھی ہر بار
بے جان ہوئے مسلمؑ کے یتیمانِ وفادار
آخر ہوئی اولادِ عقیلِ جگر افگار
پامال ہوا لو چمنِ جعفرِ طیار
لشکر میں تلاطم ہے امامِ ازلی کے
اب چلتی ہے تلوار نواسوں سے علیؑ کے

تھی شکر کے سجدے میں یداللہ کی جائی
فضہ نے یکایک یہ خبر آ کے سُنائی
سیدانیو لوٹی گئی زینب کی کمائی
دم توڑتے ہیں خاک پہ معصوم دُہائی
مرتے ہیں زبانوں کو نکالے ہوئے بچے
ہے ہے مری آغوش کے پالے ہوئے بچے

سجدے سے جو سر حضرت زینبؑ نے اُٹھایا
ہر بی بی کو خیمے میں تڑپتا ہوا پایا
گھبرا کے کہا کیا ہوا؟ کیوں شور مچایا؟
جلدی کہو کیا زخم کوئی بھائی نے کھایا
کیوں پیٹتے ہو حال مرا غیر ہے لوگو!
اکبرؑ مرے فرزند کی تو خیر ہے لوگو!

سب نے کہا دنیا سے گئے آپ کے پیارے
صادق تھے وہ حقِ مالک ادا کر گئے بارے
تھا آج کے دن کے لئے پالا انہیں ہیں نے
یہ سن کے ادھر بی بیاں سب پیٹتی تھیں سر
مارے گئے عباس کے عینی جو برادر
تلواریں کٹیں یہ چلیں شاہِ زمن کے
بھاوج کے جو پرسے کو چلے سیدِ ابرار
پردے سے لگی رو رہی تھی زینبِ ناچار
فرمایا کہ اٹھو تو مری جان برادر
کی عرض کہ اے وارثِ زینتِ حیدر
باقی ہوں غلاموں میں تو ہیں بیٹوں میں اکبر
بڑھتا ہوں میں جس دم تو جھکا لیتے ہیں سر کو
میداں میں بڑے بھائی کا پیارا ہوا بے دم
کیا جانئے کیا سوچتے ہیں قبلۂ عالم
ہوگا وہی جس امر میں کہ آپ کریں گی
خود عرض کروں شہ سے یہ مجھ کو نہیں یارا
ہاں آپ ذرا شاہ سے کر دیں جو اشارا
حامی ہو تو دیر ایک دم ایک پل نہیں ہوتی
سن کر یہ سخن کہنے لگی زینبِ ذی جاہ
اچھا میں کہوں گی یہ نہ مانیں گے کبھی شاہ
مشکل ہے بہت گود کے پالے کی جدائی
ہاں رخصتِ اکبر ہو تو ہو ان کو گوارا
اک دم بھی جدا ہونے کا جن کو نہیں یارا
اول تو یقیں ہے کہ نہ اقبال کریں گے

فرمایا کہ ہاں دونو نے سر ماموں پہ وارے
شادی ہوئی پروان چڑھے لال ہمارے
شاہد ہیں سب دودھ بھی بخشا انہیں ہیں نے
واں تیغوں سے ہوتا تھا قلم گلشنِ حیدر
لاکھوں سے لڑا لختِ جگرِ حضرتِ شبیرؑ
ٹکڑے نہ ملے لاشۂ فرزندِ حسنؑ کے
آگے گئے روتے ہوئے عباسِ علمدار
ہمشیر کے قدموں پہ گرے دوڑ کے اک بار
کیا کہنے کو آئے ہو میں قربان برادر
دنیا سے سفر کر گیا سب شاہ کا لشکر
دیکھوں کیسے دیتے ہیں رضا سبطِ پیمبر
دیکھا ہے کن آنکھوں سے کئی بار پسر کو
یہ ایک ندامت ہے مرے واسطے کیا کم
اکبر بھی سدھارے تو کہیں کے نہ رہے ہم
رہ جائے گی عزت جو مدد آپ کریں گی
ہوگا نہ کسی اور سے اس درد کا یارا
پھر کیا ہے سنور جائے ابھی کام ہمارا
مشکل کوئی بے عقدہ کشا حل نہیں ہوتی
دلوا دے بہن بھائی کو مرنے کی رضا آہ
بھائی سے نہ اٹھے گا یہ کوہِ غمِ جاں کاہ
آساں نہیں چاہنے والے کی جدائی
فرزند انہیں تم سے زیادہ نہیں پیارا
کیوں کر کہوں وہ داغ اٹھائیں گے تمہارا
مانا بھی تو کیا جانئے کیا حال کریں گے

یہ ذکر تھا جو شاہِ اُمم خیمے میں آئے
اکبرؑ بھی بصد رنج و الم خیمے میں آئے
روتے جو حرم دیکھ کے اُس خاصۂ رب کو
جن جن کے پسر ہو گئے تھے دشت میں بے جاں
اے بی بیو! تم سب کے ہیں شبیرؑ پہ احساں
اولاد کے مر جانے کا کچھ غم نہیں ہم کو
رو کر شہِ بےکس نے کہا یہ نہ کہو آہ
سب قافلے والوں نے تو فردوس کی لی راہ
اب ہم نہ کوئی داغِ غم و یاس اٹھائیں
اکبرؑ نے کہا پہلے خدا ہم کو اُٹھائے
عباسؑ یہ بولے وہ گھڑی حق نہ دکھائے
حضرت ہی ہمارے تنِ صد پاش اٹھائیں
عباسؑ کا منہ ہنس کے لگے دیکھنے شبیرؑ
عباسِ علیؑ رونے لگے سُن کے یہ تقریر
آنسو نہ بہائیں کہ لہو گھٹتا ہے میرا
زینبؑ نے کہا ان کا تو مطلب ہی جُدا ہے
کی عرض کہ "اِن کو طلبِ اِذنِ وغا ہے"
اکبرؑ سے بھی پہلے سفرِ خلد کریں گے
کل تک تو مرے عشق کا دم بھرتے تھے ہر بار
ہاں بھول گئے شوقِ شہادت میں مرا پیار
بھائی نہیں جینے کا جو پہلو سے ہٹیں گے
زینبؑ نے کہا! آپ انہیں آزردہ نہ کیجئے
یہ غیظ میں ہیں جب سے ہوئے قتل بھتیجے
جاں باز ہیں غازی ہیں، بہادر ہیں، جری ہیں

روتے ہوئے ڈیوڑھی سے حرم خیمے میں آئے
عباسؑ بھی گردن کئے خم خیمے میں آئے
شبیرؑ نے اِک ایک کو پُرسا دیا سب کو
اُن سوگ نشینوں سے یہ بولے شہِ ذی شاں
سب بولیں کہ اے محسنِ عالم! ترے قرباں
اللہ زمانے میں رکھے آپ کے دم کو
مشتاقِ اجل ہوں مجھے جینے کی نہیں چاہ
جو بچھڑے ہیں جلد ان سے ملائے مجھے اللہ
لاشے کو مرے اکبرؑ و عباسؑ اُٹھائیں
فرزند تو زندہ ہو پدر خوں میں نہائے
آقا یہ جو آنی ہو بلا ہم پہ وہ آئے
خاک ایسی جوانی پہ کہ ہم لاش اُٹھائیں
فرمایا کہ جوش آگیا اے صاحبِ شمشیر
شہ نے کہا سمجھاؤ ذرا بھائی کو ہمشیر
کیوں روتے ہیں یہ کیا ابھی سر کٹتا ہے میرا
شہ نے کہا، فرمائیے ہمشیر، وہ کیا ہے؟
حضرت نے کہا "خیر مناسب ہے بجا ہے"
جلدی انہیں کاہے کی ہے کیا ہم نہ مریں گے؟
رخصت کے لئے آج یہ رقت ہے یہ اصرار
پوچھو تمہیں تھا ہم سے اور ان سے یہی اقرار
یہ کس نے کہا تھا کہ گلے ساتھ کٹیں گے
ان کی یہی دھن ہے کہ رضا پہلے ہی لیجئے
اب تو مری خاطر سے اجازت انہیں دیجئے
ناز ان کے اُٹھا لیجئے کہ اب یہ سفری ہیں

یہ سنتے ہی سر شہ کا جھکا زانوئے غم پر
سر پاؤں پہ تھا شاہ کے اور ہاتھ علم پر
چھوڑا ہمیں کیوں اے مرے محبوب برادر
خیمے میں ہوا غل کہ چلے حضرت عباسؑ
گھبرا کے سکینہ نے کہا تب بصد یاس
منھ شہ سے وہ موڑیں گے نہ مانوں گی کبھی میں
میں جیتی ہوں کیا ایسا چلا جانا ہے آساں
عباس کی زوجہ نے کہا سچ ہے میں قرباں
کیا جانتے واں مشورے کیا ہوتے ہیں بی بی
یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی شاہ کی جائی
تھراتی ہوئی بھیڑ کو اس وقت وہ آئی
چلائی کہ سمجھی ہیں جہاں چھپ کے چلے تھے
بتلایئے جاتی ہے کدھر آج سواری
دم گھٹتا ہے بولو تو چچا جان ہیں واری
بر میں ہے زرہ تیغ لگائی ہے کمر سے
عباسؑ پکارے ہیں اس آواز کے قرباں
دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ ناداں
بابا کا مرے کوئی مددگار نہیں ہے
پانی کے لئے واہ تمہیں ہاتھ سے کھوؤں
شب ہوئے تو پھر کس کی بھلا چھاتی پہ سوؤں
ہے ہے شہ بےکس کو رلانا نہیں اچھا
عباسؑ نے فرمایا کہ تم مشک تو لاؤ
قرباں ہیں کیوں پیاس کی تکلیف اٹھاؤ
نیلے ہیں یہ لب رنگ نہ کیوں زرد ہو میرا

عباسؑ گرے دوڑ کے بھائی کے قدم پر
حضرتؑ نے کہا رحم نہ آیا تمہیں ہم پر
تم جس میں خوشی خیر بہت خوب برادر
سب بولے کہ لو اور بھی سر ہوتے ہیں بے آس
کیا کہتے ہو تم مجھ کو تو جانے دو چچا پاس
عمو مجھے چھوڑیں گے نہ مانوں گی کبھی میں
دامن جو چھڑائیں تو کروں چاک گریباں
جائیں کبھی ایسے نہیں بی بی کے چچا جاں
پر کچھ نہ کچھ ایسا ہے کہ سب روتے ہیں بی بی
رستے میں کہیں گر پڑی ٹھوکر کہیں کھائی
جس وقت کہ ملتا تھا گلے بھائی سے بھائی
آتی ہوں بھلا تجھ سے کہاں چھپ کے چلے تھے
اس پیاس میں لی واہ خبر خوب ہماری
کیوں تم سے گلے مل کے پدر کرتے ہیں زاری
ہوتے ہیں جدا کیا مرے مظلوم پدر سے
ہم جاتے ہیں پانی کے لئے آؤ مری جاں
میں گھر سے تمہیں جانے نہ دوں گی کسی عنواں
صدقے گئی پانی مجھے درکار نہیں ہے
میں قبلۂ کونین کی دولت کو ڈبوؤں
اب روتی ہوں پانی کے لئے پھر تمہیں روؤں
پیاس اچھی ہے پر آپ کا جانا نہیں اچھا
بولیں گے نہ پھر ہم یہ نہ کہنا کہ نہ جاؤ
تم بھی پیو اصغر کو بھی چلو سے پلاؤ
تم پیاس بجھا لو تو جگر سرد ہو میرا

کہنے لگی منھ دیکھ کے بابا کا وہ دلگیر
کیا کہتے ہیں سنئے تو چچا جان کی تقریر
حضرت نے کہا یہ نہ رکیں گے کسی تدبیر
اب مشک بھی لا دو نہیں جو خواہشِ تقدیر
روکو نہ کہ در پیش عجب راہ ہے ان کو
سقائی کی خدمت کی بڑی چاہ ہے ان کو

دی مشک جو حکم پسرِ شاہِ نجف سے
رخصت ہوئے عباسؑ محمدؐ کے خلف سے
غل رونے کا خیمے میں اٹھا چار طرف سے
طالع ہوا خورشیدِ نسا برجِ شرف سے
کھولا علمِ دیں کو جو اس بحرِ کرم نے
نعلین پہ سر رکھ دیا اقبال و حشم نے

گھوڑے پہ چڑھے آپ جو گرد ان کے دامن
قدموں سے رکابوں کی بھی آنکھیں ہوئیں روشن
تیار تھے اڑنے پہ اٹھائے ہوئے گردن
اقبالِ سلیمانؑ سے پری بن گیا توسن
فتراک کو تھا فوق کہیں بالِ ہما پر
زیں اس پہ نہ تھا تختِ سلیمانؑ تھا ہوا پر

آمد سے بہادر کی تزلزل ہوا رن میں
غارت صفِ اعدا کا تحمل ہوا رن میں
لشکر کی ترقی کو تنزل ہوا رن میں
شبر آتا ہے یہ چار طرف غل ہوا رن میں
سب زیر و زبر مجمعِ مردم نظر آیا
دریا بھی ہٹا کچھ تو تلاطم نظر آیا

شیروں کے نیستاں میں جگر خوف سے کانپے
تھرانے لگے کوہ شجر خوف سے کانپے
حور و ملک و جن و بشر خوف سے کانپے
پریوں کے پرے دور تھے پر خوف سے کانپے
چلا کے بنی جان تو پنہاں ہوئے در میں
سر قاف چھپانے لگا نقطوں کی سپر میں

ہل چل ہے کہ شیروں کے قدم رن میں نہ ٹھہرے
وحشت ہوئی ایسی کہ ہرن بن میں نہ ٹھہرے
صحرا کے پرندے بھی نشیمن میں نہ ٹھہرے
برسوں سے جو ساکن تھے وہ مسکن میں نہ ٹھہرے
غل تھا کہ یہ فوج اب غضبِ حق میں گھر گئی
بھاگو نہیں بجلی کوئی ساعت میں گرے گی

ناگاہ بیابانِ بلا نور سے چمکا
جوں پنجۂ خورشیدِ علم دور سے چمکا
عکس اس کا فزوں حسنِ رخِ حور سے چمکا
تھا نور کا شعلہ کہ رخِ طور سے چمکا
کرتا تھا اشارہ کہ نہ کیوں نور فشاں ہوں
ہیں پنجتنِ پاک کے لشکر کا نشاں ہوں

تھی شانِ علیؑ چہرۂ انور پہ جری کے
کلغی تھی عجب حسن سے مغفر پہ جری کے
لہراتا تھا دامانِ علم سر پہ جری کے
پھرتا تھا ہما فرقِ مطہر پہ جری کے
شانے پہ کماں بر میں زرہ تیغ کمر میں
دو لاکھ کا لشکر نہ سماتا تھا نظر میں

علم تھا کہ علم دارِ شہنشاہ کو دیکھو
ہم صوت و ہم شانِ یداللہ کو دیکھو
دستانے پہننے کا بھی دستور یہی تھا
جب رن کو چلے حضرتِ عباسؑ علم دار
وہ شیر کہ اُتری ہے جیسے عرش سے تلوار
اب چمکے گی تلوار شجاعِ ازلی کی
تشریف اُحد میں یوں ہی لائے تھے یداللہ
ہتھیار اسی سج سے لگائے تھے یداللہ
قبضے میں یوں ہی قبضۂ شمشیرؑ دو دم تھا
تحریر سراپا جو مائل ہوئی خاطر
ہر جس کی طرف دیدۂ حق بیں ہوئی ناظر
دل نے کہا کیوں امرِ فضولی میں یہ کد ہے
کیا لکھے گا نوشاہ کے شیدا کا سراپا
دشوار ہے عباسؑ سے آقا کا سراپا
بہتر کوئی شے اور ہے نورِ ازلی سے
جس امر سے ہو خاص کو رغبت وہ کرے کام
دانا کو یہ لازم ہے کہ عائد نہ ہو الزام
جلسہ نہیں مظلوم کی یہ بزمِ عزا ہے
واقف نہ حقیقت سے ہوئے نورِ خدا کی
نافہم اُچھلنے لگے چپ ہو گئے باقی
ہم سر کیا ذرے کو رخِ بازوئے شہ کے
ابرو کو کماں کہتے ہیں اس فہم کے قرباں
ممدوح کے رتبے کا بھی لازم ہے ذرا دھیاں
جو شاہ ہے تو سینِ مکاں ارض و سما میں

مطلع دوم

لو ماہِ بنی ہاشم ذی جاہ کو دیکھو
حیدرؑ کو نہ دیکھا ہو تو اس ماہ کو دیکھو
نقشہ تھا یہی، حسن یہی، نور یہی تھا
دی پیک نے جا کر یہ خبر شمر کو یکبار
اُس کا پسر آتا ہے خبردار خبردار
آمد ہے بڑی دھوم سے عباسؑ علیؑ کی
خیبر میں اسی شان سے آئے تھے یداللہ
لاکھوں سے یوں ہی آنکھ ملائے تھے یداللہ
کاندھے پہ اسی طرح محمدؐ کا علم تھا
جو ران مضامیں کی صدا آئی کہ حاضر
ٹھہری کوئی شے قابلِ تشبیہ نہ آخر
دی عقل رسا نے یہ گواہی کہ سند ہے
ادنیٰ سے مشابہ نہیں اعلیٰ کا سراپا
آسان ہے کچھ حسن کے دریا کا سراپا
تشبیہ جب اُس شیر کو دیجئے تو علیؑ سے
خوش ہو کے عوام اُٹھیں تو پھر اس میں ہے کیا نام
کیا لطف جو آغاز کا بہتر نہ ہو انجام
یاں رونے کی لذت ہے رلانے کا مزا ہے
پیشانی کو خورشید کہا خوب ثنا کی
اشکوں نے بھی رک کر کہا یہ عین خطا کی
کھولے دُرِ شہوار بھی پنجے سے مژہ کے
ابرو بھی جگر گوشۂ حیدرؑ کے ہے شایاں
یہ اُس کے نواسے کے تنِ پاک کی ہے جاں
فرق دو کماں جس میں رہا اور خدا میں

کہتا ہے کوئی چشم کو نرگس کوئی آہو
چہرے کو کہا گر گلِ مہتاب ہے یہ رو
بے بُو ہے وہ اِک پھول یہاں باغ لگا ہے
مضمونِ دہن کے شعرا ہیتے ہیں جو یا
غنچہ جو کہا لطفِ سخن اور بھی کھویا
ہیں عقدہ کشا منہ سے جو بولیں تو کھُلے گا

دانتوں کو گہر مرثیہ گو کہتے ہیں سارے
یہ دُرِ نجف وہ ہیں علیؑ کو جو ہیں پیارے
کیا وصف کریں ان کا سوا صلِ علیٰ کے
لب کو جو کہا لعل یہ مضمون ہے بے رنگ
بو لو لبِ جاں بخش کا ہوتا ہے یہی ڈھنگ
قدرت نہیں ان ہونٹوں کی اوصاف کی ہم میں

قامت کو کہا سرو تو چال اس میں کہاں ہے
یہ حُسن یہ صورت یہ جمال اس میں کہاں ہے
گل ہو کہ ثمر، بُو نہیں یا بدمزگی ہے
جو بات کہ مہمل ہو وہاں چاہیے اہمال
ہاں دیکھ کمیتِ قلم اچھی نہیں یہ چال
ہے جوشِ وغا ضیغمِ یزداں کے پسر کو

اعدا بھی ادھر مستعدِ جنگ و جدل ہیں
صف باندھے ہوئے تُرک گے اور روم کے بل ہیں
اونچا ہے ہر اک ہاتھ سپر سر سے اُٹھی ہے
کالے وہ علم فوجِ سیہ رُو کی نشانی
شیروں کے کلیجے بھی ہوئے جاتے تھے پانی.
بے کس شہِ دیں ہوتے تھے فریاد بجا تھی

اُس کی تو بصارت نہیں اُس کی نہیں ابرو
اس میں نہ یہ سبزہ نہ یہ سرخی نہ یہ خوشبو
ہر چیز میں بس ایک نہ اِک داغ لگا ہے
پوچھے کوئی کوثر سے زباں کو بھی ہے دھویا
اسرارِ الٰہی سے بھی واقف ہوئے گویا
اِس عقدے کو گر آپ ہی کھولیں تو کھُلے گا

بتلاؤ گہر خوب ہیں یا عرش کے تارے
تاروں کو بھی صدقے فلک ان پر سے اُتارے
گوہر نہیں قطرے ہیں یہ سب نورِ خدا کے
اس مدح کے قابل نہیں ہے یہ دہنِ تنگ
اعجاز مسیحا کا دکھائے تو کوئی سنگ
یہ وہ ہیں کہ مُردوں کو جِلا دیتے ہیں دم میں

یہ سیبِ ذقن یہ خط و خال اس میں کہاں ہے
یہ رُعب یہ شوکت یہ جلال اس میں کہاں ہے
ہر شے میں غرض ایک نہ اِک شاخ لگی ہے
زیبا غزل و شعر میں ہے وصفِ خط و خال
اب بڑھتے ہیں عباسؑ صفیں ہوتی ہیں پامال
تلوار کو تولا ہے سنبھالا ہے سپر کو

کوفے کے قشوں رے کے پرے شام کے دل ہیں
سب دشت میں نیزوں کے شجر تیغوں کے پھل ہیں
گھنگھور گھٹا شام کے لشکر سے اُٹھی ہے
غُل طبل کا قرنا کی وہ آواز ڈرانی
تھی صاف صداہائے بہادر کی جوانی
شہنا میں بھی مظلوم حسینؑ کی صدا تھی

یاں تیغِ جگربندِ علیؑ میان سے نکلی کس زرق سے کس برق سے کس شان سے نکلی
فریادِ دلِ قومِ نبیؐ زبان سے نکلی اک تازہ پری تھی کہ پرستان سے نکلی
غل تھا کہ یہ کس چیز کا پرتو نظر آیا حیرت ہے کہ دسویں کو مہِ نو نظر آیا
نعرہ جو کیا شبیر نے دل ہل گئے سب کے تھرّانے لگے کوہِ اراضیِ عرب کے
آثار نمایاں ہوئے خالق کے غضب کے ماہی سے اُدھر گاؤ زمیں ہل گئی دب کے
تھرّائے صدا سُن کے شجاعِ ازلی کی جبرئیلؑ کو یاد آگئی آوازِ علیؑ کی

شبدیز کو رانوں میں دلاور نے جو دابا بھرّا گیا برچھوں ہی وہ گھوڑا دوڑ کا یا
تنگی سے قفس تھا اُسے دنیا کا خرابا اُترا تو دہانے کو عجب غیظ سے چابا
نے جست نظر آئی نہ کاوا نظر آیا پھرتا ہوا لشکر میں چھلاوا نظر آیا
پامال عدو وقتِ تگ و دو نظر آئے جس غول میں دو سو تھے وہاں سو نظر آئے
تارے دمِ شوخی درواز نظر آتے جب جسم کے اُڑا چار مہِ نو نظر آتے
بجلی تو بلندی پہ شرارے تھے زمیں پر خورشید تو زیں پر تھا ستارے تھے زمیں پر

سیدھی جو چلی تیغ صفوں کا ورق اُلٹا اُستادِ شجاعت نے پڑھایا سبق اُلٹا
چہرے جو کٹے دفترِ نظم و نسق اُلٹا جبرئیلؑ پکارے کہ زمیں کا طبق اُلٹا
رُکنے کا نہیں ہاتھ شجاعِ ازلی کا دیکھو کہ نمونہ ہے یہی ضربِ علیؑ کا
وہ معرکۂ غزوۂ خیبر نہیں بھولا کفار پہ وہ حملۂ حیدرؑ نہیں بھولا
عرصہ ہوا پر صدمۂ شہپر نہیں بھولا اب تک مجھے اس ضرب کا لنگر نہیں بھولا
بہتا ہے لہو آگ بھڑکتی ہے زمیں پر پھر آج وہی برق چمکتی ہے زمیں پر

بڑھ کر صفِ ثانی پہ چلی تیغ جو سَن سے صاف آئی صدا یہ کہ نہ غافل ہو کفن سے
راہی ہوئیں روحیں تو رہا ہو کے بدن سے سر طائرِ وحشی کی طرح اُڑ گئے تن سے
کب چھٹتے ہیں شہبازِ اجل کے ہوں جو بس میں مالک نے کیا بند جہنم کے قفس میں
حملے تھے قیامت کے لڑائی تھی غضب کی خوں پی کے بُرش تیغ نے پائی تھی غضب کی
ہوتی تھیں صفیں صاف صفائی تھی غضب کی اس منہ کی صفائی پہ کھائی تھی غضب کی
چلنے میں مزا قامتِ معشوقِ حسیں کا انداز ہر اک ناب میں تھا چینِ جبیں کا

کیا قہر تھا شمشیر کی ابرو کا اشارا
نے بھاگنے کی تاب تھی نے جنگ کا یارا
گر بچ گیا یہ اس کی بلا ٹل گئی اُس پر
کج ہو کے وہ چلنا وہ ٹھہرنا وہ لچکنا
وہ دیدۂ جوہر سے جفا کاروں کا تکنا
ندی کے قریں خون کا دریا سا بہا تھا

بجلی کا چلن شعلہ کی خو سرکش و بے باک
خوں خوار جفا کار و ستم پیشہ و سفاک
خود آب مگر آگ لگا دینے کو آندھی
بسمل ہوا جس کو لچک اس کی نظر آئی
جو رنگ کیا اس کو اُسے آٹھ کر آئی
حوروں میں یہ گرمی نہ لگاوٹ یہ پری میں

فولاد کی ڈھالوں پہ وہ تلوار نہ ٹھہری
سر سیکڑوں کاٹے کہیں زنہار نہ ٹھہری
مجرم رہی، سرکش رہی، بے باک رہی وہ
کاٹی جو سپر مغفرِ سنگیں پہ نہ ٹھہری
چار آئینۂ ظالمِ خود بیں پہ نہ ٹھہری
پایا جو نہ اس دم پرِ جبریلؑ امیں کو

کشتے ہوئے کُشتوں کے پس و پیش چپ و راس
جب خون میں بجھ جاتی تھی وہ برچۂ الماس
بے وجہ نہ شمشیر کا مُنھ لال ہوا تھا
ناگاہ بہادر کو نظر آنے لگی نہر
غازی کی قدم بوسی کو لہرانے لگی نہر
دریا کے حبابوں نے صدا دی یہ اُبھر کے

اِک چشمِ زدن میں اُسے مارا اُسے مارا
ہر ضرب میں تھے جان سے عالی ستم آرا
منھ دیکھ لیا جس نے چھری چل گئی اس پر
شعلہ تھا خجل گرد تھا بجلی کا چمکنا
گو یا تھا تماشا اُسے کشتوں کا پھڑکنا
کیا چال غضب تھی کہ ہر اک لوٹ رہا تھا

صرصر سے سبک دست گراں قیمت و چالاک
کج باز سر انداز، ترش رو و غضب ناک
ہستی کے چراغوں کے بجھا دینے کو آندھی
بجلی سی جو چمکی تو کلیجوں میں در آئی
اٹھکھیلیاں کرتی اِدھر آئی اُدھر آئی
بے دم کیا لاکھوں کو اسی عشوہ گری میں

اِک دم بھی میانِ صفِ کفار نہ ٹھہری
خون اتنے کیے اور گنہ گار نہ ٹھہری
دھبہ نہ لگا خون سے بھی پاک رہی وہ
سر سے جو بڑھی گردنِ بے دیں پہ نہ ٹھہری
اسوار تو دو ہو گیا یہ زیں پہ نہ ٹھہری
گھوڑے سے اُترتے ہی کیا چاک زمیں کو

پیتی تھی لہو دم بدم اور بجھتی نہ تھی پیاس
خود اُس کا لہو پونچھتے تھے حضرتِ عباسؑ
عباسؑ کی سرکار سے رومال ہوا تھا
پانی کی چمک دُور سے دکھلانے لگی نہر
بڑھ کر خس و خاشاک کو سرکانے لگی نہر
آنکھوں پہ قدم ساقیِ کوثر کے پسر کے

ہر موج زیارت کے لئے ہو گئی بے تاب
میں پہلے پھروں گرد یہ تھی خواہش گرداب
تھا مچھلیوں میں شور کہ ملحوظ رہے آداب
آتا ہے ادھر بحر شرف کا دُرِ نایاب
آمد جو سُنی تھی خلفِ شاہِ نجف کی
گوہر تھے پئے نذر ہتھیلی پہ صدف کی

جب گھوڑے کو دریا میں علمدار نے ڈالا
لہرانے سے موجوں کے ہوا دل تہ و بالا
یاد آ گئی بس تشنگیٔ سیدِ والا
رِقت بہت آتی تھی مگر دل کو سنبھالا
صدمے سے بھر آیا دلِ سقائے سکینہؑ
اشک آنکھوں سے ٹپکا کے کہا ہائے سکینہؑ

دریا کی طرف دیکھ کے فرمایا کہ اے نہر
سب آب نمک خلق کا ہے فاطمہؑ کا مہر
انصاف کر انصاف یہ کیا ظلم ہے کیا قہر
شبیرؑ تو پیاسے رہیں سیراب ہو سب شہر
اس پیاس کا جب ذکر پیمبرؐ سے کریں گے
شکوہ ترا ہم ساقیٔ کوثر سے کریں گے

اے آب محمدؐ کا پسر تشنہ دہن ہے
اے آب شہ جنّ و بشر تشنہ دہن ہے
گلزار نبیؐ کا گل تر تشنہ دہن ہے
دو روز سے سب شاہ کا گھر تشنہ دہن ہے
گرمی میں اگر آج بھی پانی نہ پئیں گے
میں جن کا بہشتی ہوں وہ پیاسے نہ جئیں گے

دریا سے یہ فرما کے بہادر نے بھری مشک
مالیدہ ہوئی دیکھ کے پانی کی تری مشک
تسمے سے دہن باندھ کے شانے پہ دھری مشک
غل پڑ گیا دیکھو لئے جاتا ہے جری مشک
دیکھا جو مہیائے ستم بے ادبوں کو
دریا بھی لگا کاٹنے غصے سے لبوں کو

گرداب سے اک حلقۂ ماتم تھا نمودار
پانی کے لئے لہر ہر اک بن گئی تلوار
سب مچھلیاں اُبھری ہوئی کہتی تھیں یہ ہر بار
لو ڈوبتا ہے خوں میں علیؑ کا دُرِ شہوار
دو چار قدم بھی نہ بڑھے تھے لبِ جو سے
پھر تیروں کا مینہ پڑنے لگا فوج عدو سے

دریا تو اِدھر اور اُدھر لشکرِ قہار
مشکیزہ لئے بیچ میں تنہا وہ علمدار
تلواروں کی تھیں بجلیاں اور تیروں کی بوچھار
جا سکتے تھے آفت میں نہ اِس پار سے اُس پار
طوفاں تھا تلاطم تھا مصیبت کی گھڑی تھی
کیا پیاسوں کی کشتی بھی تلاطم میں پڑی تھی

ہوتا تھا اِدھر خاتمۂ جنگ علمدار
بسمل سے تڑپتے تھے اُدھر سیدِ ابرار
اُٹھ کر کبھی تکتے تھے سوئے فوج ستمگار
گر گر کے کبھی چلّاتے تھے ہے ہے مرے غمخوار
بھائی کی صدا سُن کے تڑپ جاتی تھی زینبؑ
جب روتے تھے حضرت تو نکل آتی تھی زینبؑ

کہتی تھی کہو صدقے گئی کچھ خبر آئی
دریا سے وہ نکلا تھا مگر راہ نہ پائی
خوں خواروں میں وہ صاحبِ شمشیر لڑا ہے
کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوجۂ عباسؑ
کیا کہتے ہیں شاہِ شہدا کس سے ہوئی یاس
کیسی خبر آئی ہے کہ جی کھوتے ہو لوگو!
عباسؑ سلامت ہیں تو آنسو نہ بہاؤ
ثابت ہے جو مرنا مجھے رنڈ سالہ پہناؤ
خود کہہ کے گئے تھے وہ سلامت نہ پھریں گے
ماتم تھا اِدھر گھر میں اُدھر روتے تھے شبیرؑ
دریا سے بڑھے آتے تھے تولے ہوئے شمشیر
ساحل پہ قیامت کی صف آرائی ہوئی تھی
کس کس سے لڑے تشنہ دہانی میں وہ بے آس
وہ فوج کا نرغہ وہ ہجومِ الم و یاس
بڑھتے تھے کماں دار تو رک جاتے تھے عباسؑ
فریاد کہ تھے لاکھ لعیں روکے ہوئے راہ
پیچھے سے پڑی تیغِ ستم دوش پہ ناگاہ
ایک ہاتھ تو ہمراہ گرا تیغِ دو دم کے
گرنے لگا جب دم علم سید والا
اِک تیر لگا چشم پہ دُر سینے پہ بھالا
خم تھے کہ پڑا فرق پہ گُرز ایک شقی کا
کچھ گرز گراں بار کا صدمہ نہیں تھوڑا
زیں سے جو گرے آپ کھڑا ہو گیا گھوڑا
پانی جو بہا عید ہوئی فوجِ عدو میں

شہ کہتے تھے ہمشیر جدا ہوتا ہے بھائی
مشکیزے کے لے آنے پہ ہوتی ہے لڑائی
دریا کی ترائی میں مرا شیر گھرا ہے
کیوں بی بیو بچے مرے کیا ہو گئے بے آس؟
اے وائے مقدر نہ سکینہؑ کی بجھی پیاس
تم سب مرا منہ دیکھ کے کیوں روتے ہو لوگو
آجائے گا پھر غش نہ سکینہؑ کو رُلاؤ
ڈیوڑھی پہ چلو ماتمی صف گھر میں بچھاؤ
عباسؑ بس اب تا بہ قیامت نہ پھریں گے
واں چلتے تھے عباسؑ علیؑ پر تبر و تیر
ہر سمت سے اُمڈا ہوا تھا لشکرِ بے پیر
لشکر تھا کہ دریا پہ گھٹا چھائی ہوئی تھی
ہمدرد نہ کوئی نہ مددگار کوئی پاس
اِن سب سے سوا مشک کے چھد جانے کا وسواس
تیر آتا تھا جب مشک پہ جھک جاتے تھے عباسؑ
شمشیر بکف بیچ میں ابنِ اسد اللہ
شاخِ شجرِ باغِ علیؑ قطع ہوئی آہ
ایک ہاتھ تھا باقی وہ چلا ساتھ علم کے
عباسؑ نے جھک کر اُسے گردن سے سنبھالا
بند آنکھیں ہوئیں منہ سے لہو شبیر نے ڈالا
شق ہو گیا سر حضرتِ عباسؑ علیؑ کا
سر پھٹ گیا پر مشک کو دانتوں سے نہ چھوڑا
پھر تیر نے مشکیزے کو اور سینے کو توڑا
مچھلی سے تڑپنے لگے عباسؑ لہو میں

مطلع سوم

ناگاہ یہ آوازِ علیؑ دشت سے آئی
شبیرؑ خبر لے کہ تصدق ہوا بھائی
چلّائی یہ زینبؑ کہ دہائی ہے دہائی
حضرتؑ نے کہا لٹ گئی بابا کی کمائی
تشریف شہِ ہر دوسرا لائے ہیں زینبؑ
عباسؑ کے لاشے پہ علیؑ آئے ہیں زینبؑ

جب کٹ گئے دریا پہ علمدار کے بازو
شانوں سے جدا ہو گئے جرّار کے بازو
ریتی پہ گرے شاہ کے غمخوار کے بازو
تھرّانے لگے سیدِ ابرار کے بازو
رنگ اُڑ گیا تصویرِ الم ہو گئے شبیرؑ
ہاتھوں سے جگر تھام کے خم ہو گئے شبیرؑ

اکبرؑ سے کہا کر دو گریبان مرا پارا
ہم سوگ میں ہیں قتل ہوا شیر ہمارا
عاشق مرے بچوں کا زمانے سے سدھارا
فرما کے یہ حضرت نے عمامے کو اُتارا
آفت میں پھنسی پانی کی محتاج سکینہؑ
بس ہو گئی دنیا میں یتیم آج سکینہؑ

فرما کے یہ گرتے ہوئے دوڑے شہِ والا
سنبھلے کبھی خود اور کبھی اکبرؑ نے سنبھالا
تھا سینۂ اقدس میں کلیجہ تہ و بالا
چلّاتے تھے ہے ہے مری آغوش کا پالا
آگے کبھی چلتے کبھی گر پڑتے تھے شبیرؑ
گھبرا کے ہر اک لاش پہ گر پڑتے تھے شبیرؑ

کہتے تھے اُٹھا کر یہ علی اکبرِ ذی جاہ
دریا کی ترائی تو ابھی دور ہے یا شاہ
فرماتے تھے آنکھوں میں بصارت نہیں اماں
عباسِ علیؑ کھو گئے دنیا سے ہیں آہ
اب کھینچیں گے تلوار جو رستہ نہ ملے گا
اکبرؑ ہمیں کیا بھائی کا لاشہ نہ ملے گا

حضرت کو سنبھالے ہوئے دریا پہ جو لائے
عباسؑ علمدار سسکتے نظر آتے
اکبرؑ نے کٹے ہاتھ تڑپتے ہوئے پائے
بھائی کو خدا بھائی کا لاشہ نہ دکھائے
جھکنے جو لگے کانپ کے غش کر گئے شبیرؑ
ثابت علی اکبرؑ پہ ہوا مر گئے شبیرؑ

ہے ہے شہِ دیں کہہ کے جو روئے علی اکبرؑ
صدمے سے تڑپنے لگے عباسؑ دلاور
گھبرا کے بھتیجے سے کہا اے مرے دلبر
دکھلا دو کدھر ہیں مرے آقا مرے سرور
اکبرؑ نے کہا غش شہِ والا کو پڑے ہیں
وہ آپ کے قدموں کی طرف غش میں پڑے ہیں

سرکا کے قدم جلد یہ عباسؑ پکارے
پھیرو مرے لاشے کو میں قربان تمہارے
چھاتی میں ہے دم موت کے آثار ہیں سارے
قبلے کی طرف چاہیے منھ اے مرے پیارے
بے دست ہیں اس وقت میں احسان کرو ہم پر
رکھ دو مرا سر قبلۂ عالم کے قدم پر

کیا میرے لئے روتے ہو بابا کو اٹھاؤ
میں اٹھ نہیں سکتا تمہیں مولا کو اٹھاؤ
واجب بسر مصحفِ ناطق کا ادب ہے
غش میں یہ سخن کہ پکارے شہِ ذی شان
اکبرؑ نے کہا کب سے تڑپتے ہیں چچا جان
پھر ہو نہ سکا ضبط امامِ ازلی سے
چلائے بصد غم مرے بھائی مرے بھائی
کیوں چشم ہے پُرنم مرے بھائی مرے بھائی
سینے میں اجل سانس ٹھہرنے نہیں دیتی
خشکیدہ زباں کو جو نہیں تاب کا یارا
پُتلی بھی پھری جاتی ہے منہ زرد ہے سارا
کروٹ یہ نہیں بھائی سے منہ موڑ رہے ہو
یہ کہتے تھے حضرت کہ قیامت ہوئی طاری
اٹکا جو دم آنکھوں میں تو آنسو ہوئے جاری
چلا کے جو شہ روئے تو گھبرائی سکینہؑ
یوں کہنے لگی دوڑ کے فضہؓ جگر افگار
چلائی بہن ڈیوڑھی سے یا سیدِ ابرار
یا پھیر کے اس بیکس و بے آس کو لاؤ
گھبرا کے سوئے خیمہ لگے دیکھنے سرور
زلفیں تو ہیں بکھری ہوئی ٹوپی نہیں سر پہ
لوگو تمہیں کچھ میرے بہشتی کی خبر ہے
سقے کا مرے نام ہے عباسؑ علمدار
کاندھے پہ تو مشکیزہ ہے اور ہاتھ میں تلوار
پھر آنے کی قسمیں انہیں دینے کو چلی ہوں

للہ زمیں سے شہِ والا کو اٹھاؤ
قدموں کی طرف سے مرے آقا کو اٹھاؤ
قرآن کی طرف پاؤں قیامت ہے غضب ہے
یہ کس کی صدا ہے میں اس آواز کے قرباں
ل لیجیے کہ عباسؑ کوئی دم کے ہیں مہماں
بیٹھے شہِ دیں لاشۂ عباسِؑ علیؑ سے
کیا دل کا ہے عالم مرے بھائی مرے بھائی
اکھڑا ہے ترا دم مرے بھائی مرے بھائی
ہچکی تمہیں اب بات بھی کرنے نہیں دیتی
کچھ نرگسی آنکھوں سے کرو ہم کو اشارا
معلوم ہوا جلد ہے اب کوچ تمہارا
ہم خوب سمجھتے ہیں کہ دم توڑ رہے ہو
عباسِؑ علمدار کراہے کئی باری
تن رہ گیا اور روح سوئے خلد ساری
نکلا تھا دم اُن کا کہ نکل آئی سکینہؑ
جاتی ہو کہاں تیر نہ مارے کوئی خونخوار
تھمتی نہیں اب ہم سے سکینہؑ جگر افگار
یا ڈیوڑھی تلک لاشۂ عباسؑ کو لاؤ
دیکھا کہ چلی آتی ہے سر پیٹتی خواہر
جو روکتا ہے کہتی ہے گھبرا کے وہ مضطر
بتلا دو مجھے بہرِ خدا نہر کدھر ہے
تصویر علیؑ کی ہے سراپا وہ خوش اطوار
پیاسی ہوں مگر اب مجھے پانی نہیں درکار
میں اپنے چچا جان کے لینے کو چلی ہوں

لاشے پہ عبا ڈال کے شبیرؑ پکارے
گھبرا کے سکینہؑ نے کہا پیاس کے مارے
میں تم کو اسی واسطے سمجھاتا تھا رو کر
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ چلائی وہ رو کر
اکبرؑ نے کہا رو کے نہ مانے گی یہ مضطر
پانی کی تمنا میں ہزاروں سے لڑے ہیں
میت سے لپٹنے کو جو وہ دوڑ کے آئی
چلائی سکینہؑ کہ دھائی ہے دُھائی
تھرا نے لگا لاشۂ سقائے سکینہؑ
خاموش انیسؔ اب دعا کر کہ الٰہی
اب ہند میں کب تک یہ فقیری یہ تباہی

کیوں گھر سے نکل آئی ہیں قربان تمہارے
حضرتؑ نے کہا بھائی تو دنیا سے سدھارے
اب ڈھونڈھنے آئی ہو مرے بھائی کو کھو کر
دکھلا دو مجھے لاشۂ عباسؑ دلاور
حضرت نے کہا لاشِ علمدار دکھا کر
منھ دیکھ لو یہ شیر سے عباسؑ پڑے ہیں
حضرتؑ نے عبا بھائی کے چہرے سے اُٹھائی
رتی ہیں علمدار نے بھی شکل چھپائی
لاشے سے بھی آئی یہ صدا ہائے سکینہؑ
اب جلد سوئے روضۂ شبیرؑ ہوں راہی
اُس در کی گدائی ہے مرے واسطے شاہی

سرکارِ شہنشاہِ فلک جاہ کو دیکھوں
عباسؑ علمدار کی درگاہ کو دیکھوں

رُباعی

پُر نور ہے سب بزم وہ تارے یہ ہیں
زہراؑ و ید اللہؑ کے پیارے یہ ہیں
روتے ہیں جو بزمِ غم میں بانالۂ و آہ
شہ کہتے ہیں سب دوست ہمارے یہ ہیں

رُباعی

درد و الم ممات کیوں کر گذرے
یہ چند دم حیات کیوں کر گذرے
مرنے کا تو دن گذر گیا شکر انیسؔ
اب دیکھیں لحد کی رات کیوں کر گذرے

مرثیہ ۲۲ — بند ۵۸

جب غرق بحرِ خوں ہوئی کشتی نجات کی
ڈوبی ہوئیں شکلِ شہِ خوش صفات کی
چلائے خضر اُٹھ گئی لذت حیات کی
گویا نبیؐ نے آج جہاں سے وفات کی
زہرا نہیں، نبیؐ و علیؑ و حسنؑ نہیں
پھر کیا رہا جہان میں جب پنج تن نہیں

جاری تھا جس سے فیض وہ گھر ہو گیا تباہ
شبیر سا نہ ہوئے گا اُمت کا خیر خواہ
حیواں کو ذبح کرتے ہیں پانی پلا کے آہ!
مارا ستم کی فوج نے پیاسے کو بے گناہ
ایذا ہے بعدِ ذبح تنِ پاش پاش کو
تربت میں گاڑتے نہیں سیدّ کی لاش کو

تیغِ ستم سے کٹ گیا زہرا کا باغ سب
پھولے پھلے چمن پہ خزاں آئی ہے غضب
افسوس باغیوں نے کیا ظلم بے سبب
پانی سے تر ہوئے نہ کسی گل بدن کے لب
اک ایک سرو قد کا گلا رن میں کٹ گیا
سب فاطمہؑ کا باغ اِسی بن میں کٹ گیا

دنیا ہوئی تباہ غضب آج ہو گیا
بے سر تمام خلق کا سرتاج ہو گیا
گھر فاطمہؑ کا ظلم سے تاراج ہو گیا
کنبہ رسولِ پاکؐ کا محتاج ہو گیا
کیا کیا گلِ ریاضِ محمد خزاں ہوئے
تھی جن سے روشنی وہ ستارے نہاں ہوئے

بے سر جو تھا زمیں پہ یداللہ کا خلف
برپا تھا شور ہائے حسینؑا کا ہر طرف
تھی کربلا میں خاک بسر قدسیوں کی صف
ہلتا تھا کعبہ کانپتا تھا یثرب و نجف
زہرا برہنہ سر تھیں علیؑ اشکبار تھے
خوابیدگانِ کنجِ لحد بے قرار تھے

پریاں پکارتی تھیں یہ کھولے سروں کے بال
پیٹو ہوا ہے فخرِ سلیماں کا انتقال
فریاد ہے شہید ہوا شاہِ خوش خصال
ہے ہے پسر بتولؑ کا ہے ہے علیؑ کا لال
ماتم کرو کہ سیدِ ذی جاہ مر گئے
اہلِ حرم تباہ ہوئے شاہ مر گئے

اہلِ حرم میں ہائے حسینؑا کی تھی پکار
مائیں جو پیٹتی تھیں تو بچے تھے بے قرار
چلاتی تھی یہ زینبِؑ مغموم بار بار
بھیا تمہارے لاشۂ بے سر کے میں نثار
کیوں کر ردا اُڑھاؤں تنِ چاک چاک پر
مسندِ نبیؐ کی چھوڑ کے سوتے ہو خاک پر

اک دن وہ تھا کہ سینۂ زہرا تھا خوابگاہ
اک دن یہ ہے کہ لاش پہ سایہ نہیں ہے آہ
جس لب کے بوسے لیتے تھے پیغمبرِ الٰہ
زخمی وہ تیر سے ہوئے بے جرم و بے گناہ
کیوں کر بہن کے دل پہ نہ غم کا وفور ہو
جب جسمِ پاک آپ کا تیغوں سے چور ہو

یہ شور تھا کہ آئے ستمگر سوئے خیام
چلایا شمر پھونک دو وہاں خیمۂ امامؑ
فضہ نے دی صدا کہ ادب کا ہے یہ مقام
یاں بیٹیاں علیؑ کی ہیں اے ساکنانِ شام
جل جاؤ گے جو اہلِ حرم پہ نگاہ کی
ڈیوڑھی یہ ہے امامِ فلک بارگاہ کی

اے نارِیو یہ حیدرِ صفدر کا ہے مکاں
اس کا ادب کرو یہ پیمبرؐ کا ہے مکاں
پیچھے ہٹو نبیؐ کی یہ دختر کا ہے مکاں
حق سے ڈرو یہ شافعِ محشر کا ہے مکاں
یاں اذن جبرئیل کو جب تک ملا نہیں
پاسِ ادب سے وہ کبھی آگے بڑھا نہیں

رہتے تھے اس میں سیدِ و سرورِ انس و جاں
کعبے سے کم نہیں ہے بزرگی میں یہ مکاں
یاں کی زمیں سے پست ہے رتبے میں آسماں
اس کا ہر اک در ہے درِ خلد بے گماں
رفعت میں اوجِ عرشِ بریں سے دوچند ہے
کرسی سے اس مکان کا رتبہ بلند ہے

ظاہر ہے سب پہ حضرتِ خیر النسا کا حال
فاقے پہ فاقے کر کے سدھاریں وہ خوش خصال
ہیں ان کی بیٹیاں بھی غریب و شکستہ حال
اس گھر کو لوٹتے ہیں جہاں ہو متاع و مال
سیدانیوں کے فقر سے آگاہ کیا نہیں
ثابت کسی کے سر پہ گزی کی ردا نہیں

فضہ سے تب یہ کہنے لگا شمرِ بے حیا
ہے ہم کو بغض، مال اگر کچھ نہ نکلے گا
تو یہ خیام آگ سے دیویں گے ہم جلا
اور سر سے چھین لیں گے ہر اک رانڈ کی ردا
دانستہ اہلِ بیتِ نبیؐ کو ستائیں گے
مسندِ محمدؐ عربی کی جلائیں گے

ان کو تو قتل کر چکے تھا جن کا ہم کو ڈر
لوٹیں گے اہلِ بیتِ محمدؐ کا مال و زر
اکبرؑ نہ اب ہیں اور نہ سلطانِ بحر و بر
عباسؑ بھی نہیں جو بچائیں گے آن کر
کانوں سے ننھے بچوں کے گوہر اتاریں گے
کبرا جو پہنے ہوگی وہ زیور اتاریں گے

فضہؓ سے جب یہ شمرِ لعیں نے کیا کلام
در آنہ آئے فاطمہؑ کے گھر میں اہلِ شام
جس وقت صحن میں نظر آیا ہجومِ عام
سر پیٹنے لگے حرمِ سیدِ انام
لٹتا تھا گھر جو بادشہِ مشرقین کا
غل تھا نبیؐ کی آل میں ہے ہے حسینؑ کا

مسند لٹی جو شاہِ فلک بارگاہ کی
غل تھا کہاں چھپیں نہیں جا گہہ پناہ کی
آقا تمہارے اہلِ حرم لوٹے جاتے ہیں
شکلیں مہیب دیکھ کے بچے تھے بے قرار
چلاتی تھی یہ بانوئے مغموم بار بار
نامحرموں کو قہر الٰہی کا ڈر نہیں
کہتی تھی سہم کر یہ سکینہ جگر فگار
غافل ہیں ہم نے دیکھ لیا بس سبھوں کا پیار
نامحرم آکے خیمۂ عصمت میں بھر گئے
کیا ہو گیا جو خیمے میں آتے نہیں پدر
تشریف ایسے وقت میں لاتے نہیں پدر
ہے ہے میں کیا کروں یہ مہم کون سر کرے
زینبؑ نے اُس یتیم سے سر پیٹ کر کہا
ہوتے اگر حسینؑ تو آسکتے اشقیا
خالی ہوا زمانہ ترے بابا جان سے
زینبؑ ابھی سکینہؑ سے کرتی تھی یہ کلام
دیکھا نہ تھا جو گھر میں کبھی یہ ہجوم عام
منت سُنی کسی کی نہ خوفِ خدا کیا
پھر وہ جفا شعار صغیروں کے پاس آئے
کانوں سے بُندے کھینچ لئے اُن کے ہائے ہائے
فریاد کی صغیروں نے مُنھ ڈھانپ ڈھانپ کے
آیا قریں سکینہؑ کے پھر شمر خیرہ سر
کُرتا بدن کا ہو گیا سارا لہو میں تر
چلائی وہ یتیم کہ راحت کے دن گئے

ہاتھوں سے دل کو تھام کے زینبؑ نے آہ کی
فریاد ہے دہائی ہے شیر الٰہ کی
یا شبر حق بچاؤ کہ ہم لوٹے جاتے ہیں
کُرتوں سے منھ چھپاتے تھے روتے تھے ارزار
اکبرؑ بچاؤ ہوتے ہیں بے پردہ پردہ دار
ماں بہنیں لوٹی جاتی ہیں تم کو خبر نہیں
مجھ کو کہیں چھپاؤ پھوپھی تم پہ میں نثار
اکبرؑ ہیں یاں نہ حضرتِ عباسؑ نامدار
پوچھو کسی سے تم مرے بابا کدھر گئے
کچھ ہیں خفا جو شکل دکھاتے نہیں پدر
لٹتے ہیں اہل بیت بچاتے نہیں پدر
کوئی خدا کے واسطے اُن کو خبر کرے
کس کو پکارتی ہو سکینہ پھوپھی فدا
ہے ہے ہوئے شہید شہنشاہِ کربلا
پڑھ کر نمازِ عصر سدھارے جہان سے
لینے لگے رِدائیں سَروں پر سے اہلِ شام
حق کی دُہائی دینے لگیں بی بیاں تمام
زہراؑ کی بہو بیٹیوں کو بے رِدا کیا
سہمے ہوئے وہ روتے تھے کُرتوں سے منھ چھپائے
روئے جو وہ یتیم تو نیزے انھیں دکھائے
گر گر پڑے زمین پہ سب کانپ کانپ کے
اور بد گہر نے کھینچ لیا کان سے گہر
تڑپی وہ مثلِ ماہیِ بے آب خاک پر
فریاد ہے حسینؑ گہر میرے چھن گئے

آئی صدا یہ شاہ کے لاشے سے اس گھڑی
صدقے میں تیرے صبر کے اے میری لاڈلی
شاکی ہیں ان سے فاطمہؑ و حیدرؑ و نبیؐ
تجھ پر ستم کیا نہیں ایذا یہ مجھ کو دی
تجھ کو لعیں نے طمانچے لگائے ہیں
بیٹی یہ سب حسینؑ نے صدمے اُٹھائے ہیں

اتنے میں ناریوں نے دیا اور تازہ غم
حضرتؐ کے گھر میں آگ لگا دی بصد ستم
جلنے لگا جو خیمۂ شاہنشہِ اُمم
بچوں کو لے کے گود میں رونے لگے حرم
استادہ صحن میں ہوئے خیمے سے بھاگ کے
رُخسارے تمتما گئے شعلوں سے آگ کے

جب جل چکے خیامِ شہِ آسماں وقار
اونٹوں پہ اہلِ بیتِ نبیؐ کو کیا سوار
عابدؑ کے دستِ پاک میں اونٹوں کی دی مہار
گر گر پڑے ہر قدم پہ یہ تھا بیڑیوں کا بار
گورا گلا وہ حلقۂ طوق و رسن میں تھا
مہتابِ آسمانِ شرافت گہن میں تھا

مطلع دوم

جب عصر تک سپاہِ خدا رن میں لڑ چکی
یعنی بتولِ پاک کی کھیتی اُجڑ چکی
آرامِ اہلِ بیتؑ کی صورت بگڑ چکی
پردیس میں حسینؑ سے زینبؑ بچھڑ چکی
کنبہ نبیؐ کا موردِ بیداد ہو گیا
گھر فاطمہؑ کا ظلم سے برباد ہو گیا

لکھتا ہے اس طرح سے ابو مخنفِ سعید
جس وقت لُٹ چکے حرمِ سرورِ شہید
وہ دن تھا ابنِ سعد کے نزدیک روزِ عید
سب کے سروں کو سامنے منگوا کے وہ پلید
بولا سبھوں کو فتح دکھانا ضرور ہے
نیزوں پہ ان سروں کو چڑھانا ضرور ہے

بیٹھا منگا کے کرسیِٔ زریں وہ بدگہر
لشکر کے سرکشوں کو لگا بانٹنے وہ سر
قاسمؑ کا سر کسی کو دیا اُس نے خوں میں تر
بخشا کسی کو پھر سرِ عباسِ نامور
اک بدنہاد کو علی اکبرؑ کا سر دیا
اور اک لعیں کے ہاتھ میں اصغرؑ کا سر دیا

جب دشمنوں نے نیزوں کی نوکوں پہ سر چڑھائے
تھا شور اہلِ بیتِ نبیؐ میں کہ ہائے ہائے
بانو پکارتی تھی کہ ماں تیرے صدقے جائے
اصغرؑ نہ دو برس بھی مرا دودھ پینے پائے
اماں کا گھر بھرا ہوا ویران کر گئے
ناری ہماری گود کو سنسان کر گئے

جب سب کے سر رواں سوئے کوفہ وہ کر چکا
اُس وقت دستِ نحس میں سر شاہ کا لیا
خولیِ اشقی کو لعیں نے طلب کیا
سر اُس کو دے کے سبطِ پیمبرؑ کا یہ کہا
تھی آرزو کہ قتل امامِ زمانہ ہو
سر لے کے شہ کا کوفے کو جلدی روانہ ہو

خولی کو اس لعیں نے جو سونپا سرِ حسینؑ
خیمے میں اپنے لیکے وہ پہنچا سرِ حسینؑ
رومال میں لعیں نے جو باندھا سرِ حسینؑ
بسمل سا تن کے واسطے تڑپا سرِ حسینؑ
زہرا کا نے علیؑ و نبیؐ کا ادب کیا
کوچ اُس نے لے کے شاہ کا سر وقتِ شب کیا

جس وقت بابِ شہر پہ پہنچا وہ بدگہر
جس جا سے آتے جاتے تھے سب بند تھے وہ در
جب تھک گیا پکار کے سب کو وہ خیرہ سر
ناچار ہو کے واں سے چلا تب وہ اپنے گھر
پوشیدہ دستِ نحس میں تصویرِ شاہ لی
ڈر سے ٹھہر سکا نہ کہیں گھر کی راہ لی

اک فرسخ اُس لعیں کا مکاں واں سے دور تھا
اُس بے حیا کی بی بیاں دو تھیں جدا جدا
اک بی بی خوش مرتبہ تھی خوش خو و پارسا
وہ زن بنی اسد سے تھی جو گھر تھا دوسرا
شیعہ تھیں دوستدارِ جنابِ بتولؑ تھیں
وہ دونوں دل سے عاشقِ سبطِ رسولؐ تھیں

رومال میں لئے سرِ سلطانِ کربلا
پہنچا قریب قریہ جو وہ دشمنِ خدا
بی بی بنی اسد سے جو تھی اس کے گھر گیا
رکھ کر سرِ حسینؑ کمر کھولنے لگا
سارا مکان نور سے معمور ہو گیا
گھر میں فروغِ روشنیِ طور ہو گیا

حیران ہو کے بولی وہ بی بی نکوسیر
رومال میں یہ لایا ہے کیا چیز باندھ کر
ہے دُرِ شب چراغ جو ایسا ہی جلوہ گر
جس کی ضیا سے ہو گیا روشن تمام گھر
کیا سانحہ ہے جس سے مرا دل ملول ہے
اُس نے کہا کہ یہ سرِ سبطِ رسولؐ ہے

کوفے میں وقتِ صبح میں لے جاؤں گا یہ سر
ابنِ زیاد سے مجھے لینا ہے مال و زر
قتلِ حسینؑ کی تو ہوئی ہے اسے خبر
دیکھا نہیں مگر سرِ سلطانِ بحر و بر
جب اس کو خوں بھرا ہوا یہ سر دکھاؤں گا
اس کے صلے میں خلعت و انعام پاؤں گا

چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولی وہ خوش خصال
ہے ہے یہ اُس کا سر ہے جو تھا فاطمہؑ کا لال
لوٹا یہ کس نے خانۂ محبوبِ ذوالجلال
دنیا کے آفتاب پہ یوں آ گیا زوال
وا حسرتا حسینؑ سے زینبؑ بچھڑ گئی
ہے ہے بتولِ پاکؑ کی کھیتی اُجڑ گئی

لاتے ہیں آدمی تو غنیمت سے سیم و زر
لایا ہے گھر میں تو پسرِ فاطمہؑ کا سر
او ظالم و لعیں و بدآئین و بدگہر
سر کو حسینؑ کے لئے پھرتا ہے دربدر
پیشِ خدا جو روزِ قیامت کو جائے گا
بتلا مجھے بتولؑ کو کیا منہ دکھائے گا

برباد دیں کیا طمع زر سے ہے غضب
لایا ہے سر حسینؑ کا لشکر سے ہے غضب
جنّ و ملک تو روتے ہیں اور تجھ کو غم نہیں
یہ کہہ کے سر کو پیٹتی دوڑی وہ سوگوار
اُس مومنہ نے غیظ میں آ کر پھر اک بار
پایا محل نہ گھر میں جو آرام و چین کا
ٹکا کے دستِ نحس میں سبطِ نبیؐ کا سر
تھی وہ بھی دل سے عاشقِ سلطانِ بحر و بر
ناری نے کچھ نہ فرق کیا نار و نور میں
کچھ زہر بار کر کے تو سویا وہ کینہ جو
جب بعد نصف شب کے اُٹھی وہ پے وضو
بولی کہ تا بہ چرخ ہے نور اس مکان سے
تھی رات لیکن اس کو ہوا اُن کا اشتباہ
کیا نور کیا فروغ ہے کیا روشنی ہے واہ
یہ نور طعنہ زن ہے تجلّیٔ طور پر
حیران ہو کے دل سے یہ بولی وہ ذی شعور
روشن بھی آج تو نہیں میں نے کیا تنور
پُر نور کیوں تنور سے سارا مکان ہے
تھی سوچ میں کہ دیکھتی کیا ہے وہ خوش سیر
ہیں اس میں چار بی بیاں لیکن برہنہ سر
آنسو رواں ہیں آنکھوں سے اور لب پہ نالے ہیں
چلّاتی ہے کہ ہائے مرے نورِ عین ہائے
مرنے کے بعد بھی نہ ملا تجھ کو چین ہائے
واری میں پیٹتی ہوئی آئی ہوں دور سے

تو کچھ ڈرا نہ روحِ پیمبرؐ سے ہے غضب
لٹکائے تھا یہ بے ادبی سے سر ہے غضب
ظالم یہ سر حسینؑ کا قرآں سے کم نہیں
چلّائی اے نبیؐ کے نواسے ترے نثار
مار العیں کو سنگ کہ سر ہو گیا فگار
بھاگا وہاں سے لے کے لعیں سر حسینؑ کا
بی بی جو خضر میتہ تھی آیا وہ اس کے گھر
ظالم ڈرا کہ اس سے بھی پہنچے نہ کچھ ضرر
رکھا سر حسینؑ چھپا کر تنور میں
اور تھی نماز شب کی زنِ مومنہ کو خو
اک روشنی سی گھر میں نظر آئی چار سو
اُترا ہے کیا زمین پہ یہ چاند آسمان سے
بے ساختہ کہا کہ زہے قدرتِ الٰہ!
رکھتا نہیں کبھی یہ ضیا چودھویں کا ماہ
ہے بُرج آفتاب کا عالم تنور پر
اُٹھتی ہوں روز پر کبھی دیکھا نہیں یہ نور
کھلتا نہیں یہ کچھ نہ کچھ اسرار ہے ضرور
کیسی یہ روشنی ہے کہ تا رامکان ہے
اک ہودج آسمان سے اُترا زمین پر
اک بی بی بے قرار ہے تھامے ہوئے جگر
ہاتھوں سے تین بی بیاں اُس کو سنبھالے ہیں
اے گل عذار فاتحِ بدر و حنین ہائے
یہ تیرے سر پہ ظلم و ستم اے حسینؑ ہائے
صورت دکھاؤ ماں کو نکل کر تنور سے

ہودج سے سر برہنہ جو اُتری وہ حق شناس
بالوں پہ بن کی خاک پریشان بے حواس
دیکھا اُٹھا جو گرد سے رُخ نورِ عین کا
ہونٹوں سے ہونٹ مل کے کئے اس طرح سے بین
آنکھوں پہ ہاں تو رکھتی تھی اے میرے نورِ عین
فریاد ہے یہ اُمتِ احمدؐ نے کیا کیا ؟

واری تنور اور ترا سر ہزار حیف
پانی سے خشک لب ہوں تری ہزار حیف
تم چھٹ گئے بہن سے بہن تم سے چھٹ گئی
کیسے وطن سے چھُٹ کے چلے آئے ماں نثار
فاقوں میں زخم تیغ و سناں کھائے ماں نثار
پیاری بہن اسیر ہے بلوائے عام میں

دیکھا پسر کے غم میں جو زہراؑ کو بے قرار
لِلّٰہ صبر کیجئے ہم آپ پر نثار
آنکھوں کو شہ کے سر سے نہ مل مل کے روئیے
رکھ کر تنور میں سر سردارِ انس و جاں
آئی تنور پر زنِ خولی بصد فغاں
رقت کا تھا یہ جوش کہ تھرا کے گر پڑی

تھی غش میں وہ کہ ہاتفِ غیبی نے دی صدا
تو دوست ہے علیؑ کی یہ ہے دشمنِ خدا
تو نیک اعتقاد ہے وہ بد سرشت ہے
اس نے کیا سوال یہ ہاتف سے ایک بار
آئی صدا کہ مریمؑ و حواؑ ہیں اشک بار
گھر میں ترے جو خلد سے تشریف لائی تھیں

چہرہ تو آفتاب سا تھا اور سیہ لباس
تھامے جگر جھکی ہوئی آئی تنور پاس
گودی میں لے لیا سرِ انور حسینؑ کا
اے میرے لال لے مرے بے کس مرے حسینؑ
آیا تنور میں تمہیں یاں کس طرح سے چین !
چھاتی پہ چڑھ کے تن سے ترا سر جدا کیا

یہ خاک اور زلفِ معنبر ہزار حیف
سوکھے گلے پہ چل گیا خنجر ہزار حیف
ہے ہے کمائی فاطمہؑ کی رن میں لٹ گئی
کیا دشمنوں کے ہاتھوں سے دکھ پائے ماں نثار
شکوے کا حرف لب پہ نہ تم لائے ماں نثار
دولت ہری لٹا گئے اُمت کے کام میں

یوں تینوں بی بیوں نے یہ کی عرض بار بار
تھرا رہا ہے عرش ملائک ہیں اشک بار
بس کربلا میں لاش پہ اب چل کے روئیے
ہودج پہ چڑھ کے واں سے سدھاریں جو بی بیاں
دل کانپتا تھا سینے میں اور اشک تھے رواں
دیکھا جو سر تنور میں غش کھا کے گر پڑی

اے زن بس اپنے شوہرِ ملعون کے گھر سے جا
کافر سے کام مومنۂ پاک کو ہے کیا
دوزخ مکاں ہے اس کا ترا گھر بہشت ہے
یہ کون بی بیاں تھیں جو روتی تھیں زار زار
اور بیبی خدیجہؑ گھبرا تھیں بے قرار
یہ بی بیاں حسینؑ کے پُرسے کو آئی تھیں

وہ بی بی جو کہ سب سے زیادہ تھیں دردناک — سب خون سے بھرا ہوا تھا جن کا رُوئے پاک
بکھرے ہوئے تھے بال گریباں تھا چاک چاک — کپڑے سیاہ جسم پہ تھے اور سر پہ خاک
رو رو کے چومتی تھیں جو منہ نورِ عین کا — وہ فاطمہؑ تھیں اور یہ سر ہے حسینؑ کا

چونکی صدا یہ سُن کے جو غش سے وہ خوش سیر — تنور سے نکال لیا شاہِ دیں کا سر
چھڑکا گلاب اور رکھا جانماز پر — ہے ہے حسینؑ کہہ کے وہ چلّائی تا سحر
ہنگامِ صبحِ غم کی چھری دل پہ چل گئی — جنگل میں بیٹھی ہوئی گھر سے نکل گئی

خاموش اے انیسؔ کہ دل آب آب ہے — اس آتشِ الم سے کلیجا کباب ہے
یہ مرثیہ ہے یا غمِ شہ کی کتاب ہے — رونے کی فصل مجلسِ ماتم کا باب ہے
روئیں گے وہ جو عاشقِ نامِ حسینؑ ہیں
فقرے فقط ہیں درد کے اور غم کے بین ہیں

رُباعی

جبرئیل امیں کو فخرِ دربانی ہے — حضرت کا غبارِ قبر نورانی ہے
ہو جاتی ہیں کور کی بھی آنکھیں روشن
وہ خاک بھی سرمۂ سلیمانی ہے

ایضاً

وہ نظم پڑھوں کہ بزم خوشبو ہو جائے — عطرِ عنبر ہر ایک آنسو ہو جائے
یاد آئے شمیمِ زلفِ ہم شکلِ رسولؐ
آہوں کا دھواں حور کا گیسو ہو جائے

ایضاً

میزانِ کرم میں جُرم تُل جاتے ہیں — فردوس میں مثلِ بوئے گُل جاتے ہیں
انگشتِ علیؑ سے بابِ خیبر کی طرح
عقدے جو ہزاروں ہوں تو کھل جاتے ہیں

۲۳ مرثیہ بند ۲۲

آفت میں گرفتار ہیں ناموسِ محمدؐ
مجبور ہیں ناچار ہیں ناموسِ محمدؐ
سرور کے عزادار ہیں ناموسِ محمدؐ
اور جینے سے بیزار ہیں ناموسِ محمدؐ
زنداں کی صعوبت ہے غریب الوطنی ہے
غل ہائے حسینا کا ہے اور سینہ زنی ہے

اکبرؑ کی جوانی کا کسی رانڈ کو غم ہے
اصغرؑ کے لیے چشم کسی بی بی کی نم ہے
عباسؑ کی فرقت کا کسی دل پہ الم ہے
دولھا کو کوئی روتی ہے سر زانو پہ خم ہے
کرتی ہے کوئی یا محمدؐ کے پسر کو
دیوار سے رو کر کوئی ٹکراتی ہے سر کو

کہتی ہے کوئی لوٹا گیا باغ ہمارا
ہے ہے مرے بچے کو ستمگاروں نے مارا
مجھ رانڈ کا پیری میں رہا کچھ نہ سہارا
دنیا سے مرا لال جو ارماں ہو کے سدھارا
شادی بھی ہوئی تھی نہ مرے لختِ جگر کی
میں مر نہ گئی ہائے بلائے کے پسر کی

ہر شام و سحر شور یہ تھا ہائے حسینا
اب تک نہ کفن تم کو ملا ہائے حسینا
کاٹا ترا ظالم نے گلا ہائے حسینا
کنبہ ترا آفت میں پھنسا ہائے حسینا
تم چھٹ گئے کٹوا کے گلا رنج و الم سے
اب کون چھڑاوے گا ہمیں قید ستم سے

اس قید میں تھا بالی سکینہ کو نہ آرام
سر پیٹتی تھی ہاتھوں سے رو کر سحر و شام
سب بھولی تھی بابا ہی کا بس یاد تھا اک نام
کہتی تھی کہ اماں نہیں جینے کی ہیں ناکام
پاؤں گی کہاں فاطمہؑ زہرا کے پسر کو
ہیں ڈھونڈھتی آنکھیں مری مظلوم پدر کو

منہ چوم کے بہلاتی تھی ماں اے مری پیاری
اب آئے گی یاں بی بی کے بابا کی سواری
آؤ کرو آرام مری گود میں واری
روداد سنی ہے شہِ والا نے تمھاری
چھاتی سے حسینؑ آکے لگا دیں گے مری جاں
عباسؑ علی پانی پلا دیں گے مری جاں

وہ کہتی نہ سوؤں گی اگر نیند بھی آئے
ہے کون جو چھاتی پہ سکینہؑ کو سلائے
حال اپنا کسے آہ یہ مظلوم سنائے
بابا نہیں زانو پہ مجھے کون بٹھائے
سینہ مرا اب دردِ یتیمی سے طپاں ہے
بچھڑی ہوں پدر سے مجھے آرام کہاں ہے

یاد آتا ہے بابا کا وہ چھاتی پہ سُلانا
وہ بیٹھ پہ شفقت سے مرے ہاتھ پھرانا
تاحشر بس اب شاد نہ ہووے گی سکینہؑ
یہ نیل طمانچوں کے کسے آہ دکھاؤں
عباسؑ چچا کو بھلا کس طرح سے پاؤں
ڈر شمر کا یہ ہے کہ میں چلا نہیں سکتی

ماں نے کہا قربان ترے اے بے کس وبے پر
سُن لے وے گا رونا ترا اگر شمرِ بداختر
دشمن تری آواز کا وہ دشمن دیں ہے
وہ کہتی تھی سینے میں تڑپتا ہے مرا دل
اس دکھ کی میں اب ہو نہیں سکتی متحمل
بابا کی جدائی نے یہ بے تاب کیا ہے

غش ہو گئی بس اتنے میں وہ بیکس دُر غم
بانوؑ نے کہا ہائے بہن اب کیا کروں اس دم
جانؔ وجگر شاہِ مدینہ کو غش آیا
ہاں ہائے سکینہؑ کا ہوا شور جو اک بار
منگوائی خبر جب تو کسی نے کیا اظہار
یاد اس کو نہیں شہ کی فراموش ہوتی ہے

حلقہ کیے گرد اس کے حرم روتے ہیں باہم
بولا یہ خبرداروں سے اس وقت وہ اظلم
بے تاب ہے بل بے شہِ مظلوم کے سر سے
جس طشتِ طلائی میں رکھا تھا سرِ سرور
جاکر درِ زنداں پہ پکارے وہ بداختر
خوشبو اسے شبیرؑ کی زلفوں کی سنگھا دو

وہ پیار کی باتیں وہ مرا ناز اٹھانا
اور پیار سے ہر وقت وہ منھ چومتے جانا
چین آئے گا جب قبر میں سوئے گی سکینہؑ
کانوں کے میں دُکھ کا کسے احوال سناؤں
اکبرؑ ہیں کہاں جن کو حمایت میں بلاؤں
وہ آ نہیں سکتے ہیں وہاں جا نہیں سکتی

اب رونے کی طاقت نہیں ہے چپ ہو دم بھر
بے رحم ہے بیدادی سے گھڑکے گا ستم گر
ہم بیکس و مجبور ہیں کچھ زور نہیں ہے
مرجاؤں تو آسان ہوا اماں مری مشکل
راضی ہوں مجھے تیغ سے کوئی کرے بسمل
کانوں کا بھی اب درد مجھے بھول گیا ہے

ہر بی بی کو بس ہو گیا اک سکتے کا عالم
ہاتھوں سے چلی شیفتۂ سیدِ اکرم
فریاد ہے فریاد ہے سکینہؑ کو غش آیا
تب خوف سے حاکم کی محل میں ہوا بیداد
اک چار برس کی جو ہے شبیرؑ کی دل شاد
بابا کو یہ روئی ہے کہ بے ہوش ہوئی ہے

کہرام ہے زنداں میں قیامت کا ہے عالم
پہنچاؤ خرابے میں سرِ سیدِ اکرم
محروم نہ رہ جائے وہ دیدارِ پدر سے
خدام روانہ ہوئے جلدی اُسے لے کر
لے جائے کوئی آکے سرِ سیدِ بے سر
سر باپ کا مظلوم سکینہؑ کو دکھا دو

روتے درِ زنداں پہ گئے سیدِ سجاد
زنداں میں چلے کرتے ہوئے نالہ و فریاد
شبیرؑ کا سر آیا ہے تعظیم کو اُٹھو!
سر پیٹیں یہ سنتے ہی سب ہی بی بیاں باہم
ہاتھوں پہ لیا پھر سرِ سردارِ دو عالم
سر ہاتھوں پہ بھائی کا بہن کے جو دھرا تھا
بالیں پہ سکینہؑ کے سرِ شاہ جو لائی
بابا کی جو بُو دخترِ مظلوم نے پائی
آہستہ کہا رُوح مزا پاتی ہے لوگو!
پھر تھام کے شانے اُسے بانوؑ نے اُٹھایا
سر خاک پہ سجدے کو سکینہؑ نے جھکایا
بابا کا مرے سر ہے یہ پہچان گئی ہیں
چھوٹے سے جو ہاتھوں سے اُٹھایا سرِ سرور
لکھا ہے کہ جنبش میں تب آئے لبِ اطہر
وا ہو گئیں آنکھیں شہِ مظلوم کے سر کی
بیٹی نے کہا صدقے میں اس پیار کے بابا
سر تو ہے یہاں اور تنِ پُر نور ہے کس جا
اب مُنہ سے نکلتا ہے کلیجا مرا پھٹ کر
اس سن میں کہوں کیا جو ستم میں نے اٹھائے
بُندے مرے چھینے مجھے نیزے بھی دکھائے
نے پاس ہیں آپ اور نہ چچا جان ہمارے
اتنے میں کہا شمر ستم گر نے یہ آکر
حاکم کا مجھے حکم یہ پہنچا ہے مکرر
روتی ہے تو دکھلا دو ذرا شکل پدر کو

سر باپ کا ہاتھوں پہ لیا با دلِ ناشاد
جا پہنچے تو رانڈوں سے کیا رو کے یہ ارشاد
زہراؑ کے جگر بند کی تسلیم کو اُٹھو!
زینبؑ نے کہا کرتی ہوں تسلیم یہ پُر غم
سر پیٹ کے سب بی بیاں کرنے لگیں ماتم
اک نورِ خدا چار طرف جلوہ نما تھا
بُو گیسوئے سرور کی سکینہ کو سنگھائی
کچھ غش سے افاقہ ہوا اور ہوش میں آئی
بُو بابا کی زلفوں کی چلی آتی ہے لوگو!
زینبؑ نے کہا ہے ترا بے کس پدر آیا
دیکھا جو سوئے طشت تو یہ شور مچایا
ان خون بھری زلفوں کے قربان گئی ہیں
آنکھیں ملیں رُخساروں پہ مُنہ رکھ دیا مُنہ پر
حضرت نے بھی اعجاز سے چومے لبِ دختر
بیٹی پہ عجب یاس سے حضرت نے نظر کی
یہ کس نے گلا آپ کا تلوار سے کاٹا
وہ بازو کہاں ہیں جو مرے ہوتے تھے تکیہ
وہ چھاتی کہاں جس سے میں سوتی تھی لپٹ کر
یا شاہ طمانچے مجھے ظالم نے لگائے
باندھے ہوئے گردن میں رسن کھینچتے لائے
فریاد کہ مجروح ہوتے کان ہمارے
دے جاؤ بس اب جلد سرِ سبطِ پیمبرؐ
دم بھر سے زیادہ نہ رہی یاں سرِ سرور
بہلی ہو سکینہ تو حوالے کرو سر کو

ناداں نے سُنی شمر کی آواز جو اک بار
بانو سے لپٹ کر کہا اے مادرِ غم خوار
گُرتے میں چھپا لیتی ہوں اس خوں بھری سر کو
سُن لو یہ وصیت مری تم سب کے میں قرباں
جھنجھلا کے مجھے قتل کرے گر یہ بد ایماں
ہوگا نہ قلق رُوح مری شاد رہے گی
ڈیوڑھی سے سکینہؑ کی سنی شمر نے تقریر
تھرّائے حرم سہم گئی دخترِ شبیرؑ
اس ظلم رسیدہ کو نہ آزار دے بس کر
ظالم نے بزور اُس سے سرِ شاہ کو چھینا
رانڈیں تو لگیں پیٹنے رو کر سر و سینا
اِک دھوم ہوئی خانۂ زنداں میں بکا کی
ماں بولی کہ بچی تری صورت کے میں صدقے
ماں چھوٹی سی میت تری کن آنکھوں سے دیکھے
مادر تری مظلومی کے قربان سکینہؑ!
صدقے گئی اب ڈرتی نہیں شمر کے ڈر سے
گھر دادی کے تم آج چلی ہو مرے گھر سے
میں روتی ہوں بیدار نہیں ہوتی ہو بی بی
پھر رکھ کے منھ اس بچی کے منھ پہ پکاری
بی بی میں نہیں جینے کی فرقت میں تمہاری
مادر سے بُرے وقت میں منھ موڑ گئیں تم
ننھی سی کہاں قبر بناؤں میں تمہاری
پردیس میں کی تو نے قضا اے مری پیاری
پوشیدہ تہِ خاک جو تن ہوگا تمہارا

تن کانپ گیا سہم گئی وہ جگر افگار
جاں اپنی میں دوں گی نہ یہ سر دوں گی زنہار
دیکھا نہیں جی بھر کے ابھی اپنے پدر کو
تم بھی نہ اسے دیکھو سرِ سرورِ ذی شاں
سر باپ کا رکھ دیجو مری قبر میں اماں
واللہ مری گور بھی آباد رہے گی
زنداں میں گیا چین جبیں دستِ ستم گیر
فرمانے لگے اُس سے یہ تب عابدؑ دلگیر
معصوم سکینہؑ کی یتیمی پر ترس کر
اور لے گیا زنداں سے سرِ شاہِ مدینا
اور مر گئی بس ہائے پدر کہہ کے سکینا
تھا شور کہ شبیرؑ کی عاشق نے قضا کی
ہے ہے مری پیاری تو جدا ہو گئی مجھ سے
آخر ہوئیں بی بی نہ اُٹھائے گئے صدمے
معصوم سکینہؑ مری نادان سکینہؑ!
کہتی نہیں اماں ہمیں بلوا دو پدر سے
منھ موڑ گئیں مادرِ تفتیدہ جگر سے
چھاتی پہ دھرے ہاتھ پڑی سوتی ہو بی بی
اصغرؑ کی طرح چھوڑ گئیں تم ہمیں واری
ہے ہے مری عاشق مری بے کس مری پیاری
اس قید میں رونے کے لیے چھوڑ گئیں تم
چادر بھی نہیں جس کا کفن دوں تمہیں واری
کیا آخری خدمت کرے یاں درد کی ماری
یہ خوں بھرا کرتا ہی کفن ہوگا تمہارا

اس بین سے بانوؑ کے ہوا شورِ قیامت عابد کو بھی تھی چھوٹی بہن کی بڑی اُلفت	اور زینبؑ و کلثوم بھی روتی تھیں بشدت خاموش انیسؔ آگے نہیں لکھنے کی طاقت

درگاہ الٰہی میں یہ اس وقت دعا کر
زائر ہمیں شبیّر کا اے بار خدا کر

رباعی

عریاں سرِ خاتونِ زمن ہے اب تک
ناموس پہ ایذائے وطن ہے اب تک

چہلم کے ہیں دن خاک اُڑاؤ یارو
شبیرؑ کی لاش بے کفن ہے اب تک

رباعی

بلبل یہاں آکے خوش بیانی سیکھے
انداز فغاں مجھ سے فغانی سیکھے

رونا مری آنکھوں سے کرے حاصل ابر
دریا مری اشکوں سے روانی سیکھے

۲۴ مرثیہ بند ۵۶

دن گذرے بہت قید میں جب اہلِ حرم کو
چھوڑا نہ ستم گر نے اسیرانِ ستم کو
کیا رنج تھے ناموسِ شہنشاہِ اُمم کو
سب کی یہ دعا تھی کہ خدا موت دے ہم کو
ناشاد ہیں ایسے کہ کبھی شاد نہ ہوں گے
زنداں سے یقیں ہے کہ ہم آزاد نہ ہوں گے

طول اتنا کھنچا قید میں پرساں نہیں کوئی
بے دیں ہیں لعیں صاحبِ ایماں نہیں کوئی
رانڈوں کے رہا ہونے کا ساماں نہیں کوئی
اس ظلم و ستم پر بھی پشیماں نہیں کوئی
راتوں کو ہے فریاد کا غُل نوحہ گروں میں
آرام سے کیا سوتے ہیں سب اپنے گھروں میں

بے وارث و بے کس ہیں ہمیں کون چھڑاوے
کیوں کوئی اسیروں کی خبر پوچھنے آوے
پُرسا ہے کسے بچوں کو پانی جو پلاوے
کس کو پڑی دُکھ رانڈوں پہ رحم جو کھاوے
جو تشنہ دہن قتل کریں ابنِ علیؑ کو
زنداں سے وہ کب چھوڑیں گے ناموسِ نبیؐ کو

روتے ہیں تو رونا ہمیں ملتا نہیں اک دم
جو چاہتے ہیں آن کے کہہ جاتے ہیں ظالم
وہ روتے ہیں کس طرح جو ہوں صاحبِ ماتم
زنداں میں پھنسے لُٹ گئے برباد ہوئے ہم
افسوس ہے یہ دفن و کفن میں بھی نہ پہنچے
وارث بھی چھٹے ہم سے وطن میں بھی نہ پہنچے

چھٹنے کی یہاں کوئی ہماری نہیں تدبیر
واں دھوپ میں جلتا ہے پڑا لاشۂ شبیر
کرتے نہ مقید ہمیں گر ظالمِ بے پیر
بے دفن و کفن رہتی نہ لاشِ شہِ دلگیر
جو دامنِ زہرا و پیمبرؐ میں پلا ہو
وہ جلتی ہوئی ریت پہ صحرا میں پڑا ہو

جبرئیلِ امیں نے جسے جھولے میں جھلایا
اس شاہ نے گور و کفن اب تک نہیں پایا
رن میں تنِ بے سر رہا، سر شام میں آیا
نیزے پہ اُسے شہر کی گلیوں میں پھرایا
کس طرح زیارت کریں زنداں سے نکل کے
لٹکایا ہے دروازے پہ ظالم نے محل کے

کیا قہر ہے اس شہر میں اور جا نہیں سکتے
حال اپنا سرِ شاہ کو دکھلا نہیں سکتے
اس در کے قریب آپ کو پہنچا نہیں سکتے
بے کس ہیں سرِ ابنِ علیؑ لا نہیں سکتے
"تا آخرِ شب سنتے ہیں نالوں کو نبیؐ کے
آتی ہے صدا رونے کی زہرا و علیؑ کے

یہ کہتے تھے اور روتے تھے ناموسِ پیمبرؐ
تھا فرش فقط خاک کا بالیں تھا نہ بستر
بچوں کو نہ کھانا تھا نہ پانی تھا میسّر
سایہ بھی نہ تھا دھوپ میں شب جلتے تھے دن بھر
ہر شام مصیبت تھی غریب الوطنی میں
ہو جاتی تھی رانڈوں کو سحر سینہ زنی میں

کاہیدہ بدن ہو گئے تھے قیدِ ستم سے
طاقت کسی بی بی میں نہ تھی رنج و الم سے
غش آتا تھا سجادِ حزیں کو تپِ غم سے
رُخساروں پہ آنسو تھے رواں دیدۂ نم سے
اُٹھ بیٹھے تو افسوس سے رو رو کے مَلے ہاتھ
لیٹے تو رکھا تکیہ کی جا سر کے تلے ہاتھ

اُٹھنے نہ دیا طوق نے گر سر کو جھکایا
پہروں سرِ زانو سے نہ گردن کو اُٹھایا
ہوش آیا تو بیوؤں کو قریب اپنے بلایا
منہ چوم کے چھاتی سے سکینہ کو لگایا
نزدیکِ ہلاکت تھی جو دوریٔ پدر سے
کبرا کی طرف دیکھ کے کی آہ جگر سے

تھی بھوک سے اور پیاس سے ازبس کہ نقاہت
پہچانی نہ جاتی تھی کسی بی بی کی صورت
چُھپ کے دردیوار کو تکتے تھے بحسرت
زائل ہوئی تھی رانڈوں سے رونے کی بھی طاقت
کچھ فرش نہ تھا خاک پہ سب قیدی پڑے تھے
سینے تھے کبود، اور گریباں بھی پھٹے تھے

جب حاکمِ ظالم انہیں بھجواتا تھا کھانا
پانی کوئی لاتا تھا کوئی لاتا تھا کھانا
جب روبروے اُن قیدیوں کے آتا تھا کھانا
کھانا، وہ نہ کھاتے تھے نہیں کھاتا تھا کھانا
اس کھانے پہ منہ آنسوؤں سے دھوتے تھے قیدی
سر پیٹتے تھے ہاتھوں سے اور روتے تھے قیدی

کہتی تھی کوئی صدقے ترے ہائے برادر
کس بھوک میں اور پیاس میں تن سے کٹا سر
چلّا کے کوئی کہتی تھی ہے ہے علی اکبر
دو دن نہ تمہیں آب و طعام آیا میسّر
کس رنج میں دنیا سے سفر کر گئے بیٹا
کھانا میں کھلاؤں کسے تم مر گئے بیٹا

کہتی تھی کوئی پیٹ کے ابنِ حسنؑ آؤ
بے آپ کے کھانا نہیں کھاتی دلہن آؤ
زنداں میں تڑپتی ہے یہ تشنہ دہن آؤ
ماں صدقے ہوئی قاسمِ گل پیرہن آؤ
تم بھوکے تھے اس غم سے یہ مر جائے گی واری
کبرا بھی جو تم کھاؤ گے تو کھائے گی واری

یہ سُن کے وہ کہنے لگا کھانا تھا جو لایا
کس طرح کے قیدی ہیں یہ مظلوم خدایا
بھوکے تھے کئی دن کے پہ کھانے کو نہ کھایا
تب بنتِ علیؑ نے اُسے رو رو کے سنایا
کھاویں گے نہ گو بھوکے ہیں اور تشنہ دہن ہیں
وارث تو ہمارے ابھی بے غسل و کفن ہیں

اِس ہم کو تو جانتا ہے سارا زمانا
مدفن کو نہ ہو سکتے ہیں ہم یاں سے روانا
ظاہر ہے خدا پر ہمیں جس طرح کے غم ہیں
گو پیاسے ہیں پر ہم ابھی پانی پئیں کیونکر
منھ ڈھانپتے تربت پہ تو ہم فاتحہ دیکر
کیا کھانے کو کھاویں کسے فرصت ہے بکا سے
سُن کر یہ بیاں پھر کے بس لے گئے وہ خواں
جن جن کے تھے گھر متصل خانۂ زنداں
تھا اُنس قید یمانہ جو سلطان اُمم سے
روتے تھے یہ سب نام جو شبیر کا لے کر
دن بھر جو رہی غم سے پریشان و مکدر
دروازے کشادہ ہوئے ہیں ساتوں فلک کے
جس حجرے میں ہے طشت کے اندر سر شبیر
اے بادشہ تشنہ دہن کشتۂ شمشیر!
ٹوٹی کمر حیدر صفدر ترے غم میں
یہ کہتے ہیں اور کرتے ہیں زاری وہ فرشتے
اس ابر میں کچھ مرد ہیں اور بیچ میں ان کے
عمامہ نہ سر پر ہے نہ کاندھے پہ عبا ہے
چہرہ وہ کہ شرمندہ ہو خورشید درخشاں
پہنچا جو قریب سر شبیر وہ نالاں
کس طرح نہ ٹکڑے دل محبوب خدا ہو
اُمّت نے تجھے حیف نہ جانا مرا پیارا
اے پیارے نواسے مرے آخر تجھے مارا
بے جرم و ستم قتل کیا فوج شقی نے

میّت کو اُٹھا لیتے ہیں تب کھاتے ہیں کھانا
نے فاتحہ کو کچھ ہے شہیدوں کے ٹھکانا
چہلم کے دن آ پہنچے ہیں اور قید میں ہم ہیں
سب تشنہ دہاں تیغ ستم سے ہوئے بے سر
افسوس کہ اتنا نہ ہوا ہم کو میسّر
آنکھوں کے تلے پھرتے ہیں وہ بھوکے و پیاسے
روتی ہیں سب بی بیاں با نالہ و افغاں
بے چین تھے سُن سُن کے وہ فریاد اسیراں
نیند آتی نہ تھی ہندہ کو زاریٔ حرم سے
واں تیغ اَلَم چلتی تھی ہندہ کے جگر پر
کیا دیکھتی ہے خواب میں اک رات وہ مضطر
روتے چلے آتے ہیں پرے حور و ملک کے
واں بعد سلام آن کے کرتے ہیں یہ تقریر
ملعونوں نے کچھ کی نہ تری عزت و توقیر
سر پیٹتے آتے ہیں پیمبرؐ ترے غم میں
جو ابر سیہ اتنے میں اک اُترا فلک سے
اک شخص ہے بے تاب جگر ہاتھوں سے پکڑے
منھ آنسوؤں سے تر ہے گریبان پھٹا ہے
سنبل کی طرح دوش پہ گیسوئے پریشاں
یوں کہنے لگا چوم کے اس کے لب و دنداں
نانا تری مظلومی پہ شبیر فدا ہو
تھا مجھ کو تو ہرگز نہ ترا رنج گوارا
کس ظلم سے بیٹا ترا سر تن سے اُتارا
پانی نہ وقت ذبح دیا تجھ کو کسی نے

جس دن سے پھرا یا ہے تری حلق پہ خنجر
مادر بھی تڑپتی ہے تری کھوئے ہوئے سر
روتا ہے حسنؑ نالہ و فریاد و فغاں سے
یہ حال پیمبرؐ کا نظر آیا جو اک بار
سر پیٹتے آئے تھے جہاں احمدِ مختار
دیکھا کہ لگن میں سرِ شبیر دھرا ہے
پہچانی جو وہ خوں بھری شبیر کی صورت
اس سر پہ گری رو رو کے با صدمۂ و حسرت
جینا تمہیں قسمت نے نہ اک بار دکھایا
تقدیر نے حضرت کو جو گھر اکے نکالا
کس نے تن و سر میں یہ ترے تفرقہ ڈالا
کیوں آتے نبیؐ چاک گریباں مرے گھر میں
اعجاز سے فرمانے لگا یوں سرِ شبیر
ناحق مری گردن پہ چلی ظلم کی شمشیر
کیا خلد میں آرام ہو زہرا و علیؑ کو
ہے قید میں زینب بھی پھنسی دخترِ زہرا
جو رتبۂ زہرا ہے وہی رتبہ ہے اس کا
لب خشک ہیں اشک آنکھوں سے چہرہ پہ رواں ہیں
فرما چکا جب یہ سرِ سبطِ شہِ لولاک
حاکم کا تفحص لگی پھر کرنے وہ غمناک
کہتا تھا کہاں منہ کو چھپاؤں میں نبیؐ سے
سن کر یہ سخن ہند گئی حجرے کے اندر
یہ خواب ابھی دیکھ کے اٹھی ہوں میں مضطر
مخدومۂ عالم کا سرِ پاک کھلا ہے
مرقد سے ابھی روز سے نکلا ہوں میں باہر
بے تاب ہے بابا بھی ترا حیدرِ صفدر
سر پیٹتا آیا ہوں ترے غم میں جناں سے
تھرایا دل ہند ہوئی خواب سے بیدار
اُس حجرے میں روتی گئی با دیدۂ خوں بار
اور تا بہ فلک روشنیٔ نورِ خدا ہے
بے ساختہ اک دم میں ہوا جوشِ محبت
کہتی تھی کہ لے دل بر خاتونِ قیامت
جب مرگئے تب آخری دیدار دکھایا
مشتاق میں اس دن سے تھی اے سرور والا
اس ظلم کا کیا کوئی نہ تھا پوچھنے والا
اب مجھ پہ کھلا آپ ہیں مہماں مرے گھر میں
میں کیا کہوں اے ہند نہ تھی کچھ مری تقصیر
مہماں نہیں یاں قید ہوں میں بے کس و دلگیر
شوہر نے ترے قتل کیا آلِ نبیؐ کو
غم ہے مجھے اس کا نہیں غم بانو کا اتنا
ہیں ظلم و ستم قید میں اس بی بی پہ کیا کیا
سر ننگے ہے اور بازو پہ رسی کے نشاں ہیں
تب ہندہ نے رو رو کے گریبان کیا چاک
اک حجرۂ تاریک میں بیٹھا تھا وہ سفاک
محجوب ہوں میں قتلِ حسینؑ ابن علیؑ سے
رو کر کہا کیا قہر کیا تو نے ستمگر
گھر میں مرے سر پیٹتے آئے ہیں پیمبرؐ
اور احمدِ مرسلؐ کا گریبان پھٹا ہے

قیدی ہیں کہاں اہلِ حرم اے ستم ایجاد
ہیں طوق و سلاسل ہیں کہاں حضرتِ سجادؑ

گر جانتی رونے کا ہے شورِ اہلِ حرم ہیں
آگاہ نہ تھا فاطمہؑ کے رتبوں سے تو کیا

تو نے جو انہیں قید کیا بھوکا پیاسا
ماتم ہے اسی کا تو رسولِ عربیؐ کو

اس نے کہا نادم ہوں ہوئی اب یہ تقصیر
سر شرم سے زانو پہ جھکا۔ کی جو یہ تقریر

اک بار دیا حکم یہ دربار میں آکے
کچھ لوگ گئے سن کے یہ حاکم کا جو ارشاد

تھے خاک پہ سجدے میں جھکے حضرتِ سجادؑ
ہر چند کہ فاقوں سے نہ طاقت تھی کسی میں

حیران ہو آخر وہ اسیروں کو پکارے
ہے حکم کہ دربار میں قیدی چلیں سارے

رسّی سے بندھے سر کھلے رو آئے ہیں قیدی
وہ کہنے لگے عذر کا اب یہ نہیں ہنگام

ہر طرح سے لے جائیں گے حاکم کا ہے احکام
مجبور ہیں اور بے کس و ناچار ہیں قیدی

یہ کہتے ہی زنداں سے چلے سب وہ گرفتار
پیچھے حرم اور آگے بڑھے عابدِ بیمار

جاں تن میں نہ تھی شرم سے تھراتے تھے قیدی
جس دم سرِ بازار حرم پہنچے کھلے سر

بولا وہ لعین مکر سے تعظیم کو اٹھ کر
عابدؑ نے کہا تخت سے کیا کام ہے مجھ کو

شہزادیاں کرتی ہیں کہاں نالہ و فریاد
کر بہرِ خدا قید سے جلدی انہیں آزاد

ہیں ان کے عوض بیٹھی زندانِ ستم میں
کچھ زینب و کلثوم کے رتبے کو نہ سمجھا

واللہ ہوئی فاطمہؑ کی روح کو ایذا
زینب کی اسیری سے نہیں چین کسی کو

سچ ہے کہ نہ تھا کاٹنا تن سے سرِ شبیرؑ
تا صبح رہا سوچ میں وہ ظالمِ بے پیر

زنداں سے گرفتاروں کو لاوے کوئی جا کے
مشغولِ وظائف تھے حرم بادلِ ناشاد

بچے بھی تھے طاعت میں نہ زاری تھی نہ فریاد
پر محو تھے سب یادِ جنابِ احدی میں

حاکم نے ہمیں بھیجا ہے لینے کو تمہارے
گھبرا کے لگے کہنے وہ دکھ درد کے مارے

اک بار تو دربار میں ہو آئے ہیں قیدی
بے بس ہوں جو قیدی انہیں تکرار سے کیا کام

تب اس سے یہ فرمانے لگے عابدِ ناکام
بہتر ہے چلو چلنے کو تیار رہیں قیدی

رانڈوں نے لیا گودیوں میں بچوں کو اک بار
انبوہ تماشائیوں کا تھا سرِ بازار

نہوڑائے ہوئے سر کو چلے جاتے تھے قیدی
اور سامنے حاکم کے گئے عابدِ مضطر

مسند پہ قدم رکھئے مری نائبِ حیدر
اب خاک نشینی ہی سے آرام ہے مجھ کو

گھر میں تھے سرِ شاہِ دو عالم کا دھرا ہے
پاسِ ادب حیدرؑ و محبوبِ خدا ہے
کیا وقر اب لے ظالمِ بد بخت ہمارا
یہ سُن کے جھجکا سر کو لگا کہنے وہ بد خو
سرزد ہوا ہے جرم جو مجھ سے اُسے بخشو
مجھ سے نہ یہ کہہ زینبِ دل گیر کے ہوتے
زینب سے مخاطب ہو لگا کہنے وہ اظلم
فی الواقعی بھائی کا نہایت ہے تمہیں غم
بے جرم کٹا حلق حسین ابنِ علیؑ کا
یہ سُنتے ہی تھرانے لگی زینبؑ مضطر
رو رو کے لگی کہنے کہ خاموش ستم گر
قیدی ہوں گنہ گار ہوں نالان حزیں ہوں
اس خون کے خواہاں ہوں تو ہوں احمدِ مختار
یا حشر کے دن ہووے گی ہاں اس کی طلبگار
کیوں ذبح کیا سبطِ رسولِ عربیؐ کو
واللہ ہے اس فکر سے چھاتی مری پھٹتی
اس خون کے بدلے دو جہاں بخشے جو کوئی
مقدور تجھے کیا ہے تو کیا دیوے گا ظالم
شبیر کا خوں احمدِ مختار کا خوں ہے
یہ خون تو زہراؑ جگر افگار کا خوں ہے
تنہا نہیں سبطِ شہِ لولاک کو مارا
مارے گئے سرور تو ہوئے قتل پیمبرؐ
تلوار چلی فاطمہ زہرا کے جگر پر
بے جرم مرے بھائی کا سر تن سے اتر جائے

ہاں فاطمہؑ کے پیٹنے رونے کی صدا ہے
اس تخت پر اب بیٹھنا کب مجھ کو روا ہے
شبیرؑ کے ہمراہ گیا تخت ہمارا
تم فیض کے دریا ہو سخی ابن سخی ہو
فرمایا یہ تب سیدِ سجادؑ نے رو رو
مالک ہیں نہیں شاہ کی ہمشیر کے ہوتے
اے بنتِ علیؑ دخترِ مخدومۂ عالم
پر کرتا ہوں جو عذر پذیرا ہو وہ اس دم
جو مانگو وہ دوں خوں بہا میں سبطِ نبیؐ کا
سینے میں کلیجے پہ لگا ظلم کا خنجر
میں کون ہو جو لوں دیتِ خونِ برادر
واللہ میں اس خون کی مختار نہیں ہوں
اس خون کا دعویٰ کریں یا حیدرِ کرار
یا خالقِ اکبر کو ہے اس خون سے سرکار
اس خوں کی دیت دیجیو زہراؑ و علیؑ کو
بس ایسی ہوں جو ہوں گی دیت لینے پہ راضی
قیمت نہ ہوا کے موئے حسینؑ ابنِ علیؑ کی
کس کس کا ابھی خون بہا دیوے گا ظالم
شبیر کا خوں حیدرِ کرار کا خوں ہے
یہ خوں حسنؑ سیدِ ابرار کا خوں ہے
تو نے تو لعیں پنج تنِ پاک کو مارا
بے سر ہوئے شبیر تو بے سر ہوئے حیدر
پھر ہو گیا ٹکڑے جگرِ حضرتِ شبر
ممکن ہے کہ یہ خوں تری گردن سے اتر جائے

تقریر سے زینب کی جو محجوب ہوا دو
اسبابِ ضروری جو تمھیں چاہیئے سو لو
نے مال نہ اسباب نہ زر چاہیئے مجھ کو
زینب کا بیاں سُن کے وہ کہنے لگا بد خو
جی بھر کے زیارت کرو اور خوب سا رو لو
اس سر کو تجھے دے کے نہ میں شاد کروں گا
یہ کہہ کے سرِ شاہ کو اظلم نے منگایا
زینب کی طرف ہو کے مخاطب یہ سنایا
جرأت سے مشقت سے مصیبت سے ملا ہے
دیکھا جوں ہی زینب نے سرِ شاہِ دو عالم
غش کھا کے گری خاک پہ وہ ثانیِ مریم
روتی تھی کوئی اور کوئی بے ہوش پڑی تھی
بیٹھا ہوا تھا تخت پہ وہ ظالمِ اظلم
اور غش میں پڑی خاک پہ تھی زینبِ پُرغم
زینب کے تو بہتے تھے ادھر خاک پہ آنسو
غش سے جو سکینہ کو افاقہ ہوا اِک بار
میں کیا کہوں جور و ستمِ حاکمِ غدار
کہتی تھی نیا رنج لعیں دیتا ہے مجھ کو
کب سنتا تھا زاری سکینہ کو وہ بے پیر
تب آئے وہاں روتے ہوئے عابدِ دل گیر
موقوف بس اب نالہ و افغاں کرو حضرت
یوں راویِ اخبارِ مصیبت سے ہے تحریر
ظالم نے نہ ہرگز دیا لیکن سرِ شبیر
میں کیا کہوں جس طرح وطن جاتی تھی زینب

بولا کہ رہا میں نے کیا قید سے تم کو
اُس وقت کہا زینبِ دل گیر نے رو رو
بچھڑی ہوئی ہوں بھائی کا سر چاہیئے مجھ کو
میں منع نہیں کرتا سرِ شاہ کو دیکھو
لے جانے کا مذکور مگر لب پہ نہ لاؤ
اِک عمر کی محنت کو نہ برباد کروں گا
اور زلفیں پکڑ کر اُسے ہاتھوں پہ اُٹھایا
لے دیکھ کہ یہ سر ترے بھائی کا ہے آیا
تو جانتی ہے جیسی کہ محنت سے ملا ہے
یہ بیٹھی کہ باقی نہ رہا اس میں ذرا دم
تھا قیدیوں میں شور و بکا شیون و ماتم
سکتہ تھا کسی کو کوئی خاموش کھڑی تھی
زُلفیں سرِ شبیر کی تھامے خوش و خرم
پر اُلفتِ شبیر کا میں کیا کہوں عالم
جاری تھے اُدھر شہ کے رُخِ پاک پہ آنسو
لپٹی سرِ شبیر سے جا کر بہ دلِ زار
بچی سے لیا چھین سرِ سیدِ ابرار
بابا کا مرے سر بھی نہیں دیتا ہے مجھ کو
بس اُٹھ گیا مجلس سے وہ لے کر سرِ شبیر
زینب کو اُٹھا خاک سے کی رو کے یہ تقریر
چلنے کا وطن کے کوئی ساماں کرو حضرت
ہر چند طلب کرتی رہی زینبِ دل گیر
ناچار روانہ ہوئی با حالتِ تغیر
سر پیٹتی تھی روتی تھی چلاتی تھی زینب

خاموش انیس اب نہیں یارا ہی سخن کا کہ حق سے کہ صدقہ سر ہفتاد و دو تن کا	صد شکر کہ مداح ہے تو شاہِ زمن کا یاں بند نہ کر مجھ کو کبھی رنج و محن کا

دنیا میں کسی طرح کا مجھ کو نہ الم ہو
پر دل میں مرے پنج تن پاک کا غم ہو

سلام

بے کسی کا شہ[۱] کی چرچا رہ گیا — مجرئی مہمان پیاسا رہ گیا
دیر آئے پر - بہ جلد آئے رسولؐ — اور لاکھوں کوس سایا رہ گیا
اللہ اللہ قربِ معراج رسولؐ — دو کماں[۲] کا فرق ادنیٰ رہ گیا
کاتبِ اعمال بھی رخصت ہوئے — ہائے میں غربت میں تنہا رہ گیا
قبر میں ہوگا حسابِ زندگی — بعد مرنے کے بھی جھگڑا رہ گیا
قبر میں رکھ کر نہ ٹھہرا کوئی دوست — میں نئے گھر میں اکیلا رہ گیا
ظہر تک سب فوج پہنچی خلد میں — صاحبِ لشکر اکیلا رہ گیا
تیر گردن پر جو کھایا دھوپ میں — بھر کے ٹھنڈی سانس بچّا رہ گیا
زخم کھاتے ہی جو اکبر[۳] گر پڑے — چھد کے برچھی میں کلیجا رہ گیا
اس قدر تھا خشک حضرتؑ کا گلا — خنجرِ قاتل بھی پیاسا رہ گیا

مرثیہ ۲۵ بند ۸۹

جب طوق و سلاسل میں مسلسل ہوئے عابدؑ
اس شکل سے راہی سوئے مقتل ہوئے عابدؑ
رانڈوں میں تو محبوسیِ سجاد کا غل تھا
بے دینوں میں تھی تہنیتِ فتح کی اک دھوم
اور شرم سے نہوڑائے تھے سر عابدِ مغموم
اک ہاتھ میں زنجیر بصد رنج و محن تھی
تلواریں لیے چار طرف ظلم کے بانی
غربت کا الم بے پدری تشنہ دہانی
مڑ کر کبھی زینبؑ کے رخِ پاک کو دیکھا
لغزش میں نہ تھا ہاتھ کوئی تھامنے والا
تھا چاند سے سینے میں کلیجہ تہ و بالا
مرقد نہ بنا باپ کا یہ فکر بڑی تھی
نرغے میں دل آزاروں کی وہ صاحبِ آزار
شیشے سے سوا ہوتا ہے نازک دلِ بیمار
تعویذِ شفا اس کو پنہاتے تو بجا تھا
دستور ہے ہمسائے ہیں پاؤں دباتے
ماتم کی خبر کو ہیں مریضوں سے چھپاتے
یہ دکھ نہ کسی صاحبِ آزار نے دیکھے
ہفتم سے جو اعدا کی ہوئی شہ پہ چڑھائی
عاشور کو غش تھے کہ یکا یک خبر آئی
ہوش آیا تو گھر آگ میں جلتے ہوئے دیکھا

خم مثلِ ہلالِ شبِ اوّل ہوئے عابدؑ
اعدا تو چڑھے گھوڑوں پہ پیدل ہوئے عابدؑ
ہر گام پہ زنجیر کی فریاد کا غل تھا
رانڈوں میں یہ تھا شور کہ ہے ہے شہِ مظلوم
بیمار کو آنکھوں سے نہ کچھ ہوتا تھا معلوم
اک ہاتھ میں ماں بہنوں کے ڈنٹوں کی رسن تھی
حلقے میں دل آزاروں کے وہ یوسفِ ثانی
وہ طوق کا لنگر وہ سلاسل کی گرانی
بیڑی کبھی دیکھی، کبھی افلاک کو دیکھا
صدمے سے گرا پڑتا تھا وہ نازوں کا پالا
زنجیر جو ہاتھوں سے چھٹی طوق سنبھالا
اک جانِ حزیں لاکھ مصیبت میں پڑی تھی
دل سوز نہ کوئی نہ کوئی مونس و غم خوار
اُس پر یہ مصیبت کا گراں کوہِ گراں بار
یاں طوقِ گراں بار کے حلقے میں گلا تھا
یاں بیڑیاں بھائی اسے لا کر ہیں پنہاتے
ماں باپ کے سر کاٹ کے اس کو ہیں دکھاتے
ہاں بعدِ پدر عابدِ بیمار نے دیکھے
بیمار کو پانی نہ ملا کیسی ٹھنڈائی
شہ ذبح ہوئے لٹ گئی زہراؑ کی کمائی
ماں بہنوں کو بلوے میں نکلتے ہوئے دیکھا

کہا کہا نہ ستم اہلِ شقاوت نے دکھائے
بیمار نے جز شکرِ خدا لب نہ ہلائے
جب طوق و سلاسل کو عدو سامنے لائے
کس صبر سے نہوا دیا سر پاؤں بڑھائے
تھی فکر گنہ گاروں کی اس رنج و محن میں
بندھوائے امت کے لئے ہاتھ رسن میں

تھا صاحبِ اعجاز کو سب طرح کا مقدور
ہونٹوں کے ہلانے میں فنا ہوتے وہ مقہور
تھی نار سے آزادیٔ اُمت انہیں منظور
دانستہ ہوئے قید نہ بے کس تھے نہ مجبور
زنجیر سے ہر گام پہ لغزش ہوئی پا کو
چھوڑا نہ مگر سلسلۂ صبر و رضا کو

پھوپیاں سرِ ناقہ نظر آتی تھیں کھلے سر
ہاتھوں سے چھپائے ہوئے منہ روتی تھیں مادر
بے پردہ تھی اک رات کی بیاہی ہوئی خواہر
بچیاں تھیں اُس انبوہ میں بے مقنعہ و چادر
ناموسِ محمدؐ پہ تو یہ ظلم و ستم تھا
اور سامنے سر باپ کا نیزے پہ علم تھا

فریاد تھی رانڈوں میں کہ اے قافلہ سالار
مُنھ کاہے سے ڈھانپیں حرمِ حیدرِ کرار
کس درد سے فرماتے تھے سجادِ دلِ افگار
صابر رہو شاکر رہو جو مرضیٔ غفار
چھنتے کا رداؤں کے عبث رنج و الم ہے
کیا چادرِ تطہیر کا پردہ تمہیں کم ہے

موئے سرِ پُرنور سے چہروں کو چھپا لو
شکوے کی کوئی بات زباں سے نہ نکالو
لازم ہے تمہیں صبر کلیجوں کو سنبھالو
غربت میں اسیری کی بھی تکلیف اُٹھا لو
چادر نہیں سر پر تو ضرر کیا ہے تمہارا
پردہ ہے امت کا یہ پردہ ہے تمہارا

گو آج نہیں محمل و ہودج کی سواری
کل دے گا تمہیں ناقہ نورا ایزد باری
موقوف رداؤں پہ نہیں شان تمہاری
تم نورِ خدا ہو تمہیں کیا دیکھیں گے ناری
عریانی سے تم لوگوں کی عزت نہیں جاتی
پوشش جو نہو کعبے کی حرمت نہیں جاتی

یہ کہتے تھے جو قتل کا میداں نظر آیا
کاٹا ہوا زہرا کا گلستاں نظر آیا
دیکھا جسے وہ خاک پہ بے جاں نظر آیا
سوتے ہوئے شیروں کو نیستاں نظر آیا
روحیں تو نثارِ پسرِ شاہِ نجف ہیں
پیاسوں کی کٹی گردنیں قبلہ کی طرف ہیں

اس شکل سے صحرا میں پڑے تھے وہ دلاور
جس طرح رقم کہیں ہو جاتا ہے ابتر
سوتے تھے کہیں خاک پہ دو بھائی برابر
دولہا کوئی پامال تھا گھوڑوں سے سراسر
ٹُنڈے کوئی پہنے ہوئے پیارا سا پڑا تھا
رتی پر کوئی طفل ستارا سا پڑا تھا

سوتا تھا لبِ نہر کوئی ہاتھ کٹائے
تھا خوابِ اجل میں کوئی پھل برچھی کا کھائے
تھے جسم لہو میں عوضِ غسل نہائے
اتنا بھی نہ تھا کوئی کہ قبریں تو بنائے
دم نکلے تھے مشکل سے کہ وہ تازہ جواں تھے
بالائے زمیں پاؤں رگڑنے کے نشاں تھے

تھا بیچ میں ان لاشوں کے اک لاشۂ بے سر
گردن پہ نمایاں کہیں جا گہ خطِ خنجر
تھا نیزوں کی کثرت سے یہ حالِ تنِ اطہر
جس طرح عیاں خار ہوں ساہی کے بدن پر
بخشا تھا سرِ عرش نشیمن جو خدا نے
پر کھولے تھے اس اوجِ سعادت کے ہما نے

افراطِ جراحت سے سراپا تھا بدن چور
اک قبر کو محتاج تھا وہ صاحبِ مقدور
تھی ریگِ بیاباں عوضِ مرہمِ کافور
آئینۂ صد پارہ تھا وہ سینۂ پُر نور
زخموں میں لہو سینے کے دبنے سے بھرا تھا
زانو تھا جہاں شمر کا واں ہاتھ دھرا تھا

پہلو میں تھا اک طفلِ حسیں تیر کا مارا
جس طرح سے ہو ماہ کے نزدیک ستارا
چھوٹا سا شلوکا تھا بھرا خون سے سارا
معلوم یہ ہوتا تھا کہ ہے باپ کا پیارا
کچھ داغ جو دل پر تھے تو کچھ داغ جگر پر
اک ہاتھ تھا تو سینے پہ اک ہاتھ پسر پر

تھا لاش پہ بےکس کے عجب یاس کا عالم
کہتی تھی یہ حسرت تری غربت پہ فدا ہم
رونے کو سرہانے کوئی مونس تھا نہ ہمدم
تھے ہاتھ بندھے اُن کے جو تھے صاحبِ عالم
تھا گرد کا دامن تنِ صد چاک کے اوپر
شہ رگ سے ٹپکتا تھا لہو خاک کے اوپر

اس دھوپ میں سایہ جو نہ تھا لاشۂ شہ پر
مرغانِ ہوا چھائے تھے کھولے ہوئے پر
آملتا تھا جب دور سے طائر کوئی اُڑ کر
کہتا تھا کہ کیوں پیٹتے ہو بازوؤں سے سر
غم دیکھے ہیں دنیا میں پہ یہ غم نہیں دیکھا
ایسا تو سلیماں کا بھی ماتم نہیں دیکھا

اس سے یہ بیاں کرتے تھے وہ طائرِ صحرا
اس سانحہ کی آہ خبر تجھ کو نہیں کیا
گھر لٹ گیا زہرا کا قیامت ہوئی برپا
بے سر ہے سرِ خاک محمدؐ کا نواسا
یہ وہ ہے رسولِ عربی روتے ہیں جس کو
روتے ہیں اسے سارے نبی روتے ہیں جس کو

صحرا کے پرندوں میں یہ تھی درد کی تقریر
آپہنچے جو رانڈوں کو لئے عابدِ دلگیر
بے سر نظر آیا جو نہیں لاشۂ شبیرؑ
قدموں پہ گری چھوٹ گئی ہاتھ سے زنجیر
بیمار نے نعرہ جو کیا یا ابتا کا
تھرا گیا لاشہ پسرِ شیرِ خدا کا

سر پیٹ کے چلاتے یہ سجادِ دل افگار
رخصت کے لئے آیا ہے یہ صاحبِ اسرار
صدقے تری مظلومی کے اے سیدِ ابرار!
باندھے ہوئے گردن لئے جاتے ہیں جفاکار
تلواریں علم سر پہ ہیں دم لے نہیں سکتا
مجبور ہوں حضرت کو کفن دے نہیں سکتا

بعد آپ کے امت نے یہ کی ہے مری توقیر
اونٹوں کی رسن ہاتھ میں اور پاؤں میں زنجیر
پہنایا ہے گردن میں بھی اک طوق گلوگیر
جو قافلے سے چھوٹے ہے اس کی یہ تعذیر
بیماری میں جو ہم پہ ستم ہو سو روا ہے
شمشیر سے گردن نہ کٹانے کی سزا ہے

اعجاز سے اُس لاشے نے ہاتھوں کو اٹھایا
کس پیار سے فرزند کو چھاتی سے لگایا
پھر حلقِ بُریدہ سے یہ عابدؑ کو سنایا
روؤ نہ کفن ہم نے نہ پایا تو نہ پایا
اے لال یہی خوں بھری پوشاک کفن ہے
جب خاک ملی خاک میں پھر خاک کفن ہے

یہ ذکر تھا جو اونٹ سے فضہ یہ پکاری
اے قافلہ سالارِ حرم عاشقِ باری
لو اونٹ سے گرتی ہیں پھوپھی جان تمہاری
ایسا نہ ہو مر جائے یداللہ کی پیاری
ماں جائے کی مظلومی و تنہائی پہ روئے
اونٹوں کو بٹھادو تو بہن بھائی کو روئے

چلائی سکینہؑ مرا ناقہ بھی بٹھا دو
اچھے مرے بھیا مجھے بابا سے ملا دو
خوشبوئے شہِ مظلوم کی چھاتی کی سنگھادو
سوتے ہیں اگر نام مرا لے کے جگاؤ
مارا ہے عبث شمر نے مجھ خستہ جگر کو
دکھلاؤں گی یہ نیل طمانچے کا پدر کو

گھبرا کے پکارا عمرِ سعدِ جفاکار
کہہ دو کہ اٹھے لاشے سے اب عابدؑ بیمار
نیزے لئے ناقوں کے رہیں گرد ستمگار
اونٹوں سے زمیں پر کوئی اُترے نہ خبردار
خولی سے کہو آگے بڑھے لے کے سروں کو
ہاں جلد روانہ کرو ان نوحہ گروں کو

عابدؑ کو تنِ شاہ سے اعدا نے چھڑایا
جی بھر کے پسر باپ کو رونے بھی نہ پایا
جب اونٹ چلے رانڈوں نے یہ شور مچایا
رونا نہ ملا لاشوں پہ فریاد خدایا
کشتے ہوئے سب دفن لعینوں کی طرف سے
لاشے کو نہ گاڑا پسرِ شاہِ نجف کے

ہے ہے ہمیں اونٹوں سے اُترنے نہیں دیتے
کوشش کفن و غسل کی کرنے نہیں دیتے
کھینچے لئے جاتے ہیں ٹھہرنے نہیں دیتے
مظلوم کو تربت میں بھی دھرنے نہیں دیتے
مٹی نہ ملی لاش کو شاہِ شہدا کی
فریاد نبیؐ کی ہے دہائی ہے خدا کی

اس قافلے سے روتے ہوئے عابدِ مضطر
بیٹھا ہوا تھا کرسی پہ نخوت سے بد اختر
تھا جشن کا غل کشتیوں میں آتے تھے خلعت
نوفل پسرِ سعد سے کرتا تھا یہ گفتار
عباسؑ کے شانوں پہ لگائی ہے وہ تلوار
کاٹا علمِ شاہ کو شمشیر سے میں نے
کس فخر سے کرتا تھا بیاں قاتلِ اکبرؑ
کہتا تھا کوئی چھیدا ہے اک تیر لگا کر
ہر زخم کا انعام جدا چاہیئے مجھ کو
کہتا تھا سنا کر اسے کوئی ستم آرا
رہوار کے پاؤں سے بدن سب کیا پارا
کیا قبر میں ہوئے گا قلق ابنِ حسنؑ کو
کہتا تھا کوئی لوٹ کا اسباب دکھا کر
باقرؑ کی یہ ہنسلی ہے سکینہؑ کا ہے گوہر
یہ خون میں تر جامۂ شاہِ شہدا ہے
عابدؑ نے سنی جب یہ ستمگاروں کی تقریر
فرمایا کہ قبروں میں تو گاڑے گئے بے پیر
کھلوا دے مرے ہاتھ کہ صدمہ ہے جگر کو
بے دفن و کفن ہیں جو یداللہ کے پیارے
بکھرے ہوئے یاں پھول محمدؐ کے ہیں سارے
ان پھولوں کو مقتل سے اٹھا لینے دو مجھ کو
سفاک نے چیں بہ جبیں ہو کے سنایا
تو کوفے میں اب تک سرِ شبیرؑ نہ لایا
مرنے پہ بھی راحت تنِ سرور کو نہ دینا

پہنچے پسرِ سعد کے خیمے کے برابر
اور فتح کی نظریں اسے دیتے تھے ستمگر
خدام کھڑے شمر کو پہناتے تھے خلعت
دو خلعتِ پُر زر کا ہوں میں آج طلبگار
جس ضرب سے ٹوٹی کمر سیدِ ابرار
مشکیزے میں سوراخ کیا تیر سے میں نے
اس نیزے سے بے جان ہوا ہم شکلِ پیمبرؐ
بانو کا جگر شاہ کا دل گردنِ اصغرؑ
اس تیر سے پہلو کا صلا چاہیئے مجھ کو
سختِ دل شبیرؑ کو ہے اس تیر سے مارا
نوشاہ زمانے سے گیا ارمان سدھارا
رنڈ سالہ میسر نہیں اک شب کی دلہن کو
مقنع یہ دلہن کا ہے یہ بانو کی ہے چادر
شملہ یہ ہے اکبرؑ کا یہ گہوارۂ اصغرؑ
پیوند ہے جس میں یہی زینبؑ کی ردا ہے
نزدیکِ عمر آئے سنبھالے ہوئے زنجیر
کی ہے پسرِ فاطمہؑ نے کون سی تقصیر
میں دفن کروں شیرِ الٰہی کے پسر کو
واللہ گڑا جاتا ہوں میں شرم کے مارے
صحرا میں کوئی ہے کوئی دریا کے کنارے
مٹی میں ستاروں کو چھپا لینے دو مجھ کو
حاکم کا یہ رقعہ ہے مرے نام یہ آیا
صحرا سے خبردار جو لاشوں کو اٹھایا
زنہار کفن سبطِ پیمبرؐ کو نہ دینا

چُپ ہو گئے سجّادِ حزیں سر کو جھکا کر
جیتا رہا گر قید کی تکلیف اٹھا کر
حیدرؑ کی حمایت میں تنِ شاہ کو سونپا
صدقے ہو پدر آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ
ہم چین سے یاں سوتے ہیں تم قید میں جاؤ
ماتم میں بہن کو نہ بھلا دیجیو بیٹا!

سہنا ہے تمھیں رنج اسیری میں سفر کا
اے نورِ نظر غم نہ کرو لاشِ پدر کا
دن گذریں گے ایذا کے تو فرصت بھی ملے گی
یہ سُن کے چلے روتے ہوئے عابدِؑ بیمار
بے غسل و کفن رہ گئی نعشِ شہِ ابرار
روتے تھے مَلک عرش پہ جب روتی تھی زہراؑ

وہ گرمی کے ایّام وہ صحرائے خطرناک
اُٹھتے تھے بگولے کہیں اُڑتی تھی کہیں خاک
بھُن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر
جب گلشنِ ایماں کو قلم کر چکے اعدا
ناموسِ محمدؐ پہ ستم کر چکے اعدا
کوفے کی طرف لے گئے ناموسِ نبیؐ کو

جنّات کے رونے کی صدا آتی تھی ہر دم
دریا میں یہ تھا شور کہ ہے ہے شہِ عالم
فریاد کا غل اُٹھتا تھا ہر بار زمیں سے
ٹکراتے تھے جب کوہ تو اُڑتے تھے شرارے
جو کھیت لہکتے تھے وہ مُرجھا گئے سارے
دانے کا نہ تھا ہوش پرندوں کو جہاں میں

چلّاتے تنِ شہ کی طرف منھ کو پھرا کر
گاڑے گا غلام آپ کو اب شام سے آکر
آئی یہ صدا تم کو بھی اللہ کو سونپا
لاشے کے نہ اُٹھوانے کا صدمہ نہ اُٹھاؤ
چادر کوئی مل جائے تو زینبؑ کو اُڑھاؤ
ہر وقت سکینہ کی خبر لیجیو بیٹا!

اک بوجھ تو ہے طوق کا اک بوجھ ہے گھر کا
بابا کے مقدّر رہے ہے کیا زور بشر کا
تم چھوٹ کے جب آؤ گے تو راحت بھی ملے گی
راہی ہوئے خیموں کو اُکھڑوا کے ستم گار
جُز بے کسی و یاس دل سوز نہ غم خوار
لاشے سے پسر کے نہ جُدا ہوتی تھی زہراؑ

پتّے کا نہ سایہ تھا بجز سایۂ افلاک
ریتی پہ پڑا تھا پسرِ سیّدِ لولاک
اس دھوپ میں سایا نہ تھا لاشِ شہِ دیں پر
نیزے پہ سرِ شہ کو عَلم کر چکے اعدا
تاراج سب اسبابِ حرم کر چکے اعدا
گاڑا بھی نہ فرزندِ رسولِ عربیؐ کو

پریاں پسرِ فاطمہؑ کا کرتی تھیں ماتم
اُڑ اُڑ کے پرندے بھی فغاں کرتے تھے باہم
ریتی پہ برستا تھا لہو چرخِ بریں سے
جلتے تھے درختوں پہ غم و درد کے آرے
اور لوٹتی تھیں مچھلیاں دریا کے کنارے
جو پاتے بھی منھ ڈالتے تھے آبِ رواں میں

طبع دوم

کھیتوں پہ جو آتے تھے وہاں اہلِ زراعت
لاشے نظر آتے تھے انہیں آتی تھی رقت
دن بھر تو وہ سب روتے تھے با صد غم و حسرت
اور شب کو گھروں میں بھی نہ تھی غم سے فراغت
کھاتے تھے نہ پیتے تھے نہ سوتے تھے سحر تک
شبیر کی مظلومی پہ روتے تھے سحر تک

تب عورتیں کہتی تھیں بہ با دیدۂ پُر نم
کیوں بے خور و بے خواب ہو کس بات کا ہے غم
اشک آنکھوں سے تم لوگوں کے تھمتے نہیں اک دم
بتلاؤ یہ ہے کون سے مظلوم کا ماتم
کھانے جو پکاتے ہیں اسی طرح دھرے ہیں
کون اُٹھ گیا دنیا سے کہ دل غم سے بھرے ہیں

تم لوگوں کے غم کھانے کا کھلتا نہیں احوال
خرمن پہ گری برق کہ کھیتی ہوئی پامال
کیا پیچ پڑا کون سا نقصان ہوا اس سال
املاک ہوئی ضبط کہ دنیا میں پڑا کال
کچھ جرم کسی طرح کا ٹھہرایا ہے تم پر
کیا حاکمِ جابر کا عتاب آیا ہے تم پر

وہ بولے کہ ان میں سے کوئی بات نہیں آہ
کیا تم سے کہیں ہم پہ جو ہے صدمۂ جانکاہ
تھی تیسری تاریخ محرم کی کہ ناگاہ
وارد ہوا اس دشت میں اک بندۂ اللہ
تھوڑے سے ملازم تھے یہ سب غنچہ دہاں تھے
کچھ پیر تھے کچھ طفل تھے کچھ تازہ جواں تھے

ہم نے کبھی دیکھے نہیں اس طرح کے خوش رو
میدان میں تھی جلوہ گری نور کی ہر سو
چہروں پہ لٹکتے تھے عجب حسن سے گیسو
جب ہنستے تھے تب پھولوں کی آجاتی تھی خوشبو
رتبہ چمنِ خلد کا صحرا کو ملا تھا
دریا کی ترائی میں عجب باغ کھلا تھا

باندھے ہوئے عمامے وہ کعبے کے مسافر
آقا کے جلو میں بسر و چشم تھے حاضر
چہروں سے غریب الوطنی ہوتی تھی ظاہر
تسبیح زباں ذکرِ خدا صابر و شاکر
وہ چاند سے رُخ پیشِ نظر آج تلک ہیں
اندازِ سراپا سے عیاں تھا کہ مَلک ہیں

تھی کاندھوں پہ شملوں کی عماموں کی عجب شان
گیسوئے سرِ حور کو جن پر کریں قرباں
وہ چاند سے سینے وہ مہِ نو سے گریبان
وہ نورِ تنِ پاک عباؤں سے نمایاں
عالم تھا عجب حسن کا ان بے وطنوں پر
بس قطع تھا زیبائی کا جامہ بدنوں پر

سنولائے ہوئے رنگ صعوباتِ سفر سے
پر دے نہیں سکتے کبھی تشبیہ قمر سے
دیکھا جو نہیں گر گیا خورشید نظر سے
ہونٹوں پہ زیادہ تھی نزاکت گلِ تر سے
چہرے عرق آلودہ تھے گرمی جو بڑی تھی
ہنگامِ سحر اوس سی پھولوں پہ پڑی تھی

ہے کوئی۔ کوئی عربی کوئی حجازی
شیرانِ جہاں صف شکن و صفدر و غازی
جاں بازی و تسلیم و رضا ختم تھی اُن پر
بے مثل تھا اس فوج میں اک ایک خوش اطوار
سب میں ان ہی دونوں پہ نظر پڑتی تھی ہر بار
رخسار تھے یا نورِ خدا پیشِ نظر تھا

اِن دونوں میں تھا ایک جواں گیسوؤں والا
قد سرو سا اور حسن میں یوسفؑ سے دو بالا
سب خلق پہ وہ حسن میں ممتاز ہوا تھا
کیا حسن تھا کیا شان تھی کیا عزت و توقیر
رخساروں پہ بل کھائے ہوئے زلفِ گرہ گیر
اخلاق میں شوکت میں شجاعت میں نبیؐ تھا

کس منھ سے کہیں شانِ علمدار شہنشاہ
تھی شوکتِ جعفرؑ تو شکوہِ اسد اللہ
خورشید بنا جلوہ نما خانۂ زیں پر
برپا جو ہوا خیمۂ زنگاری سردار
اُترے وہ جواں گھوڑے سے صحرا ہوا گلزار
کچھ فکر نہ تھی اور فقط یادِ خدا تھی

یاں ایک غلام حبشی اتنے میں آیا
تم لوگوں کو آقا نے ہمارے ہے بلایا
خدام پکارے کہ رہے دھیان ادب کا
اِستادہ رہے سامنے ہم جوڑے ہوئے ہاتھ
اللہ رے اخلاقِ شہنشاہِ خوش اوقات
آداب سے سر قدموں پہ نہوڑا دیا ہم نے

رہوار نہ ران عربی ترکی و تازی
سجدے تہِ شمشیر کریں ایسے نمازی
آقا پہ تصدق تھے وفا ختم تھی اُن پر
دو شخص تھے پر سارے جوانوں میں نمودار
تھا ایک علمدار تو ایک فوج کا سردار
ذرّوں میں یہ خورشید وہ تاروں میں قمر تھا

گردِ قمر اس شان سے دیکھا نہیں ہالا
مہرِ فلکِ نور اندھیرے کا اُجالا
سبزہ بھی ابھی خوب نہ آغاز ہوا تھا
آنکھوں میں بھلی لگتی تھی کیا سبزے کی تحریر
تھا فرق سے تا ناخنِ پا نور کی تصویر
سایہ جو نہ ہوتا تو رسولِ عربی تھا

سب کہتے تھے نکلا ہے یہ ٹوپے کے تلے ماہ
حاضر تھا جلو میں حشم و دبدبہ و جاہ
گھوڑا دو رکابہ تھا پہ تھے پاؤں زمیں پر
محمل سے حرم خیمے میں داخل ہوئی اک بار
واللہ عجب مصحفِ دیں تھے وہ خوش اطوار
تکبیروں کے نعرے تھے نمازوں کی صدا تھی

اور بعدِ سلام آکے یہ پیغام سنایا
حاضر ہوئے ہم اور سرِ تسلیم جھکایا
دربار ہے فرزندِ شہنشاہِ عرب کا
تھرّا گئے دل خوف سے کی جاتی نہ تھی بات
کی ہم سے غریبوں پہ عجب لطف و عنایات
پہلو میں جگہ دی ہمیں اُس بحرِ کرم نے

فرمایا کہ تکلیف ہوئی تم کو نہایت
لیکن ہے یہ ہم سب کی ملاقات غنیمت
دیں داروں سے لازم ہے غریبوں سے محبت
اطفال ہیں ساتھ اور یہ ہے عالمِ غربت
ملتی نہیں مہلت کوئی دم رنج والم سے
ہم دور وطن سے ہیں وطن دور ہے ہم سے

اس دشت میں تھوڑی سی زمیں دو تو بسائیں
ہے جی میں کہ اب یاں ہی کہیں اور نہ جائیں
ایذائے سفر سہہ چکے راحت بھی اٹھائیں
قبضہ ہوا اس بن میں تو سب کام بن آئیں
جاگیر کی خواہش ہے نہ املاک کی خواہش
لے آئی ہے یاں تک ہمیں اس خاک کی خواہش

قیمت کے نہ لینے پہ کیا ہم نے جو انکار
قسمیں ہمیں دے دے کے دیئے درہم و دینار
گھر تک ہم ابھی پھر کے نہ پہنچے تھے کہ اک بار
فوجیں ہوئیں کچھ شام کے حاکم کی نمودار
تاریخِ ششم کو تو زمانہ ہی پھرا تھا
دو لاکھ سواروں میں وہ مظلوم گھرا تھا

بند اُس پہ ہوا ساتویں تاریخ سے پانی
سمجھایا پہ اعدا نے کوئی بات نہ مانی
وہ گرمی کے دن اور وہ غضب تشنہ دہانی
مرنے لگے اُس سیدِ مظلوم کے جانی
پانی کے نہ پینے سے جو گھبراتے تھے بچے
کوزے لئے خیمے سے نکل آتے تھے بچے

عاشور کو مرنے پہ مسافر ہوئے تیار
تلواریں میانوں سے نکلنے لگیں اک بار
ڈھالوں کا لبِ نہر اٹھا ابر دھواں دھار
ہر سو تھی چمک نیزوں کی اور تیروں کی بوچھار
سرتا بہ قدم خون میں تر ہوتے تھے غازی
تلواروں میں آقا کی سپر ہوتے تھے غازی

حملے جو کئے ظلم شعاروں کو بھگایا
دریا سے لعینوں کی قطاروں کو بھگایا
میداں سے پیادوں کو سواروں کو بھگایا
اک ایک بہادر نے ہزاروں کو بھگایا
کس منہ سے کہیں حال جوانانِ عرب کا
پیاسے تھے ہوا ظہر تلک خاتمہ سب کا

بے سر جو ہوئی فوج تو تنہا ہوا سردار
ہر سمت سے پڑنے لگی تلوار پہ تلوار
جس وقت گرا گھوڑے سے وہ بیکس ناچار
اک بی بی نکل آئی تھی خیمے سے کئی بار
گھبرائے ہوئے بال وہ آوارہ وطن تھی
عورات نے رو کر کہا ہے وہ بہن تھی

اک بولا کہ آگے کہو کیا گزری پھر اس پر
وہ بولی کہ زخمی کے چلا حلق پہ خنجر
تن گھوڑوں سے کچلا گیا تاراج ہوا گھر
اور چھین لی بے دردوں نے اس بی بی کی چادر
کونین میں اس ظلم کا اک شور پڑا ہے
اس روز سے وہ بے کفن و گور پڑا ہے

شب کو جو زراعت کی حفاظت کو گئے ہم
کچھ مرد تھے کچھ بی بیاں کچھ حوریں تھیں باہم
بے جرم و گنہ تیغِ ستم جس پہ چلی ہے
آواز یہ آتی تھی کہ لے حوریو آؤ
کہتے تھے محمدؐ مجھے لاشہ تو دکھاؤ
ٹکڑے دلِ فرزند کے دکھلاتے تھے حیدرؑ
یہ سنتے ہی عورات نے اک شور مچایا
شبیرؑ تو خاتونِ قیامت کا ہے جایا
مظلوم کا سر تن سے اُتارا گیا ہے ہے
دسویں کو ہوئی شہ کے سر و تن میں جدائی
ان کا تو نہ باقی کوئی بیٹا ہے نہ بھائی
فرزندِ علیؑ دشت میں بے دفن ہے کب سے
تم اوڑھو ردائیں ہمیں دو جنگ کے ہتھیار
ناخوش ہیں نبیؐ تم سے علیؑ تم سے ہیں بیزار
فوجیں بھی جو بھیجے تو نہ حاکم سے ڈریں گے
یہ کہتے ہی عورات نے عریاں کئے سر
آغوش میں بچوں کو بھی بٹھلایا رو کر
گہہ سینہ زنی تھی کبھی فریاد و بکا تھی
مردوں نے جو دیکھا کہ چلیں عورتیں باہر
تم رو گھروں میں صفِ ماتم کو بچھا کر
دیویں گے کفن شاہِ غریب الغربا کو
یہ کہہ کے چلے بیلچے لے کے وہ یکبار
سر لے گئے تھے کاٹ کے سب گبر جو ستمگار
جس خاک پہ ٹکڑے تنِ سرور کے پڑے تھے

اِس بَن میں نظر آیا عجب طرح کا عالم
غُل ہائے حسیناؑ کا تھا اور کرتی تھیں ماتم
معلوم ہوا وہ کہ حسینؑ ابن علیؑ ہے
غش آیا ہے خاتونِ قیامت کو اُٹھاؤ
شبیرؑ کہاں ہے مری چھاتی سے لگاؤ
لاشے کو لئے گود میں چلاتے تھے حیدرؑ
گھبرا کے کہا ہائے یہ کیا تم نے سنایا
اُس شمعِ امامت کو لعینوں نے بجھایا
لوگو پسرِ فاطمہؑ مارا گیا ہے ہے
اور آج تلک لاش نہ سید کی اُٹھائی
تم نے بھی نبی زادے کی تربت نہ بنائی
معلوم ہوا ڈر گئے حاکم کے غضب سے
بس آج سے تلوار نہ تم باندھیو زنہار
بے پردہ ہے زینبؑ ہمیں پردہ نہیں درکار
اب فاطمہؑ کے لال کو ہم دفن کریں گے
جلدی سے اُتارا انہیں جو پہنے تھیں زیور
اور پھینک دیا سب نے رداؤں کو زمیں پر
اُس غول میں زہراؑ کے بھی رونے کی صدا تھی
گھبرا گئے اور بولے یہ گر گر کے قدم پر
ہم گاڑتے ہیں لاشۂ فرزندِ پیمبرؐ
منہ ہم کو بھی دکھلانا ہے محبوبِ خدا کو
اور کیں لحدیں فاطمہؑ کے پیاروں کی تیار
معلوم نہ ہوتا تھا کہ ہے کون سا سر دار
یہ لوگ وہاں ششدر و حیران کھڑے تھے

کہتا تھا کوئی کس سے کہیں کون بتائے
سب خوابِ عدم میں ہیں کوئی کس کو جگائے

معلوم نہیں کون سی جا دوشنہ دیں ہیں
صد شکر کہ آخر ہوئے چہلم کے بھی ایام
مشرق ہیں جو ہو موتِ امامِ ذوی الاکرام

رہنے دو زمیں پہ نہ اٹھاؤ ابھی ہم کو
ناگاہ ہوئی سامنے سے گرد نمودار
آواز فرشتوں کی یہ آنے لگی اک بار

ہر گام پہ گر پڑتے ہیں یہ زور گھٹا ہے
مقتل میں کھڑے ہوکے پڑھی پہلی زیارت
چلائے کہ اے دل برِ خاتونِ قیامت

پاس آپ کے سب خاک پہ سویا کئے بابا
کیا ظلم سہے آپنے اے شاہِ خوش اوقات
آگے مرے ہونٹوں سے ہوئے تھے نہ قلم ہاتھ

کس ظالم بے رحم و بد افعال نے کاٹے
سن کر یہ سخن روئے بہت عابدِ
جس وقت اٹھانے لگے شہ کا تنِ اطہر

عابدؑ جو گرے پڑتے تھے افراطِ الم سے
رکھنے جو لگا لاشے کو مرقد میں وہ بیمار
ناگاہ ہوئے تربت سے کئی ہاتھ نمودار

بے کس کو نبیؐ زادے کو مغموم کو لاؤ
حیدرؑ کی صدا آتی تھی ہے ہے مرا پیارا
کہتے تھے نبیؐ اُمتِ بے دین نے مارا

بُلوا کے مدینے سے مسافر پہ جفا کی
ہم پوچھیں جو لاشوں کا شناسا کوئی آئے
احمدؐ کا نواسا کفن و گور تو پائے

لاشے سے صدا آئی کہ مظلوم ہمیں ہیں
کرے گا خدا دفن و کفن کا بھی سرانجام
مغرب سے امام آتا ہے واں دفن کے ہنگام

ٹھہرو کہ امامِ زمن آیا کوئی دم کو
مقتل کی زمیں ہو گئی سب مطلعِ انوار
آ پہنچے سرِ شاہ لئے عابدِ بیمار

عمامہ نہیں سر پہ گریبان پھٹا ہے
بس گر پڑے لاشے پہ نہ تھامی گئی رقت
بے چین تھا میں آپ سے جب سے ہوئی فرقت

ہم اتنے دنوں قید میں رویا کئے بابا
افتادہ رہے دھوپ میں اور اوس میں دن رات
یہ ظلم ہوئے بعدِ فنا آپ پہ ہیہات

لاشے سے صدا آئی کہ جمال نے کاٹے
پھر دفن شہیدوں کو کیا بادلِ مضطر
اعجازِ امامت سے اُٹھے سبطِ پیمبرؐ

شبیر گئے تا بہ لحد اپنے قدم سے
اک چادرِ پُر نور آکے کھنچی قبر پہ اک بار
سر کھولے یہ چلاتی تھی زہراؑ جگر افگار

میں صدقے ہوں لاؤ مرے مظلوم کو لاؤ
آہستہ اُٹھاؤ کہ بدن چور ہے سارا
اِن باغیوں نے لوٹ لیا باغ ہمارا

اچھی ہوئی دعوت پسرِ شیرِ خدا کی

مٹی جو لئے قبر میں سجادؑ گرانے
منھ پیٹ لیا ہاتھوں سے محبوبِ خدا نے
گھبرائے ہوئے گردِ لحد پھرتے تھے حیدرؑ
اب وقت خموشی ہے انیسؔ جگر افگار
مولا سے یہ کر عرض کہ یا سیدِ ابرار

اس وقت لگی قوم اسد خاک اُڑانے
زہراؑ اُٹھیں کبھی پائینتی اور گاہ سرہانے
اُٹھتے تھے کبھی اور کبھی گرتے تھے حیدرؑ
بے تاب ہیں وقت سے شہِ دیں کے عزادار
ہوں آپ کی سرکار سے عزت کا طلبگار

برگشتہ زمانہ ہے مدد کیجئو مولا!
ناقدروں کے احساں سے بچا لیجئو مولا!

رباعی

سرگرم رہوں نبیؐ کی مدّاحی میں
کام آئے زباں وصی کی مدّاحی میں

یا رب یہ مری عمر کٹے مثلِ قلم
سجدوں میں ترے۔ علیؑ کی مدّاحی میں

رباعی

ہاں جوشِ غمِ سیّدِ عالی ہو جائے
چہروں پہ ان اشکوں سے بحالی ہو جائے

یوں لختِ جگر چشم سے ٹپکیں باہم
ہر شاخِ مژہ پھولوں کی ڈالی ہو جائے

۲۶ مرثیہ

بند ۶۳

سجدے میں قتل جب شہِ خیبر شکن ہوئے
زینت دہِ سریرِ امامت حسنؑ ہوئے
سبطِ رسولؐ جب کہ امامِ زمن ہوئے
ممنونِ فیضِ عام سے سب مرد و زن ہوئے
چرچا تھا خوبیوں کا فلک سے زمیں تلک
خُلقِ حسنؑ کا شور تھا عرشِ بریں تلک

حلّالِ مشکلات امیر و فقیر تھے
اور شاہِ لافتیٰ کے معظمؑ وزیر تھے
قایم مقامِ سرورِ گردوں امیر تھے
کیا گوہرِ نسب میں عدیم النّظیر تھے
نانا رسولؐ بادشہِ مشرقین سا
بازو اگر دیا تو خدا نے حسینؑ سا

لکھتا ہے یوں بحار میں راوی خوش کلام
اک دن سوار جاتے تھے شاہ ذوالاحترام
خدّام تھے سواری میں سرگرمِ اہتمام
جھکتے تھے صف بہ صف پئے تسلیم خاص و عام
تھی روشنی زیادہ تجلّیِ طور سے
رستے بھرے تھے نورِ الٰہی کے نور سے

ناگاہ آیا سامنے اِک مردِ خیرہ سر
اور جانبِ امام درشتی سے کی نظر
منھ سے کلام سخت کہے اس نے بیشتر
ترکِ ادب ہے لاؤں اسے کس زبان پر
سمجھا نہ رتبہ شہِ عالی مقام کو
دشنام دی امام علیہ السّلام کو

جب کر چکا وہ بے ادبانہ یہ سب کلام
حضرت نے اس کا دیکھ کے منھ روک لی لگام
اور مسکرا کے آپ نے کی سبقتِ سلام
فرمایا کیوں ہے غیظ میں اے مردِ نیک نام!
شاید اسیرِ دامِ بلا و محن ہے تو
مجھ کو گماں یہ ہے کہ غریب الوطن ہے تو

مجھ سے سوال کر کہ میں حاجت روا کروں
اور دردِ مفلسی ہو تو اس کی دوا کروں
گر تو مریض ہے تو شفا کی دعا کروں
مقروض گر تو ہوئے تو اس کو ادا کروں
تنہا ہے گر تو آ کے مرا غمگسار ہو
پیدل ہے گر تو گھوڑے پہ میرے سوار ہو

گر عازمِ سفر ہے تو لے مجھ سے زادِ راہ
بھاگا ہے گر کہیں سے تو یاں آ کے لے پناہ
بھوکا ہے گر تو سیر ہو اے بندۂ الٰہ!
عریاں ہے گر تو لے یہ مرا جامہ و کلاہ
اہلِ کرم ہیں لال جنابِ امیرؑ کے
مہمان چند روز ہو گھر میں فقیر کے

حاضر رہوں گا میں تری خدمت میں باادب
مہماں کو دوست رکھتے ہیں خاصانِ کردگار
ہم آلِ مصطفےٰؐ ہیں یہ سب گھر رحیم ہے
سن کر کلامِ بادشہِ آسماں سریر
بے اختیار رو کے پکارا کہ اے قدیر
شبیرِ خدا وصیِ نبی کا کلام ہے

حیدرؑ سے بغض تھا مجھے اور آپ سے عناد
دل سے تمام محو ہوئے باطنی فساد
تعزیر دیجئے تیغ دو پیکر نکال کے
چھاتی لگا کے کہنے لگا وہ خدا کا نور
ایمان لایا تو ہوئے دل کو ہوا سرور
آلِ نبیؐ کی تجھ سے محبت زیادہ ہو

کیا پرورش تھی بندہ پرور اس حکم کے نثار
مولا کا حلم و فیض ہے عالم پہ آشکار
پیدا ہوئے تھے یہ عوضِ خاک نور سے
ہمت کو نام پاک کی نسبت سے تھا شرف
پھرتے تھے کوچہ ہائے مدینہ میں جس طرف
انبار نان دوش پہ اپنے اٹھاتے تھے

اخبار صادقین سے ہوتا ہے یہ عیاں
اس کی طرف سے رہتے تھے مولا جو بدگماں
فرماتے تھے گریز نہیں ہے ممات سے
آخر ہوا وہ کہتے تھے جو شاہِ نامدار
دردِ شکم سے رہتے تھے نالان و بے قرار
کیا بے کسی تھی راحتِ جانِ بتولؑ پر

ہر گز کسی طرح کا نہ ہوگا تجھے تعب
دے گا حسینؑ تجھ کو زر و مال بے طلب
مجھ سے زیادہ میرا برادر کریم ہے
کانپا مثالِ بید سراپا وہ مردِ پیر
تیرا کوئی عدیل نہ اس کا کوئی نظیر
حقا کہ تو امام ہے ابنِ امام ہے

مانندِ روح و جسم ہوا آج اتحاد
اب بخشئے خطا کو یہی ہے مری مراد
تقصیر وار ہوں میں زباں کاٹ ڈالئے
بے تاب کس لئے ہے ترا کچھ نہیں قصور
نزدیک تو بہشت سے ہے اور سقر سے دور
تجھ سے حسنؑ خوشی ہے خدا تجھ سے شاد ہو

ایسا گناہ گار ہوا دم میں رستگار
ہے رحم بے حساب تو بخشش ہے بے شمار
رحمت سے دل بھرا تھا تنِ پاک نور سے
لعل و گہر سے بھر دیتے تھے سائلوں کے کف
ہو جاتے تھے فقیر غنی دم میں صف بہ صف
بھوکوں کو جا کے راتوں کو کھانا کھلاتے تھے

اسمار تھی ایک زوجۂ شہزادۂ زماں
کہتے تھے لوگ اس کا بنا دیجئے نشاں
قطعِ حیات ہے شدنی اس کے ہاتھ سے
شہد و رطب میں زہر دیا اس نے تین بار
سو سو طرح کے رنج تھے اور ایک جانِ زار
جا جا کے لوٹتے تھے مزارِ رسولؐ پر

مصروف تھے خدا کی عبادت میں صبح و شام
یثرب میں اک مکاں تھا بنا کردۂ امام
رشکِ بہشت و غیرتِ باغِ جناں ہوا
وہ سبطِ مصطفےٰ کی شہادت کی رات تھی
عالم کے بادشاہ کی رحلت کی رات تھی
گذری قلق میں فاطمہؑ کے نورِ عین کو
بستر پہ جلوہ گر جو ہوا وہ فلک جناب
زیرِ زمیں تھا خاک بسر قرصِ آفتاب
تارے زمیں پہ ٹوٹ کے پیہم گرا کئے
پڑھ کر نمازِ شب کو جو سوئے شہِ اُمم
زینبؑ کو چونک کر یہ پکارے بصد الم
رقت یہ تھی کہ اشکوں سے تر رُوئے پاک تھا
نانا گلے لگا کے یہ کہتے تھے بار بار
پھرتے تھے میرے گرد علیؑ کو نہ تھا قرار
یہ پوچھا جو میں نے آپ کا کیوں رنگ زرد ہے
فرما کے یہ حسنؑ نے اٹھایا زمیں سے جام
تھوڑا سا پانی پی کے پکارا وہ تلخ کام
یہ کہتے کہتے زرد رُخِ پاک ہو گیا
دوڑیں جنابِ زینبؑ بے کس برہنہ پا
بولی یہ سر کو پیٹ کے وہ غم کی مبتلا
کیا پھر کسی نے زہر دغا سے پلا دیا
بولے امام آہ نہیں طاقتِ سخن
لپٹی گلے سے بھائی کے رو کر وہ خستہ تن
دور آیا تھا جو زہر جگر میں امام کے

گھر سے کہیں نہ جاتا تھا شہزادۂ انام
منظور ہو گیا شبِ رحلت وہیں مقام
اس شب کو وہ مکان تو بس لامکاں ہوا
آفت کی رات تھی وہ مصیبت کی رات تھی
زہراؑ و مرتضےٰؑ پہ قیامت کی رات تھی
ہجرِ حسنؑ میں نیند نہ آئی حسینؑ کو
تا نصفِ شب نہ چشم ہوئی آشنائے خواب
داغِ جگر دکھاتا تھا جھک جھک کے ماہتاب
چشمِ فلک سے قطرۂ شبنم گرا کئے
اسمائے نے پھر پلایا پانی میں آ کے سم
بھینا ابھی گلے سے نبیؐ کے لگے تھے ہم
محبوبِ کبریا کا گریبان چاک تھا
اے بے کس و غریب حسنؑ میں ترے نثار
اماں بلائیں لے کے کرتی تھیں مجھ کو پیار
رو کر کہا کہ آج کلیجے میں درد ہے
پایا درست اس کو جو تھا مہر کا مقام
دوڑو بہن کہ کام ہمارا ہوا تمام
چلاتے تھے کہ ہائے جگر چاک ہو گیا
دیکھا کہ لوٹتے ہیں بچھونے پہ مجتبیٰ
ہے ہے بہن نثار ہو بھیا یہ کیا ہوا
کس نے مرے کلیجے پہ خنجر پھرا دیا
جس کی کوئی دوا نہیں وہ درد ہے بہن
یہ بے قرار تھے کہ سنبھلتے نہ تھے حسنؑ
جھکتے تھے بار بار کلیجے کو تھام کے

تکیے لگا دیے تھے حرم نے اِدھر اُدھر
بازو کو کوئی تھامتی تھی اور کوئی سر
فرمایا طشت لاؤ ہوا زہر کارگر
رہ رہ کے کاٹتا ہے کوئی تیغ سے جگر
سینے سے منہ میں ٹکڑے کلیجے کے آتے ہیں
نانا بلا گئے تھے سو دنیا سے جاتے ہیں

زینب نے جلد لا کے رکھا سامنے لگن
ہاتھوں سے دل پکڑ کے جھکے سر زمیں
آئی جو قے تو کان جواہر بنا دہن
الماس کھا کے لعل اُگلنے لگے حسنؑ
رنگِ زمردی کا سبب سب عیاں ہوا
معراج کی حدیث کا مطلب بیاں ہوا

فرماتے تھے حسنؑ کہ بلاؤ حسینؑ کو
تھا دم بدم یہ حکم کہ لاؤ حسینؑ کو
بھائی کا حال زار سناؤ حسینؑ کو
ٹکڑے مرے جگر کے دکھاؤ حسینؑ کو
کہہ دو کہ جلد آئیے رحلت کا وقت ہے
سُن جائیے کچھ آ کے وصیت کا وقت ہے

فضہ نے جا کے دی شہِ ذی جاہ کو خبر
دار فنا سے آپ کے بھائی کا ہے سفر
دوڑے حسینؑ چاک گریباں برہنہ سر
دیکھا تڑپ رہے ہیں شہنشاہِ بحر و بر
گرنے لگے زمیں پہ جگر غم سے پھٹ گیا
پھیلا کے ہاتھ بھائی سے بھائی لپٹ گیا

دکھلا کے طشت بنتِ علیؑ نے کیا مقال
قربان جاؤں دیکھو یہ ہی مجتبیٰ کا حال
امید اب نہیں کہ بچے فاطمہؑ کا لال
فریاد ہے تباہ ہوئی مصطفیٰ کی آل
اِک آن درد سے نہیں بھائی سنبھلتے ہیں
رہ رہ کے اب کلیجے کے ٹکڑے نکلتے ہیں

بھائی کا حال دیکھ کے اُٹھا جگر میں درد
لوٹے زمیں پہ گر کے بھری گیسوؤں میں گرد
تر تھا بدن پسینے میں او ہاتھ پاؤں سرد
اِن کا تو رنگ سبز تھا او اُن کا رنگ زرد
رعشہ تھا تن میں آنکھوں سے آنسو نکلتے تھے
جھک جھک کے منہ کو بھائی کے قدموں سے ملتے تھے

ہر دم لپٹ کے بھائی سے با چشم اشک بار
چلاتے تھے کہ آپ کی غربت کے میں نثار
شبیر گلے کو چوم کے کہتے تھے بار بار
میں تجھ پہ صدقے اے مرے نانا کی یادگار
مجھ سے زیادہ ظلم و ستم تم پہ ہوئیں گے
ہم قبر میں تمہاری مصیبت کو روئیں گے

بھتیجا تمہاری گود میں نکلے گا میرا دم
تم دوگے ہم کو غسل و کفن جب مریں گے ہم
ہوگا تمہارے پاس نہ کوئی بجز اَلم
قاتل سرہانے ہوئے گا یا خنجرِ ستم
شبیر تو بعد مرگ کے راحت سے سوئے گا
لاشہ تمہارا گھوڑوں سے پامال ہوئے گا

مرتا ہوں یاں وطن میں پہ تم ہوگے بے وطن
پالوگے تم یتیموں کو میرے بصد محن

جاویں گے اہلِ بیتِ نبیؐ شہرِ شام میں
کوزہ اٹھا کے بولے حسینِؑ فلک جناب
بھائی کو لپٹی دوڑ کے زینبؑ جگر کباب

جلدی سے پی نہ لے یہ قلق تھا امام پر
کوزے کو لے کے بھائی سے پھینکا بروئے خاک
رو کر کہا کرو گے اگر آپ کو ہلاک
تم آب تیغ پی کے زمانے سے جاؤ گے
عباسؑ کو بلا کے کہا اے وفا شعار
اور تم بھی ان کے نام پہ سو جاں سے ہو نثار
تم شاہِ بےکساں کی رفاقت نہ چھوڑیو
وقتِ جہاد معرکہ آرائی کیجیو!
لے کر علم کو فوج کی زیبائی کیجیو

اب ہم تو سوئے خلدِ بریں جانے والے ہیں
بندوں کی طرح قدموں پہ آقا کے سر رہے
زینبؑ کی پردہ داری کی ہر دم خبر رہے
بیوہ کا لختِ دل ہے نہ یہ دھیان کیجیو
قاسم کو پیار کرکے کیا اس طرح کلام
ہیں بر سرِ سفر شہِ مظلوم صبح و شام
پیارے شہیدِ تیغِ جفا ہو کے آئیو!
مجمل یہ تھا جو تم نے سنا آج میری جان
لکھ کر کچھ اپنے ہاتھ سے باچشمِ خوں فشاں
اس کو سوائے وقتِ مصیبت نہ کھولیو!

مرنے کے بعد بھی نہ ملے گا تمہیں کفن
بچے تمہارے ہوئیں گے وابستۂ رسن
سر ننگے ہوں گی بی بیاں بلوائے عام میں
دیکھوں تو پی کے ہیں کہ یہ کس طرح کا ہے آب
تھاما حسنؑ نے دستِ برادر بصد شتاب
اک ہاتھ تھا کلیجے پہ اک ہاتھ جام پر
اٹھی زمین ہوگئی گرتے ہی چاک چاک
کیوں کر جئیں گے میرے یتیمانِ دردناک
دو دن کی پیاس خنجرِ کیں سے بجھاؤ گے
چھٹپن سے تم کو کرتا ہے شبیرؑ دل سے پیار
حاجت تو کچھ نہیں ہے سفارش کی زینہار
بھائی کا اپنے دامنِ دولت نہ چھوڑیو
پیاری نہ جان بھائی سے اے بھائی کیجیو
پیاسے ہوں اہلِ بیت تو سقائی کیجیو
تم ان کے ساتھ ہو یہ تمہارے حوالے ہیں
بھائی پہ تیر آئیں تو سینہ سپر رہے
شفقت کی اس بھتیجے پہ ہر دم نظر رہے
قاسمؑ کو پہلے بھائی پہ قربان کیجیو
اس گھر کے تم چراغ ہو روشن ہے تم سے نام
کیجیو وہ کام جس سے رضامند ہوں امام
فردوس میں چچا پہ فدا ہو کے آئیو!
پہنچو گے کربلا میں تو ہو جائے گا عیاں
بازو پہ اس کے باندھ کے پھر یہ کیا بیاں
یہ حرزِ جاں ہے غیر ضرورت نہ کھولیو

تھا ایک شاہزادوں میں فرزند خمسہ سال
ہاتھوں کو اس کے چوم کے کرتے تھے یوں مقال
نازک کلائیاں یہ تری دل سے بھائی ہیں
یہ کہتے کہتے غش ہوئے شاہ فلک جناب
حاضر تھی روحِ احمدؐ و زہراؑ و بوترابؑ
تشریف خلد کو شہِ ذی جاہ لے گئے
ماتم کی اہل بیتِ رسالت میں تھی صدا
سادات کے محلے میں اک حشر تھا بپا
آلِ نبی سے سبطِ محمدؐ جدا ہوئے
برپا تھا اہل بیت محمد میں شور و شین
چھاتی پہ ہاتھ مار کے چلاتے تھے حسینؑ
بازو ہمارا ٹوٹ گیا وا مصیبتا
لاشے کے پاس مادرِ قاسمؑ کا تھا یہ حال
چلاتی تھی یتیم ہوئے ہائے میرے لال
مدت کا ساتھ ہائے غضب آج چھٹ گیا
غسل و کفن امام کو جب دے چکے امام
جس دم اُٹھا جنازۂ شہزادۂ انام
تھے شیثؑ و نوحؑ چاک گریباں کئے ہوئے
عباسؑ و عونؑ زیدؑ و محمدؐ تھے نوحہ گر
اور تھیں پسِ جنازہ آقائے خوش سیر
عریاں سروں پہ مریمؑ و حواؑ کے ہاتھ تھے
جس دم جنازۂ پسر شاہِ لافتےٰ
یہ دشمنوں پہ مطلب شبیرؑ کھل گیا
زیبِ کنار شاہِ رسل گے مزار ہو

حاضر حضورِ شاہ میں تھا وہ بھی نونہال
اے آخری شہید خوشا تجھ پسر کا حال
حوریں ابھی سے گود میں لینے کو آئی ہیں
غمگین تو تھے حسینؑ ہوا اور اضطراب
واں تھے بزرگ دیدۂ نرگس جناں کے باب
جدّ و پدر جو آتے تھے ہمراہ لے گئے
برپا تھا شور وا حسنا وا محمدا
بامِ فلک سے آتی تھی ہاتف کی یہ ندا
زہراؑ کے آج لعل و زمرد جدا ہوئے
بہنیں پچھاڑیں کھاتی تھیں کرتی تھیں بین
اب اٹھ گیا زمانے سے ہم بیکسوں کا چین
باپ آج مجھ سے چھوٹ گیا وا مصیبتا
رُخ زرد اور پھٹا تھا گریباں کھلے تھے بال
لونڈی نثار اے پسر شاہِ ذوالجلال
میں رانڈ ہو گئی۔ مرا اقبال لُٹ گیا
اور جمع ہو چکے درِ دولت پہ خاص و عام
کرتے تھے انبیائے سلف واں اہتمام
الیاسؑ و خضرؑ جاتے تھے کاندھا دیے ہوئے
قاسمؑ کو تھامے جاتے تھے سلطان بحر و بر
ازواج و خادمات محل سب برہنہ سر
جبریل پا برہنہ جنازے کے ساتھ تھے
پہنچا قریب مرقدِ پیغمبرِ خدا
یعنی قریب مرقدِ سلطان انبیا
منظور رہے کہ حق کو یہ مرکز قرار ہو

ازبس کہ نسلِ فاطمہؑ سے تھا انہیں عناد
محبوبِ حق کے رُتبے پہ آئے وہ بدنہاد
یہ گھر ہماری مِلک کا ہے اور مال کا
برہم ہوئے یہ سن کے امامِ فلک جناب
فرمایا دوگے حشر میں کیا حق کو تم جواب
اوروں کی قبر ہائے نبیؐ کے قریب ہو

عباسؑ نامدار کو بھی آگیا جلال
قبضوں پہ ہاتھ رکھے تھے شیرِ خدا کے لال
ان باغیوں کے زور کو دم بھر میں توڑیں گے
اک اک کو روکتے تھے امامِ فلک سریر
کانپی زمیں ہل گیا صدمے سے چرخِ پیر
تابوت پر نواسے کے بدعت جو ہوتی تھی

تابوت پر جو آنے لگے تیر ناگہاں
آئی ندائے غیب کہ اے شاہِ بیکساں
جنبش میں اس الم سے محمدؐ کی قبر ہے
واں دی کسی نے زینبؑ بےکس کو یہ خبر
تیغیں کھچی ہیں غصے میں ہیں شاہِ بحر و بر
چلائی گھر سے مضطرب الحال جاتی ہوں

زہراؑ کے گھر میں شورِ قیامت بپا ہوا
بکھرے ہوئے تھے بال گریبان تھا پھٹا
غصہ ہے آج فاطمہؑ کے نورِ عین کو
زخمی کہیں نہ ہو پسرِ ضیغمِ الٰہ
اک بھائی کو تو قتل کیا دشمنوں نے آہ
اب تو حسنؑ سے تابہ قیامت جدائی ہے

بس مستعد وہ ہوگئے سب بر سرِ فساد
بولے کہ پوری ہونے نہ دیویں گے یہ مراد
حصہ نہیں ہے اس میں محمدؐ کی آل کا
تھرایا جسم غیظ سے آنکھیں ہوئیں پُرآب
جو کچھ بھی پاس احمدؐ و زہراؑ و بوترابؑ
پہلوئے رسولؐ کا نہ حسنؑ کو نصیب ہو

اور بھائی بند ہوگئے آمادۂ جدال
کہتے تھے ہم سے لڑ سکیں کیا ان کی ہے مجال
ہمسایۂ رسولِ خدا ہم نہ چھوڑیں گے
آنے لگے جنازے پر جو اُس طرف سے تیر
نکلی لحد سے فاطمہؑ جیبِ کفن کو چیر
رُوحِ رسولِ پاک جنازے کو روتی تھی

آمادۂ نبرد ہوئے شاہِ انس و جاں
سر پیٹتی ہے فاطمہ زہراؑ بصد فغاں
اے شیرِ حق کے لال یہ ہنگامِ صبر ہے
چلتے ہیں تیرِ ظلم حسنؑ کے جنازے پر
اُٹھ کر لگی وہ پیٹنے ہاتھوں سے اپنا سر
قبرِ نبیؐ پہ کھولے ہوئے بال جاتی ہوں

ڈیوڑھی پہ آئی دخترِ حیدرؑ برہنہ پا
ایک ایک سے یہ کہتی تھی آنسو بہا بہا
للہ کوئی جا کے سنبھالو حسینؑ کو
ہم بےکسوں کا اب وہی وارث وہی ہے شاہ
کچھ ان پہ بن گئی تو یہ گھر ہوگیا تباہ
ہے ہے یہی جہاں میں مرا ایک بھائی ہے

جاکر کہے جو کوئی کہ اے شاہِ نامدار
صدقہ نبی کی روح کا کیجیو نہ کارزار
بابا کا صبر یاد کرو تم پہ میں نثار
ہے ہے نہ مجتبیٰ کا بنا تو وہاں مزار
آرام دو حبیبِ خدا کے حبیب کو
لے جا کے ماں کے پہلو میں گاڑو غریب کو

رو کر بیاں یہ کرتی تھی یاں زینبِ حزیں
واں لے گئے بقیعے میں تابوت شاہِ دیں
مہر سپہر دیں ہوا پنہاں تہِ زمیں
رویا لپٹ کے قبر سے زہرا کا نازنیں
محشر بپا تھا نالہ و فریاد و آہ سے
ہفتاد تیر نکلے تھے تابوتِ شاہ سے

بھائی کو دفن کرکے وہ شاہِ فلک سریر
روضے پہ مصطفےٰ کے ہوئے جا کے گوشہ گیر
ان کے بھی قتل کرنے کو درپے ہوئے شریر
آمادۂ سفر ہوا کونین کا امیر
راحت کا اس شریف کی نقشہ بگڑ گیا
آباد کربلا ہوئی یثرب اجڑ گیا

پہنچے جو دشتِ ماریہ میں چھوڑ کر وطن
تھوڑے دنوں میں جا کے اٹھائے بہت محن
بے آب و دانہ تھے حرم سرورِ زمن
مضطر شبِ دہم کو رہی شاہ کی بہن
بچپن سے انس تھا جو امامِ امم کے ساتھ
جاتی تھی جان آمدِ فوجِ ستم کے ساتھ

حسرت سے دیکھتی تھی کبھی شاہ کا جمال
بانو کے رانڈ ہونے کا تھا دم بدم خیال
چادر گری تھی فرق سے بکھرے تھے سر کے بال
دل پر گرا تھا شاہ کے کوہِ غم و ملال
یادِ خدا میں سبطِ رسولِ ہمام کو
تھا انتظارِ صبح شہِ تشنہ کام کو

عاشورے کی سحر کو قیامت ہوئی بپا
جنگی دُہل بجانے لگے رن میں اشقیا
پیاسے رفیق ہو گئے جب شاہ پر فدا
مرنے پہ مستعد ہوئے حضرت کے اقربا
مسلم کے دو۲ یتیم جہاں سے گزر گئے
زینبؑ کے لعل برچھیاں کھا کھا کے مر گئے

بابا حسن کے لال نے مرنے کا جب محل
جو کہہ دیا تھا باپ نے اس پر کیا عمل
نیزے کے زخم نے جو دکھایا رخِ اجل
ٹاپوں سے راہواروں کی لاشہ گیا کچل
بے جاں تڑپ تڑپ کے وہ گل پیرہن ہوا
تازہ دلِ حسینؑ پہ داغِ حسنؑ ہوا

جی چاہتا ہے حال زیادہ ہو کچھ رقم
رکتا ہے خوفِ طول سے اب توسنِ قلم
کس کو نہیں انیسؔ جہاں میں یہ درد و غم
ہر ایک دل پہ لگتے ہیں سو نشترِ الم
دو۲ دو ملیں گے ساغرِ نہرِ لبن تجھے
ہے یہ دعا دلائے حسینؑ و حسنؑ تجھے

مرثیہ ۱۰۲ بند

ہند آتی ہے زنداں میں بڑے جاہ و حشم سے
ہے شوق ملاقات اسیران ستم سے
فضہؑ نے کہی ہے خبر آمد کی حرم سے
سیدانیاں مجلس میں مری جاتی ہیں غم سے
دم سینوں میں گھبراتے ہیں جانوں پہ بنی ہے
واں دھوم سواری کی ہے یاں سینہ زنی ہے

ہوتی ہے اُدھر زیب بدن فاخرہ پوشاک
اور آلِ محمدؐ کے گریباں ہیں اُدھر چاک
واں منہ میں دیا جاتا ہے یاں چشم ہے نمناک
واں عطر ملا جاتا ہے چہروں پہ اِدھر خاک
دستِ زنِ حاکم میں جواہر کے کڑے ہیں
اور پھندے رسی کے ہاتھوں میں پڑے ہیں

واں سامنے آئینہ ہے اور ہاتھ میں شانہ
حیرت میں ہیں ناموسِ شہنشاہِ زمانہ
ہے پشت بدلوا پہ ہر اک شہ کا یگانہ
زنداں کا یہ نقشہ ہے کہ ہے آئینہ خانہ
سب بیٹھے ہیں واں زینبؑ دلگیر کے آگے
تصویر ہو جس طرح کہ تصویر کے آگے

سر گندھتا ہے واں اور چنی جاتی ہے افشاں
یاں بانہوں سے خوں بہتا ہے اور بال پریشاں
کنگھے ہیں اُدھر موتیوں کے زیب گریباں
یاں آنکھوں کی تسبیح ہے اور رشتہ مژگاں
واں نورتن الماس کے بازو پہ عیاں ہیں
شانوں پہ اُدھر ظلم کی رسی کے نشاں ہیں

واں جمع ہے سب طرح کا سامانِ امیری
یاں کیا ہے جو کچھ ہے بھی تو اسبابِ فقیری
لب خشک گریبان پھٹے رُخ پہ تغیری
ایذائے رسن پہلے بہن کی وہ اسیری
ذی شان محل جن کے مدینے میں کھڑے ہیں
وہ شام کے زنداں کی مصیبت میں پڑے ہیں

ہمراہ کئی سو ہیں کنیزانِ زری پوش
دیکھے جو پری ان کا تو پریوں کے اڑیں ہوش
ہے شور کہ عہدہ کوئی سمجھو نہ فراموش
کیا دور ہے خادمہ جو کریں آپ ہی نوش
سنتے ہیں کہ رسی میں اسیروں کے گلے ہیں
فاقے سے وہ قیدی ہیں جہاں آج چلے ہیں

ڈیوڑھی پہ سواری کیلئے لوگ ہیں تیار
ناقوں پہ اِدھر کستے ہیں جھولیں شتر اسوار
دوکانوں میں بیٹھے ہیں پیادے سر بازار
ہتھیار لگائے ہوئے حاضر ہیں جلودار
رستے پہ سواروں نے پرے باندھ دیے ہیں
سونے کے عصا ہاتھ میں خاموش لیے ہیں

جاروب کشی راہ میں ہوتی ہے سراسر
رستہ تو مصفّےٰ ہے مگر دل ہے مکدّر
مشکیں لیئے سقے چلے آتے ہیں برابر
فواروں سے چھڑکاؤ بھی ہوتے ہیں زمیں پہ
لڑکا بھی کوئی بام پہ جانے نہیں پاتا
سب بند ہیں رستے کوئی آنے نہیں پاتا

ناگاہ یہ ڈیوڑھی سے محلدار پکاری
مسند سے حضور اٹھی ہیں ہاں لاؤ سواری
فراشوں کو درباں جو پکارے کئی باری
پردے کی قناتیں بھی وہیں کھنچ گئیں ساری
افسوس سواری کا یہ سامان اُدھر ہو
اور قید میں احمدؐ کی نواسی کھلے سر ہو

ہندا اپنے محل سے ہوئی ناگاہ برآمد
شاہزادی ہو جوں باحشم و جاہ برآمد
سب خاص کنیزیں ہوئیں ہمراہ برآمد
اختر لیئے گویا کہ ہوا ماہ برآمد
آبیٹھی محافے میں جو نہوڑائے وہ سر کو
ڈنکے پہ سواری کی لگی چوب اُدھر کو

باجوں کی سلامی کا ہوا چار طرف غل
وہ دھوم وہ شوکت وہ سواری کا تجمل
شاہانہ حشم ہند کے ہمراہ تھا بالکل
وہ قید میں جن کو کہ نبیؐ سے ہے توسل
رنگ اُڑتا ہے دم گھٹتا ہے گھبراتی ہے زینبؑ
چادر جو نہیں سر پہ مری جاتی ہے زینبؑ

ڈنکے کی صدا سن کے دھڑکتا ہے ہر اک دل
واں غل ہے سواری کا ادھر شور سلاسل
سیدانیاں بے تیغ ہوئی جاتی ہیں بسمل
کہتی ہیں کہ یا عقدہ کشا حل کرو مشکل
ہے ہے زنِ حاکم کی سواری تو قریں ہے
مخفی ہوں کہاں ہم کوئی گوشہ بھی نہیں ہے

ہے دخترِ خاتون قیامت کا عجب حال
بکھرے ہوئے ہیں دوش پہ سب گرد بھرے بال
فضہؑ سے یہ فرماتی ہیں وہ صاحب اقبال
لادے مجھے گر کوئی تیرے پاس ہو رومال
پردہ ہو کچھ ایسا کہ نہ دیکھے مجھے آکے
پیچھے ترے بیٹھوں گی میں چہرے کو چھپا کے

وہ کہتی تھی سر پیٹ کے اور کوٹ کے چھاتی
صدقے گیا رومال یہ لونڈی ابھی لاتی
معصوم کو یوں دھوپ میں میں چھوڑ کے آتی
ہوتا تو میں اصغر کے نہ لاشے پہ اڑھاتی
گھر لٹ گیا زنداں میں سوا خاک کے کیا ہے
رومال نہ حیدرؑ کا نہ زہراؑ کی ردا ہے

فرماتی ہیں تب ہاتھ اُٹھا کر سوئے افلاک
یارب میں ترے شبر کی ہوں دخترِ غمناک
آتی ہے خرابے میں زنِ حاکم سفاک
میں قیدیوں میں بیٹھی ہوں چہرے پہ ملے خاک
ہر چند کہ آغوش میں زہراؑ کے پلی ہوں
اس پر نہ یہ ثابت ہو کہ میں بنتِ علیؑ ہوں

یارب تو مرے حال کا ہے عالم و دانا
پردا مرا رکھ لے کہ نہ ہو ہند کا آنا
وہ تخت نشیں آج ہے میں خاک نشیں ہوں

بانوؑ سے یہ فرماتی تھی باگریہ و زاری
سُنتی ہوں قریبِ درِ زنداں ہے سواری
پوچھے تو یہ کہنا کہ سفر کر گئی زینبؑ
آگے تو وہ کرتی تھی ادب سے مجھے تسلیم
ہیں آج ہوں محتاج وہ مختارِ زر و سیم

کیا لطفِ ملاقات ہے آوارہ وطن سے
ہیں سب سے کہے رکھتی ہوں یہاں ہند جو آئے
جب تک کہ خرابے سے وہ گھر اپنے نہ جائے
نکلے نہ صدا مُہر خموشی ہو دہاں پر
سمجھا کے سکینہؑ سے کہا سُن لو میں واری
پوچھے جو مجھے کون ہے یہ ظلم کی ماری
رشتہ شہِ والا سے جتانا نہ کسی کا
گر پوچھے کہ تقصیر تمہاری کہو کیا ہے
کہیو کہ اِس احوال سے آگاہ خدا ہے

گھر ظلم کے تیغوں سے ہوا صاف ہمارا
یوں کہنے لگی بھر کے دمِ سرد وہ نادان
نام آپ کا ہرگز نہ بتائے گی یہ ناداں
ہے دل کو قلق اور تو کیا پوچھوں گی اس سے
یہ سُن کے سراسیمہ گئی تا درِ زنداں
کون آتا ہے یہ قیدیوں کا کام ہے کیا یاں
زنداں میں سوا قیدیوں کے کس کا گزر ہے

ناموسِ محمد سے ہے برگشتہ زمانا
اس حال سے اس کو مری صورت دکھانا
اس سے تو یہ بہتر ہے کہ پیوندِ زمیں ہوں
آگاہ نہیں وہ ابھی صورت سے تمہاری
مُنھ اس کو نہ دکھلاؤں گی ہیں غم کی ماری
تم ملنے اب آئی ہو کہ جب مر گئی زینبؑ
اُٹھتی تھی مرے واسطے بھائی اپنے تعظیم
اب ہے نہ وہ عزت نہ وہ حشمت نہ وہ تکریم

جکڑے ہوئے بازو تو ابھی تک ہیں رسن سے
ناداں ہو کہ دانا کوئی مجھ کو نہ بتائے
سب بیٹھے رہیں بالوں سے چہروں کو چھپائے
لاوے نہ کوئی نام بزرگوں کا زباں پر
ہے گرم خبر ہند کی آتی ہے سواری
کہیو نہ کہ زینبؑ ہے پھوپی جان ہماری
قربان گئی نام بتانا نہ کسی کا
کس جرم پہ حاکم نے تمہیں قید کیا ہے
مجھ کو نہیں معلوم کہ کیا اپنی خطا ہے

اب حشر پہ موقوف ہے انصاف ہمارا
ہیں حکم سے باہر نہیں اچھا پھوپی اماں
کھانے کی نہ طالب ہوں نہ پانی کی ہوں خواہاں
بچھڑے ہوئے بابا کا پتہ پوچھوں گی اس سے
آہٹ جو سُنی بولے یہ زنداں کے نگہباں
آہستہ یہ زینبؑ نے کہا بادلِ نالاں
سنتی ہوں کہ یاں ہند کے آنے کی خبر ہے

وہ بولے کہ ہاں صبح سے ہم لوگ ہیں تنہا
کمروں سے اسی واسطے کھولے نہیں ہتھیار
آمد کی خبر کہہ گیا ہے آکے خبردار
تسلیم کو صف بستہ کھڑے ہیں سب ہی سالار

کیا دور ہے گر آن کے دے داد تمہاری
تاثیر بہت رکھتی ہے فریاد تمہاری
جب تک کہ نہ روح کو قالب سے جدائی
ملتی نہیں یاں سے کسی قیدی کو رہائی
کیا جانے کہ کیا ہے خبر اُس بی بی نے پائی
اب تک کبھی زنداں میں سواری نہیں آئی
لڑکا کوئی لے یا کسی لڑکی کی طلب ہے
بے وجہ نہیں کچھ نہ کچھ اس کا بھی سبب ہے

یہ سنتے ہی زینبؑ کی لگی چھاتی دھڑکنے
مُڑ مُڑ کے سکینہؑ کو لگی پاس سے تکنے
گھبرا گئی آنکھوں سے لگے آنسو ٹپکنے
دروازۂ زنداں سے لگی سر کو پٹکنے
رونے کی صدا سُن کے یہ گھبرائی سکینہؑ
سر پیٹتی ڈیوڑھی میں چلی آئی سکینہ

سینے سے اُٹھا ہاتھ یہ چلائی وہ ناداں
جی ڈرتا ہے لو مجھے گودی میں پھوپی جان
کیا ہو گیا کیوں سر کو پٹکتی ہو میں قرباں
بتلاؤ تو کیا کہتے ہیں زنداں کے نگہباں
بچپن پہ ہمارے نہ ترس کھائے گا کوئی
کیا ہم کو پھوپی چھین کے لے جائے گا کوئی

زینبؑ نے کہا تم نہ ڈرو تم پہ میں واری
کیا ہوتا ہے کہنے دو جو کچھ کہتے ہیں ناری
جیتی ہے ابھی تو اسداللہ کی پیاری
وہ کون ہے چھینے گا جو بچی کو ہماری
بگڑوں تو ابھی خاک میں اعدا کو ملا دوں
میں چاہوں ابھی عرش الٰہی کو ہلا دوں

دربان نے پوچھا یہی لڑکی ہے سکینہؑ
عاشق تھے اسی بچی کے سلطانِ مدینہ
بیٹا یہی کرتی ہے سحر تک سر و سینہ
اچھا تو ہے فرزندی میں دینے کا قرینہ
بچہ نہ ہو جس میں وہ گھر آباد نہیں ہے
پہ سچ ہے زنِ حاکم کے بھی اولاد نہیں ہے

زینبؑ نے کہا گو کہ ہوں بے وارث و والی
یہ مجھ پہ مصیبت مری تقدیر نے ڈالی
فرزندی میں دوں ہو جو مری گود کی پالی
پوتی اسداللہ کی بنتِ شہِ عالی
مر جاؤں گی چین آئے گا کیونکر مرے جی کو
ٹکڑا کوئی دیتا ہے کلیجہ کا کسی کو

للہ اسیروں کو نہ تشویش میں ڈالو
یہ بات نہ سن لے کوئی منہ سے نہ نکالو
احسان بڑا ہو جو اس آفت سے بچا لو
ہمراز کوئی ہند کی ہوتے تو بلا لو
یاں کوئی تماشا نہیں جانوں پہ بنی ہے
زنجیروں کی جھنکاریں ہیں اور سینہ زنی ہے

تاریکی ہو ایسی کہ برابر ہی ہو دن رات
اک قبر میں ہم لوگ بسر کرتے ہیں اوقات
حجرہ ہے ہر ایک مسکنِ آفات و بلایات
یاں کون کریگا زنِ حاکم کی مدارات
مسند ہے نہ تکیہ ہے نہ ہموار زمیں ہے
مٹی میں اٹا کوئی کہیں کوئی کہیں ہے

سمجھا کے کہیں آنے سے یاں فائدہ کیا ہے
تم زوجۂ حاکم ہو یہ زندانِ بلا ہے
کوئی تو سسکتا ہے کوئی غش میں پڑا ہے
پہنچے نہ کچھ آسیب یہ خوف کی جا ہے
کہہ دو کہ ادھر ہند کا آنا نہیں بہتر
ٹوٹے ہوئے گھر میں اسے لانا نہیں بہتر

دالان کی چھت سے ہے زبس خاک فشانی
دل قیدیوں کے ڈر سے ہوئے جاتے ہیں پانی
کرتا اسے ہر ایک ہے آزار رسانی
قیدی کا گر اک دم ہے تو سو دشمنِ جانی
جائیں جو اسیروں کی یہاں جاتی ہیں اکثر
راتوں کو صدائیں بھی مہیب آتی ہیں اکثر

بوسیدہ چھتوں میں ہیں لٹکتے ہوئے جالے
استادہ ہیں ٹوٹی ہوئی کڑیوں کو سنبھالے
دیواریں بھی سب کالی ہیں روزن بھی ہیں کالے
افعی بھی ہیں روزن سے زبانوں کو نکالے
برسوں سے یہ گھر مسکنِ آسیب و بلا ہے
نے شمع جلی ہے نہ چراغ اس میں جلا ہے

زینبؑ یہ ابھی کہتی تھی باگریہ و زاری
جو شور ہوا ہند کی آ پہنچی سواری
ڈیوڑھی پہ پہنچیں آن کے اسواریاں ساری
لشکر کے نقیبوں نے سلامی بھی اتاری
اقبال و ترقی کی نقیبوں نے دعا دی
آمیں کی خوشی ہو کے خواصوں نے صدا دی

کھلوایا جوں ہی ہند نے قفلِ درِ زنداں
تب عرض یہ کرنے لگے زنداں کے نگہباں
رکھنا قدم اس گھر میں نہیں آپ کے شایاں
حجرے سے بلا لیتے ہیں ہم قیدیوں کو یاں
چونکائیں گے گر غش میں پڑے ہوئیں گے قیدی
صف باندھ کے خدمت میں کھڑے ہوئیں گے قیدی

اک شخص ہے ان قیدیوں میں صاحبِ آزار
دم توڑتا ہے ڈیوڑھی کے نزدیک وہ بیمار
چہرے سے نمودار ہیں سب موت کے آثار
یہ باپ کا غم ہے کہ نہیں جینے کا زنہار
نے غم اسے اپنا ہے نہ بربادی کا گھر کی
ہے لب پہ صدا ہائے پدر ہائے پدر کی

یہ سُن کے کہا ہند نے میں جاؤں گی کچھ ہو
بس کہہ کے یہ داخل ہوئی زنداں میں وہ خوشخو
بیمار کو دیکھا تو یہ کہنے لگی رو رو
پوچھو تو کوئی کون سا دکھ ہے اسے لوگو
بالیں پہ نہ ہمدرد نہ غمخوار ہے کوئی
ہے ہے نہ دوا ہے نہ پرستار ہے کوئی

یہ حسن یہ صورت یہ جوانی یہ نقاہت
اس خاک نشینی میں یہ شان اور یہ شوکت
خالی کبھی گردش سے زمانہ تو نہیں ہے
کس جرم پہ اس شخص کا حاکم ہوا دشمن
یہ ساعدِ نازک یہ گراں حلقۂ آہن
مہماں ہے کوئی دم کا اجل سر پہ کھڑی ہے
مجھ کو تو غش آتا ہے کوئی پاس تو جاؤ
چہرے پہ چھڑکنے کے لئے پانی تو لاؤ
بیمار سے مظلوم ہے کیا شرم ہے لوگو
لب خشک ہیں ظاہر ہے کہ پایا نہیں پانی
لو گیسوؤں والا بھی ہے یہ یوسف ثانی
اس باپ کو دیکھو یہ پسر جس سے چھٹا ہے
سجدے کا نشاں ہے کہ چمکتا ہے ستارا
ہر عضو ہے گویا یدِ قدرت نے سنوارا!
تکیہ جو نہیں گرد سے زنداں میں بھرے ہیں
کیوں کر یہ گلا طوق کے لنگر کو سنبھالے
تابندہ ہیں موتی کی طرح پاؤں کے چھالے
بیمار کو حجرے میں جدا بند کیا ہے
آخر یہ کہا ہند نے بازو کو ہلا کر
شدت جو مرض کی ہے تو کچھ اپنی دوا کر
لے مجھ سے کہ قبضہ ہے زر و مال پہ میرا
یہ سنتے ہی سجادِ حزیں ہوش میں آئے
آہستہ نقاہت سے سخن لب پہ یہ لائے
کیا رنج میں ڈالوں تجھے حال اپنا سنا کے

یہ قید کی تکلیف یہ آزار کی شدت
آنکھوں کے تلے پھر گئی شبیرؑ کی صورت
ہے ہے کوئی حضرت کا یگانہ نہیں ہے
انصاف کرو طوق کے قابل ہے یہ گردن
یہ سخت زمیں ہے غضب اور پھول سا یہ تن
سوجے ہوئے ان پاؤں میں زنجیر پڑی ہے
گردن کے تلے ہاتھ ذرا دے کے اٹھاؤ
زندہ ہے کہ مردہ کوئی شانہ تو ہلاؤ
دیکھو تو بدن سرد ہے یا گرم ہے لوگو!
اس پر بھی ہے کیا نازکی و غنچہ دہانی
ہے یہ تو محمدؐ کے گھرانے کی نشانی
معلوم ہوا گھر کسی سید کا لٹا ہے
ہے نکہتِ گیسو سے خجل عنبر سارا
یوسف کو فلک لایا ہے زنداں میں دوبارا
رخسار وہ نازک ہیں کہ دو پھول کھلے ہیں
اے چاند! گہن سے تجھے اللہ نکالے
آفت میں پھنسیں بیڑیوں کے ڈالنے والے
خورشید کو زنجیر میں پابند کیا ہے
اے بندۂ مقبول ذرا چشم کو وا کر
لوٹا ہو جو حاکم نے تو سمجھاؤں میں جا کر
دل ہوتا ہے ٹکڑے ترے احوال پہ میرا
اٹھے سرِ پرنور کو سینے پہ جھکا کے
تو خالقِ اکبر سے جزا خیر کی پائے
اک بندۂ ناچیز ہوں بندوں میں خدا کے

کیا منہ جو زباں سے ہو ادا شکرِ الٰہی
کچھ ہجر کی بہتر مرے حق میں یہ تباہی
ذات اس کی ہے دانائے سفیدی و سیاہی
چاہے تو وہ بخشے ابھی محتاج کو شاہی
فیاض معین الضعفا نام ہے اس کا
بندوں پہ سدا لطف و کرم عام ہے اس کا

یوسفؑ کے تو احوال سے ماہر ہے خدائی
پہلے تو گرا آئے انہیں چاہ میں بھائی
جب چاہ سے دی خالق اکبر نے رہائی
تقدیر انہیں مصر کے بازار میں لائی
وہ قید میں ہم سے بھی سوا زار و حزیں تھے
زنداں سے رہائی جو ملی تخت نشیں تھے

شادی کی نہ شادی ہے نہ غم کا ہمیں غم ہے
چھٹنے کی خوشی کچھ نہ اسیری کا الم ہے
شاکی نہیں ہم پر تو بڑا اس کا کرم ہے
ہیں خلقتِ انسان سبھی کچھ احسان یہ کم ہے
گر درد دیا ہے تو دوا بھی وہی دے گا
بیمار اسی کے ہیں شفا بھی وہی دے گا

جس دن سے وہ گھر لٹ گیا اپنا ہی گھر ہے
یہ فرشِ زمیں بسترِ سنجاب پہ وَر ہے
نے طوق سے نقصان نہ بیڑی سے ضرر ہے
چھالے یہ نہیں زیرِ قدم گنجِ گہر ہے
کس سے کہیں لذت جو تباہی میں ملی ہے
دولت یہ ہمیں راہِ الٰہی میں ملی ہے

جو قید میں ہے رنج سمجھتا ہوں میں راحت
بھیجا تجھے مجھ تک جو یہ ہے اس کی عنایت
ماں باپ سے بندوں پہ سوا اس کی ہے شفقت
اس بندہ نوازی پہ بھی ہم کرتے ہیں غفلت
عاجز ہے زباں شکرِ خدا ہو نہیں سکتا
جو حقِ عبادت ہے ادا ہو نہیں سکتا

حاکم سے جو کہتی ہے سفارش کو ہماری
نے طوقِ گراں ہم پہ نہ زنجیر ہے بھاری
یہ درد تو سہہ لیں گے کچھ ایسے نہیں عاری
ہو ان کی دوا دل پہ جو کچھ زخم ہے کاری
زنداں سے چھڑایا اگر اپنے کرم سے
پائیں گی رہائی تو نہ ہم قیدِ الم سے

وہ بولی نہیں کوئی عزیزوں میں تمہارے
اس وقت میں کیا ہو گئے تم سب سے کنارے
فرمایا کہ سب گلشنِ ہستی سے سدھارے
ڈھونڈھے کسے یہ زار و حزیں کس کو پکارے
فریاد تو تو نے بھی سنی ہوگی یقیں ہے
کچھ بی بیاں ہمراہ ہیں اور کوئی نہیں ہے

کہنے لگی گھبرا کے یہ اک ہند کی ہمراز
سنتی ہوں عجب صوتِ حسن اور عجب آواز
باتوں میں فصیحانِ عرب کا ہے سب انداز
تقریر مسلسل کے یہ فقرے ہیں کہ اعجاز
دل دکھ گئے جب اس نے دمِ سرد بھرا ہے
بیمار کی باتوں میں عجب درد بھرا ہے

اک بولی کہ احوال مفصل نہ سنایا
نام اپنے عزیزوں میں کسی کا نہ بتایا
جز شکر کوئی حرف زباں پر نہیں لایا
کیا وجہ جو اس شخص نے حال اپنا چھپایا
صدمے تو سب اس کے دلِ ناشاد کو پہنچے
فریاد کرے جب تو کوئی داد کو پہنچے

اُن عورتوں سے ہند یہ بولی بدلِ زار
اللہ کرے خیر کچھ اچھے نہیں آثار
یہ اور کسی کا لب و لہجہ نہیں زنہار
ساری یہ محمدؐ کے گھرانے کی ہے گفتار
تقریر کے انداز کو پہچان گئی میں
باتیں یہ نبیؐ زادوں کی ہیں جان گئی میں

بولی کوئی اب بی بیوں کا دیکھو ذرا حال
ہند آگے بڑھی آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال
واں دیکھا تو ہیں بی بیاں بکھرے ہوئے بال
بیٹھی ہیں زمیں پر مگر اللہ رے اقبال
بالوں میں یہ صورت ہے ہر اک خستہ جگر کی
جس طرح جھلک ابر تنک میں ہو قمر کی

تھا ہند کو بھی اپنی وجاہت پہ بہت ناز
پر ہوش نہیں دیکھتے ہی کر گئے پرواز
بولی کہ نہ ہے شان نہ ہے حشمت و اعجاز
ہے صاف جو شاہزادیوں کا ہوتا ہے انداز
سب غیرتِ خورشید ہیں سب ماہ جبیں ہیں
گو خاک پہ بیٹھی ہیں مگر عرش نشیں ہیں

گزری ہے نظر سے مرے سب طرح کی خلقت
دیکھی نہیں یہ شکل نہ یہ شان نہ شوکت
سب فاطمہؑ زہرا کے گھرانے کی ہے خصلت
لیکن وہ کہاں اور یہ کہاں ہے مجھے حیرت
یہ فرق ہے ان لوگوں میں اور شہ کے حرم میں
وہ فاطمہؑ کے گھر میں یہ زندان ستم میں

میں بھی کہوں کیا پیچ پڑا ان پہ خدایا
خورشید نے جن کا کبھی دیکھا نہیں سایا
اس گھر میں تو بے اِذن فرشتہ نہیں آیا
تقدیر نے ایسوں کو اس آفت میں پھنسایا
یہ وہم بھی گذرا ہے جو کچھ میرے گماں میں
اک شکل کے انسان بھی ہوتے ہیں جہاں میں

یہ سچ ہے بزرگ ان کے ہوئے خلد کو راہی
سلطانِ رسالت کے عزیز اور یہ تباہی
جیتا ہے ابھی تو پسرِ شیر الٰہی
بخشی ہے خدا نے جسے کونین کی شاہی
آباد ہے اولاد سے گھر رشکِ چمن ہے
زہراؑ کی جگہ حضرت زینبؑ سی بہن ہے

یہ سچ ہے یہ حیرت میں ہوں میں درد کی ماری
یاں ہوتے ہیں کیوں خود بخود آنسو مرے جاری
کتنا دلِ بے تاب کو روکا گئی باری
پر جان سنبھلتی نہیں بے گریہ و زاری
کیا وجہ جو دم سینے میں گھبراتا ہے لوگو!
میرا تو جگر منہ کو چلا آتا ہے لوگو!

آخر یہ کہا ہند نے اے بی بیو بولو
مانع نہیں رونا اگر آتا ہے تو رو لو!
ہر چند نہیں حال سے آگاہ تمہارے
مجھ پر بھی کئی دن سے غم و رنج ہے طاری
کیا قوم ہے تجھ سے تو حقیقت کہو ساری
گھر میں تو ہوں ظالم کے مگر اہل وفا ہوں
جب شہر سے کھولے نہ کسی نے لبِ گفتار
چہرے پہ نظر آئے شرافت کے جو آثار
شکل آپ کی دل سے بخدا بھا گئی مجھ کو
نام اپنے وطن کا تو بتا دو مجھے للہ
کیوں بی بیو زہراؑ کے بھی گھر سے ہے تمہیں راہ
دیدارِ شہِ دیں سے سرافراز ہوئی ہو
صدقے گئی بتلائیے ہے آپ کا کیا نام
دن رات تڑپنا ہے تو رونا سحر و شام
کوکھ اُجڑی ہوں آوارہ وطن کہتے ہیں مجھ کو
کیوں کر مجھے جانا کہ تمہیں سب کی ہو سردار
ہر شخص کو تعظیم انہیں کی ہے سزاوار
سرداری کا کیا ذکر ہے ہم سر بھی نہیں ہوں
ان باتوں میں زینب پہ نظر جا پڑی ناگاہ
رخساروں سے بالوں کو ہٹا تو کہا واہ
چھپ سکتیں نگاہوں سے مری اب تو نہیں تم
گو تم مجھے پہچانو کہ خاطر سے بھلاؤ
چھپ سکتی ہو کیا زانو سے گردن تو اٹھاؤ
منھ فاطمہؑ کے لال سے کیوں موڑ کے آئیں

عورت ہوں میں پردہ ہے عبث منھ کو تو کھولو
یہ گرد بھرے چاند سے منھ اشکوں سے دھولو
منھ ڈھانپ کے بیں روؤں گی ہمراہ تمہارے
راتوں کو میں گھر میں بھی کیا کرتی ہوں زاری
سیدانیاں گر ہو تو میں لونڈی ہوں تمہاری
میں نام پہ اولادِ پیمبرؐ کے فدا ہوں
بانو کے قریں بیٹھ گئی تب وہ دل افگار
بولی کہ ہیں ان بی بیوں کی آپ ہی سردار
مشتاق تھی میں جن کی وہ بو آ گئی مجھ کو
بولو کہ مرے دل پہ ہے اب صدمہ جانکاہ
تم میں کوئی فرزندِ علی سے بھی ہے آگاہ
زہراؑ کی زیارت سے بھی ممتاز ہوئی ہو
بولیں نہیں رانڈوں کے بھلا نام سے کیا کام
بے قبر میں سوئے نہ ملے گا مجھے آرام
قیدی ہوں گرفتار رسن کہتے ہیں مجھ کو
ان قیدیوں میں میں بھی ہوں اک بیکس و ناچار
مالک نہیں میں ان کی یہ سب ہیں مری مختار
میں ان کی کنیزوں کے برابر بھی نہیں ہوں
کچھ سوچ کے بے ساختہ کی ہند نے اک آہ
اس حسن سے ہے صاف عیاں قدرتِ اللہ
للہ کہو حضرت زینبؑ تو نہیں تم
میں نے تمہیں پہچان لیا اب نہ چھپاؤ
جی بھر کے بلائیں تو میں لوں چہرے کی آؤ
ہے ہے مرے آقا کو کہاں چھوڑ کے آئیں

بھائی سے جدا ہوتی نہ تھیں تم کبھی اک دم
کس طرح ہوئے تم سے جدا قبلۂ عالم
آرام سے شہر میں رہا کرتے تھے باہم
کیا ہو گیا کیوں تم نے بچھائی صفِ ماتم
کر دو مری تسکین کہ کہاں سرورِ دیں ہیں
شبیرؑ کے دشمن تو کہیں قید نہیں ہیں

اِس ذکر سے سینے میں ہوا دل تہ و بالا
تھرا کے بہت آپ کو زینبؑ نے سنبھالا
چھاتی تو بھر آئی تھی مگر رونے کو ٹالا
چُپ رہ گئی کچھ حرف زباں سے نہ نکالا
تھا سوچ کہ اِس راز کا کہنا نہیں اچھا
دل کہتا تھا خاموش بھی رہنا نہیں اچھا

فرمایا کہ اے ہند کدھر دھیان ہے تیرا
بٹیا نہ جہاں میں ہے نہ بھائی کوئی میرا
بطحا میں سکونت نہ مدینے میں ہے ڈیرا
کیا سمجھی ہے کس وہم نے دل کو تیرے گھیرا
ماں فاطمہؑ میری نہ پدر شیرِ خدا ہے
کس بی بی سے نسبت مری دی تو نے یہ کیا ہے

عاقل ہیں خواصیں تری اور تو بھی ہے دانا
وہ قید کے لائق تھی جو زینبؑ تجھے جانا
ہوتے جو شہنشاہِ رسالت کے نانا
کچھ قید سے مشکل تھا نواسی کو چھڑانا
بھوکوں کو کھلاتے ہیں ہمیں دیتے نہ حیدرؑ
زنداں میں ہماری ہی خبر لیتے نہ حیدرؑ

انصاف سے تو کہہ کہ تو ہے صاحبِ ادراک
زینبؑ کو کبھی دیکھا تھا چہرے پہ ملے خاک
عریاں کبھی اُس بی بی کا رہتا تھا سرِ پاک
ایسا ہی پہنتی تھیں وہ پیراہنِ صد چاک
شاہ زادی کو دی بےکس و مجبور سے نسبت
تو خاک کو دیتی ہے عبث نور سے نسبت

شبیرؑ کی ہوتی جو بہن ہیں جگر افگار
مقدور کسی کا تھا جو دیتا مجھے آزار
جس بی بی کا شوہر ہو بنِ جعفرِ طیار
کر سکتا ہے کوئی اسے زنداں میں گرفتار
ماں اس کی محمدؐ سے شہنشاہ کی بیٹی
رسّی میں بندھی ہوتی یداللہ کی بیٹی

گھبرا کے کہا ہند نے ہے ہے میں کروں کیا
یہ راز کسی طرح سے مجھ پر نہیں کھلتا
میں کہتی ہوں زینبؑ ہو تمہیں دخترِ زہراؑ
یہ کہتی ہیں مجھ کو نہیں کچھ ان سے علاقا
کب ان سے کھُلا کچھ جو کسی اور سے پوچھوں
سب حال چھپاتے ہیں میں کس طور سے پوچھوں

کہنے لگی ایک جاریہ ہند خوش انجام
کوٹھے پہ محل کے جو چڑھی تھی میں سرِ شام
برپا تھا اسی گھر میں عجب طرح کا کہرام
میں دیر تلک بیٹھ کے روئی تھی لبِ بام
ذکر ان کی زبانوں پہ نہ تھا اور کسی کا
تھا شور فقط ہائے حسینؑ ابنِ علیؑ کا

زینب جنھیں تم سمجھی ہو اُن کا تھا عجب حال
کہتی تھیں جلا خیمہ ہوئے قید لٹا مال

اب تک نہ ملا غسل نہ تربت میں گڑے ہو
آنکھوں میں بھرے اشک یہ لڑکی جو ہوئی خاموش
اُس وقت یہ تھا باپ کی اُلفت کا اسے جوش
ہوش آیا تو چلائی کہ آؤ مرے بابا

اس وقت نہیں بولتی دہشت سے تمہاری
بیچ سمجھی ہو میں آپ کی پہچان کے واری
جز دختر زہرا یہ نہیں شان کسی کی
یہ سنتے ہی زینبؑ کو نہ کچھ بات بن آئی
چلائی یہ سر پیٹ کے اور دے کے دہائی
مظلوم کو مغموم کو دُکھ پائے کو مارا

ہے ہے مرے آگے انہیں گھوڑے سے گرایا
جلاد نے جب حلق پہ خنجر کو پھرایا
تعظیم کو ماں کی نہ اٹھ سکتے تھے بھائی
افسوس ہے افسوس ہے فریاد ہے فریاد
مظلوم پہ سید پہ مسافر پہ یہ بیداد
دولت کو یداللہ کی لوٹا مرے آگے

آگے مرے تن سے سر شبیرؑ اتارا
وہ اٹھ گیا دنیا سے جو وارث تھا ہمارا
سینے سے مری جان سفر کر نہیں جاتی
وہ بولی کہ اللہ نے دی تھی کبھی اولاد
وہ قتل ہوئے ایک ہے قید کی بیداد
گھر لٹ گیا بے وارث و والی ہوئی بی بی

کرتی تھیں یہی سینہ زنی کھولے ہوئے بال
لی کچھ نہ بہن کی خبر اے فاطمہؑ کے لال!

گردن کو کٹائے ہوئے جنگل میں پڑے ہو
کرتے یہ بہو جس کے ہے زخمی ہے بن گوش
سر پیٹتے ہی پیٹتے بس ہو گئی خاموش
چھاتی پہ سکینہ کو سلاؤ مرے بابا!

شبیرؑ کی بیٹی ہے یہ ہے ظلم کی ماری
بی بی یہی زینبؑ ہے یداللہ کی پیاری
شبیرؑ کا پرساد و نواسی کو نبیؐ کی
بس اُٹھ کے پچھاڑ اُس نے وہیں خاک پہ کھائی
اے ہند شہادت شہ مظلوم نے پائی
ہے ہے مرے آگے مرے ماں جائے کو مارا

ہر زخم سے پھٹ کر یہ بہا خوں کہ غش آیا
زہرا کھڑی چلاتی تھی ہے ہے مرا جاتا
کٹتا تھا گلا اور مرا منھ تکتے تھے بھائی
خاتونِ قیامت کی کمائی ہوئی برباد
گردن کی رگیں تیغ تلے چھاتی پہ جلاد
فوارۂ خوں حلق سے چھوٹا مرے آگے

ماں جائے کے بدلے مجھے برچھی سے نہ مارا
تو نے جسے دیکھا تھا وہ گھر لٹ گیا سارا
بچوں کو تو موت آ گئی میں مر نہیں جاتی
فرمایا کہ ہاں بیٹوں سے گھر تھا کبھی آباد
اٹھارہ برس کی ہوئی دولت مری برباد
بچوں سے بھری گود یہ خالی ہوئی بی بی!

کیا کیا نہ ستم ہو گئے کس کس کا کہوں حال
ہم شکل پیمبر تھا وہی صاحب اقبال
کیا شرح کروں بانوئے مغموم کے آگے
دو بیٹے مرے مارے گئے عاشق شبیر
عباس دلاور کی ملی خاک میں تصویر
سو داغ ہیں کچھ ایک تو مجھ کو نہیں غم ہے

زینب سے حقیقت جو سنی ہند نے ساری
ہاتھوں کو اٹھا کر سوئے مقتل یہ پکاری
بسمل تہ شمشیر دو دم ہو گئے آقا
اے شاہ غریباں ترے بچوں کے میں قرباں
زنداں میں گرفتار ہوئی زینب ذیشاں
اے تشنہ لب و صابر و شاکر ترے صدقے

پھر کہنے لگی قدموں سے زینب کے لپٹ کر
کن آنکھوں سے دیکھوں یہ اسیری یہ کھلا سر
صندوق مرے گھر میں بھرے زیور و زر سے
زینب نے کہا تجھ کو مبارک کرے اللہ
سر پر ابھی کس طرح سے اوڑھوں میں ردا آہ
اب چہروں کا پردا یہ کھلے مو ہیں ہمارے

ہم بے سر و سامانوں کو کیا چاہیئے ساماں
درکار نہیں کچھ مجھے اسباب مگر ہاں
مدت سے جو دیکھا نہیں دل غم سے بھرا ہے
یہ ہند نے سنتے ہی منگایا سر شبیر
ڈیوڑھی پہ یہ ہوا شور کہ آیا سر شبیر
تھراتے ہوئے خاک سے تعظیم کو اٹھے

اکبر سا بھتیجا ہے جسے اٹھارہواں تھا سال
جو کوٹتی ہے سینہ وہ اس بی بی کا تھا لال
نیزے اسے مارے شہ مظلوم کے آگے
قاسم سے بھتیجے پہ چلی ظلم کی شمشیر
بے جرم گلے پر علی اصغر کے لگا تیر
یہ رانڈ ہیں اور عابد بیمار کا دم ہے

زنداں میں ہوا حشر یہ کی گریہ و زاری
یا شاہ میں قربان غریبی پہ تمہاری
پردیس میں تم پر یہ ستم ہو گئے آقا
جنگل میں وطن چھوڑ کے سب ہو گئے بے جا
بطحا ہوا برباد مدینہ ہوا ویراں
اے قبر پیمبر کے مجاور ترے صدقے

ہے ہے مری بی بی یہ ستم ہو گئے تم پر
صدقے گئی لونڈی ہوں میں اوڑھو یہ چادر
درکار ہو جو کچھ وہ منگا لو مرے گھر سے
زیور سے کہیں سوگ نشیں ہوتے ہیں آگاہ
محتاج کفن رن میں ہے لاش شہ ذی جاہ
رسی کے نشاں جوشن بازو ہیں ہمارے

ملبوس سیہ بال کھلے چاک گریباں
سر شہ کا منگا دے تو بڑا ہو ترا احساں
سنتی ہوں کہ حاکم کے خزانے میں دھرا ہے
حاکم سے کوئی پوچھ کے لایا سر شبیر
سجاد نے آنکھوں سے لگایا سر شبیر
قیدی سر شبیر کی تسلیم کو اٹھے

ڈیوڑھی پہ گئی ہند سراسیمہ و مضطر
ڈیوڑھی سے پھری لے کے جو شہ کا سر اطہر
چلائی سکینہ شہِ والا کا سر آیا

زنداں میں جو لائی سر شہ ہند دل افگار
چلاتی تھی سر پیٹ کے یوں زینبؑ ناچار
سب روکتے تھے اور نہ ہٹتی تھی سکینہؑ

ماں کہتی تھی دم تن سے نکل جائے گا واری
سر پیٹ کے چلاتی تھی وہ دکھ کی ماری
روتے ہوئے تشریف جو یاں لائے ہیں بابا!

یہ کہتے ہی لپٹی سر سرور سے وہ مضطر
وا ہو گئے سوکھے ہوئے شہ کے لب اطہر
ماں بہنوں پہ مرنا بھی نہ ظاہر ہوا اس کا

بانو نے کہا ہائے بس مل چکیں واری
دیکھا جو بدن سرد تو زینبؑ یہ پکاری
تنہا ہوئیں تم۔ داغ تمہیں دے گئے شبیر

چلانے لگیں پیٹ کے سر بانوئے ذیشان
تم ہائے پدر ہائے پدر کہتی تھیں اے جان
کیا شاد گئیں باپ کے ہمراہ سکینہؑ

خاموش انیسؔ اب کہ جگر سینہ میں شق ہے
حق یہ ہے کہ بس مرثیہ گوئی ترا حق ہے

اور نوچ کے سب پھینک دیا خاک پہ زیور
زنداں کی زمیں ہو گئی پرتو سے منور
دوڑو پھوپھی اماں مرے بابا کا سر آیا

سب بی بیاں اس سر پہ گریں دوڑ کے اک بار
اس شکل کے قربان بہن یا شہِ ابرار!
گر گر کے سر شہ سے لپٹتی تھی سکینہ

منہ ڈھانپ کے کرتے سے کرو گریہ و زاری
اب جاتے ہیں تم لوگوں سے رخصت ہے ہماری
اقرار تھا لینے کو ہمیں آئے ہیں بابا!

بوسے لئے اور پیار سے منہ رکھ دیا منہ پر
چپ ہو گئی وہ منہ میں زباں باپ کی لیکر
اک آہ کے ہمراہ دم آخر ہوا اس کا

اب آؤ میں صدقے گئی گودی میں ہماری
گودی میں کسے لوگی سکینہؑ تو سدھاری
لینے جسے آتے تھے اسے لے گئے شبیر

ہے ہے مری بچی تری مظلومی کے قربان
ہچکی بھی نہ آئی کوئی دیتا نہیں یوں جان
کہتے ہیں اسے عشق پدر واہ سکینہ!

اب تاب سماعت نہیں دل کو قلق ہے
جو بند ہے ماتم کے مرقع کا ورق ہے

سب راست ہیں باتیں سخن لاف نہیں ہے
افسوس مگر خلق میں انصاف نہیں ہے

۲۸ مرثیہ ۵۷ بند

شبیرِ خدا کے وصف کہاں تک رقم کروں
شمّہ نہ ہو جو سارے نیستاں قلم کروں
کاغذ بجائے تختۂ گردوں بہم کروں
دریا اگرچہ سارے سیاہی سے ضم کروں
لکھنے کو بیٹھیں حور و ملک انس و جن تلک
عشرِ عشیر ہو نہ قیامت کے دن تلک

ہوتا ہے طبع کو جو کسی طرح کا ملال
اس وقت اپنے دل میں یہ کرتے ہیں ہم خیال
ہے مرتضیٰؑ علی ولی سا کفیل حال
واللہ دل کو ہوتی ہے اس دم خوشی کمال
لیتا ہوں جب میں نام شہِ انس و جان کو
سَو سَو طرح کی ملتی ہے لذت زبان کو

دیکھو تو نام پاک کی تم خوب ضو رہی
شبیرِ خدا امیرِ عرب مرتضیٰ علیؑ
زوجہ ملی تو فاطمہؑ سی دخترِ نبیؐ
بیٹے حسنؑ حسینؑ سے جن پر فدا ہے جی
حیدرؑ سے لاکھ طرح کی مشکل کشائی ہے
اس نام میں بھری ہوئی مشکل کشائی ہے

اس نام کے سبب سے بڑا امید و بیم
وا ہوگا عاصیوں پہ درِ جنت النعیم
ہے جس کا دل علیؑ کی محبت سے مستقیم
اس پر حرام ہے شررِ آتشِ جحیم
اسلوب نیک کون سا ہے اپنی بات کا
اک بس یہی تو ہے گا وسیلہ نجات کا

جب روز بازپرس کا ہوئیگا جانگداز
بعضوں کی مغفرت پہ کریں گے گناہ ناز
خدمت سے مرتضیٰؑ کی نہیں ہے جنہیں نیاز
کچھ فائدہ نہ دیں گے انہیں روزہ و نماز
ہیں جن کے پاؤں حبِ علیؑ کی بساط پر
ثابت قدم رہیں گے انہیں کے صراط پر

بعضے پُلِ صراط سے جاویں گے یوں گذر
پتھر سے جست کر کے نکل جائے جوں شرر
بعضے ردائے فاطمہ زہراؑ کو تھام کر
کہتے ہوئے علیؑ ولی جائیں گے اُدھر
آگے تو مرتضیٰؑ کا تصرف تمام ہے
ادنےٰ غلام کے لئے اعلےٰ مقام ہے

کیسا خدا پرست تھا مولا مرا سخی
نیت سہ روز روزے پہ روزے کی اس نے کی
سائل کی پر نہ دیکھ سکا وہ گرسنگی
کھائی نہ سیر ہو کے بغرض نان جَو کبھی
یکتا تھا وہ عبادتِ ربِّ ودود میں
گذری تمام عمر رکوع و سجود میں

ہجرت زمیں کعبہ سے جب مصطفیٰ نے کی
اس روز مصطفیٰ کی مدد مرتضیٰ نے کی
فیصل لڑائی بدر کی شیرِ خدا نے کی
جنگِ احد بھی فتح اسی مُقتدا نے کی
واللہ اس سے زور عیاں لاتعد ہوا
قتل اس کے ہاتھ سے عمرِ عبدود ہوا
خیبر میں مصطفیٰؐ ہوئے جب گرم کارزار
پیہم سہ روز جنگ سے سب نے کیا فرار
تب آ گیا جلال میں محبوبِ کردگار
فرمایا شام کو یہ پیمبرؐ نے یوں پکار
بھیجوں گا کل اُسے جو مرا دوستدار ہے
کرار ہے وہ شخص نہ مردِ فرار ہے
ہے طُرفہ تر تو یہ جو گریزاں ہوئے تھے اس
اس مرتبہ کا ان کو تھا بس آپ پر گماں
لیکن ستارۂ سحری جب ہوا عیاں
سلمانؓ فارسی سے نبیؐ نے کہا کہ ہاں
لاؤ بنا کنندۂ ارکانِ دیں کو
لاؤ علیؑ کو لاؤ مرے جانشین کو
سلمانؓ آئے پاس علیؑ کے بصد شتاب
بولے کہ یا اَبا الحسنؑ و یا اَبا تراب
تم کو بُلاتے ہیں گے رسولِ فلک جناب
وَا ہوگا آج قلعۂ خیبر کا تم سے باب
روشن ہوا جوں ہی یہ امامِ مبین پر
رو کر سرِ نیاز جھکایا زمین پر
آنکھیں رَمَد سے گو کہ نہ کھلتی تھیں مومناں
سلماں کے دوش پر ہوئے ہاتھوں کو رکھ روا
آغوش میں نبیؐ نے کیا آ کے مثلِ جاں
مانندِ میل چشمِ علیؑ میں جو کی زباں
اِک آن میں رَمد کا خلل دور ہو گیا
پُر نور اور دیدۂ پُر نور ہو گیا
تب یوں کہا نبیؐ نے علیؑ سے کہ یا اَخی
ہو مستعد بجنگ کہ ہے حکمِ ایزدی
بولے علیؑ کہ تم پہ فدا جان ہے میری
بس بندۂ ضعیف کو عزت تمہیں نے دی
خیبر جو فتح ہو یہ کہاں مجھ میں مجال ہے
یا مصطفیٰ فقط کرمِ ذوالجلال ہے
سر پر علی کے خود محمدؐ نے خُود رکھا
آہن کا خود قبۂ پُر نور ہو گیا
پہنائی اپنے ہاتھ سے پھر آپ نے قبا
مطلب زرہ بنانے کا داؤد کے کھلا
کہتی تھی یوں زِرہ تنِ پاک امام میں
گویا لیا ہے میں نے شجاعت کو دام میں
بولی قضا زرہ کی طرف دیکھ دیکھ کر
گردوں سے سلسلہ میں یہ پابند ہے ظفر
لی دوش پر سپر تو کہا سب نے یک دگر
سایہ خدا کے لطف کا ہے اس کے دوش پر
عکس سپر بدن میں بدن کا سپر میں تھا
تھی وہ سپر کہ جرم نمایاں قمر میں تھا

پھر کی حمائل اس نے وہ شمشیرِ آب دار — جوہر وغا میں برق کی صورت تھی بے قرار
ہفتاد ہاتھ کھنچتی تھی بڑھتی تھی ذوالفقار — جوہر بیاں کروں گا میں ہنگام کارزار
کہتے ہیں وقت رزم نکلتی تھی جیب سے — پیدائش اس حسام کی تھی نصف سیب سے

آراستہ ہوا جو امام نکو سیر — بوسہ دیا رسولِؐ خدا نے جبین پر
چمکا نشاں نبیؐ کا تو سورج نے چرخ پر — پنجہ لیا خطوطِ شعاعی کا منھ پہ دھر
پھر فتح یاب کیوں نہ ہو وہ کائنات سے — باندھے رسولؐ جس کی کمر اپنے ہات سے

حیدرؑ سے پھر رسول خدا نے کیا خطاب — روشن قدم سے اپنے کرو زین کی رکاب
دُلدل کو لے کے آیا جو قنبر بصد شتاب — اک جست میں سوار ہوا ابنِ بوتراب
گھوڑے پہ جب سوار کیا اس جناب کو — محبوب ذوالجلال نے تھاما رکاب کو

دُلدل کی جست و خیز کا اب کیا کہوں میں ڈھنگ — وہ جانتا تھا عرصۂ کون و مکاں کو تنگ
گر اس کا کھینچتا کوئی نقشہ بروئے سنگ — اُڑتا ہوا پہ سنگ بھی جوں کاغذ پتنگ
گھوڑا نہ تھا وہ قدرتِ پروردگار تھا — اُس پر سوارِ مُہرِ نبوت سوار تھا

تسلیم کر نبیؐ کو علیؑ یوں چلے وہاں — جس طرح سے جدا کہیں ہو جائیں جسم و جاں
مُنھ اپنا مصطفٰےؐ نے کیا سوئے آسماں — عارض پہ اشک ہونے لگے متصل رواں
دیکھو علیؑ کو حفظ میں پروردگار کے — کرنے لگے دعائیں عمامہ اُتار کے

بندہ ترا ہی جو یہ علیؑ بازوئے رسولؐ — یا رب ہلاکت اس کی تو مت کیجیو قبول
تیری کنیزِ خاص ہی مشہور جو بتولؑ — شوہر کے غم سے ہو نہ کہیں اس کا دل ملول
یا رب مری دعا سے اسے زندہ کیجیو — بیٹی کے منھ سے مجھ کو نہ شرمندہ کیجیو

واں تو دعا یہ کرتے تھے سالارِ مرسلیں — یاں آن پہونچے متصلِ قلعہ شاہِ دیں
گاڑا پہاڑ پر علمِ مصطفٰےؐ جو ہیں — افلاک تھرتھرا گئے اور کانپ اٹھی زمیں
تھا زور اس قدر شہِ عالی شکوہ میں — پائے نشان ڈوب گیا بطنِ کوہ میں

دیکھا نگاہ بانوں نے جس دم یہ ماجرا — مرحب کو مژدہ ازپئے نو مرگ کا دیا
سُن کر تب اس لعین نے حارث سے یہ کہا — تنہا یہ کون آیا ہی سر اُس کا جلد لا
باہر نکل کے وہ جوں ہی آیا حصار سے — حیدرؑ نے دو کیا اُسے اک ذوالفقار سے

مرحب نے اس گھڑی کیا سامانِ رزم گاہ
کاندھے پہ پھر سپر بھی لگائی بہ اشک و آہ
ملعون نے زرہ پہ زرہ جب درست کی
کاندھے پہ یوں کماں نظر آتی تھی بار بار
پھر دستِ نحس میں لیا نیزہ وہ ایک بار
لٹکائی پھر کمر میں وہ تیغ اس شکوہ سے
چالاک و چست ہو کے ہوا وہ لعیں سوار
بھائی کی لاش دیکھ بمیدانِ کارزار
پہلے تو کچھ بیانِ حسب و نسب ہوا
گھوڑے کو تب علیؑ نے پھر اپنے کہا کہ ہاں
آیا سرِ عدو پہ اجل کی طرح دواں
اُلٹا خدا کے ہاتھ نے جب آستین کو
مرحب ہوا علیؑ ولی پر جو حملہ ور
تیغ اس لعیں کی ہو گئی لیکن یہ کارگر
اب تک جو زلزلہ سے زمیں تھرتھراتی ہے
بازوئے مصطفےٰ کو غرض آ گیا جلال
اس غیض سے کھڑے ہوئے سارے بدن کے بال
انسان تو کیا جنوں کو پڑی اپنی جان کی
آئی صدا یہ عرش سے اس وقت ناگہاں
تھامو علیؑ کے ہاتھ کو جلدی فرشتگاں
ب ہاتھ جان لو مرا حیدر کے ہات کو
بس جنبشِ پلک پہ ملک تھے زمین پر
تھامی کلائی ان کی سرافیل نے ادھر
یاں تیغ جا چکی تھی سرِ نابکار پر

نقارۂ کلاں پہ رکھی آہنی کلاہ
ہووے دراز ہجر کی جیسے شبِ سیاہ
زنجیرِ آہنی سے کمر اپنی چست کی
ہے آسمانِ کفر پہ اک قوس آشکار
جو خیمۂ فلک کا ہوا چوب استوار
دریا اُتر کے آتا ہے جس طرح کوہ سے
تب ہو گئے جِلو میں یہودی کئی ہزار
طیش و غضب سے ہو گیا معمور ایک بار
پھر معرکے میں آ کے مُبارِز طلب ہوا
بھاری کیا رکاب کو کر دے سبک عیاں
مرحب نے پھر نیام سے لی تیغ ناگہاں
گہوارے کی طرح سے تھی جنبش زمین کو
حضرت نے اپنے فرقِ مبارک پہ لی سپر
کاٹا سپر کو شاہِ ولایت کے ہاتھ پر
گاوِ زمیں کو ضرب وہی یاد آتی ہے
منہ ہو گیا جلال جہاں آفریں کا لال
لی ذوالفقار شاہِ ولایت نے پھر سنبھال
کونین میں پکار ہوئی الاماں کی
میکال و جبرئیل و سرافیل کو کہ ہاں
عرصہ ہوا تو عالمِ ایجاد پھر کہاں
کافی ہے ایک ضرب مری کائنات کو
میکال تو لپٹ گئے شانوں سے آن کر
ڈھانپے جنوں کی قوم پر روح الامین پر
جوں صاعقہ تڑپ کے گری کوہسار پر

بیٹھی جو خود پر تو کیا تا کمر دو تا
کاٹا جو زین کو تو کیا قصد تنگ کا
جب تک کہ ذوالفقار نے کاٹے نہ تین پر
پھر اس گھڑی تو کہنے لگا ربِ کردگار
اس دم کہا تمام فرشتوں نے یوں پکار
عیسےٰ نے یوں کہا کہ اسے کیا گزند ہے
مرحب کے ساتھیوں پہ ہوئے شاہ حملہ ور
اور سب نے مل کے تختۂ پل کو کیا ادھر
مرحب پہ کچھ تمام نہ ساری لڑائی تھی
جب سیکڑوں یہودی ہوئے مستعد بہ جنگ
اوپر سے عورتیں بھی گراتی تھیں خشت و سنگ
جس دم سپر گری بشریت میں شاہ سے
حیدر کے ہاتھ میں رہی جب سپر کی آڑ
دو انگلیوں پہ لے لیا تب آہنی کواڑ
ہرگز بشر کا کام بجز مرتضےٰ ؑ نہ تھا
یارو سنا یہ مرتبۂ شاہ ذوالفقار
یہ لوگ ہیں خلاصۂ ایجاد کردگار
مسجد میں کس طرح سے عبادت دکھائی ہے
آئی مہِ صیام کی انیسویں جو شب
وہ لائیں نانِ جو نمک و شیر اور رطب
کیا چاہتی ہو تم کہ علی ؑ پر عتاب ہو
جس دن سے سوئے خلد سدھارے ہیں مصطفا
کلثوم ؑ نے لیا رطب و شیر کو اٹھا
روئیں جو بیٹیاں تو کہا یہ زبان سے

پر ذوالفقار کی نہ تسلی ہوئی ذرا
در آئی پھر زمیں میں نہ کی دیر مطلقا
ہرگز نہ دم لیا پرِ روح الامین پر
شاباش مرحبا تجھے اے عبدِ جاں نثار
یہ چشمِ زخم سے رہے محفوظ و برقرار
مجمر ہے آفتاب ہر اختر سپند ہے
پھر بھاگ کر گئے پلِ خندق سے وہ گزر
ہو کر پیادہ پا گئے حیدر بھی جست کر
ان کے تو دھیان میں درِ خیبر کشائی تھی
شیرِ خدا پہ چلنے لگے نیزہ و خدنگ
آمد تھی سارے حربوں کی جوں شمع پر پتنگ
اک روسیاہ نے کیا بچ کر نگاہ سے
حضرت نے پاؤں اپنے رکاب میں دیے گاڑ
جس سے نہ تھا زمیں پہ کلاں تر کوئی پہاڑ
گو وہ خدا نہ تھا پہ خدا سے جدا نہ تھا
کیا کیا خدا کی رہ میں کیا زور آشکار
لیکن خدا کے واسطے سوچو آلِ کار
سجدے میں روزہ دار نے تلوار کھائی ہے
کلثوم ؑ سے طعام علی ؑ نے کیا طلب
بیٹی سے تب علی ؑ نے کہا از رہِ غضب
محشر میں میرے واسطے طولِ حساب ہو
دو نعمتیں کبھی نہیں کھائی ہیں ایک جا
حضرت نے تین لقموں پہ صرف اکتفا کیا
ہے آرزو سبک میں اٹھوں اس جہان سے

افطار کر کے روزی کو مولائے روزہ دار
پھر تھا تمام رات عجب اُن کو اضطرار
دل سوئے حق تھا آنکھ سوئے آسمان تھی
کہتے تھے اپنی ریشِ مبارک کو وہ جناب
جاتا رہا تھا زینبؑ و کلثومؑ کا بھی خواب
مایوس گفتگو سے جو بابا کی ہوتی تھیں
لے کر بلائیں دونوں یہ کہتی تھیں بابا جاں
کیوں فالِ بد نکالتے ہیں آپ ہر زماں
ہے زندگی ہماری جو جینے سے آپ کے
حضرت نے بیٹیوں کو گلے سے لگا لیا
اب وقت عنقریب ہے کوسِ رحیل کا
وارث تمہارا ابؑ حسنِ خستہ جان ہے
القصّہ تھی عجیب وہ شب قتل ناتمام
دامن امام کا لیا مرغابیوں نے تھام
اے بی بیو درشت نہ ہو جانور ہیں یہ
کہہ یہ سخن کیا درِ دولت سرا کو وا
اس کا بھی کچھ ہوا نہ خیال اُن کو مطلقا
اے بھائی خواب ناز سے سر کو اٹھاؤ تم
دونوں علیؑ کے لاڈلے دوڑے برہنہ پا
واللہ تم نہ ہو گے مرے مانع قضا
ہشیار کر دیا اُنہیں حکمِ الٰہ سے
مسجد میں آن کر کہی مولا نے تب اذاں
اُس نے جگا یا بیٹے کو ملجم کے مُناں
فرصت اذاں سے جب ہوئی شاہ حجاز کو

اٹھے نمازِ شب کے لئے شاہ ذوالفقار
انگنائی میں علیؑ نکل آتے تھے بار بار
تھی سامنے اجل کہ شبِ امتحان تھی
ہوئے گا صبح خون کا اس کے لئے خضاب
تھا مرتضیٰ علیؑ سے سوا ان کو اضطراب
باہیں گلے میں ڈال کے بابا کے روتی تھیں
کیوں نیند آپ کو نہیں آتی ہے ایک آن
کیوں بار بار دیکھتے ہیں سوئے آسمان
ہم دونوں بیٹیاں ہوں فدا ایسے باپ کے
ہاتھوں کو چوم زینبؑ و کلثوم سے کہا
کچھ اس مقام میں نہیں چارہ بجز خدا
بس کل کے روز اور علیؑ میہمان ہے
پیشِ سحر رواں ہوا مسجد میں وہ امام
ان کو ہٹا دیا تو علیؑ نے کیا کلام
دامن سے مت چھڑاؤ مری نوحہ گر ہیں یہ
حلقے سے در کے واں بھی کمر بند الجھ گیا
بہنوں نے تب حسینؑ و حسنؑ سے یہ جا کہا
بابا اکیلے جاتے ہیں ساتھ اس کے جاؤ تم
پہنچے علیؑ تلک تو علیؑ نے انہیں کہا
پھر جاؤ تم کو ہے قسمِ روحِ مصطفےٰ
پھیرا حسنؑ حسینؑ کو اثنائے راہ سے
قطامہ نے سنی غرض آواز ناگہاں
مسجد میں آ کے لیٹا وہ مانندِ خفتگاں
محراب میں ادا کئے کرنے نماز کو

اُس وقت ابنِ ملجمِ ملعون بھی اُٹھا
لگ کر ستون سے مسجدِ کوفہ میں چھپ رہا
سر مرتضیٰؑ کا سجدۂ اوّل میں جب جھکا
اُس نے لگائی تیغ پہ حاصل نہ کچھ ہوا
پر دیکھو خدائے علیؑ کے نیاز کو
ہرگز نہ روزہ دار نے توڑا نماز کو

لیکن جُھکا جو دوسرے سجدے میں ان کا سر
اُس وقت اُس لعین کی ہوئی تیغ کارگر
زخمی تھا ضربتِ عمر و عبدود سے سر
یہ زخمِ جاں ستاں بھی لگا اُس مقام پر
خوں سر کا تا بہ ریشِ مبارک رواں ہوا
ابرو تلک شگافِ جبیں کا عیاں ہوا

اُس وقت آسماں پہ پکارے یہ جبرئیلؑ
زوجِ بتولؑ راہِ خدا میں ہوا قتیل
زخمی ہوا ہے آج سرِ سیّدِ جلیل
کوئی رہا نہ شبّر و شبیرؑ کا کفیل
شیرِ خدا نے فرق پہ تلوار کھائی ہے
اُستاد میرا قتل ہوا ہے دوہائی ہے

تھا گھر میں آہ زینبؑ و کلثومؑ کا یہ حال
تسبیح اُن کے ہاتھ میں تھی اور کھُلے تھے بال
آئی صدا یہ کان میں جب اُن کے غم مآل
آ کر کہا حسینؑ و حسنؑ سے بصد ملال
گُل کر دیا چراغ زمین و زمان کو
بھائی کسی نے قتل کیا بابا جان کو

دوڑے حسنؑ حسینؑ وہاں سے برہنہ سر
داخل ہوئے جو مسجدِ کوفہ میں آن کر
دیکھا جنابِ والدِ ماجد کو خوں میں تر
چلّا کے ہائے بابا گرے وہ زمین پر
آنکھوں سے اشک دونوں کے پیہم نکلتے تھے
چہرے پہ خون باپ کا لے لے کے ملتے تھے

آنکھوں کو کھول شاہِ ولایت نے تب کہا
پہونچاؤ مجھ کو زینبؑ و کلثومؑ تک ذرا
جی بھر کے بیٹیوں کو تو میں دیکھ لوں بھلا
حضرتؑ کو اک گلیم کے اندر لٹا دیا
گھر کو روانہ واں سے بہ رنج و محن ہوئے
پر حیف ہے یتیم حسینؑ و حسنؑ ہوئے

لائے علیؑ کو جب درِ دولت سرا کے پاس
دوڑیں جنابِ زینبؑ و کلثومؑ بے حواس
اُس دم کہا حسینؑ و حسنؑ نے بحالِ یاس
اے مومنو ضرور ہے آلِ نبیؐ کا پاس
زہراؑ کی بیٹیاں بھی قریبِ در آئی ہیں
سر کو علیؑ کی بیٹیاں کھولے سر آئی ہیں

بابا کو لائیں زینبؑ و کلثومؑ جب اُٹھا
حجرے میں اُس جناب کو لا کر لٹا دیا
اصحاب جا کے لائے جو جرّاح کو بُلا
نعماں نے دیکھ زخم سرِ شاہؑ لافتا
بولا وہ سر پھینک عمامہ دوہائی ہے
ہے ہے یہ تیغ زہر کے اندر بجھائی ہے

واللہ یہ حدیث میں لکھا ہے مومناں　　اس زخم سے ہوا تھا لہو اس قدر رواں
چہرہ علیؑ کا زرد تھا مانند زعفراں　　دن بھر لگی نہ آنکھ ہوئے ایسے ناتواں
تھا زخم میں جو درد شہِ دیں پناہ کے　　کاٹی تمام رات علیؑ نے کراہ کے
ہے آگے یہ لکھا شبِ بست و یکم کا حال　　آخر کیا وصئ محمدؐ نے انتقال
اندوہ اہل بیتؑ نبیؐ کو ہوا کمال　　اب آگے اے انیسؔ نہیں طاقتِ مقال
یارب دعا مری بہ اجابت قبول ہو　　شاہِ نجف کی جلد زیارت حصول ہو

۲۹ مرثیہ

بند ۱۷۹

جب زلف کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی
پردیس میں سادات پہ آفت عجب آئی
فریاد کناں روحِ امیرِ عرب آئی
غل تھا کہ شبِ قتلِ شہِ تشنہ لب آئی
سادات کو کیا کیا غم جانکاہ دکھائے
رات ایسی مصیبت کی نہ اللہ دکھائے

کاغذ پہ لکھے کیا قلم اس شب کی سیاہی
ہے چار طرف جس کی سیاہی سے تباہی
مرغانِ ہوا بریں طپاں بحر میں ماہی
تربت سے نکل آئے تھے محبوبِ الٰہی
فریاد کا تھا شور رسولانِ سلف میں
یثرب میں تزلزل تھا اُداسی تھی نجف میں

صدمے سے ہوا رنگ رخِ ماہ کا کافور
اختر بھی بنے مردمکِ دیدۂ بے نور
غم چھا گیا راحت دلِ عالم سے ہوئی دور
تصویرِ الم بن گئی جنّت میں ہر اک حور
کہتے تھے ملک رات نہ ہووے گی اب ایسی
تاروں نے بھی دیکھی نہ تھی تاریک شب ایسی

شمعِ طرب محفلِ عالم تھی جو خاموش
تھی رات بھی شبیرؑ کے ماتم میں سیہ پوش
کیا غم تھا کہ شادی تھی ہر اک دل کو فراموش
ہر چشم کو تھا غم میں سمندر کی طرح جوش
مضطر تھے علیؑ اشکوں سے مُنھ دھوتی تھی زہرؑا
نقشہ تھا جہاں شاہ کا واں روتی تھی زہرؑا

تھا خانۂ غم خیمۂ شاہنشہِ والا
آندھی یہ پریشاں تھی کہ دل تھا تہ و بالا
مشعل نہ ٹھہرتی تھی نہ شمعوں کا اُجالا
خیمہ بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا
خاک اُڑتی تھی مُنھ پہ حرمِ شیرِ خدا کے
تھا چیں بہ جبیں فرش بھی جھونکوں سے ہوا کے

جنگل کی ہوا اور درندوں کی صدائیں
تھرّاتی تھیں بچّوں کو چھپائے ہوئے مائیں
دھڑکا تھا کہ دہشت سے نہ جانیں کہیں جائیں
روتی تھی کوئی اور کوئی پڑھتی تھی دعائیں
گودوں میں بھی راحت نہ ذرا پاتے تھے بچّے
جب بولتے تھے شیر تو ڈر جاتے تھے بچّے

بچّوں کے بلکنے پہ حرم کرتے تھے زاری
غش ہو گئی تھی بالی سکینہؑ کئی باری
چلّاتی تھی رو رو کے وہ شبیرؑ کی پیاری
یا حضرتِ عباسؑ چلی جان ہماری
افسوس کہ پانی کا تو قطرہ نہیں گھر میں
اور آگ لگی ہے مرے ننھے سے جگر میں

تھی سب سے سوا بنتِ علیؑ مضطر و بیتاب
فق ہوگیا تھا شام سے مُنہ صورتِ مہتاب
مژگاں سے رخِ پاک پہ تھی بارشِ خوں‌ناب
تلوار کلیجے پہ چلے جب تو کہاں تاب
اک کرب تھا بسمل کی طرح جانِ حزیں پر
اُٹھتی تھی کبھی اور کبھی گرتی تھی زمیں پر

کہتی تھی کبھی آج پیمبرؐ نہیں ہے ہے
حال اپنا دکھاؤں کسے حیدرؑ نہیں ہے ہے
بیٹی پہ فلک ٹوٹا ہے مادر نہیں ہے ہے
شبیرؑ مصیبت میں ہے شبرؑ نہیں ہے ہے
دیکھا نہ سُنا یہ جو ستم آج ہے لوگو
نازوں کا پلا پانی کو محتاج ہے لوگو

درپیش ہے کل فوجِ ستمگر سے لڑائی
یاں تھوڑے سے پیاسے ہیں اُدھر ساری خدائی
بے سر دیے رن سے نہ پھرے گا مرا بھائی
ہوجائے گی حیدرؑ کے بھرے گھر کی صفائی
اس غم سے سدا اشکوں سے مُنہ دھوتی تھیں اماں
کل دن وہ ہے جس دن کے لئے روتی تھیں اماں

تھے دوسرے خیمے میں اُدھر سبطِ پیمبرؐ
دربار میں حاضر تھے رفیقانِ دلاور
اک پہلو میں قاسمؑ تھے اور اک پہلو میں اکبرؑ
اکبرؑ کے اِدھر لختِ دلِ زینبؑ مضطر
شبیرؑ محبت سے سخن کرتے تھے سب سے
عباسؑ علی سامنے بیٹھے تھے ادب سے

سرگرم تھے مرجانے پہ سب شاہ کے انصار
عباسؑ سے یہ کہتا تھا وہ کُل کا مددگار
تم رہیو ذرا خیمۂ ناموس سے ہشیار
ڈر ہے نہ کرے بے ادبی لشکرِ کفار
بے دینوں کو راحت مری منظور نہیں ہے
شب خوں جو اُدھر سے ہو تو کچھ دور نہیں ہے

یہ ذکر ابھی تھا کہ یکایک خبر آئی
اے چاند ید اللہ کے شب دو پہر آئی
حضرت کو ستاروں کی جو گردش نظر آئی
دل یادِ خدا کرنے لگا چشم بھر آئی
فرمایا بڑا اجر ہے بیداریِ شب کا
اے تشنہ لبو وقت ہے یہ طاعتِ رب کا

اب عمر بھی آخر ہے نمازیں بھی ہیں آخر
بے توشہ پہنچتا نہیں منزل پہ مسافر
ہر وقت ہے ربِّ دو جہاں حاضر و ناظر
اجر اُن کا مضاعف ہے جو ہیں صابر و شاکر
مشکل نہ کسی رنج کو سمجھے نہ بلا کو
بندہ وہی بندہ ہے جو بھولے نہ خدا کو

نام اُس کا ہے وردِ سفر ہو کہ حضر ہو
موجود سمجھ لے اُسے جنگل ہو کہ گھر ہو
سجدے ہی کرے دُکھ میں کہ راحت میں بسر ہو
تسبیح میں شب ہو تو نمازوں میں سحر ہو
عشقِ گُلِ تر ظلم کے خاروں میں نہ بھولے
معشوق کو تلواروں کی دھاروں میں نہ بھولے

چومے لبِ سوفار جو سینے پہ لگیں تیر
دم عشق کا بھرتا رہے زیرِ دمِ شمشیر
زخموں کو یہ سمجھے کہ ملا گلشن توقیر
تکبیر کا نعرہ ہو زباں پر دمِ تکبیر
کٹنے میں رگوں کے نہ صدا آہ کی نکلے
ہر رنگ میں بوئے الفتِ اللہ کی نکلے

شہ نے سخنِ معرفتِ حق جو سُنائے
اشک آنکھوں میں ہر عاشقِ صادق کے بھر آئے
کچھ پیاس کا شکوہ بھی زباں پر نہیں لائے
سجّادے وہیں لا کے دلیروں نے بچھائے
تکبیریں ہوئیں لشکرِ اللہ و نبیؐ میں
سب محو ہوئے یادِ جنابِ احدی میں

تسبیح کہیں تھی کہیں سجدے کہیں زاری
تھا صوتِ حسنؑ سے کوئی قرآن کا قاری
کرتا تھا کوئی عرض کہ یا حضرتِ باری
اب صبح کو عزت ہے ترے ہاتھ ہماری
حرمت سے شریکِ شہدا کیجیو! یا رب!
تو حوصلۂ صبر عطا کیجیو! یا رب!

ہم ہیں ترے محبوب کے پیارے کے مددگار
مرنے کے لئے آئے ہیں یاں چھوڑ کے گھر بار
یہ بندۂ بیکس ہے مصیبت میں گرفتار
کر رحم کہ ہے ذات تری راحم و غفّار
فاقوں کے سبب جسم کی طاقت میں کمی ہے
تجھ سے طلبِ قوتِ ثابت قدمی ہے

بیکس ہیں مسافر ہیں وطن دور ہے گھر دور
ہفتم سے ہمیں گھیرے ہے یہ لشکرِ مقہور
تیروں سے ہوں غربال کہ تیغوں سے بدن چور
احمدؐ کے نواسے سے جدائی نہیں منظور
مُنھ پھر کسے دکھلائیں جو سردار کو چھوڑیں
کیوں کر ترے مقبول کی سرکار کو چھوڑیں

مردوں کے لئے ننگ ہے تلواروں سے ڈرنا
راحت ہو کہ ایذا ہمیں جینا ہمیں مرنا
تو چاہے تو مشکل نہیں کچھ سر سے گزرنا
اے کل کے مددگار مدد جنگ میں کرنا
فاقوں میں ہزاروں سے وغا ہو تو مزا ہے
کچھ حقِ نمک ہم سے ادا ہو تو مزا ہے

کرتے تھے مناجات اُدھر یاور و انصار
پڑھتے تھے نمازِ شب اِدھر سیدِ ابرار
تھی نیت تسبیح بتولِ جگر افگار
آوازِ بکا خیمے سے آنے لگی یک بار
اکبرؑ سے اشارہ کیا مڑ کر کہ یہ کیا ہے
کی عرض پھوپھی جان کے رونے کی صدا ہے

یوں تو کئی راتوں سے وہ ہیں مضطر و بیتاب
راحت کی نہ صورت ہے نہ آرام کا اسباب
غش میں جو ذرا بند ہوئے دیدۂ پُر آب
روتی ہوئی چونکی ہیں ابھی دیکھ کے کچھ خواب
نعلین کہیں چادرِ پُر نور کہیں ہے
اُس وقت سے بسمل کی طرح چین نہیں ہے

سب بیبیاں ہیں اور ہیں بچوں کو لئے پاس
جو پوچھتا ہے وجہ تو کہتی ہیں بصد یاس
مانگو یہ دعا غیب سے بیکس کی مدد ہو
ان کا تو یہ احوال ہے اماں کا یہ عالم
اصغرؑ کی بھی ہے فکر سکینہؑ کا بھی ہے غم
گودی میں اٹھائیں اُسے یا اس کو سنبھالیں
رو آتی ہیں عابدؑ کے سرہانے کبھی جا کر
قرآن کی ہوا دیتی ہیں غش میں اُسے پا کر
وہ کہتی ہے تا صبح یونہی روؤں گی اماں!
تبلاؤ شہ جن و بشر کیوں نہیں آتے
آزردہ ہیں کچھ مجھ سے اُدھر کیوں نہیں آتے
اب پیاسوں کی فریاد بھی بابا نہیں سُنتے
رو کر علی اکبرؑ نے جو کی شہؑ سے یہ تقریر
دیکھی جو نہ تھی دیر سے وہ چاند سی تصویر
بیتاب جو پایا بہت اس تشنہ دہن کو
فرمایا بہن تم نے بنایا ہے یہ کیا حال
ماتھا ہے بھرا خاک سے بکھرے ہوئے ہیں بال
دم تن سے مرا گھٹ کے نکل جائے گا زینبؑ
جیتا ہوں میں اور آہ ابھی سے یہ تلاطم
ہوتے ہیں مرے ہوش و حواس آئے ہوئے گم
بس صبر کرو جی سے گزر جائیں گے بچے
تلوار کسی نے ابھی تولی نہیں مجھ پر
گردن پہ کسی نے ابھی پھیرا نہیں خنجر
ہر چند کہ ساعت نہیں ٹلتی ہے قضا کی

ایک ایک کو اندیشہ ہے ایک ایک کو وسواس
لوگو مجھے شبیرؑ کے بچنے کی نہیں آس
صدقے کرو مجھ کو کہ بلا بھائی کی رد ہو
اشکوں کی جھڑی آنکھوں سے تھمتی نہ تھی اک دم
شش ماہ کا بچہ بھی ہوا جاتا ہے بے دم
دو روز کے فاقے میں وہ کس کس کو سنبھالیں
گہوارۂ اصغر پہ کبھی گرتی ہیں آکر
بہلاتی ہیں بیٹی کو کبھی اشک بہا کر
بابا ہی جب آدیں گے تو میں سوؤں گی اماں
اب رات بہت کم ہے پدر کیوں نہیں آتے
کیا آج وہیں سوئیں گے گھر کیوں نہیں آتے
حضرتؑ مرے رونے کی صدا کیا نہیں سُنتے
پڑھتے ہوئے تسبیح گئے حضرتِ شبیرؑ
قدموں پہ محبت سے گری دوڑ کے ہمشیر
شبیرؑ نے لپٹا لیا چھاتی سے بہن کو
نہ سر پہ عصابہ ہے نہ چادر ہے نہ رومال
بیٹو نہیں جیتا ہے ابھی فاطمہؑ کا لال
رو لیجیو جب رونے کا وقت آئے گا زینبؑ
یہ کرب یہ دُکھ درد یہ زاری یہ تظلم
خنجر کے تلے دیکھو گی کس طرح مجھے تم
تڑپو گی تم اس طرح تو مر جائیں گے بچے
سینہ ابھی تیروں سے مشبک نہیں خواہر
مرجائے گا بھائی تمہیں ثابت ہوا کیونکر
بچ جاؤں تو کیا دور ہے قدرت سے خدا کی

زینبؑ نے کہا خوش ہوں جو میری اجل آئے
بھائی تمہیں اللہ اس آفت سے بچائے
خالق مجھے عابدؑ کی یتیمی نہ دکھائے
بھائی کی بلا لے کے بہن خلق سے جائے
وسواس طبیعت کو بہلنے نہیں دیتے
بے چین ہے دل مجھ کو سنبھلنے نہیں دیتے

آتا ہے سکینہؑ کی یتیمی کا مجھے دھیان
ہر وقت بھرا گھر نظر آجاتا ہے ویراں
سمجھانے سے کچھ دل جو بہلتا ہے میں قرباں
پھر جاتا ہے آنکھوں کے تلے موت کا ساماں
بازو مرے کسنے کو رسن لاتا ہے کوئی
سر پر سے ردا کھینچے لئے جاتا ہے کوئی

منہ ڈھانپ کے بستر پہ جو سو جاتی ہوں دم بھر
تو چاک گریباں نظر آتے ہیں پیمبرؐ
اماں کبھی چلاتی ہیں یوں کھولے ہوئے سر
بیٹی نہ بچے گا ترا مظلوم برادر
کیا لیٹی ہے بستر پہ کدھر دھیان ہے زینبؑ
شبیرؑ اسی رات کا مہمان ہے زینبؑ

یہ ذکر ابھی تھا کہ سکینہؑ نے پکارا
سونا تو گیا آپ کے ہمراہ ہمارا
میں جاگتی ہوں اور جہاں سوتا ہے سارا
گردوں پہ چمکنے نہ لگے صبح کا تارا
نیند آئی ہے بیٹی کو سلا جائیے بابا
بس ہو چکیں باتیں اب ادھر آئیے بابا

حضرتؑ نے کہا میں تری آواز کے قرباں
اللہ تم اب تک نہیں سوئی ہو مری جاں
غربت میں کہاں راحت و آرام کا ساماں
بن باپ کے تم کو تو نہیں چین کسی آں
اچھی نہیں عادت یہ نہ رویا کرو بی بی
پہلو میں کبھی ماں کے بھی سویا کرو بی بی

کیا ہوئے جو ہم گھر میں کسی شب کو نہ آئیں
مجبور ہوں ایسے کہ تمہیں چھوڑ کے جائیں
تم پاؤ نہ ہم کو نہ تمہیں ہم کہیں پائیں
بی بی کہو پھر چھاتی پہ کس طرح سلائیں
جنگل میں بہت قافلے لٹ جاتے ہیں بی بی
برسوں جو رہے ساتھ وہ چھٹ جاتے ہیں بی بی

جب عمر تھی کم ہم بھی چھٹے تھے یونہیں ماں سے
سوتے تھے لپٹ کر یونہیں خاتونِ جناں سے
کوچ ان کا ہوا سامنے آنکھوں کے جہاں سے
ماتم سے ملیں وہ نہ بکا سے نہ فغاں سے
یہ داغ یہ اندوہ و الم سب کے لئے ہیں
ماں باپ زمانے میں سدا کس کے جئے ہیں

رستہ وہ اجل کا ہے کہ ہوتا ہی نہیں بند
کوچ آج پدر کا ہے تو کل جائے گا فرزند
ہوتا قلق فرقتِ اولاد میں دہ چند
کیا زور ہے بندے کا جو مرضی خداوند
جو آئے ہیں دنیا میں وہ سب کوچ کریں گے
اس زیست کا انجام یہی ہے کہ مریں گے

یہ کہتے تھے حضرت کہ صدا آئی اذاں کی
گلدستۂ اسلام پہ بُلبُل نے فغاں کی
اک دم میں بہار اور ہوئی باغِ جہاں کی
تلوار چلی گلشنِ انجم پہ خزاں کی
مہتاب ہوا گم فلکِ نیلوفری سے
پھولا گُلِ خورشید نسیمِ سحری سے

گرمی کی سحر اور وہ پھولوں کا مہکنا
مرغانِ چمن کا وہ درختوں پہ چہکنا
انجم کا وہ چھپنا کبھی اور گاہ چمکنا
وہ سرد ہوا اور وہ سبزے کا لہکنا
اُس دشت میں رونی تھی جو شبنم شہِ دیں پر
تھا موتیوں کا فرش زمرّد کی زمیں پر

جلوہ وہ دمِ صبح کا وہ نور کا عالم
دلچسپ صدا نوبت و شہنا کی وہ باہم
سُرخی وہ شفق کی اُفقِ چرخ پہ کم کم
وہ گل کے کٹوروں پہ دُر افشانیٔ شبنم
خشکی میں بھی سردی سے ترائی کا سماں تھا
پر مالکِ گلزارِ جناں تشنہ دہاں تھا

لشکر میں ادھر مورچہ بندی کی ہوئی دھوم
یاں فرض ادا کرنے لگے عاشقِ قیوم
پیچھے تو جماعت تھی اور آگے شہِ مظلوم
صف بستہ ملائک ہیں یہی ہوتا تھا معلوم
سب ساجد و راکع تھے شہنشاہ کے ہمراہ
تاباں تھے بہتّر مہِ نو ماہ کے ہمراہ

خیمہ تھا فلک آپ قمر دوست ستارے
تارے بھی وہ تاروں کو فلک جن پہ اُتارے
خم ہو گیا تھا پیرِ فلک شرم کے مارے
کہتی تھی زمیں اوج ہے طالع کو ہمارے
خورشید نہیں روشنیٔ نیّرِ دیں ہے
خود عرش کو دھوکا تھا یہ میں ہوں کہ زمیں ہے

جو صف ہے سطر اک ہے وہ قرآنِ مبیں کی
دیوار ہے قبلے کی طرف کعبۂ دیں کی
کیا خوب جماعت ہے یہ اربابِ یقیں کی
افلاک کی زینت ہے تو رونق ہے زمیں کی
کس طرح شہنشاہ سے وہ فوج جدا ہو
مشکل ہے کہ دریا سے کہیں موج جدا ہو

اس دم تھی یہ آواز پسِ پردۂ قدرت
اے قدسیوں دیکھو مرے بندوں کی عبادت
نے پیاس کا شکوہ ہے نہ فاقوں کی شکایت
یہ زہد یہ تقویٰ یہ اطاعت یہ ریاضت
کونین میں یہ صاحبِ اقبال و شرف ہیں
عالم ہوں کہ ان لوگوں کے دل میری طرف ہیں

کس عجز سے آگے مرے حاضر ہیں یہ بندے
دیکھو مرے محبوب کے ناصر ہیں یہ بندے
مظلوم ہیں بیکس ہیں مسافر ہیں یہ بندے
تھوڑے نہ ہوں کس طرح کہ شاکر ہیں یہ بندے
صادق ہیں ولی ہیں مرے ان سب کو ولا ہے
ان کا وہ صلہ ہے جو رسولوں کو ملا ہے

پرسش نہ لحد میں نہ حساب ان کے لئے ہے
یہ لائق رحمت ہیں ثواب ان کے لئے ہے
موتی سے جو ہے صاف وہ آب ان کے لئے ہے
میں جس کا ہوں ساقی وہ شراب ان کے لئے ہے
اس نخل ریاضت کے ثمر ان کو ملیں گے
جو عرش کے نیچے ہیں وہ گھر ان کو ملیں گے

فارغ جو صلوٰۃ سحری سے ہوئے دیں دار
پوشاک پہننے کو اُٹھے سیدِ ابرار
فرمانے لگے حضرت عباسؑ علم دار
ہاں غازیو اب تم بھی سجو جنگ کے ہتھیار
قربان تمہیں ہونا ہے محمدؐ کے پسر پر
کمروں کو کسو گلشنِ جنت کے سفر پر

آمادۂ شر لشکر کفار ہے کل سے
ہونا ہے تمہیں آج ہم آغوش اجل سے
درپیش ہے جنگ و جدل اس فوج کے دَل سے
آقا بھی کوئی دم میں نکلتے ہیں محل سے
ہاں صف شکنو وقت ہے نصرت کی دعا کا
کُھلتا ہے پھریرا علمِ فوجِ خدا کا

ہم لوگ اسی روز کے مشتاق ہیں کب سے
اب ہوگی ملاقات شہنشاہِ عرب سے
سیدانیاں تم سب کو دعا دیتی ہیں شب سے
صف باندھ کے آؤ درِ دولت پہ ادب سے
فردوس میں نانا سے حضور آج ملیں گے
کوثر پہ تمہیں خلعتِ نور آج ملیں گے

اس مژدہ کو سنتے ہی مسلح ہوئے غازی
اصطبل سے آنے لگے جرّاروں کے تازی
شیر صف جنگاہ تھا ایک ایک نمازی
نعرے تھے کہ قربانِ شہنشاہِ حجازی
ڈیوڑھی پہ شگفتہ تھا چمن خلد بریں کا
خیمے میں تلاطم تھا وداعِ شہِ دیں کا

تھے گرد حرم بیچ میں وہ عاشق حق تھا
مانندِ سحر رنگ ہر اک بی بی کا فق تھا
بانوؑ دو عالم کا جگر سینے میں شق تھا
زینبؑ یہ تڑپتی تھی کہ حضرتؑ کو قلق تھا
شبیرؑ کے پہلو سے نہ ہٹتی تھی سکینہؑ
بڑھتے تھے تو دامن سے لپٹتی تھی سکینہؑ

شہؑ کہتے تھے بی بی ہمیں اب جانے دو گھر سے
سینہ مرا شق ہوتا ہے لپٹو نہ پدر سے
وہ کہتی تھی سایہ یہ جو اُٹھ جائے گا سر سے
ہے ہے میں تمہیں ڈھونڈھ کے لاؤں گی کدھر سے
بیٹی کا سوا آپ کے کوئی نہیں بابا
شب بھر میں اسی خوف سے سوئی نہیں بابا

سمجھاتے تھے حضرتؑ کہ میں صدقے مری پیاری
میدان سے ابھی آئیں گے ہم تو کئی باری
وہ کہتی تھی میں آپ کی مظلومی کے واری
ساماں نظر آتا ہے یتیمی کا ہماری
درپیش لڑائی نہیں گر فوجِ شقی سے
کیوں آپ سفارش مری کرتے تھے پھوپھی سے

اس آپ کے جانے سے تو ثابت ہے نہ آنا
کیوں کہتے تھے زینبؑ اسے چھاتی پہ سُلانا
بانوؑ مرے پیچھے نہ سکینہؑ کو رُلانا
پانی جو میسر ہو تو پیاس اس کی بجھانا
بہلائیو جب رو کے مجھے یاد کرے گی
تڑپوں گا لحد میں جو یہ فریاد کرے گی

میں سُنتی تھی عابدؑ سے جو کچھ کی تھی وصیت
اس گھر کی تباہی کی خبر دیتے تھے حضرتؑ
ہے ہے یہ مری عمر یہ صدمہ یہ مصیبت
لے لو مجھے ہمراہ گوارا نہیں فرقت
ساتھ آپ کے جاؤں گی جو اس دارِ محن سے
کوئی مری گردن تو نہ باندھے گا رسن سے

نادان کی ان باتوں پہ گھر روتا تھا سارا
ماتم میں کسی دل کو نہ تھا صبر کا یارا
حضرتؑ کو بھی بیٹی کی نہ فرقت تھی گوارا
ڈیوڑھی تک اُسے گود سے اپنی نہ اُتارا
جس دم وہ چھٹی جیتے ہی جی مر گئے شبیرؑ
کس درد سے روتے ہوئے باہر گئے شبیرؑ

جس دم درِ دولت پہ امیرِ اُمم آیا
بیٹھے یہ حرم گھر میں کہ ہونٹوں پہ دم آیا
تسلیم کو اسلام کا لشکر بہم آیا
کس صولت و اقبال و حشم سے علم آیا
جاتی تھی لچکنے میں ضیا عرش تک اُس کی
خورشید کو پنجے میں لئے تھی چمک اُس کی

آپس میں یہ کہتے تھے رفیقانِ دلاور
دیکھیں یہ ہما سایہ فگن ہوتا ہے کس پر
اکبرؑ کے تو ہے نام پہ سالاریِ لشکر
عباسؑ کو دیں گے شہِ دیں منصبِ جعفرؑ
اک عشق ہے اس شیر سے سلطانِ اُمم کو
بھائی کو کبھی دیکھتے ہیں گاہ علم کو

زینبؑ کے پسر مشورہ کرتے تھے یہ باہم
کیوں بھائی علم لینے کو ماموں سے کہیں ہم
تائیدِ خدا چاہیئے گو عمر میں ہیں کم
عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم
واقف ہیں سبھی حیدرؑ و جعفرؑ کے شرف سے
حق پوچھو تو حق دار ہیں ہم دونوں طرف سے

دادا بھی علم دار ہے نانا بھی علم دار
ہم اپنے بزرگوں کے ہیں منصب کے طلبگار
کہتا تھا بڑا عرض کا موقع نہیں زنہار
ہیں بادشہِ کون و مکاں مالک و مختار
عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہوں
چپکے رہو اماں نہ کہیں سُن کے خفا ہوں

مطلب نہ علم سے نہ حشم سے ہمیں کچھ کام
مٹ جائیں نشاں بس یہی عہدہ ہے یہی نام
یہ سر ہوں نثارِ قدمِ شاہِ خوش انجام
عزت رہے بھائی یہ دعا ہے سحر و شام
آقا جسے چاہیں علمِ فوجِ خدا دیں
مشتاق اجل ہیں ہمیں مرنے کی رضا دیں

روتی تھی جو پردے کے قریں زینبؑ دلگیر
فضّہ سے یہ کہنے لگی وہ صاحبِ توقیر
کچھ کہنا ہے سُن لیں اُسے فرصت اُنھیں گر ہو
یہ کہتی تھی زینبؑ کہ خود آئے وہ نکوکار
کیا باتیں ابھی بھائی سے تھیں اے مرے دلدار
سمجھے نہ کہ مادر عقبِ پردہ کھڑی ہے
اللہ بڑا عزم کیا باندھ کے تلوار
دیکھو ابھی تم دونوں سے ہو جاؤں گی بیزار
کیا دخل تمہیں امر میں سلطانِ اُمم کے
کچھ اور ہی تیور ہیں علم نکلا ہے جب سے
استادہ ہو جاکر عقبِ شاہ ادب سے
اس امر میں خاطر نہ کریں اور کسی کی
دو روز سے بھائی پہ مرے ظلم و ستم ہے
چھوٹے سے ہیں قد سن بھی تمہارا ابھی کم ہے
ہرگز نہ ابھی کچھ شہِ ذی جاہ سے کہنا
مانا کہ پہونچتا ہے تمہیں منصبِ جعفرؑ
چھوٹا مرا بھائی بھی ہے بیٹوں کے برابر
بگڑوں گی گلہ گر کسی اسلوب کرو گے
زینبؑ نے عتابانہ جو کی اُن سے یہ گفتار
شاہوں سے غلاموں نے بھی کی ہے کبھی تکرار
رخصت کے لئے تیغ و سپر باندھے ہوئے ہیں
زینبؑ نے کہا لے کے بلائیں کہ سدھارو
ماں صدقے گئی سر قدمِ شاہ پہ وارو
یہ وقت ہے امدادِ امامِ ازلی کا

سب اُس نے مفصل یہ سُنی بیٹوں کی تقریر
دونوں کو اشارے سے بُلالے کسی تدبیر
عباسؑ نہ دیکھیں نہ شہِ دیں کو خبر ہو
چھوٹے سے یہ فرمانے لگیں زینبؑ ناچار
اس وقت میں ہو کون سے منصب کے طلبگار
گھر لٹتا ہے میرا تمہیں منصب کی پڑی ہے
بچّو تمہیں ایسا نہ سمجھتی تھی میں زنہار
کچھ کہیو نہ ماموں سے خبردار خبردار
دیکھوں گی نہ پھر مُنہ جو گئے پاس علم کے
تم کون ہو جو آگے بڑھے جاتے ہو سب سے
عہدہ ہے یہ جس کا مجھے معلوم ہے سب سے
میں خوش ہوں بجا لائیں وصیت کو علیؑ کی
تم فکرِ علم میں ہو مجھے سخت الم ہے
کھیل اس کو نہ سمجھو یہ محمدؐ کا علم ہے
کہنا بھی تو رخصت کے لئے شاہؑ سے کہنا
آقا کی غلامی سے ہے عہدہ کوئی بڑھ کر
عاشق کا تو عاشق ہے برادر کا برادر
عباسؑ سے کیا تم مجھے محجوب کرو گے
یوں کہنے لگے جوڑ کے ہاتھوں کو وہ دلدار
مالک ہیں جسے چاہیں علم دیں شہِ ابرار
ہم صبح سے مرنے پہ کمر باندھے ہوئے ہیں
بس اب مرا دل شاد ہوا اے مری پیارو
ہو عید مجھے گر عمرؔ و شمر کو مارو
دے چھوٹے سے ہاتھوں میں خدا زورِ علیؑ کا

صدقے گئی سُن لو کہ میں کہتی ہوں مکرّر
میدان میں زخمی ہوئے گر قاسمؑ و اکبرؑ
جب دل ہوا ناراض تو فرزند کہاں کے
ان میں سے اگر رن کی طرف ایک سدھارا
جس وقت سُنوں گی کہ سر ان دونوں نے وارا
بے جاں ہوئے بعد اُن کے تو ماتم نہ کروں گی

ہیں دونوں بھتیجے مرے پیارے مرے محبوب
جینا نہیں بہتر کسی صورت کسی اُسلوب
ایذا جو اُٹھاؤ گے تو راحت بھی ملے گی
دیکھو کہے دیتی ہوں خبردار خبردار
شیروں کے یہ ہیں کام کھچے جب گھڑی تلوار
توڑی ہیں صفیں جنگ میں جب کھیت پڑے ہیں

اعدا کو مرے دودھ کی تاثیر دکھاؤ
جعفرؑ کی طرح جوہرِ شمشیر دکھاؤ
خورشیدِ امامت سے قرابت میں قریب ہو
جعفرؑ سے نمودار کے دلبر ہو دلیرو!
جرّار ہو کرّار ہو صفدر ہو دلیرو!
تیروں سے جوانوں کے جگر توڑ کے آؤ

خندق کی لڑائی کی طرح جنگ کو جھیلو
تیغوں میں دھنسو چھاتیوں سے نیزوں کو ریلو
دو اور جلا آئینۂ تیغِ عرب کو
خاقاں کا رہا تخت نہ قیصر کا رہا تاج
چڑھنا ہے لڑائی پہ جواں مردوں کی معراج
یوں آئیو چار آئینہ پہنے ہوئے بر میں

تم پہلے فدا کیجیو شبّرؑ کے قدم پر
پھر تم مرے فرزند نہ میں دونوں کی مادر
کس کام کا وہ لعل جو کام آئے نہ ماں کے
زہراؑ کی قسم مُنھ نہ میں دیکھوں گی تمہارا
اُس وقت تمہیں ہوگا مرا دودھ گوارا
دیکھو جو مروں گی کبھی تو ناراض مروں گی

تم اُن پہ تصدق ہو یہی ہے مجھے مطلوب
بے سر دیے دودھ اپنا میں بخشوں تمہیں کیا خوب
جب آئیں گی لاشیں تو یہ دولت بھی ملے گی
جیتے جو رہے دودھ نہ بخشوں گی میں زنہار
رکھ دیویں گلا بڑھ کے تہِ خنجرِ خوں خوار
جنّات کے لشکر سے علیؑ یوہیں لڑے ہیں

اجلال حسنؑ شوکت شبیرؑ دکھاؤ
تن تن کے یداللہ کی تصویر دکھاؤ
تم شیر ہو شیروں کے حسینوں کے حسیں ہو
حیدرؑ سے دلاور کے دلاور ہو دلیرو!
ضرغام ہو ضیغم ہو غضنفر ہو دلیرو!
خیبر کی طرح کوفے کا در توڑ کے آؤ

بچّے اسد اللہ کے ہو جان پہ کھیلو
کوفے کو تہِ تیغ کرو شام کو لے لو
لو روم کو قبضے میں تو قابو میں حلب کو
ہاں غازیو چین و حبش و زنگ سے لو باج
گیتی تہ و بالا ہو وہ تلوار چلے آج
جس طرح علیؑ بعد ظفر آتے تھے گھر میں

میلے نہ ہوں تیور یہ سپاہی کے ہنر ہیں
جس کے ہیں بس اُس کے ہیں جدھر ہیں بس اُدھر ہیں
گو عطر میں ڈوبے ہیں گہے خون میں تر ہیں
صحبت میں مصاحب ہیں لڑائی میں سپر ہیں
وہ اور کسی سے نہ جھکیں گے نہ جھکے ہیں
عزت میں نہ فرق آئے کہ سر بیچ چکے ہیں

یہ سُن کے جو نکلے وہ جری خیمے سے باہر
کس پیار سے مُنھ دونوں کا تکنے لگے سرورؑ
اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ اے سبطِ پیمبرؐ
تیار ہے سب قبلۂ کونین کا لشکر
جلدی ہے لڑائی کی اُدھر فوجِ ستم کو
ارشاد جسے ہو وہ بڑھے لے کے عَلم کو

شہؑ بولے کہ عباسؑ دلاور کو بلاؤ
پیارے مرے محبوب برادر کو بلاؤ
عاشق کو مددگار کو یاور کو بلاؤ
جلدی مرے حمزہ مرے جعفرؑ کو بلاؤ
یہ اوج یہ رتبہ یہ حشم اس کے لئے ہے
زیب اُس سے علم کی ہے علم اس کے لئے ہے

سب تکنے لگے صورتِ عباسؑ فلک جاہ
نازاں ہوا خود اوج یہ اپنے علمِ شاہ
یعنی مرا حامل ہے نشانِ اسد اللہ
بالیدہ تھا پرچم تو پھریرا تھا ہوا خواہ
جان آگئی تھی سُنتے ہی اس خوش خبری کو
پنجہ بھی اشارہ سے بلاتا تھا جری کو

خوش ہو کے یہ عمو کو پکارے علی اکبرؑ
جلد آئیے یاد آپ کو فرماتے ہیں سرورؑ
حاضر ہوا جوڑے ہوئے ہاتھوں کو وہ صفدر
ارشاد کیا شہؑ نے علم بھائی کو دے کر
رکھیے اسے کاندھے پہ یہ ہے آپ کا عہدہ
لو بھائی مبارک ہو تمہیں باپ کا عہدہ

بوسہ دیا عباسِ دلاور نے علم پہ
تسلیم کی اور رکھ دیا سر شہؑ کے قدم پر
کی عرض کہ قربان اس الطاف و کرم پر
سو سر ہوں تو صدقے ہیں شہنشاہِ اُمم پر
ادنیٰ جو ابھی تھا اسے اعلیٰ کیا مولاؑ
قطرے کو ترے فیض نے دریا کیا مولاؑ

اس چترِ فلک قدر کا سایہ مرے سر پہ
اس دھوپ میں ہوگا یہ پھریرا مرے سر پہ
یہ ابر مرے سر پہ یہ طوبیٰ مرے سر پہ
قائم رہیں لاکھوں برس آقا مرے سر پہ
سلطانِ دو عالم کی غلامی کے صلے ہیں
سب اوج یہ نعلین اُٹھانے سے ملے ہیں

حضرتؑ نے کہا رو کے یہ کیا کہتے ہو پیارے
حاضر ہے اگر جان بھی کام آئے تمہارے
حصہ یہ تمہارا تھا سو پہونچا تمہیں بارے
مالک ہو تمہیں ہم تو ہیں اب گور کنارے
تھا دل میں جو کچھ وہ بخدا ہو نہیں سکتا
بھائی ترا حق مجھ سے ادا ہو نہیں سکتا

یہ کہہ کے بڑھے سرورِ دیں جانبِ توسن
اسوار ہوئے آپ جو گردان کے دامن
وہ پانوں رکابوں کے لئے باعثِ ضو تھے
رانوں کے اشارے سے لگا کوندنے شبدیز
گرما کے جو شبیرؑ نے تازی کو کیا تیز
ایک ایک جوانِ عربی رشکِ ملک تھا

کیا فیض سواری تھا کہ زر ریز تھی یہ راہ
مابینِ دو خورشید تھی فوجِ شہِ ذی جاہ
بالا تھی چمک مہرِ منور کی چمک پر
ایک ایک جواں زیورِ جنگی کو سنوارے
جعفرؑ کے جگر بند ید اللہ کے پیارے
سیّاف ہو مرحب سا تو شمشیر سے ماریں

کم سن کئی لڑکوں کا جدا غول تھا سب سے
روکے ہوئے باگوں کو شہِ دیں کے ادب سے
ہتھیار جو باندھے تھے تو کیا تن پہ کھُلے تھے
وہ چاند سا مُنھ اور وہ گورے بدن اُن کے
یوسف کی طرح عطر فشاں پیرہن اُن کے
کیا حسنِ عقیدت تھا عجب دل کے جواں تھے

عمریں تو کم و بیش پہ سب گیسوؤں والے
ذی مرتبہ سیدانیوں کے گود کے پالے
ان تازہ نہالوں میں نمودار یہی تھے
مقتل کو جو پُرنور کیا عسکرِ دیں نے
اونچا نہ کیا سر فلکِ ماہ جبیں نے
اُٹھ اُٹھ کے چمک اپنی دکھانے لگے ذرّے

ہتھیار لگائے ہوئے پہنے ہوئے جوشن
اللہ رے ضیا خانۂ زیں ہو گیا روشن
خورشید کے قدموں کے تلے دو مہِ نو تھے
اسوار کے دل کا تھا اشارہ اسے مہمیز
اعدا پہ چلا غول سواروں کا جلو ریز
اللہ کے لشکر کا علم سر بہ فلک تھا

طالع تھا ادھر مہر ادھر تھا علمِ شاہ
پنجے کی تجلی تھی کہ اللہ رے اللہ
ضو اُس کی زمیں پر تھی ضیا اس کی فلک پر
نیزوں کی چمک اور وہ سمندوں کے طرارے
رستم سے ہر اک جنگ کرے شیر کو مارے
ارجن سے کماں دار کو اک تیر سے ماریں

سوئے بھی نہ تھے ولولۂ جنگ میں شب سے
اعدا کی طرف دیکھتے تھے چشمِ غضب سے
سب نیمچے تولے ہوئے مرنے پہ تُلے تھے
شرمندہ ہوں غنچے بھی وہ نازک دہن ان کے
مر کر وہی کپڑے ہوئے آخر کفن اُن کے
آقا پہ فدا ہونے کو سب ایک زباں تھے

اک غول میں تھے چاند کئی اور کئی ہالے
غنچہ تھا وہ سب اکبرؑ گلرو کے حوالے
اس گلشنِ یک رنگ کے مختار یہی تھے
دیکھا طرفِ چرخ حقارت سے زمیں نے
کی فرش پہ حسرت سے نظر عرشِ بریں نے
خورشید کے پہلو کو دبانے لگے ذرّے

کھولا جو پھریرے کو علمدار جری نے
لوٹے گل فردوس "نسیم سحری نے
تاروں کو اتارا فلک نیلوفری نے
پرچم جو کھلا کھول دیے بال پری نے
عیسیٰ نے پکارا کہ نثار اس کے حشم کے
خورشید نے منہ رکھ دیا پنجے پہ علم کے

ترتیبِ صفِ فوج کا جس دم ہوا اعلام
باندھی علی اکبرؑ نے صفِ لشکرِ اسلام
ظاہر جو ہوئی شان جوانان گل اندام
کوفے کے نشاں جھک گئے کانپی سپہ شام
اللہ رے شوکت شرفاؤ نجبا کی
اسلام کا لشکر تھا کہ قدرت تھی خدا کی

ناگاہ بجا طبل بڑھا لشکر سفاک
تا چرخ گیا غلغلۂ کوس شغب ناک
فریاد سے قرنا کی ہلا گنبدِ افلاک
تھرا گیا آواز دہل سے کرۂ خاک
نوبت تھی زبس قتل امامِ مدنی کی
صاف آتی تھی تاشوں سے صدا سینہ زنی کی

واں شور تھا باجوں کا ادھر نعرۂ تکبیر
ایک ایک جری جھومتا تھا تول کے شمشیر
ناگاہ سوئے فوجِ خدا آنے لگے تیر
عباسؑ علمدار نے دیکھا رخِ شبیرؑ
کی عرض کہ لڑنے کو شریر آتے ہیں مولاؑ
کیا حکم ہے اب پیاسوں پہ تیر آتے ہیں مولاؑ

شہؑ نے کہا شرم آتی ہے کیا حکم میں دوں آہ
ہفتاد و دو تن یاں ہیں ادھر سیکڑوں گمراہ
غازی نے یہ کی عرض کہ اے کل کے شہنشاہ
پہ شیر نیستانِ علیؑ ہیں تو وہ روباہ
لاکھوں ہوں تو کیا ڈر ہے شجاعان عرب کو
اقبال سے آقا کے بھگا دیتے ہیں سب کو

فرمایا کہ فاقے سے ہے سارا مرا لشکر
پانی نہیں ملتا کہ لب خشک کریں تر
بہتر ہے اگر پہلے کٹے تن سے مرا سر
غازی نے کہا شیر گرسنہ ہیں یہ صفدر
حملوں سے الٹ دیں گے پرے فوج عدو کے
بھوکے ہیں یہ زخموں کے پیاسے ہیں لہو کے

حضرتؑ نے کہا خیر لڑو فوج ستم سے
معلوم ہے سب آج جدا ہوویں گے ہم سے
دنیا سے نہ مطلب ہے نہ کچھ جاہ و حشم سے
کٹ جائے گا اپنا بھی گلا تیغ دو دم سے
مقبول ہیں وہ جو مری امداد کریں گے
اس جنگ کو بھی لوگ بہت یاد کریں گے

جس دم یہ سنی قبلۂ کونین کی گفتار
جانباز بڑھے فوج سے چلنے لگی تلوار
تھے پیاسوں کے حملے غضبِ حضرتِ قہار
چوٹی کے جواں بھاگ گئے پھینک کے تلوار
کون آنکھ ملا سکتا تھا شیروں سے عرب کے
جب کرتے تھے نعرے قدم اٹھ جاتے تھے سب کے

لڑتا تھا غضب ایک کے بعد ایک وفادار دن چڑھتا تھا یاں گرم تھا واں موت کا بازار
سر بیچتے تھے جنس شہادت کے طلبگار بڑھ بڑھ کے خریدار پہ گرتا تھا خریدار
لیں پہلے ہم ایک ایک کی جاں اس کی پڑی تھی عقبیٰ کا جو سودا تھا تو قیمت بھی کڑی تھی

آیا جو عزیزوں کے لئے موت کا پیغام فرزندوں نے جعفرؑ کے بڑے رن میں کئے نام
اولادِ عقیل آچکی شبیرؑ کے جب کام لڑنے کو گئے مسلمؑ بیکس کے گل اندام
تھا حشر بپا ندیاں بہتی تھیں لہو کی بچوں نے اُلٹ دی تھیں صفیں فوجِ عدو کی

لشکر میں تلاطم تھا غضب چلتی تھی تلوار بیتاب تھے یاں زینبؑ ناشاد کے دلدار
مُنھ دیکھ کے حضرتؑ کا یہی کہتے تھے ہر بار ہم جائیں گے بعد اُن کے سوئے لشکرِ کفّار
جی جائیں جو مولاؑ ہمیں مرنے کی رضا دیں ایسا نہ ہو قاسمؑ کو حضور اذنِ وغا دیں

کچھ اُن سے کہا چاہتے تھے سرورؐ ذی شاں جو غل ہوا مارے گئے مسلمؑ کے دل و جاں
لاشے بھی اُدھر آچکے جب خوں میں غلطاں پھر ہاتھوں کو جوڑا کہ ملے رخصتِ میداں
شہؑ نے کہا یہ داغ تو دشوار ہے ہم پر اُن دونوں نے سر رکھ دیے ماموں کے قدم پر

حضرتؑ نے کہا ماں سے بھی ہو آئے ہو رخصت کیا کہتے ہو لُٹوا دوں میں ہمشیر کی دولت
مایہ ہو تمہیں اُس کا تمہیں اس کی بضاعت چھوٹے نے یہ حضرتؑ سے کہا تھام کے رقت
چھوٹے نہیں ہم آپ ابھی پوچھ لیں سب سے اماں تو رضا دے چکی ہیں مرنے کی شب سے

بچّوں نے جو کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ تقریر اُن دونوں کا مُنھ دیکھ کے رونے لگے شبیرؑ
فرمایا چھڑاتا ہے تمہیں بھی فلکِ پیر اچھا میں رضا مند ہوں جو مرضیِ ہمشیر
وہ سیّدۂ پاک نواسی ہے نبیؐ کی فیاض کی ہمشیر ہے بیٹی ہے سخی کی

یہ سُن کے جھُکے آخری تسلیم کو ذی جاہ خورشید کے آگے مہِ نو بن گئے دو ماہ
کی سوئے فلک دیکھ کے شبیرؑ نے اک آہ وہ شیر چلے گھوڑوں پہ چڑھ کر سوئے جنگاہ
ماں ڈیوڑھی سے چلّائی کہ رخصت ہو مبارک سرکار شہنشاہ سے خلعت ہو مبارک

سلطان دو عالم نے مخلع کیا واری تم جاتے ہو یا جاتی ہے دولھا کی سواری
پروان چڑھے ختم ہوئیں شادیاں ساری لو دور سے لیتی ہوں بلائیں میں تمہاری
صدقے گئی نیزوں کو ہلاتے ہوئے جاؤ شکلیں مجھے پھر پھر کے دکھاتے ہوئے جاؤ

تسلیم کو گھوڑوں سے جھکے دونوں وہ گل رو
دل ماں کا یہ اُمڈا کہ ٹپکنے لگے آنسو
باگیں جو اُٹھائیں تو فرس بن گئے آہو
پھر دیکھنے پائی نہ اُنھیں زینبؑ خوش خو
میداں کی طرف یاس سے ماں رہ گئی تک کر
پنہاں ہوئے بدلی میں ستارے سے چمک کر

میداں میں عجب شان سے وہ شیر نر آئے
گویا کہ بہم حیدرؑ و جعفرؑ نظر آئے
غل پڑ گیا حضرت کی بہن کے پسر آئے
افلاک سے بالائے زمیں دو قمر آئے
یوسفؑ سے فزوں حُسن گراں مایہ ہے اُن کا
یہ دھوپ بیاباں میں نہیں سایہ ہے اُن کا

وہ چاند سا مُنھ اور وہ گیسوئے معنبر
وہ بدر سے رخسار زہے قدرتِ داور
سب شان یداللہ کی سب شوکتِ حیدرؑ
چتون وہی غصّہ وہی سارے وہی تیور
یہ دبدبہ کس صاحبِ شمشیر نے دیکھا
دیکھا جسے معلوم ہوا شیر نے دیکھا

تن تن کے جو شان اپنی دکھاتے تھے وہ ذی جاہ
چھاتی سے لگا لیتے تھے دونوں کو یداللہ
شمشاد سے قامت نہ دراز اور نہ کوتاہ
کھیلے ہوئے تیغوں میں فن جنگ سے آگاہ
ناخن سے دلیروں کے سب انداز وغا تھے
بچے تھے مگر بچۂ ضرغامِ خدا تھے

تھے حُسن میں ان دونوں کے آئینہ رو ایک
پیشانی و ابرو و سر و صدر و گلو ایک
شان ایک شکوہ ایک جو رنگ ایک تو بو ایک
دل ایک جگر ایک جسد ایک لہو ایک
اور اُن سا کوئی غرب سے تا شرق نہیں ہے
دو ٹکڑے ہیں اک سیب کے کچھ فرق نہیں ہے

پڑھنے لگے اشعار رجز جب وہ دلاور
اللہ ری فصاحت فصحا ہو گئے ششدر
ہر بیت تھی دشمن کے لئے تیغِ دو پیکر
ہر مصرعۂ برجستہ میں تھی تیزیِ خنجر
دے کون جواب اُن کا کہ دم بند تھا سب کا
واں قافیہ تھا تنگ شجاعانِ عرب کا

اظہار نسب میں جو محمدؐ کا لیا نام
سب پڑھنے لگے صلِ علیٰ اصحابِ اسلام
آگے جو بڑھے نام علیؑ لے کے وہ گلفام
دل ہل گئے تھرّانے لگا روم سے تا شام
جعفرؑ کا جو کچھ ذکر کیا بعد علیؑ کے
مجرے کو علم جھک گئے سب فوجِ شقی کے

آغاز تھا ذکرِ شرفِ حضرتِ شبیرؑ
ڈنکے پہ اُدھر چوب لگی چلنے لگے تیر
اُس وقت بڑے بھائی سے کی چھوٹے نے تقریر
تلوار علم کیجئے اب کس لئے تاخیر
کہئے تو جدا ہو کے ستمگاروں پہ جائیں
اسواروں میں ہم آپ کمانداروں پہ جائیں

فرمایا بڑے بھائی نے ہنس کر نہیں بھائی
ہو جاتی ہے اک آن میں ہر صف کی صفائی
بازو میں قوی ہاتھ سے گر ہاتھ نہ چھوٹے
نانا کی طرح فوج پہ حملے کریں آؤ
ان چھوٹے سے ہاتھوں کا ہمیں زور دکھاؤ
ہم شیروں پہ رستم کا بھی منھ پڑ نہ سکے گا
چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کہ بہتر
دو بجلیاں کوندیں کہ لرزنے لگے لشکر
برباد کیا رو میں سواروں کو دبا کے
ان چھوٹی سی تلواروں کے تھے کاٹ نرالے
مثل اپنی جائے تھے جو بے مثل رسالے
ناز اپنے ہنر پر تھا شجاعان عرب کو
موت آئی ادھر نیمچے دونوں جدھر آئے
گر سینے تک آئے تو کبھی تا کمر آئے
ہر نیمچہ بجلی تھا ستمگاروں کے حق میں
اٹھتی تھی نہ ڈر سے کسی خوں خوار کی گردن
دو چار کے منھ کٹ گئے دو چار کی گردن
دو نیمچے بجلی سے گزرتے تھے کمر سے
دو چھوٹی سی تیغوں سے قیامت نظر آئی
سر کٹنے کی اعدا کے علامت نظر آئی
بے وجہ نہ پھر جاتے تھے منھ اہل جفا کے
گردن سے بڑھے کاٹ کے پیکر نکل آئے
چار آئینہ میں تیر کے باہر نکل آئے
محراب کے نیچے کسے جھکتے نہیں دیکھا

تم جان ہو دشوار ہے دم بھر کی جدائی
کر دیتے ہیں سر کون سی ایسی ہے لڑائی
سر تن سے اتر جائے مگر ساتھ نہ چھوٹے
تلواروں میں تن تن کے چلو برچھیاں کھاؤ
ہم سینہ سپر تم پہ ہوں تم ہم کو بچاؤ
جب دو ہوئے اک دل تو کوئی لڑ نہ سکے گا
بس کھینچ لئے نیمچے دونوں نے برابر
نیزوں کے نیستاں میں در آئے وہ غضنفر
رہوار بھی اسوار تھے گھوڑوں پہ ہوا کے
کٹیں کہنیاں پہونچوں سے جدا ہاتھوں سے بھالے
تھے جائزہ اُن سب کا ہی دیکھنے والے
نیزوں کو قلم کر کے نزار کیا سب کو
جب ہاتھ بڑھا پاؤں پہ کٹ کٹ کے سر آئے
خالی نہ پھرے جس پہ گئے خوں میں بھر آئے
ڈوبے ہوئے تھے دو مہ نو خوں کی شفق میں
سر خود کا جھک جاتا تھا تلوار کی گردن
اسوار کا سر اڑ گیا رہوار کی گردن
آدھے ہوئے جاتے تھے لعیں جان کے ڈر سے
معصوموں کے ہاتھوں سے کرامت نظر آئی
لوہے کی سپر بھی نہ سلامت نظر آئی
دریا کے تھپیڑے تھے طمانچے تھے قضا کے
جوشن کو دکھاتے ہوئے جوہر نکل آئے
صابون سے دو تار برابر نکل آئے
مچھلی کو بندھے پانی میں رکتے نہیں دیکھا

ہر غول میں غلطاں وطپاں تھے سر و پیکر
دستانے کہیں تھے کہیں ڈھالیں کہیں مغفر
جب تیغے اُن دونوں کے اُٹھتے تھے برابر
مُنہ خوف سے ڈھالوں میں چھپاتے تھے ستمگر
روکے اُنھیں طاقت یہ نہ تھی پیر و جواں کی
صورت نظر آنے لگی تیغِ دو زباں کی

غارت تھی وہ صف جس سے و نما کرکے پھرے وہ
دو ہاتھ میں سو سو کو فنا کرکے پھرے وہ
سرداروں کے سر تن سے جدا کرکے پھرے وہ
ہر غول میں اک حشر بپا کرکے پھرے وہ
غل تھا کہ پرے ٹوٹے ہوئے جم نہیں سکتے
سر کٹنے کی دہشت سے قدم تھم نہیں سکتے

گھوڑے تھے چھلاوہ کبھی یاں تھے کبھی واں تھے
پتلی میں تو پھرتے تھے پر آنکھوں سے نہاں تھے
یاں تھے جو سبک رو تو اُدھر گرم عناں تھے
بجلی تھے کسی جا تو کہیں آبِ رواں تھے
ہو سکتی تھی بجلی سے یہ سرعت نہ ہرن سے
جھونکے تھے ہوا کے کہ نکل جاتے تھے سن سے

بے آب تھے دو دن سے پہ جاں دار تھے گھوڑے
ہر مرتبہ اُڑ جانے پہ تیار تھے گھوڑے
اس پار کبھی تھے کبھی اُس پار تھے گھوڑے
نقطہ تھے وہ سب فوج کہ پرکار تھے گھوڑے
دس بیس جو مر جاتے تھے ٹاپوں سے کچل کے
بڑھ سکتا نہ تھا اک بھی احاطے سے اجل کے

تانے ہوئے سینوں کو جدھر جاتے تھے دونوں
تلواروں کی موجوں سے گزر جاتے تھے دونوں
ہر غول میں بے خوف و خطر جاتے تھے دونوں
سب ہوتے تھے پسپا تو ٹھہر جاتے تھے دونوں
اُلٹی ہوئی صف دیکھ کے ہنس دیتا تھا کوئی
بھائی کی طرف دیکھ کے ہنس دیتا تھا کوئی

دم لے کے جو گھوڑوں کو اُڑاتے تھے وہ جرار
اعدا کے رسالوں کو بھگاتے تھے وہ جرار
شیروں کی طرح فوج پہ جاتے تھے وہ جرار
دو کرتے تھے یکتا جسے پاتے تھے وہ جرار
شیروں نے جو مارا ابھی تو رہ داروں کو مارا
جب آنکھ ملی چن کے نمو داروں کو مارا

جمعیت لشکر کو پریشاں کیا دم میں
جو فوج کی جاں تھے اُنھیں بے جاں کیا دم میں
تلواروں سے جنگل کو گلستاں کیا دم میں
سر کاٹ کے خوں خواروں کو غلطاں کیا دم میں
بے دست تھے علموں کو جو بے دیں لئے تھے
بچّوں نے جوانوں کے نشاں چھین لئے تھے

دو لاکھ کو دونوں نے کیا تھا تہ و بالا
تیغ ایک کی چلتی تھی تو اک بھائی کا بھالا
اک بڑھ گیا گر ایک نے گھوڑے کو نکالا
دم اِس نے لیا اُس نے لڑائی کو سنبھالا
یک جا فرسِ تیز قدم ہو گئے دونوں
جب بھیڑ پڑی کچھ تو بہم ہو گئے دونوں

وہ چھیڑ کے تازی کو سواروں میں در آیا
دم بھر میں پیادوں کو یہ پامال کر آیا
جب شیر سا پہونچا وہ اُدھر یہ ادھر آیا
جان آگئی جب بھائی کو بھائی نظر آیا
بچ بچ کے نکلتے تھے جو نیزوں کے تلے سے
اک بھائی لپٹ جاتا تھا بھائی کے گلے سے

کچھ بھائی سے بڑھ کر جو وغا کرتا تھا بھائی
بچ جانے کی بھائی کے دعا کرتا تھا بھائی
حق بھائی کی اُلفت کا ادا کرتا تھا بھائی
ہر زور یہ بھائی کی ثنا کرتا تھا بھائی
تم سا نہیں صفدر کوئی واللہ برادر
کیا خوب لڑے سلّمک اللہ برادر

کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا بصد آداب
بھائی میں بھگادوں ابھی ان کو جو ملے آب
اب پیاس کی گرمی سے کلیجے کو نہیں تاب
سینے میں مرا دل نہیں آتش پہ ہے سیماب
ہم لوگ محق کیا نہیں اس آبِ رواں کے
تالو میں خلش ہوتی ہے کانٹوں سے زباں کے

کہتا تھا بڑا بھائی میں صدقے ترے گل فام
ہم خشک زبانوں کو بھلا پانی سے کیا کام
اب جلد اجل آئے تو کوثر کا پئیں جام
غش ہم کو بھی آجائے گا پانی کا نہ لو نام
آنکھیں تو ستم گاروں کی تیغوں سے لڑی ہیں
چپکے رہو اماں درِ خیمہ پہ کھڑی ہیں

اس نہر کا لینا تو کچھ ایسا نہیں مشکل
روکیں ہمیں کیا تاب لعینوں کی ہے کیا دل
پل باندھ لیں لاشوں کے ابھی ہم سرِ ساحل
بتلائیے پھر نہر کے لے لینے سے حاصل
دیکھو نہ اُدھر پیاس سے گو لاکھ تعب ہے
اماں ہیں گر دودھ نہ بخشیں تو غضب ہے

اشک آنکھوں میں بھر کر کہا چھوٹے نے بہت خوب
ہر دم ہے رضامندی مادر ہمیں مطلوب
ایسے تو نہیں ہم کہ بزرگوں سے ہوں محجوب
منظور یہ تھا فخر کا نکلے کوئی اسلوب
دریا کو بھی دیکھیں گے نہ اب آنکھ اُٹھا کے
پیتے بھی تو پہلے شہِ والا کو پلا کے

جعفرؑ کے جو پوتے ہیں تو حیدرؑ کے نواسے
کچھ ہم علی اکبرؑ سے زیادہ نہیں پیاسے
یہ کہتے ہی لڑنے لگے پھر اہلِ جفا سے
فریاد کہ بچوں پہ گری فوج قضا سے
خوں سر کا بہا منہ پہ تو گھبرا گئے دونوں
دو لاکھ کی تیغوں کے تلے آگئے دونوں

ڈوبے ہوئے تھے شام کے بادل میں وہ دو ماہ
پردے سے کھڑی تکتی تھی زینبؑ سوئے خرگاہ
عباسؑ سے کہتے تھے تڑپ کر شہِ ذی جاہ
اب مجھ سے جدا ہوتے ہیں دو شیر مرے آہ
کیوں کر متحمل ہو دل اس رنج و محن کا
گھر لٹتا ہے بھائی مری نادار بہن کا

اس بی بی کے فاقوں کے ہیں پالے ہوئے یہ لال
سات آٹھ برس کے ہیں ابھی کیا ہے سِن و سال
تازہ یہی دو پھول ہیں جعفر کے چمن میں
رو کر دمِ رخصت وہ یہی کہتے تھے ہر بار
آگاہ صعوبات سفر سے نہیں زنہار
میں رکھ نہیں سکتا ہوں کہ ماموں پہ فدا ہیں

شوہر کا تڑپنا اسے کچھ بھی نہ رہا یاد
یوں بھائی پہ صدقے کوئی کرتا نہیں اولاد
روئے گی وہ بیٹوں کو تو سمجھائیں گے کیوں کر
عباسؑ نے کی عرض کلیجہ ہے دو پارا
زخمی ہوے اور مجھ کو نہ اکبرؑ کو پکارا
حضرت کی قسم دے کے میں سمجھاؤں گا ان کو

حضرت نے کہا صاحبِ عزت ہیں وہ دونوں
ضرغام نیستانِ شجاعت ہیں وہ دونوں
دو لاکھ تو کیا ہیں جو کروروں میں گھریں گے
بڑھنے لگے میداں کی طرف قاسمِ ذی جاہ
ہے دونوں کی فرقت کا مجھے صدمۂ جانکاہ
رستے پہ کہیں گر نہ پڑیں برچھیاں کھا کر

گھبرا کے درِ خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری
اولاد مجھے تم سے زیادہ نہیں پیاری
میداں کی طرف قاسمؑ بے پر بھی نہ جائیں
زہراؑ کی قسم کچھ نہیں بیٹوں کا مجھے دھیان
وہ آئے تو وسواس سے دل ہوگا پریشاں
خود روؤں گی پر شاہؑ کو غم کھانے نہ دوں گی

دولت ہے یہی اور یہی حشمت و اقبال
سب ہاتھ ملیں گے جو یہ گُل ہو گئے پامال
مر جائے گا باپ ان کی خبر سُن کے وطن میں
میں شاہ کا خادم ہوں یہ دونوں ہیں نمک خوار
اے دخترِ زہراؑ مرے بیٹوں سے خبردار
اب تو یہی دونوں مرے پیری کے عصا ہیں

ہے ہے مری اُلفت میں لٹی زینبِؑ ناشاد
ہم دیکھتے ہیں اور بہن ہوتی ہے برباد
مُنھ زینبؑ دلگیر کو دکھلائیں گے کیوں کر
ان کو تو کسی کی نہیں امداد گوارا
جائے یہ غلام آپ جو فرمائیں اشارا
مچلیں گے تو گودی میں اُٹھا لاؤں گا اُن کو

لختِ جگرِ شاہِ ولایت ہیں وہ دونوں
واللہ بڑے صاحبِ ہمت ہیں وہ دونوں
بے جان دیے وہ نہ پھرے ہیں نہ پھریں گے
اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ میں جاتا ہوں یا شاہؑ
لاکھوں میں ہیں تنہا پھوپھی اماں کے پسر آہ
میں ساتھ انھیں لے آتا ہوں اعدا کو بھگا کر

سر ننگے میں نکلوں گی تم جاؤ گے؟ واری
بتلاؤ تو میں اُن کی ہوں عاشق کہ تمہاری
تلواروں میں عباسؑ دلاور بھی نہ جائیں
بھائی یہ تصدق ہوں یہی تھا مجھے ارماں
صدقے کو نہیں پھیر کے لاتے ہیں میں قرباں
لاشے بھی اُٹھانے کے لئے جانے نہ دوں گی

میداں میں ہے کیا اور بجز نیزہ و شمشیر
مر جاؤں گی زخمی ہوئے گر قاسمِ دلگیر
دل کس کا چھدے تم کو لگائے جو کوئی تیر
سمجھاؤ میں صدقے گئی کیوں روتے ہیں شبیرؑ
باقی ہے اگر زیست تو پھر آئیں گے دونوں
غم کس لئے کیا ہوگا جو مر جائیں گے دونوں

شہزادوں کو کھوتے ہیں غلاموں کے لئے آہ
میں جوڑتی ہوں ہاتھ بس اب روئیں نہ للہ
ہے شرم کی یہ وجہ میں لونڈی وہ شہنشاہ
تو ایسے ہوں بیٹے تو نثارِ شہِ ذی جاہ
ممتاز ہے فدیہ ہے جو زہرؑا کے پسر کا
شان اُس کی بڑھے فخر ہو جو جدّ و پدر کا

باپ ان کا اگر ہوتا تو وہ سر نہ کٹاتا
زہرؑا کے کلیجے کے عوض برچھیاں کھاتا
بیٹوں کو یونہیں میری طرح نذر کو لاتا
اپنے کوئی محسن کو نہیں دل سے بھُلاتا
جو پاس ہے جس کے وہ عطائے شہِؑ دیں ہے
کہہ دے مرے ماں جائے کا حق کس پہ نہیں ہے

بیٹوں سے ہوئی گر تو ہوئی آج جدائی
سر پہ مرے دنیا میں سلامت رہیں بھائی
اک دولت اولاد کٹائی تو لٹائی
کیا لٹ گیا وہ کون سی ایسی تھی کمائی
کیوں روؤں میں دُنیا میں جو دلبند نہیں ہیں
کیا اکبرؑ و اصغرؑ مرے فرزند نہیں ہیں

یہ ذکر ابھی تھا کہ ستمگار پکارے
لو شاہؑ کی ہمشیر کے بیٹے گئے مارے
ٹکڑے کیا معصوموں کو تلواروں کے مارے
وہ لوٹتے ہیں خاک پہ دو عرش کے تارے
پامالی کو ان دونوں کی اسوار بڑھیں گے
بچوّں کے سر اب کٹ کے نشانوں پہ چڑھیں گے

یہ سنتے ہی تھرانے لگے حضرتِ عباسؑ
گھبرا کے اُٹھے خاک سے شبیرؑ بصد یاس
سر کھولے ہوئے بیبیاں ڈیوڑھی کے جو تھیں پاس
سب نے کہا لو شہ کی بہن ہو گئی بے آس
ٹوٹا ہے فلک بنت شہنشاہِ نجف پر
زینبؑ کو چلو لے کے بس اب ماتمی صف پر

ہے ہے کا جو اک شور ہوا رانڈوں میں برپا
زینبؑ بھی ہٹی چھوڑ کے دروازے کا پردا
چلاّئی ارے چپکے رہو غل ہے یہ کیسا
بھائی ہیں سلامت مجھے کیوں دیتے ہو پرسا
ہے ہے نہ کرو صاحبو گھبرائیں گے شبیرؑ
پھر کون ہے زینبؑ کا جو مر جائیں گے شبیرؑ

تم روتے ہو کس واسطے میں تو نہیں روتی
دامان مژہ بھی نہیں اشکوں سے بھگوتی
دل ہوتا جو ایسا ہی تو کیوں بیٹوں کو کھوتی
دولت کوئی ماں جائے سے پیاری نہیں ہوتی
قائم رہے اقبال محمدؐ کے خلف کا
بس نام بھرے گھر میں نہ لو ماتمی صف کا

سر اپنے نہ کھولو کہ مجھے آتا ہے وسواس
اک شب کی دلہن گھر میں ہے اس کا بھی نہیں پاس
شبیرؑ تو سر پہ ہیں جو بیٹوں سے ہوئی یاس
اکبرؑ مری اُمید ہے قاسمؑ ہے مری آس
اب خلد میں دادی کے قریں جائیں گے دونوں
کیا پیٹتے رونے سے چلے آئیں گے دونوں

باتیں یہ کہیں سب سے پہ سنبھلا نہ دلِ زار
تڑپا یہ کلیجہ کہ گرے خاک پہ اک بار
واں لاشوں پہ روتے ہوئے پہونچے شہِ ابرار
مہماں کوئی ساعت کے تھے وہ جگر افگار
کس عمر میں ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

رخ زرد تھے اور خاک میں آلودہ تھے گیسو
جھک آئے تھے کٹ کٹ کے مہِ نو سے وہ ابرو
تلواروں سے ٹکڑے تھے وہ بلّور سے بازو
مہتاب سی وہ چھاتیاں اور تیر سے پہلو
پھنکتا تھا جگر آنکھ نہ کھل سکتی تھی غش سے
ہونٹوں پہ زبانیں نکل آئی تھیں عطش سے

ٹکڑے ہوا سینے میں دلِ سبطِ پیمبرؐ
ہے ہے کہا اور لاشوں پہ لپٹے شہِ صفدر
چھوٹے سے بڑے نے یہ کہا ہوش میں آکر
بالیں پہ حضور آئے ہیں چونکو تو برادر
مشتاق تھے تم سیدِ ذی جاہ کو دیکھو
مرتے ہوئے دیدار شہنشاہ کو دیکھو

سُن کے یہ صدا غش سے جو چونکا وہ دلِ افگار
دونوں نے رکھا سر قدمِ شاہ پہ اک بار
اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ اے شاہؑ کے دلدار
دشمن ہیں بہت قبلۂ عالم سے خبردار
ہم دونوں غلاموں کا نہ غم کھائیو بھائی
سر پیٹیں جو اماں انھیں سمجھائیو بھائی

یہ کہہ کے لگے ہچکیاں لینے جو وہ پیارے
بس موت کے آثار نمایاں ہوئے سارے
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبیرؑ پکارے
ماموں سے بچھڑتے ہو میں قربان تمہارے
پھر کی نہ کوئی بات سفر کر گئے دونوں
آنسو تھے رواں آنکھوں سے اور مر گئے دونوں

حضرتؑ کے جو رونے کی صدا خیمہ میں آئی
رانڈوں نے ادھر ماتمی صف گھر میں بچھائی
زینبؑ نے کہا ہائے غضب روتے ہیں بھائی
فضہؓ یہ پکاری کہ دہائی ہے دہائی
لو چاک گریبان کئے آتے ہیں شبیرؑ
معصوموں کے لاشوں کو لئے آتے ہیں شبیرؑ

بیٹھی صفِ ماتم پہ اُدھر شاہؑ کی خواہر
سیدانیوں نے اُٹھ کے ادھر کھول دیے سر
لاشوں کو لئے آئے جو گھر میں شہِ صفدر
زینبؑ کے قریں بیٹھ گئے سر کو جھکا کر
فرمایا کہ لو لختِ جگر آئے تمہارے
لو دودھ انھیں بخشو پسر آئے تمہارے

شبیرؑ نے جب دودھ کا زینبؑ سے لیا نام
دل تھام کے کہنے لگی وہ بیکس و ناکام
فرمایا دل اُن دونوں سے واللہ خوشی ہے
عاشق تھے مرے اور مرے غم خوار تھے دونوں
اس وقت میں ماموں کے مددگار تھے دونوں
موت آئے کہ داغوں سے دل اب بھر گیا زینبؑ

افسوس کہ ان دونوں کی دیکھی نہ جوانی
ہونی ہے بہت زخمیوں کو تشنہ دہانی
سمجھے کہ گرفتارِ ستم آج ہے ماموں
ہمشیر سے یہ کہہ کے جو روئے شہِ ابرار
تھرّائی ہوئی خاک سے اُٹھی وہ دل افگار
کانپے جو قدم گر کے سنبھلنے لگی زینبؑ

دیکھا جو لہو بچّوں کا چھاتی اُمنڈ آئی
پر فاطمہؑ کے صبر کی شان اُس نے دکھائی
بچّے مرے قربان ہوئے احسان خدا کا
رو کر شہِ والا نے کہا صدقے میں تم پر
بانوؑ نے اشارہ کیا اے سبطِ پیمبرؐ
گر ضبط اسی طرح سے فرمائیں گی زینبؑ

روتے ہوئے خیمے سے جو ڈیوڑھی پہ گئے شاہؑ
یہ نیند ہے کیسی کہ خبر تم کو نہیں آہ
زخمی ہوئے شبیرؑ تو جان اپنی میں دوں گی
لو تیغے کاندھوں پہ دھرو اے مرے پیارو
گو پیاسے ہو دو دن کے یہ ہمّت کو نہ ہارو
اُٹھ بیٹھو میں صدقے گئی اتنا نہیں سوتے

ہر چند کیا ضبط پہ تھرّا گیا اندام
آپ ان سے رضامند ہیں یا شاہِ خوش انجام
میں اُن سے خوشی ہوں مرا اللہ خوشی ہے
بچّے تھے مگر صادق الاقرار تھے دونوں
حیدرؑ کی طرح صفدر و جرّار تھے دونوں
دونوں یہ نہیں مر گئے میں مر گیا زینبؑ

میں کیا کہوں کیا صاحبِ ہمّت تھے یہ جانی
پر ہم سے دمِ مرگ بھی مانگا نہیں پانی
وہ جانتے تھے پانی کو محتاج ہے ماموں
بس آ گیا فرزندوں کی ہمّت پہ اُسے پیار
پاس آن کے لاشوں کی بلائیں لیں کئی بار
مُنھ خون بھرے چہروں سے ملنے لگی زینبؑ

نزدیک تھا مر جائے یداللہ کی جائی
سب سے یہ کہا نیک لگی میری کمائی
اے بیبیو صدقہ ہے یہ شاہِ شُہداؑ کا
دم بھر انھیں رو لو کہ یہ مہمان ہیں خواہر
قربان گئی آپ بس اب جائیے باہر
یہ ماتمِ اولاد ہے مر جائیں گی زینبؑ

فرزندوں کو چلّانے لگی زینبِ ذی جاہ
صدقے گئی جاؤ شہِ کونین کے ہمراہ
اچھا میں تمھیں دونوں سے ماں جائے کو لوں گی
تنتے ہوئے شبیرؑ کے ہمراہ سدھارو
یہ خون میں ڈوبے ہوئے کپڑے تو اُتارو
اس طرح تو جاگے ہوئے دولھا نہیں سوتے

سوتا ہے لڑائی کے دن ایسا کوئی غافل
بچو تمہیں کیا سُن کے کہیں گے شہِ عاقل
دیکھو کہ تڑپتی ہے یہ ماں صورتِ بسمل
سُلجھاؤ یہ زلفیں کہ اُلجھتا ہے مرا دل
کیا غش میں ہو یہ سونے کا نقشہ نہیں ہوتا
ایسا تو کوئی نیند کا ماتا نہیں ہوتا

پھر دونوں کے سر زانوؤں پر رکھ کے پکاری
لو اب ہوا معلوم کہ تم مر گئے واری
بے ہوشی میں کچھ مجھ کو خبر بھی نہ تمہاری
اب آنکھوں سے چھپ جائیں گی یہ صورتیں پیاری
دُنیا کو نہ دیکھا کہ اجل آ گئی بچو
ہے ہے یہ تمہیں کس کی نظر کھا گئی بچو

بچو تمہیں قسمت نے نہ پروان چڑھایا
حسرت رہی ماں نے تمہیں دولھا نہ بنایا
پیدا ہوئے جس دن سے کبھی چین نہ پایا
دیکھی نہ جوانی کہ پیامِ اجل آیا
ہے ہے چمنِ دہر میں پھولے نہ پھلے تم
جب فصلِ بہاری کے دن آئے تو چلے تم

میں روتی تھی در پر مجھے سمجھا نہ گئے تم
دروازے پہ دم بھر کے لئے آ نہ گئے تم
ہے ہے دُلھنیں بھی مجھے دکھلا نہ گئے تم
پیاسے تھے مگر جانبِ دریا نہ گئے تم
جلتی ہے وہ ماں جس کے گزر جانے کے دن تھے
یہ بیاہ کی راتیں تھیں کہ مر جانے کے دن تھے

خاموش انیسؔ اب کہ تڑپتا ہے دلِ زار
کافی ہے رُلانے کو ترے درد کی گفتار
اس جنس کا گر آج نہیں کوئی خریدار
فیاض ہے لیکن شہِ مظلوم کی سرکار
افسردہ نہ ہو غنچۂ اُمید کھلے گا
کھُل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا

مرثیہ ۳۰ — بند ۱۲۴

اے مومنو مصروف رہو یادِ خدا میں
جینے کا بھروسہ نہیں اس دارِ فنا میں
اوقات کرو صرف عزائے شہدا میں
سرگرم رہو نالہ و فریاد و بکا میں
غافل نہ ہو مل جائے جو وقفہ کوئی دم کا
نزدیک ہے دنیا سے سفر ملکِ عدم کا

اس منزلِ فانی میں دل اپنا نہ لگاؤ
اُلفت نہ کرو اُس سے جسے چھوڑ کے جاؤ
یہ عاریتی جا ہے یہاں گھر نہ بناؤ
پابندیٔ دُنیا سے بس اب ہاتھ اُٹھاؤ
چلتے ہوئے ہرگز کوئی کام آ نہ سکے گا
ہمراہ کچھ اسباب جہاں جا نہ سکے گا

یاں رختِ اقامت کا سرانجام ہے بے جا
اس منزلِ پُرخوف میں آرام ہے بے جا
عقبیٰ کے سوا یاں کا ہر اک کام ہے بے جا
مانندِ نگیں آرزوی نام ہے بے جا
سینے میں یہ دم مثلِ چراغِ سحری ہے
کر لو عملِ خیر یہی ناموری ہے

اُمید نہیں جینے کی یاں صبح سے تا شام
ہستی کو یہ سمجھو کہ ہے خورشید لبِ بام
یاں کام کرو ایسا کہ آئے جو وہاں کام
آ پہونچے خدا جانیے کب موت کا پیغام
اپنی نہ کوئی مِلک نہ املاک سمجھنا
ہونا ہے تمہیں خاک یہ سب خاک سمجھنا

دُنیا میں سدا ایک سا رہتا نہیں احوال
ادبار ہے انسان کا کبھی اور کبھی اقبال
اندوختہ کرتے جسے لگتا ہے مہ و سال
آجاتا ہے وہ غیر کے قبضے میں زر و مال
خالی رہیں گے بعدِ فنا ہاتھ تمہارے
کچھ جمع ہو ایسی کہ چلے ساتھ تمہارے

بھائی نہ تو کام آئے گا اس وقت نہ فرزند
عرصہ نہیں کھل جائے گا جب آنکھ ہوئی بند
وہ کام کرو جس سے خدا ہووے رضامند
ہوشیار کہ ہونا ہے تمہیں خاک کا پیوند
پیری کی بھی مدت ہے جوانی کی بھی حد ہے
آرام گہِ شاہ و گدا کنجِ لحد ہے

ہیں زیرِ زمیں صاحبِ تخت و علم و تاج
جو صاحبِ نوبت تھے نشاں ان کے نہیں آج
جو شاہ کہ شاہوں سے سدا لیتے رہے باج
وہ بعدِ فنا آپ کفن کے رہے محتاج
درویش و غنی اُس کے ہمیشہ رہے شاکی
بتلاؤ کہ دُنیا نے کسی سے بھی وفا کی

کیا سخت گھڑی ہو گی اجل آئے گی جس دم
کیا دیکھیں گے ایک ایک کو حسرت سے بصد غم
سب کے لئے اک روز یہ تکلیف دھری ہے
بھائی نہیں اپنے ہیں نہیں ہے پسر اپنا
نے مال نہ اسباب نہ زیور نہ زر اپنا
کچھ ساتھ بہ جز بے کسی و یاس نہ ہو گا
اس زیست پہ پھولو نہ اجل کو بھی کرو یاد
دُنیا میں عمارت نہ بنا کر ہو کوئی شاد
کل اوج پہ جو لوگ تھے وہ زیر زمیں ہیں
کس کس گلِ رنگیں کی نہ اس باغ میں تھی دھوم
دکھلا رہی ہے رنگ عجب ہستی موہوم
اس باغ میں جب سرو کو دیکھا تو رواں ہے
دُنیا یہ سدا عبرت و اندیشے کی جا ہے
جاتے ہیں چلے مرگ کا دروازہ کھلا ہے
ہے راہ کڑی زادِ سفر پاس نہیں ہے
دستور ہے توشہ سفری لیتا ہے ہمراہ
جانا تو مصمم ہے پہ دھڑکا ہے یہ واللہ
یاں ایک اس اُمید پہ دل اپنا قوی ہے
حقا کہ عجب مرتبۂ سبطِ نبیؐ ہے
ہے فاطمہؑ ماں نانا نبیؐ باپ علیؑ ہے
جبرئیلؑ سوا کیا کوئی اس راز کو جانے
درگاہِ الٰہی میں یہ تھی عزت و توقیر
جبرئیلؑ سے فرماتا تھا یہ مالک تقدیر
زہراؑ کے پسر سے کوئی پیارا نہیں ہم کو

کھینچ کھینچ کے ہر اک رگ سے نکلنے لگے گا دم
اتنی بھی زباں ہل نہ سکے گی کہ چلے ہم
اس پر بھی یہ غفلت ہے عجب بے خبری ہے
بیگانے ہیں سب ہووے گا جس دم سفر اپنا
دو گز ہے کفن قبر کا گوشہ ہے گھر اپنا
رہ جائیں گے سب دور کوئی پاس نہ ہو گا
گھر سیکڑوں یاں سیلِ فنا نے کئے برباد
اس قالب خاکی کی عجب سُست ہے بنیاد
ہے خاک کا ڈھیر اب نہ مکاں ہیں نہ مکیں ہیں
اک آن میں شبنم کی طرح ہو گئے معدوم
کیا قصد ہے گُلچینِ اجل کا نہیں معلوم
جس گُل پہ بہار آج ہے کل اُس پہ خزاں ہے
یاں کیسا مقام آٹھ پہر کوچ لگا ہے
رہ جائے نہ کوئی بھی آوازِ درا ہے
منزل پہ پہونچنے کی ہمیں آس نہیں ہے
عصیاں کے سوا پاس ہمارے نہیں کچھ آہ
نہ راہ سے آگاہ نہ منزل سے ہے آگاہ
رہبر جو ہمارا ہے حسینؑ ابنِ علیؑ ہے
کیا خالقِ اکبر نے شرافت اُسے دی ہے
بچپن سے وہ مقبولِ جنابِ احدی ہے
جس چیز پہ ہٹ کی ہے وہ بھیجی ہے خدا نے
اُٹھتی تھی جو طاعت کے لئے مادرِ دلگیر
جھولے کو جھلا تو کہ نہ بے چین ہو شبیرؑ
ایذا اُسے ہوئے یہ گوارا نہیں ہم کو

نادار ہے محتاج ہے خاتونِ قیامت
اور کرتی ہے وہ آسیہ گردانی کی محنت
تو کہیو کہ خادم کو عنایت ہے یہ خدمت
تم دودھ پلاؤ کہ ہو شبیرؑ کو راحت
خدمت مجھے جھولے کی جھلانے کی جو دی ہے
شبیرؑ نہ روئے یہی خالق کی خوشی ہے

کیا رتبہ ہے جبرئیلؑ نے جھولے میں جھلایا
اور فاطمہؑ نے سینۂ اقدس پہ سلایا
جو ناز کیا شیرِ خدا نے وہ اٹھایا
اللہ کے محبوب نے کاندھے پہ چڑھایا
یہ لطف و کرم تھا یہ عنایت تھی خدا کی
مقبول وہیں ہوگئی جس وقت دعا کی

اک سال ہوئی شہر مدینہ میں گرانی
دانا ہوا نایاب کہ برسا تھا نہ پانی
خلقت نے مناجات بھی کی نذر بھی مانی
جز اشک زمیں پر نہ ہوئی قطرہ فشانی
غلّے کے لئے خلق ترستی تھی زمیں پر
پانی کے عوض آگ برستی تھی زمیں پر

تھا قحط سے ہر سمت مدینہ میں تلاطم
آدم کو نہ آتی تھی نظر صورتِ گندم
پژمردہ زراعت تھی سراسیمہ تھے مردم
شادابیِ گلزارِ جہاں ہوگئی تھی گم
ہر غنچے کا منھ زرد تھا اور خشک زباں تھی
ایّام بہاری میں نہالوں پہ خزاں تھی

سب مل کے گئے پاس محمدؐ کے بصد غم
کی عرض کہ اے کعبۂ دیں قبلۂ عالم!
ہیں آپ تہیدستیٔ امّت سے تو محرم
پانی جو نہ برسے گا تو بچنے کے نہیں ہم
آپ آیۂ رحمت ہیں عطا کیجئے مولا
مینہ برسے خدا سے یہ دعا کیجئے مولا

حضرتؐ نے انھیں مضطرب الحال جو پایا
دل آپ کا امّت کی غریبی پہ بھر آیا
شبیرؑ کا منھ چوم کے اس طرح سنایا
اللہ نے ہے عقدہ کشا تم کو بنایا
حق سے طلبِ بارشِ باراں کرو پیارے
مشکل مری امّت پہ ہے آساں کرو پیارے

زانوئے پیمبرؐ سے اٹھے سبطِ پیمبرؐ
قبلے کی طرف منھ کیا اور کھول دیا سر
خالق سے کہا چھوٹے سے ہاتھوں کو اٹھاکر
بندوں پہ بس اب رحم کر اے خالقِ اکبر!
ساحت کی گرانی ہوئی ارزانی ہے غم کی
مشتاق ہے خلقت تری بارانِ کرم کی

جس دم یہ محمدؐ کے نواسے نے دعا کی
گردوں پہ گھٹا چھا گئی قدرت سے خدا کی
برسانے لگی پانی کو، تحریک ہوا کی
یہ رعد نے بجلی کے چمکتے ہی صدا کی
عالم کی طرف رحمتِ حق کی جو نظر ہے
فرزندِ محمدؐ کی دعا کا یہ اثر ہے

منہ برسا جو صدقے سے حسینؑ ابن علیؑ کے
شبیرؑ سے احمدؐ نے کہا مارے خوشی کے
گردن کو سوئے قبلہ جھکانے کے میں صدقے
شبیرؑ گلے لگنے کو ہنستے ہوئے آئے
آنسو بھی مگر متصل آنکھوں سے بہائے
بخشا ہے خدا نے یہ اثر اس کی زباں میں

جن ہاتھوں سے تم سب کے لئے کی ہے مناجات
پانی نہیں ملنے کا اسی پیاسے کو ہیہات
بجلی سی ہر اک تیغِ ستم آئے گی اس پر
اے مومنو! آقا کی سُنی تم نے فضیلت
تھی اُن پہ ہر اک امر میں خالق کی عنایت
یہ عزّت و توقیر ہے اس عقدہ کُشا کی

تھا حیدرؑ و زہراؑ و نبیؐ کا جو پیارا
بھائی کو مِلا بچّۂ آہو جو قضارا
بھائی کہو یہ بچّہ تمھیں کس نے دیا ہے
بولے یہ حسنؑ ہم اُنھیں ازبس کہ ہیں پیارے
شبیرؑ یہ سُن جانبِ مسجد جو سدھارے
آ چھاتی سے لگ اے گُلِ بُستانِ محمدؐ

پاس اپنے بُلاتے رہے شاہنشہ خوش خو
کہتے تھے نبیؐ صدقے ترے اے مرے گُل رو
بابا نے کیا شور کہ کچھ ماں نے کیا ہے
لو پاس اب آؤ تمھیں چھاتی سے لگا دیں
عف عف کریں اور صحن میں مسجد کے پھرا دیں
دُنیا میں محمدؐ سا ہے رہوار تمھارا

سب دوڑ کے قدموں پہ گرے سبطِ نبیؐ کے
سینے سے لو لگ جاؤ رسولِ عربیؐ کے
ان چھوٹے سے ہاتھوں کو اُٹھانے کے میں صدقے
مُنھ چوم کے ہاتھ آنکھوں سے حضرت نے لگائے
اصحاب نے پوچھا تو سخن لب پہ یہ لائے
اک روز یہی پانی کو ترسے گا جہاں میں

تلواروں سے کٹ جائیں گے اک روز یہی ہات
برسائیں گے منہ تیروں کا اس پیاسے پہ بدذات
میداں میں گھٹا شام کی چھا جائے گی اس پر
بچپن سے گنہگاروں کے ہیں آیۂ رحمت
جب مانگی دعا ہو گیا وا بابِ اجابت
خالق نے اُسے عید کی پوشاک عطا کی

رنج اُس کا خدا کو بھی نہ ہوتا تھا گوارا
پوچھا یہ حسنؑ سے نہ رہا ضبط کا یارا
لایا ہے کوئی نذر کو یا مول لیا ہے
بچّہ یہ دیا ہے ہمیں نانا نے ہمارے
اُلفت سے نبیؐ ہاتھ اُٹھا کر یہ پکارے
اس چاند سی صورت پہ فدا جانِ محمدؐ

شبیرؑ رہے دور بھرے آنکھوں میں آنسو
کس نے تجھے آزردہ کیا مجھ سے تو کہہ تو
کیوں آن کے چھاتی سے لپٹتے نہیں کیا ہے
ہم اونٹ بنیں اور تمھیں کاندھے پہ چڑھاویں
لے جاؤ جدھر تم ہم اُدھر دوڑتے جاویں
جبرئیلؑ سا خادم ہے جلو دار تمھارا

کیوں تیوری چڑھائی ہے میں اُس غصے کے قرباں — دل سینے میں بیتاب ہے نانا کا مری جاں
آزردہ ہو وہ پیار کی چتون نہیں اس آں — کس چیز کو دل چاہتا کس شے کے ہو خواہاں
جو مانگو گے نانا وہ منگا دیوے گا تم کو — میں دے نہ سکوں گا تو خدا دیوے گا تم کو
نانا سے یہ کہنے لگا زہرا کا وہ دلدار — تھا مجھ کو یقیں سب سے زیادہ ہے مرا پیار
پھیلائیے ہاتھوں کو نہ اے سیدِ ابرار — میں آپ کے سینے سے نہیں لپٹوں گا زنہار
بچہ دیا آہو کا جنھیں پیار اُنھیں کیجے — مُنھ چوم کے کاندھے پہ بھی اسوار اُنھیں کیجے

نزدیک تھا یہ کہہ کے کرے چشم کو پُر نم — گھبرا کے یہ فرمانے لگے سیدِ عالم
لو آؤ مری جان کہا مان لو اس دم — بچہ تمھیں ہرنی کا منگا دیں گے ابھی ہم
یہ سُن کے بھی نانا کے نہ پاس آتے تھے شبیرؑ — بڑھتے تھے نبیؐ پیچھے ہٹے جاتے تھے شبیرؑ
اصحاب سے فرمایا کہ کام اس گھڑی آؤ — شبیرؑ مرا روتا ہے سب مل کے مناؤ
ہمشکل محمدؐ ہے تجسس کرو جاؤ — بچہ کوئی ہرنی کا جو ہاتھ آئے تو لاؤ
یہ روئے گا مطلوب جو اس کا نہ ملے گا — ہلتا ہے ابھی دل مرا پھر عرش ہلے گا

اصحاب سے فرماتے تھے یہ احمدِ مرسل — جو حضرت جبرئیلؑ ہوئے عرش سے نازل
کی عرض محمدؐ سے کہ آساں ہوئی مشکل — منظور خدا ہے کہ نہ شبیرؑ ہو بے دل
دو خوش خبری شیرِ الٰہی کے پسر کو — بچہ لئے ہرنی چلی آتی ہے ادھر کو
سُن کر یہ خبر شاد ہوئے احمدِ مختار — بچے کو لئے ہرنی بھی حاضر ہوئی اک بار
شبیرؑ سے فرمانے لگے سیدِ ابرار — بھجوا دیا اللہ نے تھے جس کے طلبگار
جو مانگتے ہو ہاتھ وہ آتا ہے تمھارے — اے لال خدا ناز اُٹھاتا ہے تمھارے

ہرنی نے ملیں آنکھیں محمدؐ کے قدم پر — اور بچے نے شبیرؑ کے قدموں پہ رکھا سر
فرمایا نبیؐ نے ترا آنا ہوا کیوں کر — کی عرض یہ ہرنی نے کہ اے عاشقِ داور!
کیا مصر و حلب کیا ختن و سرحدِ چیں کا — احوال نہیں آپ سے پوشیدہ کہیں کا
اللہ نے دو بچے کئے تھے مجھے امداد — قیدِ غمِ اولاد سے تھی خلق میں آزاد
اک بچہ تو پہلے ہی پکڑ لایا تھا صیاد — دودھ اُس کو پلاتی تھی کہ حق کا ہوا ارشاد
شبیرؑ کے کچھ دل پہ الم ہونے نہ پاوے — جلدی اسے پہونچا دے کہ وہ رونے نہ پاوے

پیارا ہے ہمیں وہ اسد اللہ کا پیارا
فرزند ہے اُس پر مرے محبوب نے وارا
خاتون قیامت کی وہ آنکھوں کا ہے تارا
معشوق ہم اُس کے ہیں وہ عاشق ہے ہمارا
وہ رویا تو سب جن و ملک رونے لگیں گے
لرزے گی زمیں ساتوں فلک رونے لگیں گے

یہ سُن کے روانہ ہوئی ہرن واں سے بہ عجلت
طے ہو گئی اک دم میں کئی دن کی مسافت
ممکن ہے کہ حیواں کو نہ انساں سے ہو وحشت
گویا مجھے یاں تک کوئی پہونچا گیا حضرت
اس طرح سے طے راہ کو ہوتے نہیں دیکھا
پر شکر کہ شبیرؑ کو روتے نہیں دیکھا

یہ سُن کے پڑھا شکر کا حضرت نے دوگانا
ہرنی ہوئی واں چھوڑ کے بچے کو روانا
شبیرؑ سے احمدؐ نے کہا صدقے ہو نانا
اللہ یہ تھا شاق ترا اشک بہانا
کس مرتبہ تم پر کرم ذاتِ خدا ہے
لو ہرنی کا بچہ یہ عنایاتِ خدا ہے

تھے نرگسی آنکھوں میں بھرے جب تو آنسو
ہنسنے لگے آیا جو نظر بچۂ آہو
افراطِ بشاشت سے ہوا سُرخ وہ گلرو
فرمانے لگے اُس سے یہ پیغمبرِ خوش خو
ہم نے دیا بچہ تمھیں تم کیا ہمیں دو گے
لو اب بھی لگو گے کہ نہ چھاتی سے لگو گے

فرمایا نبیؐ نے جو نواسے سے یہ ہنس کر
شرما گیا زہراؑ کا پسر سر کو جھکا کر
پھر جوش محبت سے پھرے گرد پیمبرؐ
اور دست ادب باندھ کے قدموں پہ رکھا سر
کی عرض کہ نادم ہوں یہ کیوں بے ادبی کی
اب بخشئے تقصیر حسینؑ ابنِ علیؑ کی

کیا پیار سے حضرتؐ نے مجھے پاس بُلایا
اور دستِ مبارک کو کئی بار بڑھایا
روتا میں رہا چھاتی سے لگنے کو نہ آیا
کیوں آپ نے بچپن سے مرا ناز اُٹھایا
سُن پائیں تو بابا کہیں افسردہ ہوں مجھ سے
ڈرتا ہوں نہ اماں کہیں آزردہ ہوں مجھ سے

فرمایا محمدؐ نے یہ چھاتی سے لگا کر
تم جرم و خطا سے ہو بری اے مرے دلبر
اللہ کے بھی پیارے ہو اے جانِ پیمبرؐ
ماں باپ بھی قربان فدا میں بھی ہوں تم پر
روٹھوں گا میں تم سے یہ عبث فکر ہے بیٹا
معصوم سے تقصیر کا کیا ذکر ہے بیٹا

یہ سُن کے ہوا شاد جو وہ دلبرِ زہراؑ
مجرا کیا اور لے کے چلے ہرنی کا بچا
شبر نے جو دیکھا تو یہ شبیرؑ سے پوچھا
نانا ہی نے یہ تم کو دیا ہووے گا بھیا
بولے کریں کس مُنھ سے صفت ربِ علا کی
نانا کی وہ بخشش یہ عنایت ہے خدا کی

یہ پیٹنے اور رونے کی جاگہ ہے مجبوؔ!
بچپن میں خدا نے جسے رونے نہ دیا ہو
کیا کیا دیے آزار ستمگاروں نے ان کو
رویا غمِ اولاد میں وہ سیّدِ خوش خو
بچّہ جیسے ہرنی کا بلا آگے نبیؐ کے
میداں میں چھری چل گئی بچّوں پہ اُسی کے

منظور یہ تھی خاطر شبیرؑ خدا کو
حکم آتا تھا ہر روز رسولِ دوسرا کو
ہم چاہتے ہیں ابنِ بتولِ عذرا کو
آزردہ کرے کوئی نہ اس ماہ لقا کو
ہم اُس پہ سدا لطف و عنایات کریں گے
دن کو جو یہ چاہے گا تو ہم رات کریں گے

بچپن ہی سے تھا عاشقِ حق فاطمہؑ کا لال
تھا ماہِ صیام اور بہت کم تھا سن و سال
ہر چیز پہ ہٹ کرتے ہیں ہے عادتِ اطفال
مادر سے یہ کہنے لگا وہ صاحبِ اقبال
کل ذائقۂ تشنہ لبی چکھیں گے ہم بھی
کل روزۂ ماہِ رمضاں رکھیں گے ہم بھی

ماں سمجھی کہ روزے سے ہے اطفال کو کیا کام
خاطر سے کہا بیٹے کی اچھا مرے گلفام
اک نانِ جویں کھا کے کیا رات کو آرام
بیدار ہوئے جب کہ ہوا صبح کا ہنگام
خالق کے جو عاشق تھے وضو جلدی سے کر کے
طاعت کو کھڑے ہو گئے ہمراہ پدر کے

بابا کی طرح کر چکے جس وقت عبادت
کی حق سے دعا ہاتھ اُٹھا کر پئے اُمّت
کچھ دن جو چڑھا بولی یہ خاتونِ قیامت
ماں صدقے گئی بھوک لگی ہو گی بہ شدّت
عادت کو نہ اے لال فراموش کرو تم
تیّار ہے کھانا مری جاں نوش کرو تم

کی عرض کہ امّاں تمھیں کیا یاد نہیں واہ
روزے سے ہیں کھانا نہیں ہم کھائیں گے واللہ
ہے توڑنا روزے کا گنہ آپ ہیں آگاہ
نیّت میں ہے افطار کریں نانا کے ہمراہ
اب آپ بھلا کھانے کی تدبیر میں کیا ہیں
اے والدہ ہم آج تو مہمانِ خدا ہیں

یہ سُن کے لگی دیکھنے مُنھ بیٹے کا زہراؑ
فرمایا کہ قربان گئی کہتے ہو تم کیا
اس گرمی میں تم سے نہ رکھا جائے گا روزہ
اُٹھ کر سحری بھی تو نہیں کھائی ہے بیٹا
لب خشک جو دیکھوں گی جگر میرا پھٹے گا
دن گرمی کا صدقے گئی کس طرح کٹے گا

تھا صاحبِ ہمت اسداللہ کا جایا
نے پانی پیا اور نہ کچھ کھانے کو کھایا
پر تھا جو کبھی پیاس کا صدمہ نہ اُٹھایا
لب سوکھ گئے مہر تمازت پہ جو آیا
طاقت ہوئی کم ضعف میں قوت ہوئی پیدا
اور نرگسی آنکھوں پہ نقاہت ہوئی پیدا

پہونچا دل نازک پہ زبس پیاس کا صدمہ
ایک ایک سے کہتی تھیں یہی فاطمہ زہراؑ
اب غش اُسے آجائے گا حیدرؑ کو بلاؤ
بچہ مرا بے حال ہے میں کیا کروں لوگو
لب خشک ہے منھ لال ہے میں کیا کروں لوگو
گرمی سے کنول اس کا پھلا جاتا ہے لوگو

سُن کر یہ خبر آئے علیؑ اور پیمبرؐ
لو پانی پیو کھانے کو کھاؤ مرے دلبر
ماں باپ کو کاہے کو رولاتے ہو ابھی سے
شبیرؑ نے کی عرض کہ اے سیدِ اکرم
ہم کر چکے ہیں نیت قربت نہ کرو غم
ضائع یہ ریاضت نہیں کی جاتی ہے نانا

جو امر ہو للہ اُسے چھوڑیے کیوں کر
پس پا نہ ہوں اس راہ سے کٹ جائے اگر سر
تکلیف کا زخموں کی تردد ہمیں کیا ہو
زہراؑ نے کہا اے مرے صابر ترے قرباں
بیتاب ہوں صدقے گئی ماں پر کرو احساں
تم کھانا نہ کھاؤگے تو غم کھائے گی زہراؑ

سمجھاتے تھے سب اور نہ تھے مانتے شبیرؑ
کہتے تھے پیمبرؐ کوئی بنتی نہیں تدبیر
بیتاب ہوں مشکل مرے شبیرؑ کی حل ہو
یارب تو ہے عالم کہ یہ ہے بیکس و مظلوم
گرمی میں رہے گا کئی دن پانی سے محروم
منظور اسے مشق اُسی روز کی اب ہے

کمھلایا حرارت کے سبب پھول سا چہرہ
ہے ہے مرا شبیرؑ نہیں کھولتا روزہ
مسجد سے کوئی جلد پیمبرؐ کو بلاؤ
کم سن یہ مرا لال ہے میں کیا کروں لوگو
ہر دم مجھے اکسال ہے میں کیا کروں لوگو
ڈھلتا نہیں دن اور ڈھلا جاتا ہے لوگو

کہنے لگے شبیرؑ کو چھاتی سے لگا کر
تم بچے ہو روزہ ابھی واجب نہیں تم پر
کیوں پیاس کی تکلیف اُٹھاتے ہو ابھی سے
روزہ تو کسی طرح نہیں توڑیں گے اب ہم
طاقت ہمیں دیوے گا خداوند دو عالم
اللہ سے اپنے ہمیں شرم آتی ہے نانا

جو مُنھ سے کہا اُس کا نہ کرنا نہیں بہتر
گردن نہ ہلاؤں جو چلے حلق پہ خنجر
ہم پیاسے ہی مر جائیں اگر حکم خدا ہو
جو کہتے ہیں نانا کا کہا مان لو اس آن
روزے کا ثواب اپنے میں دیتی ہوں مری جاں
تم کو جو غش آئے گا تو مر جائے گی زہراؑ

لب خشک تھے اور پیاس سے احوال تھا تغیر
تو رحم کر اس بچے پہ اے مالکِ تقدیر
نے اُس کو کچھ ایذا ہو نہ روزے میں خلل ہو
صحرا میں اسی پیاس سے کٹ جائے گا حلقوم
عاشق ہے ترا روز تولد سے یہ معصوم
بچپن میں یہی روزے کا رکھنے کے سبب ہے

اس دم یہ ہوا قدسیوں کو حکم خدا کا
روزے سے نواسا ہے رسولؐ دوسرا کا
سن گرچہ ہے کم فاطمہؑ کے ماہ لقا کا
پابندی ہے پر سلسلۂ صبر و رضا کا
کی اس نے وہ ہمت کہ ثنا کرتے ہیں ہم بھی
آج اس کا عوض دیکھو تو کیا کرتے ہیں ہم بھی

ناگاہ ہوا نیّر اعظم کو یہ احکام
مغرب کو روانہ ہو نہیں دیر کا ہنگام
مرجھا گیا ہے پیاس سے زہراؑ کا گل اندام
یہ سنتے ہی خورشید چھپا دن کی ہوئی شام
حیدرؑ تھے خوشی شاد ادھر بنت نبیؐ تھی
گویا کہ شب قدر کی اس روز خوشی تھی

احمدؐ نے سوئے قبلہ کیا شکر کا سجدہ
فرمایا نواسے سے کہ اب کھولئے روزہ
شبیرؑ نے کی عرض کہ اے سیّد والا
دستور ہے روزہ جو کوئی رکھتا ہے لڑکا
کچھ کچھ اسے ماں باپ بھی بھائی بھی ہیں دیتے
حضرتؐ بھی ہیں کچھ روزہ کشائی ہمیں دیتے

فرمایا پیمبرؐ نے کہ اے جان پیمبرؐ
اللہ نے بخشا ہے مجھے چشمۂ کوثر
ہے برف سے آب اس کا سفید اور معطّر
شیرینی میں وہ ہے شکر و قند سے بہتر
مالک کیا تھا اس کا مجھے ربّ غنی نے
وہ آج دیا تم کو رسولؐ مدنی نے

منہ چوم کے حیدرؑ نے کہا اے مرے پیارے
ہے باغ لگایا ہوا دادا کا تمہارے
ہیں دافع امراض پھل اس باغ کے سارے
سو میں نے دیا وہ تجھے اے عرش کے تارے
تو بس کہ ریاض نبوی کا گل تر ہے
یہ پہلے پہل روزے کے رکھنے کا ثمر ہے

خاتون دو عالم نے یہ فرمایا کہ بیٹا
محتاج ہوں نادار ہوں ہے تم پہ ہویدا
ہے آب نمک مہر میں میرے بھی جہاں کا
وہ روزہ کشائی میں تمہیں دیتی ہے زہراؑ
حیدرؑ نے کہا آب و نمک سب کو یہ دے گا
پر طرفہ مزا ہے کہ اسی کو نہ ملے گا

جبریلؑ نے احمدؐ سے کہا اے شہ والا
اللہ نے ہے خلق کیا ایک ستارہ
سو وہ کئی سو قرن کے ہے بعد نکلتا
میں نے کئی سو بار اس اختر کو ہے دیکھا
اس عرصے میں جو طاعت حق مجھ سے ہوئی ہے
وہ آج کے دن نذر حسینؑ ابن علیؑ ہے

اس وقت صدا عالم بالا سے یہ آئی
اب دیکھ کرم کی تو مرے جلوہ نمائی
سب دے چکے اب دیتے ہیں ہم روزہ کشائی
وہ روزہ کشائی یہ ہے اے میرے فدائی
جس روز عیاں حشر کے آثار کریں گے
بخشش کا امم کے تجھے مختار کریں گے

چاہے گا جسے تو اُسے بھیجے گا سوئے نار
چاہے گا جسے دے گا اُسے خلد کا گلزار

دوزخ کا بھی مختار ہے جنّت کا بھی مختار
ہر امر میں خوشنودی تری ہم کو ہے درکار

دشمن ہیں ترے گو کہ بہت اور ہیں کم دوست
پر دوست ہیں ایسے کہ جنہیں رکھتے ہیں ہم دوست

سرورؑ نے یہ سُن کے سرِ تسلیم جُھکایا
اور کہہ کے یہ ہاتھوں کو سوئے قبلہ اُٹھایا

بندے نے جو کچھ روزہ کشائی میں ہے پایا
اجر اُس کا محبّوں کو دیا بارِ خدایا

اشک آنکھوں سے ان کے مرے ماتم میں بہیں گے
وہ حشر تلک میرے عزادار رہیں گے

سوچو ذرا حضرات یہ اب غور کی جا ہے
آقا کا تمہارے شرف و مرتبہ کیا ہے

وہ ماہ کہ جس کے لئے خورشید چھپا ہے
پانی کو ترستا ہوا دُنیا سے گیا ہے

تھے پیاس سے سوکھے ہوئے لب خشک گلا تھا
تھا تیسرا فاقہ جو وہ مرنے کو چلا تھا

اُس روز محمدؐ تھے نہ حیدرؑ تھے نہ زہراؑ
سب مر چکے تھے آپ فقط تھے تنِ تنہا

خیمے سے جو نکلے تھے تو تھا کوئی نہ اتنا
جو آپ کے گھوڑے کی رکاب آکے پکڑتا

تنہائی پہ بھائی کے یہ گھبرائی تھی زینبؑ
خود تھامنے گھوڑے کی رکاب آئی تھی زینبؑ

کہتی تھی یہ آنکھیں قدمِ شاہؑ پہ مل کر
اب تم سے بچھڑتی ہے بہن ہائے برادر

فرماتے تھے شہؑ تم سے میں شرمندہ ہوں خواہر
میرے لئے خیمے سے نکل آئیں کھُلے سر

بس بنتِ رسولؐ دو جہاں بھی یہی کرتی
جو تم نے کیا بھائی سے ماں بھی یہی کرتی

زینبؑ نے کہا مجھ سے نہ کچھ ہو سکا بھائی
شرمندہ ہوں کچھ آپ کے میں کام نہ آئی

بیٹوں کو فدا کر کے بھی تسکیں نہیں پائی
میری کہاں دولت کہاں زہراؑ کی کمائی

غم کھاتی ہے اور خونِ جگر پیتی ہے زینبؑ
تم جاتے ہو مرنے کے لئے جیتی ہے زینبؑ

ہوتے جو محمدؐ تمہیں آفت سے بچاتے
آنچ آتی جو کچھ تم پہ گلا اپنا کٹاتے

دم اُن کا نکل جاتا جو تم مرنے کو جاتے
تلواریں علیؑ کھاتے حسنؑ برچھیاں کھاتے

بے حکم چلوں میں بھی بہن جا نہیں سکتی
زندہ ہے تو کس کام کی کام آ نہیں سکتی

دو اتنی اجازت کہ بہن بھی چلے ہمراہ
تنہائی ہے ایسی کہ کوئی ساتھ نہیں آہ

اوجھل ہوئے گر آنکھوں سے تم اے شہ ذی جاہ
سر پیٹ کے مرجائے گی بنتِ اسداللہ

کرتے تم ارادہ ہو مجھے چھوڑ کے رن کا
دُنیا میں سوا آپ کے ہے کون بہن کا

حضرتؑ نے کہا کیا کروں گر مرنے نہ جاؤں
باز آیا میں جینے سے نہ کیوں ہاتھ اُٹھاؤں
بیکس ہوا قوت بہ خدا کم ہوئی میری
ہم جیتے ہیں اکبرؑ ہوئے جنّت کے مسافر
باطن میں تو مردہ ہیں جیئے گو کہ بظاہر
انساں کی بہ جز مرگ رہائی نہیں ہوتی
جو زندہ ہے اک دن ہے جہاں سے اُسے جانا
دیکھو تو نہ امّاں ہیں نہ بابا ہیں نہ نانا
دیکھا نہیں کیا صبر بتولِؑ عذرا کو
سر پیٹ کے تب کہنے لگی دخترِ زہرؑا
کچھ مجھ کو وصیت تو کرو صدقے ہو بھینا
تربت پہ رہوں آپ کی جاروب کشی کو
سب مر چکے قاسمؑ ہیں نہ عباسؑ نہ اکبرؑ
پینے کو تو پانی نہیں دیتے ہیں ستمگر
ہے کون جو فکرِ کفن و گور کرے گا
ہو حکم تو میں لاش پہ سر پیٹتی جاؤں
تیّار کروں قبر کو تابوت بناؤں
اعدا سے کہوں سہ چکے دُکھ تشنہ لبی کے
شہؑ نے کہا اس بات کا غم کھاؤ نہ زینبؑ
مر جانے سے ہے کام کفن سے نہیں مطلب
ہوئے یہ ستم دوشِ محمدؐ کے مکیں پر
اور اس کے سوا اک یہ ستم ہووے گا مجھ پر
خیمے کو جلا دیں گے لُٹے گا زر و زیور
آغوشِ لحد میں ہمیں سونا نہ ملے گا
گم ہو گئے جو ساتھ تھے کیوں کر اُنھیں پاؤں
غم کھانے سے بہتر ہے جو میں برچھیاں کھاؤں
عباسؑ کے مرنے سے کمر خم ہوئی میری
آخر ہوئے وہ کیا کہ ہمیں ہو گئے آخر
تنہا ہمیں جانے دو خدا حافظ و ناصر
کیا بھائی سے بہنوں کی جدائی نہیں ہوتی
پہلے کوئی اور کوئی ہوا بعد روانا
واں جاتے ہیں جب مُلک سے پھر کر نہیں آنا
بس ہم کو بھُلا دو کرو اب یاد خدا کو
پردیس میں تم چھوڑے مجھے جاؤ نہ بھیّا
بعد آپ کے جیتی رہے زینبؑ تو کرے کیا
یا جاؤں وطن لے کے میں ناموسِ نبیؐ کو
عابدؑ ہے سو بیمار ہے وہ بیکس و مضطر
کس طرح تمھیں غسل بھلا ہو گا میسّر
مظلوم ہو تربت میں تمھیں کون دھرے گا
زہرؑا کی ردا آپ کے لاشے پہ اُڑھاؤں
پانی کی گدائی کے لئے نہر پہ جاؤں
اب غسل تو دینے دو نواسے کو نبیؐ کے
پانی نہ ملا جس کو اُسے غسل ملے کب
تقدیر میں لکھا ہے کہ سر تن سے کٹے جب
چالیسویں تک لاش رہی جلتی زمیں پر
گھوڑوں سے مری لاش کو روندیں گے ستمگر
تم قید میں جاؤ گی سوئے شام کھُلے سر
لاشے پہ ہمارے تمھیں رونا نہ ملے گا

اور تم سے بہن اب یہ وصیت ہے ہماری
کیجو نہ مرے بعد بہت گریہ و زاری
ہر دم کلمہ شکر کا لب پر رہے جاری
خوش ہوتا ہے صابر سے بہت ایزدِ باری
تم واقفِ سر رشتہ تسلیم رضا ہو
منھ ڈھانپ لو بالوں سے جو سر پہ نہ ردا ہو

رسّی سے بندھیں بازو تو کچھ کیجو نہ شکوہ
حال اس کا بہن تم پہ قیامت میں کھلے گا
معلوم ہے امّاں پہ جو کچھ حادثہ گزرا
بابا کا گلا رسّی سے بندھتے ہوئے دیکھا
تقسیم صعوبات میں حصّہ ہے تمہارا
بیٹی ہو ید اللہ کی یہ ورثہ ہے تمہارا

کیا کیا کہوں دل میرا ابھرا آتا ہے اس آن
ہر چند کہ ہر بندے کا خالق ہے نگہباں
پر جانتی ہو تم کہ سکینہؑ ہے مری جاں
کم سن ہے مرے بعد بہت اس کا رہے دھیان
ممکن نہیں پھر اب جو مجھے پائے سکینہؑ
میں اس سے چھٹا مجھ سے چھٹی ہائے سکینہؑ

روتا ہوا زینبؑ اسے ہوں چھوڑ کے آیا
اس عمر میں دو روز سے پانی نہیں پایا
چھاتی پہ جسے تین برس تک ہے سلایا
تقدیر نے آج اس سے ہمیں ہم کو چھڑایا
چھاتی مری سونے کے لئے پائے گی کیوں کر
زنداں میں اسے خاک پہ نیند آئے گی کیوں کر

زینبؑ یہ وصیت مری دل سے نہ بھلانا
بھائی کے عوض تم اسے چھاتی سے لگانا
گھر جلنے لگے جب تو کہیں اس کو چھپانا
معصوم کو ظالم کے طمانچوں سے بچانا
نازک ہے وہ جاں اس کی نکل جائے گی تن سے
وہ ننھی سی گردن کوئی باندھے نہ رسن سے

جب کر چکے بیٹی کی سفارش شہؑ والا
گردن کو جھکا کر کہا زینبؑ سے کہ بھینا
اک اور وصیت ہے مگر کہہ نہیں سکتا
زینبؑ نے کہا صدقے بہن کہئے وہ ہے کیا
کچھ قید کا بھی غم نہیں دکھ درد بھروں گی
میں تابعِ فرماں ہوں کہو گے سو کروں گی

ہمشیر سے فرمانے لگے رو کے یہ سرورؑ
گھوڑے سے میں غش کھا کے گروں گا جو زمیں پر
چھاتی پہ چڑھے گا مرے تب شمر ستمگر
اور ہاتھ میں ہووے گا چمکتا ہوا خنجر
اس دم درِ خیمہ سے سرک جائیو زینبؑ
سر ننگے نہ لاشے پہ چلی آئیو زینبؑ

خالق نے بنایا ہے تمہیں صاحبِ توقیر
سر ننگے اگر خیمے سے تم نکلو گی ہمشیر
دشمن یہ کہیں گے ہے یہی خواہرِ شبیرؑ
بھینا میں تڑپ جاؤں گا اس دم تہِ شمشیر
مصروفِ دعا ہوں گا میں جب حلق کٹے گا
رونے کی صدا سن کے مرا دھیان بٹے گا

وہ وقت ہے ایسا کہ عبادت میں بسر ہو — جز جلوۂ معشوق نہ کچھ پیش نظر ہو
اُمّت کی دُعا لب پہ ہو اور سجدے میں سر ہو — کب حلق کٹا تیغ سے یہ بھی نہ خبر ہو
سب بھولا ہوں معنی یہ ہیں تسلیم و رضا کے — اپنی بھی نہ ہو یاد سوا یادِ خدا کے

زینبؑ سے یہ کہہ کر ہوئے رخصت شہِ ذی جاہ — مُنہ پیٹتی خیمے میں گئی بنت ید اللہ
پہونچے شہِ بے کس جو قریبِ صفِ جنگاہ — تھا فاطمہؑ کی روح سوا کوئی نہ ہمراہ
تھی دھوپ کڑی سامنا تھا فوجِ ستم کا — نہ ساتھ علمدار نہ سایہ تھا علم کا

تھے تیغوں سے ٹکڑے کہیں قاسمؑ کہیں اکبرؑ — بے دست پڑے تھے کہیں عباسِؑ دلاور
بے جاں تھے کہیں زینبِؑ مظلوم کے دلبر — سوتے تھے کہیں حلق کٹائے علی اصغرؑ
اُن سب کی طرف شاہ بحسرت نگراں تھے — واں زخموں سے خوں بہتا تھا یاں اشک رواں تھے

قاسمؑ کے الم سے ہمہ تن ضعف تھے مولاؑ — عباسؑ کے غم سے نہ ہوا جاتا تھا سیدھا
ہجرِ علی اکبرؑ سے عجب حال تھا دل کا — مجروح تھا تیرِ علی اصغرؑ کا کلیجا
حضرتؑ پہ کئی غم کے فلک ٹوٹ پڑے تھے — اُس پر بہ خوشی برچھیاں کھانے کو کھڑے تھے

اک سمت سے کھینچے ہوئے تلواریں ستمگار — اک سمت سے اُمڈے چلے آتے تھے کماندار
نقارۂ رومی پہ لگی چوب جو یک بار — سب فاطمہؑ کے لال پہ چلنے لگے ہتھیار
پر قتل میں اعدا کے نہ کد کرتے تھے شبیرؑ — کس خوبی سے ہر وار کو رد کرتے تھے شبیرؑ

فرماتے تھے دیکھو مجھے اتنا نہ ستاؤ — تلواریں نہ مارو مجھے نیزے نہ لگاؤ
کیوں آتے ہو منہ پر مری شمشیر کے جاؤ — میں ابن علیؑ ہوں مجھے غصّہ نہ دلاؤ
واللہ عداوت مجھے اصلاً نہیں تم سے — بیٹوں کے بھی کچھ خون کا دعویٰ نہیں تم سے

بے جرم دیے داغ عزیزاں مجھے ہر چند — پر یہ نہ سمجھنا کہ میں ہوں تم سے گلہ مند
خاصانِ خدا رہتے ہیں ہر حال میں خرسند — بیٹے مرے مارے گئے تم ہو مرے فرزند
اچھا کیا بہتر کیا جو بے ادبی کی — میں غیر سمجھتا نہیں اُمّت ہو نبیؐ کی

حضرتؑ کا تو یہ حال تھا وہ مارتے تھے تیر — لگتا تھا جہاں تیر وہیں پڑتی تھی شمشیر
شمشیر کے زخموں پہ لگے خنجرِ بے پیر — بہتا تھا لہو حال ہوا جاتا تھا تغیر
کیا رحم تھا کچھ منہ سے نہ فرماتے تھے حضرتؑ — قبضے کی طرف دیکھ کے رہ جاتے تھے حضرتؑ

تب عرض یہ کی تیغِ علیؑ نے بہ سماعت
للہ کمر سے مجھے اب کھینچیے حضرت
شہؑ نے کہا یہ فوج مرے سامنے کیا ہے
ہاتف کی ندا آئی یہ افلاک سے اُس دم
شاید تجھے مجبور سمجھتے ہیں یہ اظلم
اس بھوک میں اور پیاس میں طاقت بھی دکھاؤ
یہ سُن کے جلال آگیا دلبند نبیؐ کو
چمکی جو وہ بجلی نہ رہی تاب کسی کو
تلوار کھنچی شاہؑ کی آفت ہوئی برپا
یہ ذکر تھا جو فوج میں شبیرؑ در آئے
اس صف پہ کبھی اور کبھی اُس غول پہ آئے
جب ہاتھ اُٹھا پہونچی چمک چرخ بریں پر
پیکار کو آیا کوئی گر صف سے نکل کر
تلوار پڑی جب یہ وہ اُٹھا نہ سنبھل کر
دیکھا جسے غصے میں جگر پھٹ گیا اُس کا
کس سے برشِ تیغ کی تعریف بیاں ہو
وہ آب کہ کٹ جائے اگر کوہ گراں ہو
دشمن کو پناہ اس سے کہیں ہے نہ مفر ہے
کیا اسپِ فلک سیر کی سرعت کا لکھوں حال
تھے حور کی کاکل کی طرح مشک فشاں بال
سائے سے بھی کچھ آگے بوقت تک و دو تھا
جب تیغ سے تیروں کو قلم کرتے تھے شبیرؑ
لے کر کے اُنھیں پھیرتے جب رُخ شہِ دلگیر
سیماب کی صورت نہ قرار اُس کو کہیں تھا

کب تک اُنھیں دکھلاؤ گے مظلومی و غربت
جوہر مرے دکھلائیے اور اپنی شجاعت
پر ابنِ علیؑ منتظرِ حکمِ خدا ہے
یہ صبر بھی شبیرؑ شجاعت سے نہیں کم
مجبور وہ کب ہو جسے مختار کریں ہم
مظلومی دکھائی تو شجاعت بھی دکھاؤ
چوما بہ ادب قبضۂ شمشیرِ علیؑ کو
گھبرا کے پکارے عمرِ سعدِ شقی کو
شبیرؑ کو غیظ آیا قیامت ہوئی برپا
ہر وار ہر اک ضرب میں بے سر نظر آئے
اعدا پہ خدا کا غضب آیا جدھر آئے
جب فرق پہ بیٹھی تو گری برق زمیں پر
وہ سرد ہوا آتشِ شمشیر سے جل کر
مر مر گئے اُس شیر کے نعروں سے دہل کر
لڑنے کو بڑھے جس سے لہو گھٹ گیا اُس کا
جوہر وہی کھولے جو کوئی سیف زباں ہو
اک دم میں ابھی خون کا دریا جو رواں ہو
گر تاب میں ہے فتح تو قبضے میں ظفر ہے
میداں میں وہ تھا گرم عناں برق کی تمثال
پہونچے نہ صبا اُس کے کبھی گرد کے دنبال
سم بدر تھے ہر نعل درخشاں مہِ نو تھا
جاتا تھا اشارے میں کمانداروں پہ جوں تیر
آتا تھا پیادوں پہ سواروں کی صفیں چیر
کرتے تھے جہاں قصد شہِ دیں یہ وہیں تھا

دو روز سے تھا راکبِ رہوار کو فاقہ
حضرتؑ کو تھا غم گھوڑے کا گھوڑے کو غمِ آقا
روتے تھے وفاداری پہ اُس کی شہِؑ والا
شبیرؑ کا مُنھ دیکھ کے رو دیتا تھا گھوڑا
چمکار کے شاباش اسے فرماتے تھے حضرتؑ
کس پیار سے گردن سے لپٹ جاتے تھے حضرتؑ

فرماتے تھے گھوڑے سے بصد گریہ و زاری
کی بھوک میں اور پیاس میں تو نے مری یاری
کل ہوں گے نہ رخصت ہے بس اب تجھ سے ہماری
آج آخری یہ ہے ترے آقا کی سواری
خوش ہو تو کہ رتبہ ترے راکب کا بڑھے گا
سر تن سے جو اُترے گا تو نیزے پہ چڑھے گا

وہ کہتا تھا میں آپ کی مظلومی کے صدقے
غم یہ ہے کہ آپ آج جدا ہوتے ہیں مجھ سے
پر بھول نہ جانا مجھے تب شاہؑ یہ بولے
کیا مجھ کو وفادار سمجھتا نہیں گھوڑے
مر کر بھی نہ مجھ کو ترے بن چین پڑے گا
فردوس میں بھی تو ہی سواری مری دے گا

گھوڑے سے یہ کہتے تھے کہ پھر فوج نے گھیرا
مُنھ سیّدِ بے کس نے ہزاروں سے نہ پھیرا
پر ضعف سے آنکھوں تلے آتا تھا اندھیرا
دل کہتا تھا اب حال بہت غیر ہے میرا
اُس وقت بھی حیدرؑ کی طرح لڑتے تھے شبیرؑ
جو روکتا تھا شیر سے جا پڑتے تھے شبیرؑ

یہ قاعدہ ہے کھاتا ہے نیزہ کوئی یا تیر
وہ باندھنے کی زخموں کے کچھ کرتا ہے تدبیر
مجروح تھے سر تا بہ قدم حضرتِ شبیرؑ
تو بھی اُسی قوت سے چلی جاتی ہے شمشیر
جب وار لگاتے تھے کسی دشمنِ دیں پر
اُڑ اُڑ کے لہو زخموں سے گرتا تھا زمیں پر

آخر تنِ نازک پہ لگیں برچھیاں کاری
جھک جھک گئے اور گھوڑے پہ سنبھلے کئی باری
کی عرض یہ گھوڑے نے کہ اے عاشقِ باری
خیمے کی طرف لے چلوں حضرتؑ کی سواری
فرمایا اگر تیغ سے ہر بند کٹے گا
فرزندِ علیؑ کھیت سے پیچھے نہ ہٹے گا

موقع نہیں اس وقت جو میں خیمے میں جاؤں
کیا خون بھری مشک سکینہؑ کو دکھاؤں
غم دیدہ ہے زینبؑ اُسے کیا اور رُلاؤں
بانو سے میں کیوں کر تنِ مجروح چھپاؤں
بیٹی ہے نہ بیٹا ہے نہ کچھ گھر سے غرض ہے
اب کام ہے اللہ سے خنجر سے غرض ہے

اس وقت مگر دل میں یہ حسرت ہے ہمارے
زخمی ہیں زمیں پر کوئی آہستہ اتارے
سجدہ کریں خالق کو کہ اب جاتے ہیں مارے
پر تھے جو مددگار وہ دنیا سے سدھارے
اب ہیں وہ ماں گودیوں میں جن کی پلے ہیں
کس عالمِ تنہائی میں دنیا سے چلے ہیں

دہنے سے محمدؐ کی صدا آئی کہ پیارے
اور بائیں طرف سے اسداللہ پکارے
تو غش میں جو سر ہرنے پہ نہوڑائے ہے بیٹا!
آواز بتول آئی کہ اے فاطمہؑ کی جاں
گھوڑے پہ جو تم جھومتے ہو خوں میں غلطاں
ماتم میں گریبان کفن پھاڑ چکی ہوں
تنہائی سے کیوں گرتے ہو حاضر ہے یہ مادر
آوے گا لعیں پھیرنے جب حلق پہ خنجر
چہلم تلک اس بن میں رہوں گی مرے پیارے
یہ سنتے ہی حضرت کے لگا تیر جبیں پر
تلواریں چلیں دوش محمدؐ کے مکیں پر
سینے پہ چڑھا سبط رسولؐ عربی کے
خاموش انیسؔ اب کہ پڑا بزم میں کہرام
کردے مرے مولا کی زیارت کا سرانجام
جس روز میں داخل ہوں رواق شہِ دیں میں

یہ نانا کھڑا روتا ہے پہلو میں تمہارے
صدقے ترے اے فاطمہؑ کے راج دلارے
لینے کو پدر ہاتھوں کو پھیلائے ہے بیٹا!
یہ دکھ زدی مادر تری مظلومی کے قرباں
ہاتھوں سے ترے بازوؤں کو تھامے ہے اماں
میں بالوں سے مقتل کی زمیں جھاڑ چکی ہوں
ہرنے سے اٹھاؤ مرے کاندھے پہ رکھو سر
میں خاک پہ بیٹھوں گی تمہیں گود میں لے کر
چوکی ترے لاشے کی میں دوں گی مرے پیارے
یوں آکے سر زیں سے گرے روئے زمیں پر
آمادہ ہوا شمر بھی قتل شہؑ دیں پر
خنجر سے کیا ذبح نواسے کو نبیؐ کے
کر حق سے دعا یہ بہ حسینؑ ذوی الاکرام
آغاز ہوا جو ہوا بہتر ہو پر انجام
اس روز یہ سمجھوں کہ گیا خلد بریں میں

تمام شد

سرزمین پاک و ہند میں تحریک احیاء دین کی مکمل سرگذشت !

سیّد احمد شہید

مولانا غلام رسول مہر

سائز: ۲۰ × ۲۶ / ۸

صفحات ۹۰۰

قیمت: بارہ روپے

فاضل مصنّف کی بست سالہ تحقیق و جستجو اور محنت شاقہ کا شاہکار مجاہد کبیر حضرت سیّد احمد بریلوی کے سوانح حیات جس کا مطالعہ ہمارے لیے نہ صرف غور و فکر کی راہیں کھولتا ہے اس میں مسلمانوں کی اس جد و جہد کے خطوط بھی ملتے ہیں جن کی صداقت کے چہرے پر "غلطی ہائے مضامین" کا غبار ہے۔ دین و سیاست کے معرکہ کی یادگار۔ اس برصغیر میں اسلام اور مسلمانوں کو سمجھنے کے لیے اہم دستاویز اُردو میں آج تک ایسی اہم تاریخی کتاب غالباً کوئی نہیں نقشوں سے مزین، مجلّد

سیرت و کردار کی تعمیر کے عملی نمونے

زندگی کے نمونے

از

ابو یحییٰ امام خان نوشہروی

سائز: ۲۰ × ۳۰ / ۱۶

صفحات :-

قیمت : ایک روپیہ آٹھ آنے

زندگی کے نمونے میں دنیا کی ان عظیم ترین شخصیات کی زندگیوں کے نمونے پیش کیے گئے ہیں جن میں صحابہ کرامؓ، آئمہ دین، بزرگان دین، خلفائے راشدین اور اولیائے کرام کی زندگیوں کے "نمونے" پیش کیے گئے ہیں جو چشم بینا کے لیے حد درجہ بصیرت افروز ہیں اور جو معلومات کا ایک ایسا بیش بہا سرچشمہ ہیں کہ تشنگان علم و ادب اپنی پوری پیاس پوری طرح فرد کر سکیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ، امام شافعی رحمۃ اللہ، امام مالک رحمۃ اللہ اور امام احمد بن حنبل کے مستند سوانح

سیرِ آئمہ اربعہ

مصنفہ

سائز: ۱۸ × ۲۲ / ۸

صفحات :-

قیمت :-

سات روپے آٹھ آنے

فقہ اسلامی چار ستونوں پر قائم ہے یعنی حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ انہی آئمہ اربعہ کے اجتہادات اور مجتہدات اور تفقہ نے فقہ اسلامی کے چار مسلک قائم کیے ہیں لیکن کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ہم ان آئمہ کی پیروی تو کرتے ہیں لیکن ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ ان حضرات کی زندگی کیا تھی؟ کردار اور سیرت کا کیا عالم تھا؟ ذہن و دماغ کی بلندی کہاں تک پہنچی ہوئی تھی؟ پایۂ اجتہاد و تفقہ کیا تھا؟ رئیس احمد جعفری نے ان آئمہ کے مکمل و مستند احوال و سوانح اس مجموعہ میں درج کر دیے ہیں۔ ان کا مطالعہ آپ کو فقہ اسلامی کی حقیقت و حیثیت اور عظمت سے روشناس کرے گا۔ ساتھ ہی ساتھ آئمہ تفقہ کے احوال و سوانح سے بھی آپ کو مکمل واقفیت حاصل ہو جائے گی۔

(ہر کتاب مجلد، خوبصورت، رنگین ڈسٹ کور سے مزین اور گٹ اپ معیاری ہے)

مولانا سیّد غوث علی شاہ قلندر پانی پتی کے حالات ملفوظات طیبات

تذکرۂ غوثیہ

مصنفہ

مولوی شاہ گل حسن

سائز: ۲۰ × ۲۶ / ۸

صفحات :- ۵۰۰

قیمت

بلا جلد پانچ روپے

تذکرۂ غوثیہ، نہایت مشہور و مقبول کتاب ہے، اس کی دلچسپی اور پسندیدگی کا یہ ثبوت کافی ہے کہ اب تک اس کے چھ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے اس میں مولانا سیّد غوث شاہ قلندر پانی پتی قدس سرہ کے حالات اور ملفوظات طیبات درج ہیں۔ اس کتاب میں جو خاندانی حالات تعلیم و تربیت سیاحت و ارشادات توحید کا بیان گرامی پر مشتمل ہیں۔ کتابت و طباعت اعلیٰ۔ انشاء اللہ آپ اس کو بے حد دلچسپ اور انوکھی پیش کش پائیں۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی نئی معرکتہ الآرا تصنیف

اللہ کی عادت

مصنفہ : ڈاکٹر غلام جیلانی برق

سائز: ۲۰ × ۳۰ / ۱۶ صفحات ۳۰۰

مجلد قیمت : چار روپے

اقوام کے عروج و زوال، افراد کی فلاح و مسرت اہل کاروں، دفتروں، درباروں دوکانداروں اور کارخانہ داروں کی نجات و ہلاکت کائنات کے اہم ترین مسائل

شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران و ناشران کتب کشمیری بازار لاہور۔ بندر روڈ کراچی